سلسلۂ نصاب تعلیمِ جامعۂ عثمانیہ

تاریخ اہلِ انگلستان

جلد دوم

یعنی

جان رچرڈ گرین کی "اے شارٹ ہسٹری آف دی انگلش پیپل" کا اردو ترجمہ

انٹرمیڈیٹ کے لئے

مترجمہ

قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے

رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ

جامعہ عثمانیہ

سنہ ۱۳۳۹ ہجری م سنہ ۱۳۳۰ ف م سنہ ۱۹۲۱ء

مطبوعۂ دار الطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب میکملن کمپنی کی اجازت سے
جن کو حقوق کاپی رائٹ حاصل ہیں
طبع کی گئی ہے

مُقَدَّمَہ

دنیا میں ہر قوم کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ آتا ہے جب کہ اُس کے قوائے ذہنی میں انحطاط کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، ایجاد و اختراع اور غور و فکر کا مادّہ تقریباً مفقود ہو جاتا ہے، تخیل کی پرواز اور نظر کی جولانی تنگ اور محدود ہو جاتی ہے، علم کا دار و مدار چند رسمی باتوں اور تقلید پر رہ جاتا ہے۔ اُس وقت قوم یا تو بیکار اور مردہ ہو جاتی ہے یا سنبھلنے کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ دوسری ترقی یافتہ اقوام کا اثر قبول کرے۔ تاریخ عالم کے ہر دَور میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خود ہمارے دیکھتے دیکھتے جاپان پر یہی گذری اور یہی حالت اب ہندوستان کی ہے۔

جس طرح کوئی شخص دوسرے بنی نوع انسان سے قطعِ تعلق کرکے تنہا اور الگ تھلگ نہیں رہ سکتا اور اگر رہے تو پنپ

نہیں سکتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی قوم دیگر اقوام عالم سے بے نیاز ہو کر پھولے پھلے اور ترقی پائے۔ جس طرح ہوا کے جھونکے اور ادنیٰ پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کے اثر سے وہ مقامات تک ہرے بھرے رہتے ہیں جہاں انسان کی دسترس نہیں اسی طرح انسانوں اور قوموں کے اثر بھی ایک دوسرے تک اڑ کر پہنچتے ہیں۔ جس طرح یونان کا اثر روم اور دیگر اقوام یورپ پر پڑا جس طرح عرب نے عجم کو اور عجم نے عرب کو اپنا فیض پہنچایا' جس طرح اسلام نے یورپ میں تاریکی اور جہالت کو مٹا کر علم کی روشنی پہنچائی اسی طرح آج ہم بھی بہت سی باتوں میں مغرب کے محتاج ہیں۔ یہ قانون عالم ہے جو یوں ہی جاری رہا اور جاری رہیگا۔

"دئے سے دیا یوں ہی جلتا رہا ہے"

جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ آگے قدم بڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں پہلی منزل ترجمہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب قوم میں جدت اور اپج نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی تصانیف معمولی' ادھوری' کم مایہ اور ادنیٰ ہونگی۔ اُس وقت قوم کی بڑی خدمت یہی ہے کہ ترجمہ کے ذریعہ سے دنیا کی اعلیٰ درجہ کی تصانیف اپنی زبان میں لائی جائیں۔ یہی ترجمے خیالات میں تغیر اور معلومات میں اضافہ کریں گے' جمود کو توڑیں گے اور قوم میں ایک نئی حرکت پیدا کریں گے اور پھر آخر یہی ترجمے تصنیف وتالیف

کے جدید اسلوب اور ڈھنگ سُجھائیں گے۔ ایسے وقت میں ترجمہ تصنیف سے زیادہ قابل قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر جب عثمانیہ یونیورسٹی کی تجویز پیش ہوئی تو ہز اکزالٹڈ ہائینس رستم دوراں ارسطوئے زماں سپہ سالار آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ جی۔سی۔اس۔آئی۔جی۔سی۔بی۔ای۔والی حیدرآباد دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ نے جن کی علمی قدر دانی اور علمی سرپرستی اس زمانہ میں احیائے علوم کے حق میں آب حیات کا کام کر رہی ہے، بہ تقاضائے مصلحت و دور بینی سب سے اول سررشتۂ تالیف و ترجمہ کے قیام کی منظوری عطا فرمائی جو نہ صرف یونیورسٹی کے لئے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کریگا بلکہ ملک میں نشر و اشاعتِ علوم و فنون کا کام بھی انجام دیگا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی یہ کام ہندوستان کے مختلف مقامات میں تھوڑا تھوڑا انجام پایا مثلاً فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زیر نگرانی ڈاکٹر گلکرسٹ، دہلی سوسائٹی میں، انجمن پنجاب میں زیر نگرانی ڈاکٹر لائٹنر و کرنل ہالرائڈ، علی گڑھ سائنٹفک انسٹیوٹ میں جس کی بنا سر سیّد احمد خاں مرحوم نے ڈالی۔ مگر یہ کوششیں سب وقتی اور عارضی تھیں۔ نہ انکے پاس کافی سرمایہ اور سامان تھا نہ انہیں یہ موقع حاصل تھا

اور نہ انہیں اعلیٰحضرت و اقدس جیسے علم پرور فرمانروا کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا۔ یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو علوم و فنون سے مالا مال کرنے کے لئے باقاعدہ اور مستقل کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو یہ رتبہ ملا ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار پائی ہے۔ احیائے علوم کے لئے جو کام آگسٹس نے رومہ میں، خلافت عباسیہ میں ہارون الرشید و مامون الرشید نے ہسپانیہ میں عبدالرحمٰن ثالث نے، بکرماجیت و اکبر نے ہندوستان میں، الفرڈ نے انگلستان میں، پیٹر اعظم و کیتھرائن نے روس میں اور مُت شی ہٹو نے جاپان میں کیا، وہی فرمانروائے دولت آصفیہ نے اس ملک کے لئے کیا۔ اعلیٰحضرت واقدس کا یہ کارنامہ ہندوستان کی علمی تاریخ میں ہمیشہ فخر و مباہات کے ساتھ ذکر کیا جائیگا۔

منجملہ اُن اسباب کے جو قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں ایک بڑا سبب زبان کی تکمیل ہے۔ جس قدر جو قوم زیادہ ترقی یافتہ ہے اُسی قدر اُس کی زبان وسیع اور اس میں نازک خیالات اور علمی مطالب کے ادا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے، اور جس قدر جس قوم کی زبان محدود ہوتی ہے اُسی قدر تہذیب و شایستگی بلکہ انسانیت میں اس کا درجہ کم ہوتا ہے۔ چنانچہ وحشی اقوام میں الفاظ کا ذخیرہ بہت ہی کم پایا گیا ہے۔ علمائے فلسفہ و علم اللسان نے یہ ثابت کیا ہے کہ زبان، خیال اور

خیال، زبان ہے اور ایک مدت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسانی دماغ کے صحیح تاریخی ارتقا کا علم' زبان کی تاریخ کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ الفاظ ہمیں سوچنے میں ویسی ہی مدد دیتے ہیں جیسی آنکھیں دیکھنے میں۔ اس لئے زبان کی ترقی درحقیقت عقل کی ترقی ہے۔

علمِ ادب اسی قدر وسیع ہے جس قدر حیاتِ انسانی۔ اور اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر پڑتا ہے۔ وہ نہ صرف انسان کی ذہنی، معاشرتی، سیاسی ترقی میں مدد دیتا' اور نظر میں وسعت' دماغ میں روشنی، دلوں میں حرکت اور خیالات میں تغیر پیدا کرتا ہے بلکہ قوموں کے بنانے میں ایک قوی آلہ ہے۔ قومیت کے لئے ہم خیالی شرط ہے اور ہم خیالی کے لئے ہم زبانی لازم۔ گویا یک زبانی قومیت کا شیرازہ ہے جو اسے منتشر ہونے سے بچائے رکھتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کہ مسلمان اقطاع عالم میں پھیلے ہوئے تھے لیکن اُن کے علمِ ادب اور زبان نے انہیں ہر جگہ ایک کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں انگریز ایک دنیا پر چھائے ہوئے ہیں لیکن باوجود بُعدِ مسافت و اختلافِ حالات یک زبانی کی بدولت قومیت کے ایک سلسلے میں منسلک ہیں، زبان میں جادو کا سا اثر ہے اور صرف افراد ہی پر نہیں بلکہ اقوام پر بھی اُس کا وہی تسلّط ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا صحیح اور فطرتی ذریعہ اپنی ہی زبان ہو سکتی ہے۔ اس امر کو **اعلیٰحضرت واقدس** نے

پہچانا اور جامعۂ عثمانیہ کی بنیاد ڈالی۔ جامعۂ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک ذریعۂ تعلیم ایک دیسی زبان ہوگا۔ اور یہ زبان اردو ہوگی۔ ایک ایسے ملک میں جہاں "بھانت بھانت کی بولیاں" بولی جاتی ہیں، جہاں ہر صوبہ ایک نیا عالم ہے، صرف اردو ہی ایک عام اور مشترک زبان ہو سکتی ہے۔ یہ اہل ہند کے میل جول سے پیدا ہوئی اور اب بھی یہی اس فرض کو انجام دیگی۔ یہ اس کے خمیر اور وضع و ترکیب میں ہے۔ اس لئے یہی تعلیم اور تبادلہ خیالات کا واسطہ بن سکتی اور قومی زبان کا دعوے کر سکتی ہے۔

جب تعلیم کا ذریعہ اردو قرار دیا گیا تو یہ کھلا اعتراض تھا کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کتابوں کا ذخیرہ کہاں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اردو میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ اس میں علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم ہو سکے۔ یہ صحیح ہے کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کافی ذخیرہ نہیں۔ اور اردو ہی پر کیا منحصر ہے، ہندوستان کی کسی زبان میں بھی نہیں۔ یہ طلب و رسد کا عام مسئلہ ہے۔ جب مانگ ہی نہ تھی تو رسد کہاں سے آتی۔ جب ضرورت ہی نہ تھی تو کتابیں کیونکر مہیا ہوتیں۔ ہماری اعلیٰ تعلیم غیر زبان میں ہوتی تھی، تو علوم و فنون کا ذخیرہ ہماری زبان میں کہاں سے آتا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اب ضرورت محسوس ہوئی ہے تو کتابیں بھی

مہیا ہو جائیں گی۔ اسی کمی کو پورا کرنے اور اسی ضرورت کو
رفع کرنے کے لئے سررشتۂ تالیف و ترجمہ قائم کیا گیا۔ یہ
صحیح نہیں ہے کہ اردو زبان میں اس کی صلاحیت نہیں۔
اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں. سررشتۂ
تالیف و ترجمہ کا وجود اس کا شافی جواب ہے۔ یہ سررشتہ
یہی کام کر رہا ہے۔ کتابیں تالیف و ترجمہ ہو رہی ہیں
اور چند روز میں عثمانیہ یونیورسٹی کالج کے طالب علموں
کے ہاتھوں میں ہونگی اور رفتہ رفتہ عام شائقینِ علم تک
پہنچ جائیں گی۔

لیکن اس میں سب سے کٹھن اور سنگلاخ مرحلہ وضع
اصطلاحات کا تھا۔ اس میں بہت کچھ اختلاف اور بحث
کی گنجائش ہے۔ اس بارے میں ایک مدت کے تجربہ اور
کامل غور و فکر اور مشورہ کے بعد میری یہ رائے قرار پائی
ہے کہ تنہا نہ تو ماہرِ علم صحیح طور سے اصطلاحات وضع کر سکتا
ہے اور نہ ماہرِ لسان۔ ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے۔ اور
ایک کی کمی دوسرا پورا کرتا ہے۔ اس لئے اس اہم کام کو صحیح طور
سے انجام دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں یک جا جمع کئے
جائیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے مشورہ اور مدد سے ایسی اصطلاحیں
بنائیں جو نہ اہل علم کو ناگوار ہوں نہ اہل زبان کو۔ چنانچہ اسی
اصول پر ہم نے وضع اصطلاحات کے لئے ایک ایسی مجلس بنائی
جس میں دونوں جماعتوں کے اصحاب شریک ہیں۔ علاوہ ان کے

ہم نے اُن اہلِ علم سے بھی مشورہ کیا جو اس کی خاص اہلیت رکھتے ہیں اور بُعدِ مسافت کی وجہ سے ہماری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض الفاظ غیر مانوس معلوم ہوں گے اور اہل زبان انہیں دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیں گے۔ لیکن اس سے گزیر نہیں۔ ہمیں بعض ایسے علوم سے واسطہ ہے جن کی ہوا تک ہماری زبان کو نہیں لگی۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے چارہ نہیں کہ جب ہماری زبان کے موجودہ الفاظ خاص خاص مفہوم کے ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ہم جدید الفاظ وضع کریں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم نے محض ٹالنے کے لئے زبردستی الفاظ گھڑ کر رکھ دئے ہیں، بلکہ جس نہج پر اب تک الفاظ بنتے چلے آئے ہیں اور جن اصولِ ترکیب و اشتقاق پر اب تک ہماری زبان کاربند رہی ہے، اس کی پوری پابندی ہم نے کی ہے۔ ہم نے اُس وقت تک کسی لفظ کے بنانے کی جرأت نہیں کی جب تک اُسی قسم کی متعدّد مثالیں ہمارے پیش نظر نہ رہی ہوں۔ ہماری رائے میں جدید الفاظ کے وضع کرنے کی اس سے بہتر اور صحیح کوئی صورت نہیں۔ اب اگر کوئی لفظ غیر مانوس یا اجنبی معلوم ہو تو اس میں ہمارا قصور نہیں۔ جو زبان زیادہ تر شعر و شاعری اور قصص تک محدود ہو، وہاں ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ جس ملک سے ایجاد و اختراع کا مادّہ سلب ہو گیا ہو جہاں لوگ نئی چیزوں کے بنانے اور دیکھنے کے عادی نہ ہوں، وہاں جدید الفاظ کا

غیر مانوس اور اجنبی معلوم ہونا موجب حیرت نہیں۔ الفاظ کی حالت بھی انسانوں کی سی ہے۔ اجنبی شخص بھی رفتہ رفتہ مانوس ہو جاتے ہیں۔ اول اول الفاظ کا بھی یہی حال ہے۔ استعمال آہستہ آہستہ غیر مانوس کو مانوس کر دیتا ہے اور صحت و غیر صحت کا فیصلہ زمانہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ لفظ تجویز کرتے وقت ہر پہلو پر کامل غور کرلیں، آئندہ چل کر اگر وہ استعمال اور زمانہ کی کسوٹی پر پورا اترا تو خود ٹکسالی ہو جائیگا اور اپنی جگہ آپ پیدا کرلیگا۔ علاوہ اس کے جو الفاظ پیش کئے گئے ہیں وہ الہامی نہیں کہ جن میں ردّ و بدل نہ ہو سکے، بلکہ فرہنگِ اصطلاحاتِ عثمانیہ جو زیر ترتیب ہے پہلے اس کا مسودہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا اس کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائے گا۔

لیکن ہماری مشکلات صرف اصطلاحاتِ علمیہ تک ہی محدود نہیں ہیں۔ ہمیں ایک ایسی زبان سے ترجمہ کرنا پڑتا ہے جو ہمارے لئے بالکل اجنبی ہے، اس میں اور ہماری زبان میں کسی قسم کا کوئی رشتہ یا تعلق نہیں۔ اس کا طرز بیان، ادائے مطلب کے اسلوب، محاورات وغیرہ بالکل جدا ہیں۔ جو الفاظ اور جملے انگریزی زبان میں بالکل معمولی اور روز مرہ کے استعمال میں آتے ہیں، اُن کا ترجمہ جب ہم اپنی زبان میں کرنے بیٹھتے ہیں تو سخت دشواری پیش آتی ہے۔ ان تمام دشواریوں پر

غالب آنے کے لئے مترجم کو کیسا کچھ خونِ جگر کھانا نہیں پڑتا۔ ترجمہ کا کام، جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے، کچھ آسان کام نہیں ہے۔ بہت خاک چھاننی پڑتی ہے تب کہیں گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے +

اس سررشتہ کا کام صرف یہی نہ ہوگا (اگرچہ یہ اس کا فرضِ اولین ہے) کہ وہ نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرے، بلکہ اس کے علاوہ وہ ہر علم پر متعدد اور کثرت سے کتابیں تالیف و ترجمہ کرائے گا، تاکہ لوگوں میں علم کا شوق بڑھے، ملک میں روشنی پھیلے، خیالات و قلوب پر اثر پیدا ہو، جہالت کا استیصال ہو۔ جہالت کے معنی اب لاعلمی ہی کے نہیں بلکہ اس میں افلاس، کم ہمتی، تنگ دلی، کوتہ نظری، بے غیرتی، بد اخلاقی سب کچھ آجاتا ہے۔ جہالت کا مقابلہ کرکے اسے پس پا کرنا سب سے بڑا کام ہے۔ انسانی دماغ کی ترقی علم کی ترقی ہے۔ انسانی ترقی کی تاریخ علم کی اشاعت و ترقی کی تاریخ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک انسان نے جو کچھ کیا ہے، اگر اس پر ایک وسیع نظر ڈالی جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا گیا، پچھلی غلطیوں کی صحت ہوتی گئی، تاریکی گھٹتی گئی، روشنی بڑھتی گئی، انسان میدانِ ترقی میں قدم آگے بڑھاتا گیا۔ اسی مقدس فرض کے ادا کرنے کے لئے یہ سررشتہ قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی بساط کے موافق اس کے انجام دینے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

لیکن غلطی، تحقیق و جستجو کی گھات میں لگی رہتی ہے۔ ادب کا

کامل ذوق سلیم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے نقّاد اور مبصّر فاش غلطیاں کر جاتے ہیں۔ لیکن اس سے ان کے کام پر حرف نہیں آتا۔ غلطی ترقی کے مانع نہیں ہے، بلکہ وہ صحت کی طرف رہنمائی کرتی ہے پچھلوں کی بھول چوک آنے والے مسافر کو رستہ بھٹکنے سے بچا دیتی ہے۔ ایک جاپانی ماہر تعلیم (بیرن کی کوچی) نے اپنے ملک کا تعلیمی حال لکھتے ہوئے اس صحیح کیفیت کا ذکر کیا ہے جو ہونہار اور ترقی کرنے والے افراد اور اقوام پر گزرتی ہے۔

"ہم نے بہت سے تجربے کئے اور بہت سی ناکامیاں اور غلطیاں ہوئیں، لیکن ہم نے ان سے نئے سبق سیکھے اور فائدہ اٹھایا۔ رفتہ رفتہ ہمیں اپنے ملک کی تعلیمی ضروریات اور امکانات کا صحیح اور بہتر علم ہوتا گیا اور ایسے تعلیمی طریقے معلوم ہوتے گئے جو ہمارے اہل وطن کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ ابھی بہت سے ایسے مسائل ہیں جو ہمیں حل کرنے ہیں، بہت سی ایسی اصلاحیں ہیں جو ہمیں عمل میں لانی ہیں، ہم نے اب تک کوشش کی اور ابھی کوشش کر رہے ہیں اور مختلف طریقوں کی برائیاں اور بھلائیاں دریافت کرنے کے درپے ہیں، تاکہ اپنے ملک کے فائدے کے لئے اچھی باتوں کو اختیار کریں اور رواج دیں اور برائیوں سے بچیں۔"

اس لئے جو حضرات ہمارے کام پر تنقیدی نظر ڈالیں انہیں وقت کی تنگی، کام کا ہجوم اور اس کی اہمیت اور ہماری مشکلات پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ یہ پہلی سعی ہے اور پہلی سعی میں کچھ نہ کچھ خامیاں

ضرور رہ جاتی ہیں، لیکن آگے چل کر یہی خامیاں ہماری رہنما بنیں گی اور پختگی اور اصلاح تک پہنچائیں گی۔ یہ نقش اول ہے، نقش ثانی اس سے بہتر ہوگا۔ ضرورت کا احساس علم کا شوق، حقیقت کی لگن، صحت کی ٹوہ، جد و جہد کی رسائی خود بخود ترقی کے مدارج طے کرلے گی۔

جاپانی بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیس چالیس سال کے عرصے میں وہ کچھ کر دکھایا جس کے انجام دینے میں یورپ کو اتنی ہی صدیاں صرف کرنی پڑیں۔ کیا کوئی دن ایسا آئے گا کہ ہم بھی یہ کہنے کے قابل ہوں گے؟ ہم نے پہلی شرط پوری کردی ہے یعنی بیجا قیود سے آزاد ہو کر اپنی زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لوگ ابھی ہمارے کام کو تذبذب کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ہماری زبان کی قابلیت کی طرف مشتبہ نظریں ڈال رہے ہیں۔ لیکن وہ دن آنے والا ہے کہ اس ذرّے کا بھی ستارہ چمکے گا، یہ زبان علم و حکمت سے مالا مال ہوگی اور **اعلیحضرت واقدس** کی نظر کیمیا اثر کی بدولت یہ دنیا کی مہذب و شایستہ زبانوں کی ہمسری کا دعوے کرے گی۔ اگرچہ اُس وقت ہماری سعی اور محنت حقیر معلوم ہوگی، مگر یہی شامِ غربت صبح وطن کی آمد کی خبر دے رہی ہے، یہی شب بیداریاں روزِ روشن کا جلوہ دکھائیں گی، اور یہی مشقت اُس قصرِ رفیع الشان کی بنیاد ہوگی جو آئندہ تعمیر ہونے والا ہے۔ اس وقت ہمارا کام صبر و استقلال سے میدان صاف کرنا،

داغ بیل ڈالنا اور نیو کھودنا ہے، اور فرہادِ وار شیرینِ حکمت کی خاطر سنگلاخ پہاڑوں کو کھود کھود کر جوئے علم لانے کی سعی کرتا ہے۔ اور گو ہم نہ ہوں گے مگر ایک زمانہ آئیگا جب کہ اس میں علم و حکمت کے دریا بہیں گے اور ادبیات کی افتادہ زمین سرسبز و شاداب نظر آئے گی۔

آخر میں میں سررشتہ کے مترجمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنے فرض کو بڑی مستعدی اور شوق سے انجام دیا۔ نیز میں ارکانِ مجلسِ وضعِ اصطلاحات کا شکرگزار ہوں کہ اِن کے مفید مشورے اور تحقیق کی مدد سے یہ مشکل کام بخوبی انجام پا رہا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہ سررشتہ جناب مسٹر محمد اکبر حیدری بی۔ اے معتمد عدالت و تعلیمات و کوتوالی و امور عامّہ سرکارِعالی کا ممنون ہے جنھیں ابتدا سے قیام و انتظام جامعۂ عثمانیہ میں خاص انہاک رہا ہے۔ اور اگر ان کی توجہ اور امداد ہمارے شریکِ حال نہ ہوتی تو یہ عظیم الشان کام صورت پذیر نہ ہوتا۔ میں سید راس مسعود صاحب بی۔ اے (آکسن) آئی۔ اِی۔ ایس۔ ناظمِ تعلیمات سرکارِعالی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی توجہ اور عنایت ہمارے حال پر مبذول رہی اور ضرورت کے وقت ہمیشہ بلا تکلف خوشی کے ساتھ ہمیں مدد دی۔

عبدالحق

ناظمِ سررشتۂ تالیف و ترجمہ (عثمانیہ یونیورسٹی)

ارکانِ دار الترجمہ

مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے۔۔۔۔۔۔۔۔۔	ناظم۔
قاضی محمد حسین صاحب۔ایم۔اے۔رینگلر۔۔۔۔۔	مترجم ریاضیات
چودھری برکت علی صاحب بی۔ یس۔سی۔۔۔۔۔۔	مترجم سائینس
مولوی سید ہاشمی صاحب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	مترجم تاریخ۔
مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم۔اے۔۔۔۔۔	مترجم معاشیات
قاضی تلمذ حسین صاحب یم۔ اے۔۔۔۔۔۔۔	مترجم سیاسیات
مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔اے۔۔۔۔۔۔	مترجم تاریخ۔
مولوی عبدالماجد صاحب بی۔اے۔۔۔۔۔۔۔	مترجم فلسفہ و منطق
مولوی عبدالحلیم صاحب شرر۔۔۔۔۔۔۔۔	مولف تاریخ اسلام
مولوی سید علی رضا صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔	مترجم قانون۔
مولوی عبداللہ العمادی صاحب۔۔۔۔۔۔	مترجم کتب عربی

علاوہ ان مذکورۂ بالا مترجمین کے مولوی حاجی صفی الدین صاحب ترجمہ شدہ کتابوں کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے لئے اور نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طبا طبائی) ترجموں پر نظر ثانی کرنے کے لئے مقرر فرمائے گئے ہیں +

اردو مجلس وضع اصطلاحات

مولوی مرزا مہدی خاں صاحب کوکب وظیفہ یاب سرکار عالی (سابق ناظم مردم شماری)

مولوی حمید الدین صاحب بی۔اے صدر دارالعلوم

نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی)

مولوی وحید الدین صاحب سلیم

مولوی عبدالحق بی۔اے ناظم سررشتہ تالیف و ترجمہ

علاوہ ان مستقل ارکان کے، مترجمین سررشتہ تالیف و ترجمہ نیز دوسرے اصحاب سے بلحاظ اُنکے فن کے مشورہ کیا گیا۔ مثلاً

خان فضل محمد خانصاحب ایم۔اے رنگلر (پرنسپل سٹی ہائی اسکول حیدرآباد)

مولوی عبدالواسع صاحب (پروفیسر دارالعلوم حیدرآباد)

پروفیسر عبدالرحمٰن صاحب۔بی۔ایس۔سی (نظام کالج)

مرزا محمد ہادی صاحب۔بی۔اے (پروفیسر کرسچن کالج لکھنؤ)

مولوی سلیمان صاحب ندوی

سید راس مسعود صاحب بی۔اے (ناظم تعلیمات حیدرآباد) وغیرہ

فہرست

باب پنجم

جنگ صد سالہ

۱۳۳۶ — ۱۴۳۱

جزو اوّل

اڈورڈ سوم

۱۳۳۶ — ۱۳۶۰

اسناد۔ والٹر (ہمنبرہ یا ہمنفرڈ) کے وقایع کا آخری حصہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کی خبریں جس طرح مصنف کو پہنچتی گئیں وہ اسی طرح انہیں درج کرتا گیا۔ جنگ کریسی پر یہ وقایع ختم ہو جاتا ہے۔ ہرن نے رابرٹ ایوسبری کا ایک دوسرا بیان اسی زمانہ کا شایع کیا ہے جو ۱۳۵۶ء تک کا ہے۔ نائٹن (کینن لیسٹر) تیسرا شخص ہے جس کے مضمون ٹوسڈن کے مجموعہ میں ملینگے۔ اس صدی کے اختتام اور دوسری صدی کے

اوائل میں والسنگھم نے خانقاہ سنٹ البنز کے "اخبار" کو ہسٹوریا اینگلیکینا
تاریخ انگلشیہ Historia Anglicana کی شکل میں ڈھال دیا ہے۔
یہ تاریخ اسی کے نام سے مشہور ہے اور اس کی کیفیت تالیف وغیرہ سلسلۂ
صحائف" کے کرانیکا مونیسٹیرای سنٹ البینی (وقایع خانقاہ سنٹ البنز
Chronica Monasterii St. Albani کے دیباچوں میں ملے گی۔ رائمر
کی فڈیرا (Foedera) میں اسناد وغیرہ بہت کثرت سے دئے گئے
ہیں اور اس زمانے سے پارلیمنٹری رولز صحائف پارلیمنٹ Parliamentary
Rolls میں سیاسی و تمدنی اطلاعات کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔
خود فرانسیسی جنگ کے لئے ہماری اولین سند جیہن لی بل کا وقائع ہے۔
یہ شخص لی ایژمیں سنٹ لیمبرٹ کا کینن تھا اور اڈورڈ کی مہم اسکاٹلینڈ
میں بذات خاص موجود تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے بقیہ ایام جان (ہینالٹ)
کے دربار میں گزارے تھے۔ یہ وقائع عہدنامہ برٹیگنی پر ختم ہوتا ہے اور
اس موقع تک فرواسارٹ نے اپنی تصنیف میں بالکل اسی کی نقل کی
ہے اور اسی میں اپنی خاص تحقیقات کا اضافہ کرتا گیا ہے۔ فلینڈرز
اور برٹینی کی مہم اور کریسی کے حالات میں اس کی تحقیقات خصوصیت
سے ممتاز ہے۔ فرواسارٹ ویلانسی اینس خاندان ہینالٹ سے تھا اس باعث
سے ۱۳۶۱ء سے ۱۳۶۹ء تک ملکہ فلپا کے خانگی ملازمین میں داخل رہا
اور اسی عالم میں اس نے اپنے مشہور وقائع کا پہلا اڈیشن تیار کیا۔
بعد کے ایک دوسرے ایڈیشن میں انگریزوں کی طرف اوس کا میلان
بہت کم ہوگیا اور تیسرا اڈیشن جسے اس نے انگلستان سے بہت دنوں باہر
رہنے کے بعد اپنے بڑھاپے میں شروع کیا تھا، صاف طور پر فرانسیسیوں
کی جانبداری کی طرف مائل تھا۔ فرواسارٹ کی زندہ دلی اور خوش بیانی
ہمیں اس کے جزئیات کی عدم صحت کی طرف سے اندھا بنا دیتی ہے۔
تاریخی استناد کے لئے وہ کچھ بھی قابل قدر نہیں ہے۔ کریسی اور ویلینی
کے بعد کے تذکرے جو مہمات انگلنڈ کے متعلق اس عظیم الشان وقائع میں
آگئے ہیں زیادہ تر اہم ہیں۔ اس عہد کے متعلق زمانہ حال کی تصانیف

میں سب سے بہتر تصنیف مسٹر ڈبلیو. انگ مین کی ہسٹری آف اڈورڈ دی تھرڈ (تاریخ اڈورڈ سوم Hist. of Edward III) ہے۔ مسٹر (لارڈ) مارلی نے "مصنفان انگلستان" کے ضمن میں چاسر کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں]

(اس باب کے لکھے جانے کے بعد ڈاکٹر اسٹبز کی کانسٹیٹوشنل ہسٹری (تاریخ دستوری Constitutional History) جلد دوم شایع ہوئی۔ یہ جلد اس تمام دور پر شامل ہے)

انگلستان اڈورڈ سوم کے عہد میں

آخری نارمن بادشاہ کے عہد میں قومی اتحاد کی جو تحریک عظیم پیدا ہوئی تھی وہ بظاہر چودھویں صدی کے وسط میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور فاتح و مفتوح کے کامل طور پر مل کر ایک انگریزی قوم بن جانے کا بدیہی ثبوت یہ تھا کہ اعلیٰ طبقات تک میں فرانسیسی زبان متروک ہوگئی تھی باوجود ابتدائی مدارس (گریمر اسکولوں) کی کوششوں اور وضعداری کے نباہ کے اڈورڈ سوم کے عہد میں انگریزی زبان اس آخری فتح کے لئے راستہ صاف کر رہی تھی جس کی تکمیل اڈورڈ کے پوتے کے وقت میں ہوئی۔ عہد سابق کا ایک مصنف لکھتا ہے کہ "تمام قوموں کے دستور کے خلاف ہمارے مدارس میں بچے مجبور کئے جاتے ہیں کہ اپنی زبان کو چھوڑ کر اپنے سبق کے اسماء فرانسیسی زبان میں یاد کریں نارمنوں کی آمد کے وقت سے یہی ہو رہا ہے، امرا کے لڑکے جس وقت گہوارے میں جھولتے ہوتے ہیں اسی وقت سے انہیں فرانسیسی زبان سکھلائی جاتی ہے اور دیہات کے لوگ بھی ان امیروں کے

شل نئے اور اپنی وقعت بڑھانے کے لئے بڑی مشکلوں سے فرانسیسی بولنا سیکھتے ہیں" رچرڈ کے وقت کا ایک مترجم اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ" پہلی وبا (۱۳۴۲ء) کے قبل یہ طریقہ زیادہ رائج تھا' اور اس کے بعد سے کچھ بدل گیا ہے' کیونکہ جان کارنوال ایک ماہر قواعد نے ابتدائی مدارس کے طریقہ تعلیم اور فرانسیسی کو بہ تکلف انگریزی میں ڈھالنے کے طریقہ کو بدل دیا' رچرڈ پنکرک نے تعلیم کا یہ طریقہ اس سے سیکھا اور دوسروں نے پنکرک سے حاصل کیا۔ چنانچہ اب ۱۳۸۵ء میں فتح کے بعد سے نویں بادشاہ' رچرڈ کے دوسرے سنہ جلوس میں' انگلستان کے تمام مدارس کے لڑکوں نے فرانسیسی زبان سیکھنی چھوڑ دی ہے اور وہ انگریزی ہی میں پڑھتے اور ترجمہ کرتے ہیں" اس تغیر کی ایک زیادہ باضابطہ یادداشت اس حکم میں ملتی ہے جو عدالتوں میں انگریزی زبان جاری کرنے کے لئے ۱۳۶۱ء میں نافذ ہوا تھا "کیونکہ فرانسیسی زبان بہت کم لوگ جانتے تھے"۔ دوسرے سال چانسلر نے افتتاح پارلیمنٹ کے وقت اسی زبان انگریزی کا استعمال کیا' اساقفہ انگریزی میں وعظ کہنے لگے اور وکلف کے انگریزی رسالوں نے ایک بار پھر اسے علمی زبان بنا دیا۔ قومی زبان کے اس عام استعمال نے علم ادب پر بہت ہی زبردست اثر ڈالا۔ چودھویں صدی کے اوائل میں فرانسیسی افسانوں نے ہر جگہ محض

فرانسیسی کو علمی زبان بنانے میں مدد دی اور انگلستان میں اس اثر کو ہنری سوم اور ہر سہ اڈورڈ کے دربار کے فرانسیسی اندازسے تقویت حاصل ہو گئی تھی، مگر اڈورڈ سوم کے آخر عہد میں درجۂ نائٹ کے امرا کے لئے بھی بڑے بڑے فرانسیسی افسانوں کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کی ضرورت پیش آنے لگی "عہدنامہ محبت" کا مصنف کہتا ہے کہ "پادری لاطینی میں لکھیں اور اسی میں بات چیت کریں۔ اہل فرانس بھی اپنے عجیب و غریب الفاظ فرانس میں بولا کریں، کیونکہ انہیں یہی آسان معلوم ہوتا ہے، مگر ہمیں اپنے تخیلات اسی زبان میں ظاہر کرنے چاہئیں جسے ہم نے اپنی ماؤں سے سیکھا ہے" لیکن نئی قومی زندگی میں اب انگریزی ادب محض "تخیلات" تک محدود نہیں تھا۔ اس کے لئے کچھ اور اعلیٰ و ارفع سامان مہیا ہو گیا تھا۔ قومی اتحاد کے مکمل ہونے کے ساتھ ہی قومی آزادی کا خیال بھی مکمل ہو گیا تھا۔ اڈورڈ اول کے عہد میں پارلیمنٹ نے محصول کی نگرانی پر اپنا حق قائم کرلیا تھا۔ اڈورڈ دوم کے وقت میں اس کے اختیارات وزرا کی علیحدگی سے گزر کر بادشاہ کے معزول کر دینے تک ترقی کر گئے تھے اڈورڈ سوم کے عہد میں پارلیمنٹ صلح و جنگ کے معاملات پر رائے دیتی، اخراجات کی نگرانی کرتی اور ملکی انتظامات کے طریقے معین کرتی تھی۔ تمدنی لحاظ سے انگریزی زندگی کی قوت، کاروبار کی وسعت، اون کی تجارت کی

روز افزوں ترقی، اور جنوبی ساحل پر فلینڈرز سے آئے ہوئے جولاہوں کے آباد ہو جانے سے مصنوعات کی کثرت عیاں تھی ۔یہی کیفیت شہروں کی ترقی میں بھی ظاہر ہوئی جہاں حرفتی انجمنوں نے تازہ فتح حاصل کی تھی ۔ علیٰ ہذا زراعت کا نشو و نما زمینوں کی تقسیم اور متاجر کسانوں اور آزاد اراضیداروں کے عروج سے ہویدا تھا ۔ قوم کی مستعدی کی زیادہ اصلی نشانیاں قومی آزادی اور اخلاقی صداقت کے اس جوش سے ظاہر ہوئیں جو وکلف کے اعلان سے پیدا ہو گیا تھا ۔خیال و احساس کی نئی قوتیں جن کا اثر انگریزی تاریخ کے عہد مابعد پر پڑنے والا تھا، نظام جاگیرات کو مٹا کر لولارڈوں کے انقلاب معاشرۃ کی صورت میں نمایاں ہوئیں اور فوجی عظمت و شوکت کے ایک فوری جوش نے کریسی اور پوائیٹرز کے عہد کو چمکا دیا ۔

قوم کی اس نئی زندہ دلی کا جوش ہم جافری چاسر کی نظم میں بھی پاتے ہیں ۔ چاسر ۱۳۴۰ء کے قریب پیدا ہوا تھا، وہ لندن کے ایک مے فروش کا لڑکا تھا جس کا مکان ٹیمز اسٹریٹ میں واقع تھا اور لندن ہی میں اس کی زندگی کا بیشتر زمانہ بسر ہوا تھا، اس کے خاندان کا شمار اگرچہ امرا میں نہیں تھا مگر اسے کچھ وقعت ضرور حاصل تھی کیونکہ چاسر کو امور دنیاوی میں قدم رکھتے ہی دربار سے تقرب حاصل ہو گیا ۔ سولہ برس کی عمر میں وہ لایونل (کلیرنس) کی بیوی کا پیش خدمت مقرر ہوا ۔ انیس برس کی عمر میں اس نے پہلی بار ۱۳۵۹ء کی

مہم میں ہتیار اٹھایا، مگر سوء اتفاق سے قید ہو گیا، اور معاہدہ
بریٹگنی کے بعد رہا ہو کر پھر اس نے کبھی اپنے زمانہ کی فوجی
اوالعزمیوں میں شرکت نہیں کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوس کو
پھر دربار سے تعلق ہو گیا تھا، اور یہی زمانہ تھا جب اسکی
ابتدائی نظمیں شایع ہوئیں، اور اس وقت سے جان آف گانٹ
کو اس کا مربی سمجھنا چاہئے۔ سات سفارتوں پر وہ روانہ
کیا گیا تھا جو غالباً سب کی سب بادشاہ کے معاملات مال
سے متعلق تھیں اور ان میں سے تین (یعنی سنہ ۱۳۷۲ء، سنہ ۱۳۷۴ء و
سنہ ۱۳۷۸ء) کی سفارتیں اٹلی کو گئی تھیں۔ وہ جینوا گیا اور
ملان میں ویسکانٹی کے شاندار دربار میں حاضر ہوا۔ فلورنس
میں اسے بوکاچیو کی ملاقات کا موقع ملا ہوگا۔ وہاں دانتی کی
یاد ابھی تازہ تھی جسے چاسر اپنی نظم میں ادب کے ساتھ
"استاد اعظم" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ غالباً پیڈوا میں اسنے
اپنے آکسفورڈ کے محرر کے مانند خود پٹرارکا کی زبان سے
گریسیلڈس کا قصہ سنا ہوگا۔ وہ ایک مشغول الوقت اور کام
کرنے والا آدمی تھا۔ وہ سنہ ۱۳۷۴ء میں محصولات بحری کا اور
سنہ ۱۳۸۲ء میں محصولات متفرق کا محاسب تھا، سنہ ۱۳۸۶ء میں
وہ پارلیمنٹ کا رکن ہو گیا، اور سنہ ۱۳۸۹ء سے سنہ ۱۳۹۱ء تک
شاہی تعمیرات کا محرر رہا۔ اس زمانے میں اسے وسٹ منسٹر
ونڈسر، اور ٹاور کے تعمیرات میں مصروف رہنا پڑا۔ اسکی
صرف ایک تصویر ہم تک پہنچی ہے۔ اس میں ہمیں اسکی

چگی ڈاڑھی، اس کا تاریک رنگ لباس، پیٹی میں چاقو و قلمدان نظر آتے ہیں اور اس تصویر میں ہم خود اسی کے چند صاف بیانات کا اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس کے سکوت آمیز اور پر اسرار چہرے، تیز چال، موٹے موٹے گال، بھدی سی کمر سے ایک نرم مزاج خوش مذاق شخص کا انداز ظاہر ہوتا تھا لیکن لوگ اس کی خاموشی اور اس کے مطالعہ کے شغف پر مزاح کیا کرتے تھے۔ افسانہ کینٹربری میں (Host) ہوسٹ (میزبان) ہنسکر کہتا ہے کہ "تم اس طرح دیکھتے ہو گویا تم کسی خرگوش کی تلاش میں ہو، میں دیکھتا ہوں کہ تم ہمیشہ زمین ہی پر نظر گاڑے رہتے ہو"۔ جب دفتر کا کام ختم ہو جاتا تو وہ اپنے آس پاس کے لوگوں کی گفتگو کی طرف بہت کم توجہ کرتا تھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "تو جلد جلد اپنے گھر کو جاتا ہے اور پتھر کی طرح خاموش رہتا ہے، تو دوسری کتاب لیکر بیٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ تیرا چہرہ بالکل پریشان ہو جاتا ہے تو زاہد کی طرح زندگی بسر کرتا ہے، مگر تجھ میں پرہیزگاری کا اثر بہت کم معلوم ہوتا ہے"۔ اس شوخ فقرے کے اضافہ نے خاص لطف پیدا کر دیا ہے۔ لیکن اپنے ہم جنسوں سے اس طرح علیحدہ رہنے کا کوئی ثبوت اس کی نظم میں نہیں ملتا۔ کوئی نظم چاسر کی نظم سے زیادہ انسانیت کی ظاہر کرنے والی نہیں ہے کوئی اور نظم اس صفائی اور ملائمت کے ساتھ پڑھنے والوں کے دل

اثر نہیں کرتی۔ اس کے نغمہ کی پہلی ہی لے تازگی و مسرت کی لے ہے۔ اس کی زندگی ہی میں گاور نے اپنی ایک نظم میں لکھا ہے کہ "مسرت آمیز راگ و نغمے جو اس نے ہمارے لئے بنائے ہیں ان سے تمام ملک بھر گیا ہے" اور اس مسرت آفرینی کا اثر آج چار سو برس گزر جانے پر بھی ویسا ہی تازہ ہے جیسا اس وقت تھا۔ چاسر کی تصنیف کی تاریخی حیثیت صاف عیاں ہے! اور جس شاعرانہ ادب سے یہ تصنیف پیدا ہوئی ہے اس کے بالکل خلاف ہے۔ طول طویل فرانسیسی افسانے دولت و ثروت، کاہلانہ عجائب پسندی ایک وہی و تعیش پسند زمانہ کا نتیجہ تھے۔ ازمنہ وسطی کی طرز زندگی جن قومی جذبات سے مرکب تھی ان میں سے مذہبی جوش نے مریم پرستی کی خفیف الحرکت تنزل کی حیثیت اختیار کرلی تھی اور جنگ کا جوش "فروسیت" کے لاف و گزاف سے ذلیل ہو گیا تھا۔ ایک "محبت" فی الحقیقت باقی رہ گئی تھی۔ در بدر پھرنے والے نغمہ سراؤں اور مثنوی خوانوں کا یہی ایک رنگ عام ہو گیا تھا گریہ محبت، محض نزاکت آفرینیوں افسانہ دار بیوقوفیوں، نمایشی مباحث، شہوانی لذائذ کے اظہار کا ذریعہ تھی، جذبات قلبی کے بجائے وہ ایک طرح کا کھیل بن گئی تھی۔ فطرت کو انسان کی مسرت آمیز بے فکری کے رنگ میں ڈھالا جاتا تھا۔ مغنیوں کے راگ میں زمانہ بہار دائماً موجود رہتا تھا۔ گھاس ہمیشہ سبز رہتی تھی، لوے اور بلبل کی نواسنجی کھیتوں اور جھاڑیوں

میں ہمیشہ جاری رہتی تھی۔ عالم خوشی میں انسان کی زندگی کے موقر اخلاق و ذہنی کاموں سے بے پروائی اختیار کرلی گئی تھی۔ زندگی اس قدر دلچسپ، خوش گوار، مسرت آمیز، فرحت انگیز، اور قیل وقال سے لبریز تھی، کہ سنجیدگی پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ زمانہ باتوں کا زمانہ تھا۔ ہوسٹ (میزبان) کہتا ہے کہ "پتھر کی طرح صم" بکم" چلا جانا خوش دلی نہیں ہے" مغنیوں کی کوشش صرف یہ ہوتی تھی کہ ان کی باتیں سب سے زیادہ دل لبھانے والی ہوں۔ اس زمانے کے افسانے، سر ٹرسٹرام کی نظمیں، "قصہ گل" رنگ آمیزی اور مضمون آفرینی سے بھرے ہوئے ہیں ان کی تفصیل و جزئیات کی کوئی حد نہیں ہے مگر اس اطناب میں بھی ایک طرح کی فضول نمائش پائی جاتی ہے۔ خارجی اشیا کے بیان میں موشگافیاں ہوتی ہیں مگر باطنی دنیا کی نزاکت پر پہنچ کر ان کا بیان مبہم ہو جاتا ہے، یہی علم ادب تھا جس سے اب تک چاسر کو سابقہ پڑا تھا۔ اپنے ابتدائی تصانیف میں اس نے اسی کی پیروی کی تھی مگر ملان اور جنیوا جانے کے بعد سے اس کے خیالات فرانس کی قریب مرگ نظم کو چھوڑ کر اطالیہ کی پر زور اور روز افزوں شاعری کی طرف مائل ہو گئے تھے، دانتی کا عقاب، بلندی سے اس کی طرف دیکھتا تھا۔ ملک الشعرا فرانسس پٹرارک اس کے نزدیک وہ شخص ہے جس کی شاعری

۱۳ نے تمام اطالیہ کو نظم سے بھر دیا تھا" ٹرائلس (Troilus) بوکاچیو کے فلوستراتو (Filostrato) کا ایک بہت بڑھایا ہوا

انگریزی ترجمہ ہے "قصہ نائٹ" (Knight's Tale) میں ٹسیڈ
(Tescide) کے کچھ کچھ آثار پائے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت
ڈیکمیرن (Decameron) وہ کتاب ہے جس سے "افسانہائے
کینٹربری کی ہیئت تک کا خاکہ لیا گیا ہے۔ مگر جس وقت
چاسر انگریزی شاعری کے قالب کو بدل رہا تھا اس وقت
بھی اس نے اپنی نمایاں شخصیت کو قائم رکھا۔ اگرچہ وہ
سرتھوپیر کی نظم میں فرانسیسی افسانہ کی ناگوار فضولیوں کی
ہنسی اڑاتا ہے مگر فرانسیسی طرز میں باقی رکھنے کے لائق جو کچھ
تھا اسے اس نے باقی رکھا، فرانسیسی ادب کی تیزی و جولانی
اس کے ادائے مطلب کی لطافت، و درخشانی، اس کا ظاہری
تمسخر، اس کی خوش دلی و خوش مزاجی، اس کی ناقدانہ تمکنت
و خود داری، یہ تمام خصوصیات چاسر کی نظم میں بدستور باقی
ہیں، فرانسیسی جودت نے تمام انگریزی مصنفین سے زیادہ اسی کے
قوی احساس اور نیز طبیعت پر اثر ڈالا ہے۔ اس نے اس کے
مبالغات کی اصلاح کی ہے اور اس کے ایک گونہ ثقیل اخلاق
کو سبک کر دیا ہے۔ لیکن جب وہ فرانسیسی انداز کو چھوڑ کر
اطالوی قصہ کی مسرت آمیز بے فکری کی طرف مائل ہوتا ہے
تو انگریزوں کی سنجیدگی اخلاق سے اس کی تلافی کر دیتا ہے،
وہ بوکیشیو کی پیروی کرتا ہے مگر اس کے تمام تغیرات پاکیزگی
کی طرف مائل ہوتے ہیں، اور جہاں اس باشندہ فلورنس کی
تصنیف عورت کے تلون مزاجی کے استہزاء پر ختم ہوتی ہے

وہاں چاسر ہمیں خدا کی طرف دیکھنے اور اس کی ناتغیر حالت پر غور کرنے کا حکم دیتا ہے۔

افسانہائے کینٹربری

لیکن چاسر کی طبیعت نہ فرانسیسی تھی نہ اطالوی ان دونوں زبانوں سے اس نے فائدہ ضرور اٹھایا پھر بھی وہ ازسرتاپا ایک انگریز تھا، اور ۱۳۸۴ء کے بعد سے غیر ملکی اثر کے تمام و کمال نشان اس کی تحریروں سے ناپید ہوگئے تھے۔ اس کی وہ طولانی نظم جس پر اس کی شہرت کا مدار ہے، اطالیہ کے پہلے سفر کے بعد شروع ہوئی تھی اور اس کے بہترین قصے ۱۳۸۴ء اور ۱۳۹۱ء کے مابین لکھے گئے تھے، اسکی زندگی کے آخری دس برس میں چند اور قصوں کا اضافہ ہوا، مگر اس کی طاقت کم ہو رہی تھی اور ۱۴۰۰ء میں اس نے ان محنتوں کو ترک کرکے اپنے آخری مکان میں آرام لیا، یہ مکان وسٹ منسٹر میں معبد سنٹ میری کے باغ میں واقع تھا۔ اس نے لندن سے کینٹربری کے سفر زیارت کا ایک خاکہ تیار کیا اور اس سے نہ صرف بہت سے قصے جو مختلف وقتوں میں مرتب ہوئے تھے ایک سلسلے میں منسلک ہوگئے بلکہ اس سے اس کی شاعرانہ طبیعت نقالانہ تغیر پذیری اور ہمہ گیر ہمدردی کی عجیب خصوصیات کا تمام و کمال اظہار ہوگیا، اس کے قصے ازمنہ وسطی کی شاعری کے تمام اصناف پر محیط ہیں۔ قسیس کی داستان، نائٹ کا افسانہ، مسافر کے عجائب و غرائب، مقفّٰے قصوں کے وسیع مذاق تجنیسی و تشبیہی بیانات

اپنی ذہانت کے اظہار کے لئے
سب اس میں موجود ہیں۔ اپنی ذہانت کے اظہار کے لئے اسے ان قصہ گویوں کی شخصیت کے بیان میں اور بھی زیادہ وسیع میدان ہاتھ آ گیا ہے، وہ تیس زائر جو مئی کے مہینے کی ایک صبح کو ٹیبرڈ واقع ساوتھ وارک سے روانہ ہوئے تھے۔ ان میں انگریزی سوسائٹی کے ایک امیر سے لیکر ایک ہل چلانے والے تک کی مثال موجود ہے۔ انہیں میں ہمیں ایک "نہایت مکمل شریف نائٹ" چغہ اور زرہ پہنے ہوئے ملتا ہے اس کے ساتھ: اس کا گھونگروالے بالوں کا خادم ہے جس کا چہرہ صبح بہار کے مانند تازہ ہے، ان کے پیچھے ایک تیرہ رنگ معمولی سپاہی پیشہ شخص ہے جس کے جسم میں کوٹ سر پر سبز قبہ نما ٹوپی اور ہاتھ میں ایک عمدہ کمان ہے۔ مذہبی لوگوں کا ایک گروہ ازمنہ وسطیٰ کے کلیسا کی حالت ہمارے سامنے روشن کرتا ہے۔ ان میں ایک قوی الاعضا شکار دوست راہب ہے جس کی لگام کی جھنکار کلیسا کی گھنٹی کی آواز کی طرح بلند و صاف ہے۔ بے فکر فرائر جو دیہات کے گداگروں اور ساز نوازوں میں سب سے مقدم ہوتا تھا، لمبی ڈاڑھی والا، عالم و مرتاض غریب پیش نماز جو حضرت عیسیٰؑ اور ان کے بارہ حواریوں کے عقائد کی تعلیم دیتا تھا اور خود سب سے اول ان پر عمل کرتا تھا۔ انہیں میں سرخ چہرہ والا عدالت کا پیادہ، "تھیلیوں میں معافیاں بھرے گرماگرم روما سے آنے والا معافی دہندہ" زندہ دل

رئیسہ خانقاہ جس کا لب و لہجہ فرانسیسی دربار کا سا تھا اور اس کا چھوٹا سا چہرہ نازک و سرخ تھا، اور اس کے سینے پر گل بوٹے ہیں منقوش تھا کہ "محبت ہر شے کو فتح کر لیتی ہے"، علم کی قائم مقامی ایک عالم طب کی کیم شحیم شخصیت سے ہوتی تھی جو وبا کے زمانے کی آمدنی سے دولتمند ہو گیا تھا، مشغول کار قانون پیشہ جو ہمیشہ ضرورت سے زیادہ خود کو مصروف ظاہر کرتا تھا، آکسفورڈ کا پچکے گالوں والا پادری جسے کتابوں سے الفت تھی اور جس کے چھوٹے چھوٹے تیز جملوں سے اس کی باطنی نرم مزاجی پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا بالآخر یہ نرم مزاجی گریسیلڈس کے قصہ میں ظاہر ہوئی۔ ان لوگوں کے ارد گرد انگلستان کے ہر پیشے اور حرفت کے لوگ جمع تھے۔ ان میں ایک تاجر تھا، ایک زمیندار تھا جس کے گھر میں برف باری کے زمانہ میں بھی گوشت و شراب کا دور چلتا تھا، ایک ملاح تھا جو رود بار کی لڑائیوں سے حال ہی میں واپس آیا تھا، انہیں میں مقام باتھہ کی خوش مزاج بیگم تھی ایک چوڑے سینہ کا چکی پیسنے والا تھا، بساطی، نجار، جولاہا، رنگریز، قالین ساز، سب اپنی اپنی طرز خاص کے لباس میں نظر آتے تھے۔ اور سب سے آخر میں وہ ایماندار ہل والا تھا، جو غریبوں کے لئے بلا اجرت پشتہ بندی اور کھدائی کا کام کر دیتا تھا۔ انگریزی شاعری میں یہ پہلا موقع ہے کہ ہمیں خیالی و تمثیلی اور گذشتہ زمانے کے اشخاص سے واسطہ

نہیں پڑتا۔ بلکہ موجود الوقت اور زندہ لوگوں کے حالات سننے اور دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ لوگ جس قدر اپنی صورت شکل اپنے لباس اور اپنی طرز گفتگو میں ایک دوسرے سے مختلف تھے اسی قدر ان کے انداز طبیعت اور خیالات میں اختلاف تھا اور ہر ایک کا یہ امتیاز تمام قصہ میں ہزاروں گوناگوں خیال و عمل کے ذریعہ سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ نیز یہی پہلا موقع ہے کہ ہم ڈراما کی اس قوت سے دو چار ہوتے ہیں، جس میں ہر شخص میں ایک خصوصیت ہی نہیں پیدا کی گئی ہے بلکہ اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ملا بھی دیا گیا ہے، جس میں ہر قصہ ہر مذاق نہ صرف کہنے والے کی طینت کے موافق رکھا گیا ہے بلکہ سب کو ایک متحدہ نظم میں ڈھال دیا گیا ہے۔ "افسانہائے کینٹربری" میں ہمیں اپنے ہر جانب زندگی کے آثار اس کی وسعت اس کے تنوع اور اس کے مشکلات کے اثر نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بعض قصوں میں جو ذرا پہلے مرتب ہوئے تھے قدیمی افسانہ نویسی کی گرانی اور عالمانہ نمائش پائی جاتی ہے، مگر یہ نظم ایک صاحب علم کی نہیں بلکہ ایک صاحب عمل کی تصنیف ہے۔ چاسر کو جنگ، دربار، کاروبار اور سفر کے تجربیات سے تعلیم حاصل ہوئی تھی۔ اس کی تعلیم کتابی نہیں بلکہ عملی تھی اور عملی طرز زندگی ہی سے وہ محبت رکھتا تھا، زندگی کے جذبات کی نزاکت،

اس کے لہو و لعب کی وسعت، اس کی مسرت، اور اس کے
رنج، گریسلڈس کی سی نرم دلی، آسیا سا اور قیسیوں کو
سمولٹ کے مانند مباورات کا شوق، اس کے افسانوں کی
جان ہیں۔یہی فراخ دلی اور وسیع رواداری ہے جس کی
وجہ سے وہ انسان کا نقشہ اس سلیقے سے کھینچتا ہے کہ سوا شکسپیر
کے کسی اور میں یہ سلیقہ نہیں پایا جاتا اور اسے بھی اس نے
ایسے موثر زود اثر اور تلطف آمیز مذاق اور تازگی و مسرت کے
احساس کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شکسپیر بھی اس پر سبقت نہ لیجا سکا۔
مقام تعجب ہے کہ اس کمال کی صدائے بازگشت
بعد کے نظم لکھنے والوں میں نہ سنی گئی بلکہ جس طرح اس زمانے
کی شان و شوکت اور امیدون کا دفعتہً بالکل خاتمہ ہوگیا
اسی طرح انگریزی نظم کا یہ پہلا جوش بھی چاسر کے ساتھ ہی
کلیتہً فنا ہوگیا۔ کریسی اور "افسانہائے کینٹربری" کی مختصر چمک دمک
کے بعد سو برس تک نہایت ہی سخت پژمردگی چھائی رہی
اڈورڈ سوم کے بعد سے جون آف آرک کے وقت تک کا زمانہ
انگریزی تاریخ میں سب سے زیادہ تیرہ و تار اور غمناک زمانہ
ہے۔ انگریزی نظم معاشرت کے ہر درجہ میں جو امید و رفعت
اس زمانہ کے اوائل میں پیدا ہوگئی تھی وہ اس کے اختتام میں
بے علمی اور نا امیدی میں مبدل ہوگئی۔ دنیاوی زندگی فی الحقیقت
اپنے انداز پر چلتی رہی، کاروبار میں بھی وسعت ہوتی گئی، مگر
یہ ترقی قومی بہبودی کے تمام اعلیٰ عناصر سے علیحدہ ہوگئی تھی۔

شہر و قصبات میں پھر معدودے چند اشخاص کا دور دورہ ہو گیا۔ وابستگان اراضی جو آزادی کی طرف بڑھ رہے تھے پھر نیم غلامانہ حالت میں جا پڑے جس کے آثار اب تک اس سرزمین پر باقی ہیں۔ علم ادب انتہائی پستی کو پہنچ گیا، لولارڈ کی تجدید مذہب بزور شمشیر پامال کی گئی اور کلیسا ایک خود غرض دنیاوی قبیصت کی حالت میں محدود ہو گیا۔ ملکی مناقشہ کی زد میں آکر سیاسی آزادی کا بالکل ہی خاتمہ ہو گیا، اور جو عہد نیک پارلیمنٹ سے شروع ہوا تھا وہ شاہان ٹیوڈر کی مطلق العنانی پر ختم ہوا،

انگلستان فرانس

اس تغیر کے راز کا پتہ اس مہلک جنگ سے چلتا ہے جس نے سو برس سے زائد تک انگریزی قوم کی طاقت کو ضائع اور اس کی حالت کو تباہ کیا۔ اسکاٹلینڈ کے حملہ کا حال ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس کا انجام تباہی پر ہوا، مگر اس کشمکش کا یہیں خاتمہ نہیں ہو گیا بلکہ اس نے انگلستان کو ایک دوسرے جھگڑے میں پھنسا دیا جس کی طرف اب ہم متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ مناقشہ اس سے زیادہ تباہی کا باعث ہوا جسے اڈورڈ اول نے شروع کیا تھا۔ اسکاٹلینڈ ہی کی جنگ کی وجہ سے فرانس سے وہ کشاکش شروع ہوئی جو سو برس تک جاری رہی۔ فرانس اول ہی سے شمال میں اپنے رقیب کی کامیابی کو غور سے دیکھتا رہا تھا۔ کچھ تو حسد کی وجہ سے مگر زیادہ تر اس وجہ سے کہ فرانس کو اس وقت موقع تھا کہ ایلینر کی وراثت کا جو حصہ شاہان انگلستان کے پاس باقی رہ گیا تھا یعنی جنوب فرانس کی

الارتھانے گی رین و گیسکنی، ان پر قابض ہو جائے چنانچہ اسکاٹلینڈ
کے اپنے شہنشاہ اڈورڈ اول کے دعو دل سے رو گردانی کرتے ہی
فرانس نے نارمنڈی اور سنک پورٹز کے ملاحوں کی باہمی رقابت
کو وجہ مخالفت قرار دے کر جنگ کا بہانہ پیدا کر لیا، ایک
بہت بڑی بحری جنگ واقع ہوئی اور آٹھ ہزار فرانسیسی اس
۱۲۹۳ جنگ میں کام آئے۔ فرانس کے مناقشہ سے بچنے کی اڈورڈ کو
اس قدر فکر تھی کہ اس کی دھمکیوں نے انگریزی ملاحوں میں
خاص سرکشی پیدا کر دی۔ ملاحوں نے اپنے عذر میں لکھا تھا کہ
"بادشاہ کی مجلس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اگر حق کے خلاف
ان پر کسی طرح سے بھی زیادتی یا سختی کی گئی تو وہ فوراً ہی اپنے
بیوی بچوں اور تمام چیزوں کو چھوڑ کر سمندر میں جہاں ان کا
نفع نظر آئے گا چلے جائیں گے"۔ اس لئے باوجود اڈورڈ کی
کوششوں کے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی اور فلپ کو موقع ملا کہ
اپنے حق شاہی کے خلاف ان ناصواب کارروائیوں کی
جوابدہی کے لئے بادشاہ کو اپنے دربار پیرس میں طلب
کرے۔ اب بھی اڈورڈ نے جنگ سے بچنا چاہا اور ضابطہ
پورا کرنے کے لئے چالیس روز کے اندر اندر صوبہ گی رین فلپ
کے حوالہ کر دیا، مگر شاہ فرانس نے پھر اس صوبے کے واپس دینے سے انکار
کر دیا اس سے سوا جنگ کے کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔ اسکاٹلینڈ
کے بیرنوں کا اس کی طلب پر ہتیار اٹھانے سے انکار کر دینے
اور بیلیل کے باغی ہو جانے سے ثابت ہو گیا کہ فرانسیسی چیرہ دستی

حملہ کی ایک مجوزہ و طے شدہ تجویز کی پہلی ضرب تھی۔ ایک وقت تک اڈورڈ کے پاس اتنی فوج ہی نہیں تھی کہ وہ اسے فرانس میں ضائع کرے اور جب اسکاٹلینڈ کی پہلی فتح سے اسے فرانس میں کارروائی کرنیکا موقع ملا تو بیرنوں کے مناقشہ نے فلینڈرز کے اس اتحاد کو بیکار کر دیا جو گی ین کے واپس لینے کے لئے کیا گیا تھا۔ فلپ سے عارضی صلح ہو جانے سے اسے جدید شمالی مشکلات کے مقابلہ کرنے کا موقع ملا فالکرک کی فتح کے بعد بھی فرانس کی تہدید اور اسکاٹلینڈ کے حلیف بانیفیس ہشتم کی مداخلت نے مزید چھ برس کے لئے اسکاٹلینڈ کی آزادی کو بچا لیا، اور ان دونوں اتحادیوں میں اختلاف پیدا ہو جانے کے باعث ہی

۱۳۰۴ اڈورڈ اسکاٹلینڈ کو پوری طرح مطیع کر سکا۔ بروس کی سرکردہ بغاوت کو پھر فرانس کی امداد اور گینی کے مناقشہ کے تازہ ہو جانے سے تقویت حاصل ہو گئی۔ یہ مناقشہ اڈورڈ دوم کے عہد میں بھی انگلستان کی راہ میں حائل رہا اور بالواسطہ اڈورڈ کے مصیبتناک انجام کا باعث ہوا۔ اڈورڈ سوم کی تخت نشینی سے ایک وقت کے لئے امن حاصل ہو گیا مگر اس کے عہد کے شروع ہوتے ہی اسکاٹلینڈ پر حملہ ہو جانے سے مخاصمت از سرنو پیدا ہو گئی۔ نوعمر شاہ ڈیوڈ کو فرانس میں پناہ ملی اور اس کے حامیوں کی تقویت کے لئے وہاں سے ہتھیار، روپیہ آدمی بھیجے گئے۔ عین اس وقت کہ کامیابی اڈورڈ کا قدم چومنے کو تھی فرانس کی اس در اندازی سے اسکاٹلینڈ کی

۱۳۳۶ اطاعت کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ فلپ (وِالوا) کے صاف
طور پر یہ اعلان کر دینے سے کہ از روے معاہدات وہ اپنے
قدیم حلیف کو موثر مدد دینے پر مجبور ہے، اور اس کے ساتھ ہی
۱۳۳۳ فرانسیسی بیڑے کے آبنائے میں جمع ہو جانے سے اڈورڈ کو شمال
کے جھگڑوں سے پلٹ کر اس طوفان کے مقابلہ کے لئے جانا پڑا
جسے اب وہ نامہ و پیام سے روک نہیں سکتا تھا۔

ابتدائے جنگ ۱۳۳۷

اول ہی سے اس جنگ نے تمام یورپ کو اپنے حد اثر
میں لے لیا تھا۔ شہنشاہی کی کمزوری اور دربار پوپ کے اوینیون
میں مقید ہو جانے سے یورپ میں فرانس کا کوئی مدِ مقابل نہیں
رہا تھا، تعداد اور دولت دونوں میں فرانسیسی قوم اپنے آبنائے
پار کے ہمسایوں سے بہت بڑھی ہوئی تھی، انگلستان میں مشکل
سے چالیس لاکھ آدمیوں کی آبادی ہوگی درانحالیکہ فرانس کو
دو کروڑ کی آبادی کا فخر حاصل تھا۔ اڈورڈ صرف آٹھ ہزار
زرہ پوش میدان جنگ میں لا سکتا تھا اس کے برخلاف
فلپ اس حال میں بھی کہ اس کی ایک ثلث فوج کسی اور جگہ
مشغول کار ہو چالیس ہزار سپاہ اس کے مقابلے میں بھیج سکتا
تھا۔ اڈورڈ کی تمام کوشش اس امر پر صرف ہو رہی تھی کہ
مختلف سلطنتوں کے اتحاد کے ذریعہ سے فرانس کا مقابلہ کرے
شہنشاہی کے وہ بڑے بڑے باجگذار جو فرانس سے متصل تھے
سب ڈر رہے تھے کہ مبادا فلپ ان کی ریاستوں کو فرانس
سے ملحق نہ کر لے۔ اس خوف اور نیز شہنشاہ و پوپ کے مناقشہ

سے اڈورڈ کی تجویز کو بہت مدد مل گئی۔ گوڈالفن اور پٹ نے زمانہ
مابعد میں جو طرز اختیار کی اس میں اڈورڈ نے ان سے تقدم حاصل
کرلیا تھا۔ وہ جرمن کے تہیدست رئیسوں کا میر بخشی بن گیا،
اس کی امداد کے باعث ہینالٹ، گلڈرس اور یولش اس کے
معاون ہوگئے۔ ساٹھ ہزار کراؤن ڈیوک بریبانٹ کے حصے میں
آئے۔ اور تین ہزار طلائی فلورن کے وعدے نے خود شہنشاہ کو
دو ہزار مسلح اشخاص مہیا کردینے پر آمادہ کردیا۔ اس تمام جوڑ توڑ
اور فیاضانہ اخراجات سے بادشاہ کو اس کے سوا کچھ بھی حاصل ۱۳۳۸
نہ ہوا کہ اسے رائن سے بائیں جانب کے حصہ شاہی کے
وکار جنرل کا خطاب مل گیا، کبھی شہنشاہ پیچھے رہ جاتا
کبھی رفقا حرکت کرنے سے انکار کردیتے تھے۔ آخرکار
جب فوج نے سرحد کو عبور کیا تو شاہ فرانس کو ۱۳۳۹
مقابلہ پر لانا اڈورڈ کے لئے ناممکن ہوگیا مگر جب
شہنشاہ کے معاونہ کی امید کم ہونے لگی تو ایک
اور جانب سے بادشاہ کے دل میں ایک تازہ امید
پیدا ہوگئی۔ فلینڈرز کو قدرت نے اس کا رفیق
بنا دیا تھا، ممالک مغرب میں سب سے زیادہ اُون
انگلستان میں پیدا ہوتی تھی مگر اُون کے کپڑے
انگلستان میں بہت ہی کم بنتے تھے۔ جولاہوں
کی انجمنوں کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ
یہ تجارت آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی اور اڈورڈ نے اپنے

عہد کے شروع ہوتے ہی اس کی ہمت افزائی کی کارروائیاں جاری کردی تھیں۔ اس نے فلینڈرز کے جولاہوں کو اپنے ملک میں آباد ہونے کے لئے بلایا اور ان جولاہوں نے مشرقی صوبوں کو اپنی تجارت کا مرکز بنانا پسند کیا اڈورڈ نے انہیں اپنی خاص حفاظت میں لے لیا، مگر انگریزی صنعت ابھی بالکل ابتدائی حالت میں تھی اور انگلستان کی اون کے دس میں سے نو حصے بروژ اور گنٹ کے کارگھوں میں جاتے تھے۔ اس تجارت برآمد کی روز افزوں ترقی کا اندازہ ہم اس سے کرسکتے ہیں کہ صرف اون کے محصول سے ایک برس میں بادشاہ کو تیس ہزار پونڈ سے زیادہ وصول ہوئے۔ اس برآمد کے روک دینے سے فلینڈرز کے بڑے بڑے شہروں کی نصف سے زائد آبادی بیکار ہو جاتی، فلینڈرز، انگلستان کے اتحاد کی طرف صرف تجارتی غرض ہی سے مائل نہیں تھا بلکہ شہروں کے جمہوری جذبات جو فرانس کے نظام جاگیرات سے برسر پرخاش تھے، وہ بھی اس اتحاد کے موئد تھے۔ ڈیوک براہانٹ اور فلینڈرز کے شہروں کے درمیان ایک معاہدہ مکمل ہو گیا تھا، اور ایک نئی مہم کے لئے
۱۳۴۰ تیاریاں شروع ہوچکی تھیں فلپ نے بمقام سلوئس دوسو جہازوں کا ایک بیڑہ جمع کیا تاکہ اڈورڈ کو رودبار کے عبور کرنے سے روک دے مگر اڈورڈ نے نسبتاً بہت ہی کم طاقت کے ایک بیڑے سے فرانسیسی جہازوں کو تباہ کردیا اور ٹورنے کے محاصرے کے لئے روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کا محاصرہ بے نتیجہ ثابت ہوا! اس کی

کثیر التعداد فوج شکست کھا گئی اور روپیہ کی کمی نے ایک برس کی عارضی صلح کے لئے اسے مجبور کر دیا۔ ۱۳۴۱ء میں امارت بریٹنی کی جانشینی کا جھگڑا پیدا ہو گیا اور دو رقیب دعویداروں میں سے ایک کی حمایت فلپ نے اور دوسرے کی اڈورڈ نے کی، یہ جھگڑا سالہا سال چلتا رہا۔ فلینڈرز میں انگریزوں کے معاملات خراب ہو رہے تھے اور مدبر اعظم وین آرٹیوٹ کی موت اڈورڈ کے منصوبوں کے لئے ایک مہلک ضرب ثابت ہوئی۔ بادشاہ کے مشکلات آخر کار اپنی انتہا کو پہنچ گئے فلورنس کے بڑے بڑے ساہوکاروں کا قرضہ انگریزی سکۂ حال کے حساب سے پانچ لاکھ تک پہنچ گیا، صلح کی بابت اس کی سبقت، حقارت کے ساتھ مسترد کر دی گئی۔ اس کے تاج فرانس کے دعوی کی گینٹ کے چند باشندوں کے سوا کسی ایک شخص نے بھی حمایت نہیں کی۔ فی الحقیقت اس قسم کے دعوے کا قائم کرنا بہت مشکل تھا۔ فلپ دی فیر (حسین) کے تینوں بیٹے لاولد انتقال کر گئے تھے، اور اڈورڈ نے فلپ کی لڑکی ازابیلا کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے تاج کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن ازابیلا کے بھائیوں نے اگر بیٹے نہیں چھوڑے تھے تو انکی بیٹیاں موجود تھیں اور اگر عورت کی جانشینی تسلیم کی جاتی تو فلپ کے بیٹوں کی یہ لڑکیاں فلپ کی لڑکی کے بیٹے پر مقدم تھیں۔ ازبیلا نے اس مشکل کا جواب یہ دیا کہ عورت جانشینی کا حق منتقل کر سکتی ہے مگر خود اس حق پر قابض

نہیں ہو سکتی اور اس کا بیٹا فلپ کے موجودہ اخلاف ذکور
میں سب سے قریب تر ہے، اور وہ فلپ کی زندگی ہی
میں پیدا ہو چکا تھا اس لئے وہ اُن اولاد اناث کے
مقابلہ میں جو فلپ کے تعلق کے لحاظ سے اس سے برابر
درجہ میں ہیں حق مرجح رکھتا ہے، مگر فرانسیسی متقنین کے
زیادہ حصے نے یہی رائے دی کہ صرف مرد کی جانشینی کے
وسیلہ سے تخت کا حق حاصل ہو سکتا ہے، اس اصول پر
خود فلپ کے وسیلہ سے حق وراثت ختم ہو گیا اور تاج اسکے
بھائی چارلس (والوا) کے بیٹے کی طرف منتقل ہو گیا، اور وہ
امن و امان کے ساتھ فلپ ششم کے لقب سے تخت نشین
ہوا، دونوں جانب یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اڈورڈ کا دعویٰ
محض ایک رسم کا ادا کرنا تھا اور فی الواقع بادشاہ نے گی ین
کی امارت کے لئے اپنے حریف کی کامل اطاعت کا اظہار
کیا۔ لیکن جب جرمنی سے اس کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں ۱۳۴۳
اور فلینڈرز کے شہروں سے وفادارانہ امداد کے حاصل کرنے
میں اس کا دعوےٰ مفید ثابت ہوتا نظر آیا اس وقت اس نے
اس دعوے کو پوری قوت کے ساتھ پیش کیا۔

غیروں سے ناامید ہو کر اڈورڈ کو خود انگلستان کے وسائل سے کام لینا پڑا۔ تیس ہزار سپاہ ساتھ لئے ہوئے وہ لاہوگ میں اترا اور وہاں سے آگے بڑھا۔ اس کے اس کوچ نے جنگ کی تمام صورت ہی بدل دی، فرانسیسی

فوجیں اس انگریزی فوج کے روکنے میں مشغول تھیں جو گی رین میں اتری تھی اور جب اڈورڈ نے نارمنڈی کی طرف بڑھنا شروع کیا تو شاہ فرانس بالکل اضطراب میں پڑ گیا کیونکہ اڈورڈ نشیبی سین کے پلوں کو ٹوٹا ہوا پاکر سیدھا پیرس کی طرف بڑھ گیا تھا، اس نے پوایسی کے پل کو دوبارہ تعمیر کرلیا اور پائے تخت کو خطرے میں ڈال دیا۔ لیکن اس نازک وقت میں فرانسیسیوں کو جرمن سواروں کے ایک دستہ سے غیر متوقع مدد مل گئی۔ پوپ نے بویریا کے شہنشاہ لیوس کو معزول کرکے بوہیمیا کے بادشاہ (جان) کے ایک بیٹے کو شہنشاہی کا تاج پہنا دیا تھا۔ یہی شہنشاہ چارلس چہارم "زرین فرمان" کے نام سے مشہور ہوا، مگر پوپ کے اسطرح پر جرمن تاج کے عطا کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لینے سے تمام جرمنی ایک شخص واحد کی طرح اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی، اور چارلس کو فلپ سے امداد حاصل کرنیکے لئے بھاگنا پڑا۔ وہ اس وقت مع اپنے باپ اور پانچسو سواروں کے فرانس میں موجود تھا، اس جرمن فوج نے پیرس کی جانب عاجلانہ کوچ کرکے اس فوج کی بنیاد قائم کردی جو بتدریج سنٹ ڈینس میں جمع ہوئی۔ اس فوج کو جنیوا کے پندرہ ہزار کمان داروں سے بھی مزید تقویت پہنچ گئی، یہ کمان دار رئیس موناکو (واقع ریویرا) سے اجرتاً لئے گئے تھے اور عین اس ضرورت کے وقت آ پہنچتے تھے گی رین سے

فرانسیسی فوجیں بھی مدد کے لئے بلائی گئی تھیں۔ اپنے سامنے تیزی کے ساتھ اس جمعیت کثیر کو جمع ہوتے دیکھ کر اڈورڈ نے پیرس کی طرف بڑھنا ترک کر دیا اور دریائے سین کو عبور کر کے فلینڈرز والوں کی فوج سے مل جانا چاہا جو گراویلینز میں جمع ہوئی تھی تاکہ شمال میں اس مہم کی کارروائی جاری رکھے، مگر اس راستہ میں دریا کو بہت خوبی کے ساتھ محفوظ کیا گیا تھا اور جو کثیر فوج عاجلانہ کوچ کرتی ہوئی اس کے تعاقب میں آ رہی تھی خود کو اس کے حوالہ کر دینے کی مجبوری سے اڈورڈ صرف اس طرح بچا کہ دریائے سوم کی شلخ بلانشتاک کو اس نے اچانک لے لیا، لیکن جب اس کے وسائل آمد و رفت محفوظ ہو گئے تو وہ فوراً قریہ کریسی واقع پانتھیو میں رک کر نبرد آزمائی کے لئے آمادہ ہو گیا، اس کی فوج کی تعداد متواتر یلغاروں کی وجہ سے بہت کم ہو گئی تھی، اور جو تھی اس میں بھی نصف کے قریب آئرلینڈ و ویلز کے ہلکے ہتھیاروں سے مسلح پیدل تھے، باقی حصہ کثیر انگریزی کمان داروں پر مشتمل تھا۔ بادشاہ نے اپنے زرہ پوش سواروں کو گھوڑے سے اتر پڑنے کا حکم دیا، اور ایک قدرے اونچی زمین پر (جو جنوب مشرق کی طرف بتدریج ڈھلتی گئی تھی)، اپنی فوجوں کو صف آرا کیا۔ اس کی بلندی پر ایک ہوائی چکی تھی جہاں سے وہ خود تمام میدان کا نظارہ کر سکتا تھا۔ عین اس کے نیچے اس کی محفوظ فوج تھی اور ڈھال کے دامن میں خاص

فوج دو حصوں میں مرتب کی گئی تھی، دست راست کی فوج
اڈورڈ شہزادہ ویلز یعنے شہزادہ اسود" کے تحت میں تھی اور
دست چپ کی فوج ارل نارتھیمپٹن کے زیر حکم تھی ایک کریسی
چھوٹی سی کھائی انگریزی مورچوں کی حفاظت کرتی تھی اور ۲۶ اگست ۱۳۴۶ء
اس کے عقب میں تیر انداز ہلالی شکل میں کھڑے ہوئے تھے
اور ان کے بیچ بیچ میں چھوٹے چھوٹے دستے گولہ اندازوں
کے تھے جو "گھوڑوں کو ڈرانے کے لئے آگ کے ذریعہ سے
لوہے کے گولے پھینکے تھے"۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میدان جنگ
میں توپخانہ کا استعمال ہوا، انگریزی فوج کے رک جانے نے
فلپ کو گھبرا دیا، اور اس نے اولاً یہ چاہا کہ اپنی فوج کو
آگے بڑھنے سے روک لے، مگر وہ بے ترتیب غول انگریزی
صف تک پہنچ ہی گیا۔ اپنے دشمنوں کو دیکھ کر نفرت کی
وجہ سے بادشاہ کا خون بھی جوش میں آگیا اور شام ہوتے ہوتے
لڑائی چھڑ گئی۔ جینوا کے کمانداروں کو حملہ کی ابتدا کرنے کا
حکم دیا گیا مگر یہ لوگ کوچ کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے،
اور یک بیک بارش ہو جانے سے ان کی کمانیں بھیگ کر
بیکار ہو گئی تھیں فرانسیسی جس قدر شور مچاتے ہوئے مقابلہ
کے لئے بڑھے انگریزی فوج نے اسی قدر استقلال و خاموشی کا
اظہار کیا مگر ان کی پہلی ہی تیر اندازی کا جواب نہایت
سخت دیا گیا۔ انگریزی فوج کے تیر اس طرح چل رہے
تھے کہ "معلوم ہوتا تھا برف گر رہی ہے" اہل جینوا جب

پیچھے ہٹے تو فلپ چلا اٹھا کہ "ان بدمعاشوں کو مار ڈالو" اور اس کے مسلح سپاہی ان کی شکستہ صفوں میں قتل عام کرتے ہوئے ٹوٹ پڑے دوسری جانب الانسان اور فلینڈرز کے کاؤنٹ فرانسیسی سواروں کے ساتھ شہزادے کی صف پر حملہ آور ہوے ایک وقت میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی مختصر فوج کا بالکل خاتمہ ہو جائیگا مگر اڈورڈ نے مدد بھیجنے سے انکار کردیا، اس نے قاصد سے پوچھا کہ " آیا وہ مرگیا ہے، یا اس قدر زخمی ہو گیا ہے کہ وہ خود اپنی مدد نہیں کرسکتا" قاصد نے جواب دیا کہ " حضور ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی بلکہ شہزادے کی فوج سخت نرغہ میں آگئی ہے اور مدد کی بیحد ضرورت ہے" بادشاہ نے کہا کہ " سرٹامس جن لوگوں نے تمہیں بھیجا ہے ان کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہدو کہ جب تک میرا بیٹا زندہ ہے تمہیں پھر میرے پاس بھیجیں اس لڑکے کو نام آوری حاصل کرنے دو، اگر خدا کو منظور ہے تو میں چاہتا ہوں کہ آج کی فتح اسی کے نام پر ہو اور یہ عزت اسے اور نیز ان لوگوں کو حاصل ہو جن کی سپردگی میں میں نے اس لڑکے کو دیا ہے"۔ فی الحقیقت اڈورڈ اپنی بلند جگہ سے دیکھ رہا تھا کہ صورت حال اچھی ہے۔ انگریزی کماندار اور زرہ پوش اپنی جگہ پر ثابت قدمی سے قائم تھے۔ اور اہل ویلز ہنگامہ جنگ میں فرانسیسی گھوڑوں کو خنجر مار رہے تھے، اور سوار کے بعد سوار زمین پر گرتا جاتا تھا۔

بہت جلد فرانسیسی فوج میں ہولناک اضطراب برپا ہو گیا۔ بوہیمیا کے نابینا بادشاہ نے اپنے گرد کے جرمن امرا سے باآواز بلند کہا کہ "میرے دوستو! تم میرے ماتحت ہوئیں تم سے التجا اور درخواست کرتا ہوں کہ اس لڑائی میں مجھے اتنی دور لے چلو کہ میں اپنی اس تلوار سے ایک اچھی ضرب لگاسکوں۔" اپنے گھوڑوں کی لگامیں ایک دوسرے کے ساتھ باندھ کر یہ مختصر گروہ اس حصے میں گھس گیا جہاں سب سے زیادہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور اپنے ہمراہیوں کی طرح وہ بھی سب کے سب کام آگئے۔ جنگ کا رخ برابر فرانسیسیوں کے خلاف ہو رہا تھا، آخر کار فلپ نے خود میدان سے فرار اختیار کیا اور شکست تباہی کی صورت میں بدل گئی۔ بارہ سو سوار اور تیس ہزار پیدل میدان جنگ میں کھیت رہے۔ یہ تعداد پوری انگریزی فوج کے برابر تھی۔

سنٹ ڈینس کا وقائع نگار، جب اس فوج عظیم کی بربادی کا ذکر کرتا ہے جسے اس نے اپنی خانقاہ کی دیواروں کے نیچے جمع ہوتے دیکھا تھا، تو وہ بے اختیار رنج سے چلا اٹھا ہے کہ "خدا نے ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دی ہے۔" فرانس کا یہ زوال اگرچہ ایک فوری و غیر متوقع زوال تھا مگر اس ایک ضرب سے نظام جاگیرات کے طریق جنگ اور اس پر قائم شدہ نظام سیاسی و معاشرتی

کی تباہی و بربادی اس سے بھی زیادہ فوری و غیر متوقع
تھی ۔ جاگیرداروں کے جاگیردارانہ اصول جنگ کی بنیاد یہ تھی کہ
سوار امرا پیدل سپاہیوں پر فوقیت رکھتے تھے، جنگی قوت
سواروں پر موقوف تھی مگر انگلستان کے معمولی سپاہی پیشہ
عوام۔اور چھوٹے زمیندار جو اس قومی جنگ میں
کمان سے کام لیتے تھے انہوں نے اپنے اس ہتیار کو جنگ
کا ایک مہلک آلہ بنا دیا، درحقیقت انگریزی تیراندازوں کی
شکل میں اڈورڈ ایک نئے قسم کے سپاہی فرانس کے
میدان جنگ میں لے گیا تھا۔ عوام نے امرا کو زیر کردیا
معمولی سپاہی شدائد جنگ میں نائٹ پر فوقیت لے گئے۔
کریسی کے دن سے نظام جاگیرات متنزلزل ہوگیا، اور
باہستگی مگر بالیقین اس نے قبر کا راستہ لیا، انگلستان کے لئے
یہ فوجی عظمت کے دور کی ابتدا تھی، یہ عظمت و شوکت
اگرچہ قوم کے اعلیٰ جذبات و اغراض کے لئے مہلک ثابت
ہوئی مگر اس نے بروقت ایسی قوت پیدا کردی کہ اس
سے قبل انگلستان کو کبھی ایسی قوت نصیب نہیں ہوئی تھی
فتح پر فتح ہونے لگی، کریسی کے چند ماہ بعد اسکاٹلینڈ کی ایک
فوج شمال میں گھس آئی تھی وہ نوائل کراس میں برباد لس کراس ۱۳۴
کردی گئی، اور اسکاٹلینڈ کا بادشاہ ڈیوڈ بروس گرفتار ہوگیا،
اس کے ساتھ ہی گارون سے فرانسیسیوں کے ہٹ جانیکے
باعث انگریزوں کو پوالٹو پر دوبارہ قبضہ کرلینے کا موقع

ل گیا، اسی اثنا میں اڈورڈ نے رودبار پر قبضہ حاصل کرکے فرانس کی بحری فوقیت کے توڑنے پر توجہ کی۔ کیلے بحری قزاقوں کا ایک بڑا ملجا و ماوا تھا، صرف ایک برس کے اندر بائیس جہاز قزاقی کے لئے اس بندر سے روانہ ہوئے تھے۔ اس بندرگاہ کے قبضہ سے بادشاہ کو فلینڈرز سے سلسلہ قائم رکھنے اور فرانس کے مقابلہ میں جنگی کارروائیاں کرنے میں بھی آسانی ہو جانے کی توقع تھی۔ محاصرہ ایک برس تک قائم رہا۔ اور جب فلپ اس کی مدد سے عاجز ہو گیا اس وقت شہر کو فاقہ کشی سے مجبور ہو کر اطاعت قبول کرنی پڑی، قلعہ کی فوج اور اہل شہر کو اس شرط سے معافی دی گئی کہ چھ شہری بلا کسی شرط کے خود کو بادشاہ کے حوالہ کردیں، اڈورڈ نے نہایت سخت نفرت کے ساتھ کہا تھا کہ "انہیں پر میں اپنا غصہ نکالوں گا" جیہن لے بل کہتا ہے کہ شہر کے گھنٹہ کی آواز سن کر شہر کے لوگ قاصد شرائط کے گرد جمع ہو گئے "وہ سب بھوک سے دیوانے ہو رہے تھے اور اچھی خبر سننے کے متوقع تھے" جب اس قاصد نے انہیں یہ خبر سنائی تو وہ اس زور سے رونے اور چلانے لگے کہ ان کی حالت پر بہت ہی رحم آتا تھا، اس وقت شہر کا سب سے دولتمند باشندہ ماسٹر یوسٹاش د سین پیر نامی کھڑا ہوا، اور اس نے سب کے سامنے یہ تقریر کی کہ "صاحبو! نہایت رنج و الم کا مقام ہوگا اگر اس شہر کے

لوگ قحط سے یا اور کسی طرح پر مرنے کے لئے چھوڑ دئے جائیں اور وہ شخص خداوند کی طرف سے بڑے رحم و ثواب کا مستحق ہوگا جو انہیں مرنے سے بچالے۔ مجھے خدا سے قوی امید ہے کہ اگر میں اپنی جان فدا کرکے ان لوگوں کو بچا سکوں تو میرے گناہوں کی بخشش ہو جائیگی۔ اس لئے میں ان چھ شخصوں میں کا پہلا شخص ہوں گا اور میں اپنی خوشی سے برہنہ یا ایک قمیص پہنکر اور گلے میں رسی ڈال کر خود کو شاہ اڈورڈ کی مرضی پر چھوڑ دونگا" چھ فدائیوں کی فہرست جلد تیار ہو گئی اور فدیہ بادشاہ کے حضور میں روانہ کردیا گیا۔ تمام فوج جمع ہوئی بڑی کشمکش تھی، بہت سے لوگ انہیں علانیہ پھانسی دینا چاہتے تھے اور بہت سے رحم کی وجہ سے رو رہے تھے۔ بادشاہ عالی جاہ اپنے کاؤنٹوں اور بیرنوں کے جلو میں اس جگہ آیا اور ملکہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آئی وہ اگرچہ حاملہ تھی مگر اسے یہ دیکھنے کا شوق تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ چھوں شہری فوراً بادشاہ کے سامنے جھکے اور ماسٹر یوستاش ینے عرض کی کہ نیکدل بادشاہ ہم چھ شخص حاضر ہیں، ہم لوگ کیلے کے قدیم باشندے ہیں اور بڑے بڑے سوداگر ہیں، ہم کیلے کے شہر اور قلعہ کی کنجی لائے ہیں اور حضور کی مرضی سے اسے حضور کے حوالہ کرتے ہیں ہم خود کو بالکلیہ حضور کی مرضی کے حوالہ کرتے ہیں تاکہ باقی لوگ جنہوں نے بہت تکلیفیں اٹھائی

ہیں بچ جائیں، بس حضور اپنے علوے مرتبت کے صدقے میں ہم پر رحم فرما کر ہماری جان بخشی فرمائیں" یقیناً اس وقت وہاں کوئی امیر یا نائٹ ایسا نہیں تھا جو رحم سے رو نہ دیا ہو یا جس نے رحم کی درخواست نہ کی ہو، مگر بادشاہ نے غصے سے اپنے دل کو ایسا سخت کر لیا تھا، کہ بہت دیر تک اس نے کچھ جواب نہ دیا اور آخر اس نے ان کے سر قلم کرنیکا حکم دیا۔ تمام نائٹ اور امرا نے رو رو کر ان کے لئے رحم کی التجا کی مگر بادشاہ نے کچھ شنوائی نہ کی۔ اس وقت رحمدل نائٹ، ماسٹر وائرڈ سے موینے نے عرض کی کہ" اے میرے نیک دل آقا، اپنے غصے کو روکئے۔ رحم دلی کی شہرت و نیکنامی حضور کو حاصل ہے، وہ کام نہ کیجئے جس سے لوگ برا کہہ سکیں۔ اگر حضور نے رحم نہ کیا تو تمام لوگ یہ کہیں گے کہ حضور کا دل ستمگاری سے بھرا ہوا ہے کہ ان نیکدل شہریوں کو جنہوں نے بقیہ لوگوں کو بچانیکے لئے خود کو اپنی خوشی سے حوالہ کیا تھا، حضور نے قتل کرا دیا"۔ اس موقع پر بادشاہ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور اس نے کہا کہ" ماسٹر والٹر بس خاموش رہو، اس حکم میں تغیر نہیں ہو سکتا، جلاد کو بلاؤ۔ ان کیلے والوں نے میرے اتنے آدمیوں کا نقصان کیا ہے کہ انہیں خود بھی مرجانا چاہئے" اس وقت انگلستان کی بلند مرتبہ ملکہ نے ایک شریفانہ فروتنی کا کام کیا۔ چونکہ وہ حاملہ تھی اور رحم کی وجہ سے بہت رو رہی تھی

وہ سیدھی کھڑی نہ رہ سکی اور اپنے خاوند کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک کر یوں کہنا شروع کیا، کہ "اے میرے نیکدل مالک، آپ جانتے ہیں کہ جب سے میں اس قدر خطرہ اٹھاکر سمندر پار آئی ہوں میں نے کبھی کسی امر کی نسبت درخواست نہیں کی، اب میں دست بستہ آپ سے التجا اور منت کرتی ہوں کہ مریمؑ کے پاک بیٹے کی محبت کے واسطے سے ان لوگوں کی جان بخشی کیجئے" نیک دل بادشاہ کچھ کہنے کے قبل کچھ دیر رکا رہا اور ملکہ کی طرف (جو اس کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑی ہوئی رو رہی تھی) دیکھتا رہا۔ اسوقت اس کا دل کچھ نرم ہو چلا اور اس نے کہا کہ "بیگم، میں چاہتا تھا کہ تم اس وقت کہیں اور ہوتیں، تم ایسی شفقت سے التجا کر رہی ہو کہ میں انکار کی جرأت نہیں کر سکتا، اور اگرچہ میں اپنی مرضی کے خلاف کرتا ہوں مگر خیر تم ان لوگوں کو لے جاؤ، میں ان کو تمہارے حوالہ کرتا ہوں" پھر اس نے ان شہریوں کی گردن کی رسی پکڑ کر ملکہ کو دے دی، اور اس کی محبت کی وجہ سے کیلے کے ان تمام لوگوں کی جان بخشی کی۔ اس نیک دل بیگم نے ان چھوؤں شہریوں کو کپڑے پہنانے اور کھانا کھلانے کا حکم دیا +

پوائٹیرز

اڈورڈ اب اپنی شہرت کے اوج کمال پر پہنچ گیا تھا، اس نے اپنے زمانہ میں سب سے بڑی فتح حاصل

کرلی تھی، فرانس اس وقت تک سلاطین یورپ میں سب
سے اول درجہ پر تھا، مگر وہ ایک ضرب میں شکستہ ہوکر
اپنی اس پر غرور جگہ سے نیچے آگیا تھا، فرواسارٹ کی ایک
درباری تصویر سے اڈورڈ کا وہ نقشہ ہمارے پیش نظر ہوجاتا
ہے جب وہ اسپین کے اس بیڑے کے مقابلہ کے لئے روانہ
ہوا ہے جو رودبار میں تباہی برپا کر رہا تھا، اس تصویر
میں ہم دیکھتے ہیں کہ بادشاہ سیاہ مخمل کا چست کوٹ
پہنے ہوئے عرشۂ جہاز پر بیٹھا ہوا ہے، اس کے سر پر ایک
بہت ہی موزوں سیاہ سمور کی ٹوپی ہے اور سر جان چینڈوس
سے جرمنی کے نغموں کے سنانے کی خواہش کر رہا ہے اسی
اثنا میں اسپینی جہازات نظر آتے ہیں اور ایک سخت
جنگ کے بعد آخر کار اڈورڈ کو فتح حاصل ہوتی ہے اور
وہ "سمندروں کا بادشاہ" ہو جاتا ہے۔ لیکن فرانس سے ۱۳۳۵-
صلح کا قائم رہنا ہمیشہ ایک دشوار امر رہا ہے، دونوں ملکوں
نے تھک کر سات برس کے لئے عارضی صلح کرلی تھی مگر
اس میعاد کا پورا کرنا بھی مشکل ہوگیا، اڈورڈ نے تین
فوجیں تیار کیں تاکہ ایک ساتھ نارمنڈی۔ برٹینی اور گی این
میں کارروائیاں ہوسکیں، مگر یہ تجویز چل نہ سکی صرف
جنگ کریسی کا ہیرو شاہزادہ اسود ایک مبتذل سی کامیابی
حاصل کرسکا۔ اپنی فوج کی تنخواہ ادا نہ کرسکنے کے سبب
اس نے ان کے مطالبات کو لوٹ مار سے پورا کرنا چاہا۔

اس وقت تک شمالی اور وسطی فرانس بالکل غارت ہو چکا تھا۔ شاہی خزانہ خالی تھا، قلعے بے حفاظت تھے۔ فوجیں تنخواہ چڑھ جانے کی وجہ سے منتشر کردی گئیں، ملک کو لٹیرے غارت کر رہے تھے، صرف جنوب کا حصہ مامون تھا، پس یہ نوجوان شہزادہ اپنی غارتگروں کی فوج کو گارون سے گزار کر اس حصہ میں لے گیا جو دنیا کا ایک نہایت خوش حال ملک تھا، جس کے رہنے والے نیک دل اور سیدھے لوگ تھے جنہیں خبر بھی نہ تھی کہ جنگ کیا شے ہے، فی الحقیقت شہزادے کی اس آمد سے قبل انہیں لڑائی سے سابقہ ہی نہیں پڑا تھا۔ انگریزوں اور اہالیان گیسکنی کو ملک میں ہر طرف خوشی و خرمی کے آثار نظر آئے۔ کمرے قالینوں اور پردوں سے آراستہ تھے۔ بقچے اور صندوق اعلیٰ قسم کے قماش و جواہرات سے بھرے ہوئے تھے۔ مگر ان لٹیروں سے کوئی چیز بھی محفوظ نہیں رہی۔ ان میں بھی خاص کر اہل گیسکنی زیادہ حریص تھے وہ تمام ہی چیزیں لوٹ لے گئے" ناربون کی تسخیر نے انہیں مالا مال کردیا، اور وہاں سے وہ بارڈو پر پلٹ پڑے"۔
ان کے گھوڑے لوٹ کے مال سے اس قدر گرانبار تھے ۱۳۵۶
کہ انہیں چلنا دشوار تھا" دوسرے سال شہزادے کی فوج کے دریائے لوآر کی طرف کوچ کرنے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سیدھا پیرس پر آیا چاہتا ہے۔ فلپ (وا لوا) کے

جانشین جان کی سرکردگی میں ایک فوج اسے روکنے کے لئے بہت جلد آگے بڑھی۔ شہزادے نے مراجعت کا حکم دیا مگر جب وہ پایٹرز میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ساٹھ ہزار فرانسیسی اس کے راستہ میں حائل ہیں۔ وہ فوراً ہی موپرٹئیس کے کھیتوں میں ایک مستحکم جگہ پر قابض ہو گیا۔ اس کا محاذ گھنی جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا، اور صرف ایک طولانی اور تنگ راستے سے (جو انگوروں کے باغ میں سے ہو کر گیا تھا) وہاں تک پہنچنا ممکن تھا، شہزادے نے باغات اور جھاڑی کے گرداگرد تیر انداز متعین کر دئے اور اپنی مختصر سی مسلح جماعت کو اس جگہ صف آرا کیا جہاں راستہ اس کے خیمہ گاہ کے بلند تر میدان میں نکلتا تھا، اس کی فوج کے آدمیوں کی تعداد صرف آٹھ ہزار تھی وہ سخت خطرے میں تھا اور آزادانہ مراجعت کے لئے اسے مجبور کیا جاتا تھا کہ اپنے قیدیوں اور مفتوحہ مقامات سے دست بردار ہو جائے اور سات برس کے لئے فرانس کے خلاف ہتیار نہ اٹھانے کی قسم کھائے، یہ شرائط نامنظور کئے گئے۔ اور تین سو فرانسیسی سواروں نے اس تنگ راستہ پر حملہ کیا، راستہ بہت جلد آدمیوں اور گھوڑوں سے بند ہو گیا اور جھاڑیوں کے اندر سے تیروں کی بوچھار نے بڑھتی ہوئی فوج کی اگلی صفوں کو پلٹنے پر مجبور کر دیا، اس اضطراب کے وقت میں انگریزی سواروں کا ایک دستہ جو داہنی جانب کی ایک پہاڑی پر نصب تھا، یکایک فرانسیسی بازو پر ٹوٹ پڑا اور خود شہزادہ نے موقع

پایٹرز
۱۹ ستمبر ۱۳۵۶ء

سے فائدہ اٹھاکر ان کے قلب پر دلیرانہ حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ سے سخت ابتری پیدا ہوگئی اور انگریزوں کی تیراندازی نے اس ابتری کو مکمل کردیا۔ فرانسیسی بادشاہ عالم مایوسی میں دلیرانہ لڑتا ہوا گرفتار ہوگیا' اور دوپہر کے وقت جب اس کی فوج کامل ہزیمت کے ساتھ پوائیٹیرز کے دروازوں میں دوبارہ داخل ہوئی تو آٹھ ہزار آدمی میدان جنگ میں کام آچکے تھے تین ہزار بھاگنے میں ضایع ہوے اور دو ہزار مسلح سپاہی اور امرا کی ایک کثیر تعداد قید ہوگئی۔ شاہی قیدی لندن میں شان و شوکت کے ساتھ داخل ہوا اور دو برس کی عارضی صلح نے فرانس کو اندمال زخم کا موقع دیا' مگر اس بدنصیب ملک کو خود اس کے اندرونی جھگڑوں نے چین نہ لینے دیا۔ بھاگے ہوے سپاہیوں نے آزادانہ لوٹ مار شروع کردی۔ اور مقید امرا نے اپنا زر فدیہ کسانوں سے بزور وصول کیا' اس ظلم اور قحط سے مجبور ہوکر کسان بھی سخت بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوے اور امرا کو قتل کرنے اور ایوانات میں آگ لگانے لگے' ادھر پیرس نے متولیوں کی کمزوری اور بدانتظامی سے عاجز آکر خود تاج کے خلاف ہتیار اٹھایا۔ یہ "بغاوت مزارعین" ابھی فرو بھی نہیں ہوئی تھی کہ اڈورڈ نے اس تباہ شدہ ملک کے برباد کرنے کے لئے پھر فوجوں کا تانتا باندھ دیا۔ لیکن قحط اس کا بہترین محافظ ثابت ہوا۔ اس زمانے کا

معاہدہ بر
مئی ۱۳

پیٹرارک لکھتا ہے کہ" میں یقین نہیں کر سکتا کہ یہ وہی فرانس ہے جسے میں نے نہایت ہی متمول و خوشحال دیکھا تھا۔ اب سوا ہولناک ویرانے، کامل غربت، غیر مزروعہ زمین اور تباہ شدہ گھروں کے کسی اور شے پر نظر نہیں پڑتی خود پیرس کے قرب و جوار میں بھی ہر جگہ تباہی و آتش زدگی کے نشانات ظاہر ہوتے ہیں، شاہراہیں سنسان پڑی ہوئی ہیں، سڑکوں پر گھاس جمی ہوئی ہے اور تمام ملک ایک لق و دق ویرانہ بن گیا ہے" ملک کے افلاس و مصیبت نے آخر چارلس کو اطاعت پر مجبور کیا اور ماہ مئی میں مقام شارٹرس کے مشرق میں ایک چھوٹے سے مقام بریٹگنی میں شرائط و معاہدہ طے پائے۔ اس معاہدے کی رو سے شاہ انگلستان نے تخت فرانس و امارت نارمنڈی کے دعوے سے دست برداری کی، دوسری جانب اس کی امارت ایکوی ٹین (جس میں گیسکنی، پواٹو۔ سینٹونژ۔ لموسن۔ آنگوموا پریگورڈ، اور صوبجات بگور اور روئرگ شامل تھے) نہ صرف اسے واپس مل گئی بلکہ وہ فرانس کی جاگیر ہونے کے تمام علائق سے آزاد کردی گئی۔ اور بشمول پانتھیو اس پر پورے شاہی حقوق اسے مل گئے۔ پانتھیو اڈورڈ اول کی دوسری بیوی کے ورثہ میں اڈورڈ ثالث کو ملا تھا، اس کے ساتھ ہی گین اور حال کا فتح کیا ہوا شہر کیلے بھی اسی کے قبضے میں رہا+

جزو دوم

نیک پارلیمنٹ

۱۳۶۰ — ۱۳۷۷

[اسناد۔ مثل سابق۔ ایک نامعلوم وقائع نگار کی تصنیف آرکیولوجیا Arch eologia کے سلسلہ نمبر (۲۲) میں طبع ہوئی ہے، اس میں پارلیمنٹ کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بسلسلہ صحائف "کرانیکا اینگلی" (وقائع انگریزی از ۱۳۲۸ء لغایت ۱۳۸۸ء) Chronica Angliae میں بھی اس کی کیفیت محفوظ ہے اور حال میں ایڈم (اُسک) کے ایک وقائع کے شایع ہونے سے ۱۳۷۷ء سے ۱۴۰۴ء تک کے زمانہ پر مزید روشنی پڑی ہے]

دوایوان پارلیمنٹ

اگر ہم غیر ملکی جنگ و جدل کے پر شور و بیکار واقعات کو ترک کر کے آئینی ترقی کے کار آمد مراحل کی طرف توجہ کریں تو ہمیں معاً یہ نظر آئیگا کہ پارلیمنٹ کی ترکیب میں ایک حیرت انگیز تغیر واقع ہو گیا ہے۔ دارالامرا اور دارالعوام کی جس تقسیم سے آج ہم اس درجہ مانوس ہیں اڈورڈ اول کی ابتدائی تجویز میں ان کا کہیں ذکر بھی نہیں تھا۔ سابقہ پارلیمنٹوں میں پادریوں، بیرنوں، نائٹوں، اور اہالیان شہر

کے چاروں طبقے علیحدہ علیحدہ جمع ہوتے، معاملات پر غور و بحث کرتے اور اپنی اپنی منظوریاں دیتے تھے۔ لیکن طبقات کی اس تفرد پسندی میں بہت جلد فرسودگی کے آثار نمایاں ہوگئے۔ ہم کہ چکے ہیں کہ ایک طرف پادری اپنے ہم جماعت لوگوں سے حقیقی اتحاد پیدا کرنے سے علیحدہ رہنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف شائر کے "نائٹ" امرا کی سی طرز معاشرت کی وجہ سے ان سے زیادہ قریب ہوتے جاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع امرا نے انہیں بہت جلد واضع قانون اور مشیر سلطنت دونوں حیثیتوں سے قریب قریب اپنا ہم رتبہ بنا لیا تھا۔ برخلاف ازیں اہل شہر پارلیمنٹ کی کارروائیوں میں باستثناے ان معاملات کے جن کا تعلق ان کی جماعت کے محصولات سے ہوتا تھا بہت کم دخل دیتے تھے۔ مگر اڈورڈ دوم کے عہد کے مناقشات میں جب بادشاہ کے مقابلہ میں برنوں کو ان کی مدد کی ضرورت ہوئی تو ان کا رتبہ بلند ہوگیا، اور ۱۳۲۲ء کے مشہور قانون میں ہر قسم کی قانون سازی میں ان کی پوری پوری شرکت کا حق تسلیم کیا گیا، اگرچہ ہم تفصیلی طور پر واقف نہیں ہیں، مگر اس کے بعد کچھ ایسے اسباب پیدا ہوے کہ شائر کے نائٹ بھی اپنے قدیم تعلق سے ہٹکر بتدریج اپنے قائم مقامان شہر کے ساتھ مل گئے، یہاں تک کہ اڈورڈ سوم کے عہد کے شروع ہونے پر یہ دونوں طبقے باضابطہ طور پر "عوام" کے

نام سے متحد کر دئے گئے۔ اور ۱۳۴۱ء تک پارلیمنٹ کی تقسیم دو حصوں میں مکمل ہو گئی۔ اس تغیر کی اہمیت کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اگر پارلیمنٹ اہل کلیسا' بیرن' نائٹ' اور شہریوں کے چار طبقوں میں بدستور منقسم رہتی تو آپس کے رشک و حسد کی وجہ سے اس کے اجزائے ترکیبی کے اتحاد عمل میں دشواری پیدا ہو جاتی اور ہر ایک اہم و نازک موقع پر اس کی طاقت بیکار ہو جایا کرتی۔ دوسری طرف اگر طبقہائے نائٹ و بیرن میں مستقل اتحاد پیدا ہو جاتا تو پارلیمنٹ محض جماعت اعیان کی قائم مقام ہو کر رہ جاتی اور اس کی وہ قوت جاتی رہتی جو تجار کی جماعت عظیم کے تعلق سے پیدا ہوئی ہے' صورت موجودہ میں طبقۂ نائٹ کی حیثیت بین بین رہی؛ زمیندارانہ حیثیت سے انکا تعلق بیرنوں سے تھا اور سیاسی حیثیت سے وہ شہریوں سے متحد تھے۔ اس طرح فی الحقیقت تینوں طبقے ایک ہو گئے تھے اور انگریزی پارلیمنٹ کے اسی متحدہ احساس و عمل پر زیادہ تر اس کی طاقت کا دار و مدار رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے' اس تغیر کے وقت سے پارلیمنٹ کی مستعدی میں بہت زیادتی ہو گئی۔ دوران جنگ میں مسلسل منظوری رقوم کی ضرورت سے پارلیمنٹ کا اجتماع سال بسال ہونے لگا' اور ہر منظوری رقم کے ساتھ سیاسی اثر کی ترقی کی طرف ایک قدم آگے بڑھتا گیا۔ اس عہد میں قوانین کا ایک

انبار جمع ہو گیا تجارت کے انتظام کے لئے، رعایا کو ظلم و
نا انصافی سے بچانے کے لئے اہم مذہبی قواعد کے لئے،
غرض سب ہی ضرورتوں کے لئے قوانین بنگئے۔ یہ قوانین
عاقلانہ ہوں یا غیر عاقلانہ مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا
ہے کہ پارلیمنٹ کے میدانِ عمل میں تیزی کے ساتھ وسعت
ہو رہی تھی۔ دونوں ایوانوں نے رقوم کی منظوری کے حق
کامل کا دعویٰ کیا اور اس اصول کا بھی مطالبہ کیا کہ
وزرائے شاہی، پارلیمنٹ کے روبرو جوابدہ ہوں مگر عوام
مدت تک خالص انتظامی معاملات میں مداخلت کرنے
سے جھجکتے رہے، اڈورڈ نے اپنے سر سے جنگ فرانس کی
ذمہ داری اتارنے کے اضطراب میں صلح کے بہت سے سائل
میں سے ایک مسئلہ ان کے مشورے کے لئے پیش کیا انہوں نے
جواب دیا کہ "جہاں پناہ! حضور کی جنگ اور اسکے
لئے جو سامان درکار ہو ان سے ہم اس درجہ ناواقف
و بے خبر ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ ہم اس کا کیا جواب
دیں اور نہ ہم میں اس کی طاقت ہے اسلئے ہم حضور کے مراحم
خسروانہ سے توقع رکھتے ہیں کہ اس باب میں ہمیں معذور
رکھا جائے اور اپنی مجلس شوریٰ کے بلند مرتبہ و عاقل اشخاص
کے مشورے کے موافق خود حضور اپنی مرضی مبارک سے
ملک کی عزت و نفع کے لئے جو بہتر سمجھیں اس کا حکم
دیں۔ اور جو امر اس طرح حضور کی اور حضور کے امرا کی

منظوری و اتفاق سے طے پائیگا ہم اس پر پوری طرح راضی رہیں گے اور اسے مستحکم طور پر نافذ سمجھینگے"۔ لیکن جہاں وہ اپنی وسیع ذمہ داری سے جھجکتے تھے وہیں عوام نے بادشاہ سے ایک نہایت کارآمد عملی اصلاح حاصل کرلی۔ اسوقت تک یہ ہوتا تھا کہ ان کی درخواستیں اگر منظور ہو جاتی تھیں تو وہ کبھی حسب حال قوانین و احکام میں بدل دیجاتی تھیں کبھی نامکمل رہ جاتی تھیں یا کبھی ان میں اس قدر تعویق ہوتی رہتی کہ زمانہ نشست ختم ہو جاتا تھا۔ اسطرح پارلیمنٹ کے بہت سے منظور شدہ قواعد کے عملدرآمد سے پہلوتہی ہوتی رہتی تھی یا انہیں معلق کردیا جاتا تھا۔ لیکن عوام نے اس خرابی کو رفع کرنے کے لئے یہ مطالبہ کیا کہ شاہی منظوری کے صادر ہوتے ہی ان کی درخواستیں بلاتغیر قانون ملک کی صورت میں بدل دیجایاکریں اور پارلیمنٹ کی فرد قوانین میں مندرج ہوکر قانونی اعتبار حاصل کرلیں۔

ایکوئی ٹین کا ہاتھ سے جاتا رہنا ۱۳۶۹-۱۳

عوام جس سیاسی ذمہ داری سے بچنا چاہتے تھے وہ بالآخر جنگ کی نامساعدت کی وجہ سے مجبور ہوکر انہیں قبول کرنی پڑی، بریٹنی اور دوسرے مقامات کے جھگڑوں کے باوجود معاہدہ بریٹگنی کے نو برس بعد تک امن اچھی طرح قائم رہا مگر جان کے جانشین چارلس نہم کی تیز نگاہیں جھگڑے کو تازہ کردینے کے لئے موقع کو تاک رہی تھیں، اس نے

اپنے ہاں کے لٹیروں کو اسپین میں بھیج کر ملک کو ان ۱۳۶۶
سے پاک کردیا تھا، اور شاہزادہ اسود کے اس ملک کے
انقلابات میں دخل دینے کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ نواریٹ
کی لاحاصل فتح سے وہ اپنی صحت برباد کرکے واپس آیا۔
نیز مہم کے اخراجات نے اسے بالکل تہی دست کردیا۔ اس
ضرورت سے محصول عاید کرنا پڑا اور اس سے جو ناراضی
پیدا ہوئی چارلس نے اسے اس حد تک بھڑکا دیا کہ اس
نے بغاوت کی صورت اختیار کرلی اور باوجود معاہدے
کے اس نے ایکوئٹین کے امرا کے مرافعے کی سماعت کی
اور شہزادہ اسود کو اپنے دربار میں جوابدہی کے لئے طلب
کیا، شہزادے نے جواب دیا کہ "میں آتا ہوں، مگر میرے
سر پر خود ہوگا اور میرے پیچھے ساٹھ ہزار آدمی ہوں گے"۔
لیکن اعلان جنگ کا ہونا تھا کہ پاتھیو پر قبضہ کر لینے
اور گارون سے جنوب کے تمام ملک میں بغاوت برپا کردینے
سے ظاہر ہوگیا کہ چارلس نے کس خوبی سے اپنی تجاویز
تیار کی تھیں۔ لموژ نے فرانسیسیوں کی اطاعت قبول کرلی
تھی۔ شہزادہ ڈولی پر سوار ہوکر اس کی دیواروں کے
سامنے آیا اور اسے دوبارہ فتح کرلیا، اور سفاکانہ قتل و غارت
سے اپنے ابتدائی کارناموں کو بدنام کیا۔ لیکن بیماری کی
وجہ سے اسے وطن کو واپس ہونا پڑا اور چارلس نے یہ ہوشیاری
کی کہ اپنی فوجوں کو مقابلہ کرنے سے روک کر جنگ کو طول

دینا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان کی قوت اور
خزانہ خالی ہو گیا۔ آخر کار اسپینی بیڑے کے رود بار میں نمودار
ہونے اور روشیل کے قریب انگلستان کے محافظ تجارت، بیڑے
۱۳۷۲ پر مکمل فتح حاصل کر لینے سے شہزادے کے طرز عمل کی غلطی
ظاہر ہو گئی۔ یہ ضرب فی الحقیقت انگریزی اغراض کے لئے مہلک
ثابت ہوئی اس کی وجہ سے اڈورڈ کے ہاتھ سے سمندروں
کی حکومت جاتی رہی اور ایکوئی ٹین سے اس کا سلسلہ آمد و رفت
منقطع ہو گیا۔ چارلس میں نئی کوششوں کا ولولہ پیدا ہوا،
پوائٹو سینٹوژ اور آنگوموا نے اس کے سپہ سالار ڈیوگسکلین
کی اطاعت قبول کر لی، اور روشیل کو خود شہریوں نے اسکے
حوالہ کر دیا، بادشاہ کے تیسرے بیٹے جان (گانٹ) یعنی ڈیوک
لینکسٹر کے تحت میں ایک بہت بڑی فوج فرانس کے
قلب تک داخل ہو گئی مگر حاصل کچھ نہ ہوا، چارلس نے
ہر طرح پر جنگ کی ممانعت کر دی تھی۔ اس نے اطمینان
کے ساتھ کہا کہ" اگر زمین پر کوئی طوفان آتا ہے تو وہ خود
چھنٹ جاتا ہے اور اسی طرح انگریز بھی منتشر ہو جائینگے"
فی الواقع موسم سرمانے ڈیوک کو رود برنی کے پہاڑوں میں پریشان
کر دیا اور اس کی فوج کا صرف ایک ٹکڑا بورڈو تک
پہنچ سکا۔ یہ ناکامی ایک عام انحراف کا اشارہ ہو گئی اور ۱۳۷۴ء
کا موسم گرما ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ جنوب فرانس کے انگریزی
مقبوضات میں سے صرف بارڈو اور بایون انگریزوں کے پاس

رہ گئے۔
شرم و مصیبت کا ایسا زمانہ انگلستان کو کبھی پیش نہیں آیا تھا، اس کی فتوحات ضائع ہوگئیں اس کی بندرگاہوں کی تذلیل ہوئی، اس کا بیڑہ برباد ہوگیا اور سمندر سے اس کی تجارت ناپید ہوگئی اور ساتھ ہی اس کے ملک اس طولانی جنگ کے بارگران اور وبا کی تباہیوں سے بالکل خستہ ہوگیا تھا۔ اس مصیبت کے وقت ہرنائٹ اور امیر کی حریصانہ نظریں کلیسا کی دولت پر پڑنے لگیں۔ کلیسا کا روحانی اور اخلاقی اثر کبھی ملک میں ایسا کم نہیں ہوا تھا جیسا اس وقت تھا، اور کبھی اس کی دولت اس سے زیادہ نہیں تھی جتنی اس وقت تھی۔ بیس لاکھ کی آبادی میں عمال مذہب کا شمار بیس اور تیس ہزار کے درمیان تھا؛ ان کی کثرت دولت کے دور از خیال قصے ہر طرح پھیل رہے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ صرف ملکیت اراضی کے اعتبار سے وہ ایک تہائی سے زیادہ زمین پر قابض تھے۔ مطالبات اور نذرانوں کی شکل میں ان کی آمدنی بادشاہ کے محاصل سے دونی تھی۔ مجلس شوری میں اب اساقفہ کا جمع ہوتا جاگیردار بیرنوں کو اور بھی زیادہ ناگوار معلوم ہونے لگا کیونکہ کریسی اور پوائیٹیرز کے فتوحات سے ان میں ایک نیا خمار پیدا ہوگیا تھا جنگ کی تجدید پر پارلیمنٹ نے یہ درخواست کی کہ سلطنت کے اعلیٰ عہدے انہیں لوگوں کو دئے جائیں جو فرقہ مذہبی کے حلقہ سے باہر ہیں ولیم وائکہم

۱۳۷۱ (اسقف ونچسٹر) نے عہدہ چانسلری سے استعفا دے دیا اور ایک دوسرے مقتدائے دین نے خزانے سے علیحدگی اختیار کی اور ان کی جگہوں پر بڑے بڑے امرا کے متوسلین مقرر کئے گئے۔ ارکان مذہبی کا اضطراب اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے جلسوں میں بڑی بڑی رقوم اعانت منظور کرلیں، طبقۂ بیرن کو جان (گانٹ) کی صورت میں ایک سرگروہ مل گیا تھا، مگر کلیسا کی لوٹ کا لالچ دینے سے بھی ڈیوک اور اس کے طرفداروں کو چھوٹے درجہ کے زمینداروں اور اہل شہر کی موافقت حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ برخلاف ازیں نئے انتظام کی ابتری وقطعی ناکامی اور جنگ کے مصائب نے اس فریق کو ۱۳۷۶ء کی پارلیمنٹ کے روبرو بالکل بے بس کردیا۔ بدنظمی سلطنت سے قومی مخالفت کی بنا پر اس پارلیمنٹ کے کاموں سے خصوصیت کے ساتھ ایک نئے دور کی ابتدا ہوتی ہے، اب تک حکومت سے مقاومت کرنا طبقہ بیرن کا کام تھا جو اپنی جاگیر کے مستاجرین کو شورش پر آمادہ کرکے کام نکال لیتے تھے مگر موجودہ بدانتظامی میں تاج کے ساتھ خود طبقہ بیرن کا بھی بیشتر حصہ شریک تھا اور اس لئے اس بدنظمی کے بآسانی دفع کرنے کا ذریعہ اب صرف عوام ہی کی قوت سے ہوسکتا تھا، دارالعوام معاملات سلطنت میں دخل دینے سے ہچکچاتا تھا مگر زمانہ کی سختی نے اس کے اس پرانے متذبذب کو دفع کردیا شہزادہ اسود بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا اور جان (گانٹ) کو برطرف

نیک پارلیمنٹ اپریل ۱۳۷۶ء

کرکے اپنے لڑکے کے لئے حق جانشینی حاصل کرلینے کے لئے مضطرب
تھا ادھر مقتدایان دین ولیم (وائکہم) کی سرکردگی میں پھر
شاہی مجلس میں اپنی جگہ حاصل کرنے اور املاک مذہبی کو
لوٹ سے بچانے کے لئے آمادہ و مستعد ہو گئے تھے۔ ان دونو
نے دارالعوام کو ڈیوک کے انتظامات کی مخالفت کے لئے ایک
مفید جماعت پایا۔ اس قسم کی قوتوں کی پشت پناہی حاصل
ہونے کے بعد عوام میں ان کی قدیم کمزوری اور عدم اعتماد
کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، شاہی مجلس پر مشترکہ حملہ کرنیکے لئے
عوام کے ساتھ شائر کے نائٹ بھی متفق ہو گئے "امرا کا سرگروہ
جان (ڈیوک لینکسٹر) تھا اور اس کے تمام کام خلاف قانون
ہوتے تھے"۔ دارالعوام کے اسپیکر (صدر) سرپیٹر ڈی لا میسر
نے "خدا پر بھروسہ کرکے اپنے اراکین کے ساتھ ان امرا کے
سامنے کھڑے ہوکر" جنگ کی بدنظمیوں اور محصولات کی سختیوں
پر اعتراض کیا اور اخراجات کے حساب کا مطالبہ کیا۔ جان
(گانٹ) نے چلا کر کہا "یہ کمینے اور ذلیل نائٹ کیا چاہتے
ہیں۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں، کہ وہ ملک کے بادشاہ اور
شہزادے ہو جائیں گے"۔ مگر حکومت کے خلاف جو الزامات
لگائے گئے تھے انہیں سنکر ڈیوک کو بھی خاموش ہو جانا پڑا
اور پارلیمنٹ دو وزیروں (لیٹمیر اور لائینز) کے تحقیق معاملات
و مکافات کی کارروائی میں بدستور مشغول رہی۔ خود بادشاہ
بھی کالعدم ہو گیا تھا اور ہمہ تن ایلس پیر نامی ایک

عورت کے بس میں تھا۔ یہ عورت جلا وطن کر دی گئی اور بہت سے شاہی ملازمین دربار سے نکال دئے گئے۔ شکایات ملک کے متعلق ایک سو چالیس درخواستیں پیش ہوئیں ان میں پارلیمنٹ کے سالانہ اجتماع اور شائر کے نائٹوں کے انتخاب کی کارروائی کا (جن میں اب تک اکثر تاج کی طرف سے خرابی پیدا ہوتی تھی) مطالبہ کیا گیا تھا، بلا رائے پارلیمنٹ اجرائے محصولات اور کلیسا کی آزادی میں پوپ کی مداخلت کی بابت اعتراض کیا گیا تھا، انہیں میں تجارت کی حفاظت، قانون مزدوران کے نفاذ اور سند یافتہ پیشوں کے اختیارات کے تعین کی بابت بھی درخواستیں تھیں۔ شہزادہ اسود کے انتقال پر اس کا چھوٹا بچہ رچرڈ پارلیمنٹ میں لایا گیا اور وہی وارث تاج وتخت تسلیم کیا گیا، مگر پارلیمنٹ کے برطرف ہوتے ہی لینکسٹر نے پھر اختیارات حاصل کر لئے۔ اس نے ایک پرغرور انداز سے قانون کی ان تمام بندشوں کو توڑ ڈالا مجلس سے نیخ امرا و مقتدایان دین کو خارج کر دیا۔ ایلس پیرز اور معزول شدہ وزرا کو پھر بلا لیا؛ اور یہ اعلان کر دیا کہ نیک پارلیمنٹ" کوئی پارلیمنٹ ہی نہ تھی اور اس کی درخواستوں کو قانون کی صورت میں نہ آنے دیا۔ اس نے پیٹر ڈی لا میسر کو قید کر لیا اور ولیم واٹکہم کی تمام املاک ضبط کر لی۔ اس مقتدائے دین پر اس کا یہ وار تمام

فرقہ مذہبی کے خلاف سمجھا گیا: کلیسا کی املاک کو لوٹنے کے منصوبوں پر علانیہ لوگوں کو آمادہ کیا اور ضبطی کی تجاویز پر اسی کی تائید تھی جس نے جان وکلف کی کامیابی کا راستہ کھول دیا +

جزو سوم

جان وکلف

اسناد:۔ سلسلہ صحائف میں فیسیکل زیزینی اورم (Fasciculi Zizaniorum) مع تحریرات مندرجہ وکلف اور اس کے متبعین کی تاریخ کے لئے اولین سند ہے۔ وکلف کے انگریزی رسائل سے مسٹر ٹی آرنلڈ نے اکسفورڈ یونیورسٹی کے لئے ایک انتخاب تیار کیا ہے۔ اس یونیورسٹی نے وکلف کی "ٹرائس" بھی شایع کی ہے۔ کتاب مقدس کا ترجمہ اس کے نام سے مشہور ہے اسے پادری جے مارشل اور سر الیف۔ میڈن نے مع ایک مقدمہ کے مرتب کیا ہے۔ اس کی سوانحعمریاں لیوس اور وان نے لکھی ہیں اور ملمین نے اپنی تصنیف "لیٹن کرسچیانیٹی (لاطینی عیسائیت جلد ششم) میں لولارڈ کی تحریک کا بہت ہی اچھا خلاصہ دیا ہے +

وکلف کی ابتدائی زندگی کی گمنامی اور اس کے اختتام عمر سے بیس برس پہلے کی ہمہ گیری و شہرت میں

نہایت ہی عجیب و غریب تخالف کی صورت پیش نظر ہو جاتی ہے۔ وہ چودھویں صدی کے اوائل میں پیدا ہوا تھا، اور جب زمانہ کہولت سے گزر چکا تھا اس وقت وہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں بیلیل کالج کا مہتمم مقرر ہوا اور اپنے وقت کے معلمین میں سب سے اول درجہ پر تسلیم کیا گیا۔ علمائے مدارس میں انگلستان کے علما فلسفیانہ مباحث میں اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ سرگرم اور مستعد رہے ہیں، بیکن، ڈنس اسکوٹس اور اوکہم سب میں ایک عام خودرائی اور جدت پسندی پائی جاتی ہے، برخلاف اس کے پیرس کے
اہل مدارس، البرٹ اور اکوئناس میں سنجیدگی اور انضباط ۱۲[illegible] ۔ ۱۲۶۱
علمی کی شان زیادہ نظر آتی ہے، مگر انگریزی لڑائیوں کے دوران میں پیرس کی یونیورسٹی کے انحطاط سے اس کی علمی فوقیت آکسفورڈ کی طرف منتقل ہو رہی تھی، اور آکسفورڈ میں وکلف کا کوئی ہمسر نہ تھا، وہ بریڈ وارڈن کا جانشین ہوا تھا اور اس حیثیت سے جو تصانیف اس زمانہ میں اس نے شایع کیں وہ درحقیقت اپنے پیشرو کے کام کی انجام دہی تھی، مذہب آگسٹینی کے موافق قائل تقدیر ہونیکا میلان اس میں پایا جاتا تھا اور اس کے زمانہ مابعد کے مذہبی انقلاب کی بھی بنیاد تھی۔ اوکہم کا جس قدر وہ ممنون تھا وہ اس کے اصلاح کلیسا کی ابتدائی کوششوں سے ظاہر ہوگیا، اوکہم نے کلیسا کی گیدڑ بھبکیوں اور اخراج عن الملت

کی دھمکیوں سے بے خطر ہو کر حمایت ملک کے جوش میں پوپ
کی سیادت کا استیصال اور ملکی قوت کے حقوق کا دعوے
کرنے میں کبھی تذبذب ظاہر نہیں کیا۔ وکلف مطالعہ و ریاضت
سے کمزور ہوگیا تھا اور اس کے لاغر و نحیف جسم سے بمشکل
یہ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ ایسا مصلح ثابت ہوگا جو ادہم کے
طوفان خیز کام کو جاری رکھ سکیگا۔ مگر اس کے نحیف جثہ میں
ایک دل تھا جس میں تیزی، بیچینی، وسیع مستعدی، ناقابل
جنبش اعتقاد ناقابل شکست فخر موجود تھا۔ شخصی دلکشی کو
جو ہمیشہ اصلی عظمت کی معین ہو جاتی ہے، اس کی زندگی
کی بے داغ پاکبازی نے اور موثر کر دیا ہے خود وکلف
نے بھی اپنی ذہنی طاقت کے وسیع حدود کا بمشکل اندازہ
کیا ہوگا۔ پیش آنے والے جد وجہد میں پڑکر اس خشک
مزاج و نکتہ آفریں مدرس کے اوصاف ظاہر ہوے کہ وہ
زمانہ مابعد کی انگریزی نثر کا بانی، عام پسند، ہجو ملیح اور
ترغیب و تحریص کا قادر الکلام، ایک ذی ہوش مدبر، ایک
بیباک حامی، ایک جدید فرقہ مذہبی کا موسس بری باتوں
پر ایک بے تحاشا متعرض اور سب سے دلیر اور سب سے
زیادہ ڈھیٹ مناظر ہونے والا تھا۔ وہی پہلا مصلح تھا
جس نے سب سے الگ تن تنہا تمام ممالک عیسوی کے
عقاید پر اعتراض اور ان سے انکار کیا، گزشتہ زمانہ کے
رواج کو توڑا اور اپنے آخری دم تک پوپ کے بنائے ہوے

معتقدات کے خلاف آزادی خیال کا دعوے کرتا رہا۔

انگلستان اور پوپ

کلیسا پر وکلف کا وار عین اس وقت پر ہوا جبکہ ازمنہ وسطے کا انحطاط مذہبی اپنی آخری حد کو پہنچ گیا تھا۔ مستقر پوپ کے مقام آوِنیاں میں منتقل ہو جانے سے انگریزوں کے دلوں میں اس کی آدھی وقعت رہ گئی تھی کیونکہ اس طرح پر پوپ نہ صرف فرانسیسی بادشاہوں کے دست پرور بن گئے تھے بلکہ خود ان کی حرص و تحصیل زر نے کم و بیش ایک عام انحراف پیدا کردیا تھا، اضلاع کے پادریوں اور اسقفوں کی جاگیر کے پہلے پھل اور پہلے برس کی آمدنی کا دعویٰ، ہر قسم کے اوقاف مذہبی میں تصرف کرنے کا ادعا، پادریوں پر براہِ راست محصول عاید کرنیکا اختیار انگریز کی جگہ پر غیرملکی قسیسوں کا تقرر، معافی، رعایت اور مغفرت کے فروخت کا دستور قائم کرنا، پوپ کے دربار میں مرافعہ کرنے کی جرأت دلانا ان تمام امور نے جمع ہوکر تمام قوم کو مضطر کردیا تھا جس میں "اصلاح" کے زمانہ تک سکون نصیب نہیں ہوا۔ لوگ "فرانسیسی پوپ" کا مضحکہ کرتے تھے اور اس کے وکیل جب جہازوں سے اترتے تو انہیں پتھر مارنے کی دھمکی دیتے۔ چاسر کی طباعی نے "روم کی گرماگرم معافیوں" کے تحصیلوں کا خاکہ اڑایا، پرِمیونرِ کے قانون کے موافق پارلیمنٹ نے سلطنت کے اس حق کی حمایت کی کہ شاہی عدالتوں سے جو فیصلے صادر ہوں ان پر غیرملکی عدالتوں میں

کسی قسم کی بحث نہ کی جائے نہ کسی قسم کا مقدمہ غیر ملکی
عدالتوں میں دائر کیا جائے اور پراونرس کے قانون سے پوپ
کے اس دعوے سے انکار کیا کہ اوقاف کے تصرف کا
اسے حق حاصل ہے مگر بادشاہ کی ایک نازیبا سیاسی کارروائی
نے اس کوشش کو چلنے نہ دیا۔ پوپ نے درحقیقت غیر ملکیوں
کے مقرر کرنے کا ادعا ترک کردیا تھا، مگر پوپ و بادشاہ نے
آپس میں ایک سمجھوتہ کرلیا جس کا منشا یہ تھا کہ کلیسا کو
اپنی غلامی کے اندر رکھیں اس بنا پر اسقفی خانقاہ اور
اوقاف مذہبی پر بدستور پوپ کے طرف سے لوگ مقرر
ہوتے رہے مگر بادشاہ پہلے ان کا انتخاب کرتا تھا، اس
انتظام سے بادشاہ اور پوپ دونوں کے خزانوں کو فائدہ
پہنچتا تھا۔ نیک پارلیمنٹ کے اعتراض سے یہ ثابت ہوتا
ہے کہ پہلے کی مجالس پارلیمنٹ اپنی کوشش میں ناکام
رہ چکی ہیں، یہ دعوی کیا گیا تھا کہ پوپ نے جو محصولات
لگائے تھے وہ بادشاہ کے محصولات سے پانچ گونہ زیادہ تھے۔
کہا جاتا تھا کہ حق تقرر کو محفوظ رکھنے سے ایک ہی قابض
جائداد کی زندگی میں ایک ہی اسقفی پر چار چار پانچ پانچ بار
تقرر کیا جاتا ہے اور ہر بار پہلا نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ تباہ کار
شہر روم کے دلال روپیہ پیدا کرنے کے لئے بے علم اراذل کو
ہزار ہزار مارک کی آمدنی کے اوقاف پر مقرر کرتے ہیں اور
غریب عالم کو شکل سے بیس میں ایک مارک ملتا ہے اسوجہ سے

اعلیٰ تعلیم کا انحطاط ہو رہا ہے' وہ غیر ملکیوں کو بھیجتے ہیں جو نہ اپنے اہل حلقہ سے ملتے ہیں نہ ان سے ملنے کی فکر کرتے ہیں' خدا کی طاعتگذاری سے نفرت کرتے ہیں' ملک کی دولت لوٹتے ہیں وہ یہودیوں اور عربوں سے بھی بدتر ہیں' صرف انگلستان سے پوپ کو اتنی آمدنی ہے کہ ممالک عیسوی کے کسی بادشاہ کی اتنی آمدنی نہیں ہے' خدا نے اپنی بھیڑیں چرانے کے لئے سپرد کی ہیں اون کاٹنے اور کھال نکالنے کے لئے سپرد نہیں کی ہیں'' یہ شکایات معمولی شکایات نہیں تھیں' اس زمانہ میں لچفیلڈ' سالسبری اور یارک کی نظامت مذہبی کینٹربری کی شماسی (جو انگریزی اوقاف میں سب سے زیادہ زرخیز تھی) اور اس کے ساتھ اور بے شمار معمولات و رعایات' اطالوی رؤسائے مذہب اور قسیسوں کے حصہ میں تھے اور پوپ کا محصل اپنے لندن کے دفتر سے ایک سال میں بیس ہزار مارک پوپ کے خزانہ میں روانہ کرتا تھا۔

انگلستان اور کلیسا

اس قسم کی جبر و زیادتی اور ستم شعاری نے انگریزی پادریوں کو اگر پوپ سے منقطع کر دیا تھا تو خود ان کی خود غرضی نے انہیں عام قوم سے جدا کر دیا تھا' ان کی دولت جیسی کثیر تھی ظاہر ہے مگر ملک کے بار کو تاحد امکان وہ سب سے کم برداشت کرتے تھے۔ وہ اب بھی اس دعوے پر مصر تھے کہ ملک کی عام عدالت سے وہ مستثنیٰ

رکھے جائیں اور مذہبی عدالتوں کی نرم نرم سزاؤں کا ان
بے مہار پادریوں کو ذرا بھی خوف نہ تھا۔ اپنے حلقہ مذہبی
سے باہر کی مداخلت سے ہر طرح وہ بچے ہوئے تھے مگر
وصایا، معاہدات و طلاق کی نگرانی، معین نذرانوں کی تحصیل
اور سب سے زیادہ مذہبی ادائے فرائض کی وجہ سے
وہ اپنے گردو پیش کی اندرونی معاشرت میں ہر طرح
پر دخیل تھے ان کے اختیارات کے نافذ کرنے والے
اور ان کے مطالبات کے وصول کرنے والے پیادوں
کو جس طرح صورت دیکھتے ہی ہر شخص پہچان لیتا تھا
کسی اور کو لوگ اس طرح نہیں پہچانتے تھے لیکن اسکے
ساتھ ہی ان پیادوں سے زیادہ کسی اور سے نفرت بھی
نہیں کرتے تھے اس وجاہت دنیاوی کے مقابلہ میں
پادریوں کا اخلاقی اقتدار جلد جلد زایل ہوتا رہا۔ متمول ترین
اہل کلیسا اپنے خمدار بالوں اور دراز آستینوں سے امیرانہ
طرز معاشرت کی نقل کرتے تھے اور فی الحقیقت ان کا
تعلق تھا بھی اسی سوسائٹی سے ان کے دنیاوی انداز کا
عام اثر ہم چاسر کی شکاری راہب اور رئیسۂ خانقاہ کے
مرقع میں جس کی درباریوں کی سی وضع (اور سینہ پر اسکا
ایک عاشقانہ مقولہ منقش تھا) پہلے ہی دکھا چکے ہیں۔ اعلیٰ
طبقہ کی خرابیوں پر وہ مطلقاً کوئی اثر نہیں ڈالتے تھے۔
بادشاہ اپنی بیوی کو "ملکہ حسن" کی حیثیت سے تمام لندن

میں پھراتا تھا' امرا اپنی بدکاریوں کو دربار اور میدان مسابقت میں علانیہ شایع کرتے تھے۔ اس وقت کا ایک وقائع نگار لکھتا ہے کہ "ان دنوں یہ خبر گرم تھی اور اسکا بڑا شور تھا کہ جہاں کہیں کوئی ٹورنامنٹ ہوتا ہے وہاں ایک غول خوبصورت عورتوں کا بھاری بھاری پوشاکیں پہن کر آتا ہے لیکن یہ ملک کی شریف عورتیں نہیں ہوتیں' ان کی تعداد بعض وقت چالیس پچاس تک پہنچ جاتی ہے' اور معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ بھی ٹورنامنٹ کا ایک جزو ہیں' یہ عورتیں مختلف طرز کے اور عجیب و غریب مردانہ لباس پہنے ہوتی ہیں بالوں کو لپیٹ کر سر کے گرد باندھ لیتی ہیں اور چھوٹی ٹوپیاں استعمال کرتی ہیں' کمر میں سنہرے رُپہلے پٹکے کسے ہوتی ہیں' اور پرتلوں میں خنجر لگائے ہوتی ہیں' وہ عمدہ گھوڑوں پر سوار ہو کر ورزش کے میدان میں آتی ہیں اور اس طرح اپنا روپیہ برباد کرتی اور اپنے جسموں کو عجیب و غریب طرح کی حرکات سے خراب کرتی ہیں لوگوں میں اس کا ہر طرف چرچا پھیلا ہوا ہے' وہ نہ خدا کا خوف کرتی ہیں نہ لوگوں کے جوش غیرت میں آوازہ کسنے سے شرمندہ ہوتی ہیں۔ مگر کلیسا کے غیرتمندوں کی آواز انہیں شرمندہ کرنے کے لئے بلند نہیں ہوئی' فی الواقع اہل کلیسا کا شیرازہ خود اپنے مناقشات سے

بکھرا ہوا تھا اعلیٰ طبقہ کے مقتدایان دین سیاسی عہدوں
کی نکروں میں مبتلا تھے اور ان دولتمند پادریوں اور دیہات
کے غریب پیش نمازوں کی آمدنیوں میں جیسا مضحکہ خیز
فرق تھا اس کی وجہ سے وہ ادنیٰ طبقہ کے پادریوں سے
بالکل بے تعلق تھے۔ جو دنیا دار پادریوں کا کام انجام
دیتے تھے ان میں اور ان لوگوں میں جو مستقلاً کلیسا
سے تعلق رکھتے تھے سخت نفرت انگیز تفرقہ پڑا ہوا تھا
اور یہ جنگ دارالعلوموں میں اور بھی سختی کے ساتھ
جاری تھی۔ آکسفورڈ کے چانسلر فیٹز رالف نے دارالعلوم کے
طلبہ کی کمی کو فرائر کی طرف منسوب کیا اور یونیورسٹی نے
چھوٹے لڑکوں کا ان کے طبقہ میں داخل ہونا قانوناً روک دیا۔
در اصل قدیمی مذہبی فرقے اب محض زمیندار ہو گئے تھے
اور فرائر کا جوش ایک بڑی حد تک مردہ ہو چکا تھا۔
اب فرائر کیا تھے، بے شرم گداگروں کا ایک غول باقی
رہ گیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وکلف نے انہیں بے تامل
مسٹنڈے گداگر کہا اور عوام نے اس پر واہ واہ کی۔
اس نے یہ بھی اعلان کردیا کہ "جو شخص کسی گدیہ گر فرائر
کو بھیک دیگا وہ خود بخود خارج ملت ہو جائیگا"

وکلف و اصلاح کلیسا

خود اہل کلیسا کے گروہ سے باہر ایک اور دنیا
تھی جس میں کچھ تو پیرز قلب ران کے مانند
حق پسند لوگ تھے جو دنیا داری اور بدکرداری پر نفرت کا

اظہار کرتے تھے۔ کچھ چاسر کے سے شکی تھے جو رؤسائے خانقاہ کی شکاری گھنٹیوں کی جھنکار پر ہنستے تھے اور ان کے علاوہ جان کے تحت میں وحشی و حریص بیرن تھے جو مقتدایان دین سے عہدوں کے نکال لینے اور ان کی دولت پر قبضہ کرلینے کے خواہاں تھے۔ یہ آخری فریق اگرچہ ہمیں بالکل ناکارہ معلوم ہوتا ہے مگر جان (گانٹ) ہی وہ شخص تھا جس سے وکلف نے اپنی اصلاح کلیسا کی کوششوں میں اتحاد پیدا کیا۔ ابھی تک اس نے روما کے معتقدات سے مخالفت نہیں کی تھی بلکہ صرف اسکی طرز عمل کا مخالف تھا اور پوپ کے دعوے "خراج" پر پارلیمنٹ کے پر غیظ انکار کی تائید اس نے محض اوہام کے اصول پر کی تھی۔ لیکن اس کے رسالہ "خدائی سلطنت" De Dominio Divino سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ وہ کام کرتا تھا ان کے خودغرضانہ اغراض سے اس کے اغراض حقیقتہً کس قدر مختلف تھے اپنی اسی مشہور ترین تصنیف میں وکلف نے اپنے فعل کو سوسائٹی (معاشرت) کے ایک خاص تخیل پر مبنی کیا ہے' خود اس کے الفاظ میں تمام اختیار "رحم پر مبنی" ہے۔ اعلیٰ ترین مفہوم میں حکومت صرف خدا کی ہے۔ خدا ہی ہے جو تمام عالم کا بادشاہ ہونے کی حیثیت سے اپنی حکومت مختلف درجہ کے حکمرانوں کو

جاگیر کے طور پر اس شرط سے عطا کرتا ہے کہ وہ اسکی اطاعت کریں۔ اس پر بہت آسانی سے یہ اعتراض کیا جا سکتا تھا کہ اس حالت میں "حکومت" کہیں قائم ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ انسان اپنے گناہوں کی وجہ سے اس شرط کو قایم نہیں رکھ سکتا اور گناہ ہر شخص سے سرزد ہوتا رہتا ہے۔ مگر جیسا کہ وکلف نے خود ظاہر کیا ہے یہ نظریہ محض ایک خیالی نظریہ ہے۔ واقعی عمل میں وہ حکومت و طاقت کے درمیان فرق کرتا ہے۔ طاقت خدا کی مرضی سے بدکاروں کو بھی مل سکتی ہے۔ اور ایک عیسائی خدا کی اطاعت کے خیال سے اس کی تبعیت کر سکتا ہے، اس نے اس کا مطلب اپنی عالمانہ طرز میں ادا کیا تھا مگر بعد کو لوگ ان الفاظ کو بگاڑ کر یوں کہنے لگے کہ بقول وکلف "یہاں زمین پر خدا کو شیطان کی اطاعت کرنی چاہئے"۔ لیکن خیالی ہو یا حقیقی ہر طرح کی قوت و حکومت خدا ہی کی سمجھی جاتی تھی اور جیسا کہ پوپ کا دعوی تھا یہ طاقت صرف ایک ہی شخص کو (جو زمین پر اپنے کو خدا کا خلیفہ کہتا تھا) نہیں دی گئی تھی بلکہ تمام آدمیوں کو عطا کی گئی تھی۔ بادشاہ صحیح معنی میں خدا کا ایسا ہی خلیفہ تھا جیسا کہ پوپ تھا، شاہی قوت ویسی ہی مقدس تھی جیسی کلیسا کی قوت تھی اور دنیاوی امور بلکہ کلیسا کے دنیاوی معاملات میں بھی ویسی ہی کامل تھی جیسی کلیسا کی قوت روحانی امور میں تھی۔ اس لئے کلیسا و سلطنت کی بحث میں "حکومت" کے درمیان خیالی و عملی

فرق کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا، وکلف کا اس نظریہ کو عقل انسانی کے مطابق کرنا بہت ہی بلند اور وسیع اہمیت رکھتا تھا۔ ہر ایک عیسائی بادشاہ یا قسیس کا فرمان پذیر ہو سکتا ہے مگر "صاحب اختیار" ہونے کے لحاظ سے وہ خود براہ راست خدا کا جواب دہ ہوتا ہے۔ خود خدا کا تخت شخصی مرافعہ کی عدالت تھی۔ سولھویں صدی کے مصلحین نے جو کام اپنے نظریہ "جزائے اعتقاد" سے لیا اسی کام کو وکلف نے نظریۂ "حکومت" سے پورا کرنے کی کوشش کی۔ یہ وہ نظریہ تھا جس نے انسان و خدا کے درمیان براہ راست تعلق قائم کر کے درمیانی حیثیت کی اس تمام بنیاد کو ڈھا دیا تھا جس پر ازمنہ وسطیٰ کے کلیسا کی عمارت قائم تھی مگر کچھ عرصہ تک اس کا حقیقی اثر محسوس نہیں ہوا تھا۔ کلیسا و سلطنت کی بابت وکلف کا نظریہ، اس کا دنیاوی معاملات میں کلیسا کو تاج کا تابع قرار دینا، اس کا یہ دعوی کہ قومی اغراض کے لئے دوسری جائدادوں کے مانند کلیسا کی جائداد پر بھی قبضہ کیا جا سکتا اور اسے کام میں لایا جا سکتا ہے، اس کی یہ خواہش کہ اہل کلیسا خود ان جائدادوں کو چھوڑ دیں اور کلیسا کی ابتدائی غربت کی حالت کو اختیار کریں، ان باتوں نے طبقہ مذہبی میں زلزلہ ڈال دیا تھا۔ انہیں سخت ناگوار ہوا جب وہ اس وقت میں لینکیسٹر والوں کے مذہبی پشت پناہ کی حیثیت سے نمودار ہوا جبکہ ڈائگیم پر

امرا کے حملے سے وہ پیچ و تاب کھا رہے تھے، انہوں نے یہ عزم کیا کہ وکلف پر مقدمہ قائم کر کے لات کا جواب لات سے دیں۔ وہ لندن کے اسقف کورٹنی کے روبرو طلب کیا گیا تاکہ وہ کلیسا کی دولت کے متعلق اپنے زندیقانہ تجاویز کا جواب دے۔ ڈیوک لینکیسٹر نے اس طلبی کو فی الواقعہ اپنے خلاف سمجھا اور سینٹ پال کی عدالت اساقفہ میں وکلف کی جانبداری میں بذات خاص موجود رہا مگر اس وقت کسی قسم کی کارروائی نہیں ہوئی البتہ امرا اور فرقہ مذہبی کے لوگوں میں کچھ سخت گفتگو ہوئی، خود ڈیوک کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے کورٹنی کو دھمکایا کہ وہ اس کے چٹھے پکڑ کر گرجا سے نکال دیگا۔ آخرالامر لندن کے عوام جن میں جان (گانٹ) کے طرف سے نفرت پھیلی ہوئی تھی اپنے اسقف کی مدد پر اٹھ کھڑے ہوے اور سپاہیوں کی مدد سے بمشکل وکلف کی جان بچی۔ مگر اس خطرے کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ اس کی ہمت اور بڑھ گئی، اساقفہ نے پوپ کا ایک فرمان حاصل کیا جس میں دارالعلوم کو ہدایت کی گئی تھی کہ وکلف کو ملعون سمجھیں اور اسے گرفتار کرلیں، لیکن وکلف اس فرمان کا دلیرانہ مقابلہ کیا اس نے اس کا جواب لکھا اور اسے بکثرت ملک میں شایع کیا اور پارلیمنٹ کے روبرو پیش کیا، اس میں اس نے علانیہ یہ دعویٰ کیا تھا کہ ”کسی شخص کو پوپ ملت سے خارج نہیں کر سکتا تا وقتیکہ وہ اولاً خود

اپنے کو ملت سے خارج نہ کرے" کلیسا کے اس حق سے بھی انکار کیا کہ وہ روحانی عذاب کا خوف دلاکر دنیاوی حقوق حاصل کر سکتا یا انہیں محفوظ رکھ سکتا ہے۔ یہ بھی دعویٰ کیا کہ بادشاہ یا دنیاوی امرا نقص فرائض کی صورت میں کسی گرجا کو اس کی جائداد سے محروم کر سکتے ہیں اور معہذا اہل کلیسا کے ملکی عدالت کے تابع ہونے کی بھی حمایت کی۔ یہ مقابلہ اگرچہ گستاخانہ تھا مگر اس نے رعایا و بادشاہ کی تائید حاصل کرلی۔ اختتام سال کے قریب جب وہ معبد لیمبتھ میں اسقف اعظم کی طلب پر جوابدہی کے لئے حاضر ہوا تو دربار سے مقتدائے اعظم کے نام کارروائی کو معطل کر دینے کا حکم آگیا اور اہل لندن نے عدالت میں گھس کر اجلاس کو درہم برہم کر دیا؛

پہلا پراٹسٹنٹ

وکلف ابھی اصلاح کلیسا کے لئے اپنی تجاویز کو جان (گانٹ) کے رفاقت میں شائع ہی کر رہا تھا کہ واٹ ٹائلر کی سرکردگی میں کسانوں نے شورش برپا کردی اور چند مہینوں میں وکلف کا تمام کام برباد ہوگیا۔ اس سے نہ صرف فریق لینکسٹر کی طاقت (جس پر وکلف کو بھروسہ تھا) ایک وقت کے لئے معدوم ہو گئی بلکہ ایک عام خطرے کے مقابلہ میں طبقہ بیرن و کلیسا کی مشاجرت باہمی بھی برطرف کردی گئی تھی وکلف کے غریب مبشر اشتراکیت کے واعظ سمجھے جانے لگے۔ فرائر نے اس پر یہ

الزام لگایا کہ "وہ تخم فساد کا بونے والا ہے جس نے اپنی سانپ کی سی ریشہ دوانی سے عوام کو رؤسا کے خلاف کردیا ہے" اور اگرچہ وکلف نے اس الزام کو حقارت کے ساتھ رد کردیا مگر اس کے بعض پیرووں کے برتاؤ سے شبہ کی وجہ پیدا ہو گئی تھی ۔ جان بال اس شورش میں پیش پیش تھا اور وہ وکلف کے جانبداروں میں شمار ہوتا تھا اور یہ دعوی کیا گیا تھا کہ اس نے اپنے آخری وقت میں "پیروان وکلف" کی سازش سے تبرا کیا تھا۔ اس کے ایک سرآمد شاگرد رابرٹ ہرفرڈ کے بابت کہا جاتا ہے کہ اس نے اسقف اعظم سڈبری کے قتل پر علانیہ خوشنودی ظاہر کی تھی۔ اس قسم کے الزامات پر اعتبار کیا جائے یا نہ کیا جائے مگر اس قدر یقینی ہے کہ اس وقت سے کلیسا کے ترتیب جدید کی تمام تجاویز اس تمام نفرت میں، خلط ملط ہو گئیں جو کسانون کے سرگروہوں کی تجاویز سے پیدا ہو گئی تھی اور بیرنوں اور پارلیمنٹ کے ہاتھوں سے مذہبی اصلاح کی ہر طرح کی امید کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن وکلف کو امیروں کی جماعت سے جو تائید حاصل ہو گئی تھی وہ اگر کسانون کی شورش سے باطل نہ بھی ہو جاتی تو بھی یہ رفاقت اس کی نئی مذہبی حیثیت سے خود بخود زایل ہو جاتی ۔ شورش کے شروع ہونے سے چند ماہ قبل اس نے ایک یادگار زمانہ کام کیا۔ کلیسا کے سیاسی تعلقات و انضباط کے مصلح ہونے کی حیثیت

سے گزر کر وہ اس کے اصولی اعتقادات پر معترض ہوا اگر کسی اعتقاد پر ازمنہ وسطیٰ کے کلیسا کی فوقیت قائم تھی وہ تبدیل دم و لحم (Transubstantiation) کا اعتقاد تھا، عشاے ربانی میں اس معجزے کا عمل ہوا کرتا تھا اور چونکہ عشاے ربانی کا سرانجام صرف پادریوں سے متعلق تھا اس وجہ سے ادنیٰ ترین قسیس بھی شہزادوں
سے برتر سمجھا جاتا تھا۔ وکلف نے ۱۳۸۱ء کے موسم بہار میں، ۱۳۸۱
اس اعتقاد تبدیل دم و لحم سے باقاعدہ انکار شائع کیا اور اس وقت سے انحراف کی وہ تحریک عظیم شروع ہوئی جس کا انجام سو برس سے زیادہ گزر جانے کے بعد یہ ہوا کہ ٹیوٹن اقوام کا سواد اعظم عام کیتھلک مذہب سے الگ ہو گیا، یہ کام اس وجہ سے اور بھی دلیرانہ تھا کہ وہ اس معاملے میں بالکل ہی اکیلا تھا۔ جس دارالعلوم میں اس وقت تک ہر چہار طرف اس کا اثر چھایا ہوا تھا اسی دارالعلوم نے فوراً ہی اسے مردود قرار دے دیا۔ جان (گانٹ) نے اسے خاموش رہنے کا حکم دیا وکلف بہ حیثیت ایک عالم ربانی کے اگستینی کیننوں کے بعض اختلافات کی بحث میں صدارت کر رہا تھا کہ اس کے بابت دارالعلوم کا نافذ کردہ حکم ارتداد علانیہ پڑھا گیا، اگرچہ ایک لمحہ کے لئے وہ گھبرا گیا مگر اس نے فوراً ہی چانسلر سے مطالبہ کیا کہ جن نتائج پر وہ پہنچا ہے انہیں وہ غلط ثابت کرے۔ اس کی اسس

ہمت سے اس وقت گرد و پیش کا اضطراب رفع ہو گیا۔
ڈیوک لینکسٹر کی ممانعت کا اس نے اپنی تعلیم کے علانیہ اظہار
سے جواب دیا، اور پر فخر طور پر اسے اس طرح ختم کیا
کہ "مجھے یقین ہے کہ آخر میں صداقت غالب آئے گی
دارالعلوم نے اس کی درخواست کو قبول کر لیا اور اسکے
مخالفوں کو ان کے عہدوں سے برطرف کرکے گویا اسکی
رائے کو تسلیم کر لیا۔ وکلف اپنی تائید کے لئے عالموں اور
دولتمندوں کے گروہ پر بھروسہ کرتا تھا مگر اب اس نے
ان کی طرف نظر کرنا چھوڑ دیا۔ اس نے انگلستان کے عام
لوگوں کی طرف رجوع کیا، اور انگریزی تاریخ میں یہ اپنے
قسم کا پہلا یادگار واقعہ ہے کہ اس نے خود عوام کی زبان
میں رسالہ پر رسالہ شائع کرنا شروع کیا۔ ان رسالوں
کی کثرت کو دیکھ کر اس کی محنت پر حیرت ہوتی ہے۔
بلند پایہ عالموں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سامعین کے روبرو
اپنے مباحث لاطینی زبان میں دقیق و پیچیدہ طور پر پیش
کرتے تھے مگر وکلف نے اس خشک و استدلالی طریقے کو
یکقلم ترک کر دیا اور وہ معلم کے بجائے ایک رسالہ نویس
بن گیا۔ اس انقلاب حالت سے اس شخص کی عجیب و
غریب ذہنی قوت ظاہر ہوتی ہے اگر چاسر زمانہ مابعد کی
انگریزی نظم کا بانی ہے تو وکلف انگریزی نثر کا بانی ہے
اس کے رسالوں کی سادی صاف اور روز مرہ کی انگریزی،

اس کی تحریر میں اس زمانہ کے قلبہ ران اور سوداگر کی گفتگو اگرچہ انجیل کے فقروں سے مزین اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے مگر علمی لحاظ سے جس طرح اس کا اسلوب کلام اور انداز بیان اس کا خاص امتیاز ہے اسی طرح یہ زبان بھی وکلف کی ایجاد کردہ ہے۔ پر زور چبھتے ہوئے فقرے اور متقابل جملے ایسے خصوصیات ہیں جو سست سے سست دل پر بھی تازیانہ کا کام کرتے ہیں۔ ایک بار ناقابل شک معتقدات کی زنجیروں کو توڑ کر وکلف کی طبیعت بڑی روانی سے تشکیک کی طرف چل نکلی۔ بخشائش، رعایت، معافی، ولیوں کے مزارات کی زیارت، ان کی تصاویر کی پرستش بلکہ خود ولیوں کی تعظیم سب سے یکے بعد دیگرے انکار ہونے لگا۔ اس نے صرف انجیل کو اعتقاد کی بنا قرار دیا اور جملہ ضروریات کے لئے اسی کی طرف رجوع کرنا لازمی سمجھا؛ اور اس کے ساتھ ہی یہ دعوے کیا کہ ہر لکھا پڑھا شخص اپنی ضرورت کے لئے خود انجیل کے دیکھنے کا حق رکھتا ہے۔ یہ دو باتیں ایسی تھیں کہ ان سے اعتقادات کی بنیاد ہی کے منہدم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ یہ دلیرانہ انکار صرف اسی مختصر اہل علم کے گروہ تک محدود نہیں رہا جو اب تک اس کے شریک حال تھے بلکہ ان معتقدات کی عام اشاعت کا ایک بے مثل انتظام ہو گیا۔ وکلف کی طبیعت میں عملی قابلیت خصوصیت کے ساتھ موجود تھی۔ اس نے

چند برس پیشتر ایک گروہ واعظین کا "سادگی پسند پادری" کے نام سے ترتیب دیا تھا۔ ان لوگوں کے عامیانہ وعظ اور دہقانیوں کے سے لباس پر تمام پادری ہنستے تھے مگر ان کی دن دونی ترقی کا اندازہ ہم ان کے مخالفین کے گھبرائے ہوئے مبالغوں سے کر سکتے ہیں۔ چند برس بعد انہوں نے یہ شکایت کی "وکلف کے پیرووں کی ہر جگہ اور ہر گروہ میں کثرت ہوگئی ہے، امرا کے طبقہ میں، شہروں میں، دیہات کے کسانوں میں، خود خانقاہ کے حجروں میں، ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ ہر شخص کے "ملنے والوں میں سے ایک ضرور لولارڈ ہوتا ہے"۔

لولارڈ کے معنی غالباً "کاہل بکواسی" کے ہیں۔ قدامت پرست اہل کلیسا نے حقارت سے اپنے مخالفین کو یہ خطاب عطا کیا تھا، مگر ان کی نمایاں ترقی نے اس تحقیر کو مستعدی و سرگرمی میں بدل دیا۔ کورٹنی اب اسقف اعظم ہوگیا تھا اس نے بلیک فرائرز میں ایک مجلس کی جس میں چوبیس مسئلے وکلف کی تصنیف سے اخذ کرکے باضابطہ بحث کیلئے پیش کئے۔ اثناء کارروائی میں ایک زلزلہ نے باستثناء اسقف اعظم کل مقتدیانِ دین کو خوف زدہ کر دیا، اس نے کہا کہ زمین سے بدفالیوں کا نکلنا کلیسا سے بدفالیوں کے نکلنے کی ایک اچھی علامت ہے اور لولارڈ کے خلاف اثبات جرم کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے بعد اسقف اعظم نے

آکسفورڈ کو اپنے غیظ و غضب کا نشانہ بنایا۔ اس کے خیال میں وہی اس تمام زندیقیت کا سرچشمہ تھا، سنٹ فرائڈس وائڈ کے گرجا میں نکولس ہرفرڈ نے انگریزی زبان میں ایک وعظ کہا اور اس میں وکلف کے اعتقادات کو صحیح بتایا تھا کورٹنی نے چانسلر کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے پیرووں کو خاموش کرے ورنہ وہ خود منکر مذہب قرار دیا جائے گا۔ چانسلر نے یونیورسٹی کی آزادیوں پر اعتماد کر کے وکلف کے ایک دوسرے پیرو رپنگڈن کو واعظ مقرر کر دیا۔ اس شخص نے فرقہ لولارڈ کو "مقدس بادری" کہنے میں اور جان (دگانٹ) کی حمایت کا دعویٰ کرنے میں بھی تامل نہیں کیا۔ اس دوران میں طلبہ میں فرقیانہ جوش بہت بڑھ گیا تھا، ان کا بڑا حصہ لولارڈ پیشواؤں کا طرفدار تھا، کارملائٹ پیٹر اسٹوکس نامی نے اسقف اعظم کے خطوط حاصل کئے تھے، مگر اس وقت حالت یہ ہو گئی تھی کہ وہ دہشت زدہ اپنے کمرے میں بند رہا اور چانسلر سو شہریوں کے حلقہ میں محفوظ و مطمئن رپنگڈن کے گستاخانہ بیان کو دل لگا کے سنتا رہا۔ بیچارے پیٹر اسٹوکس نے اسقف اعظم کو تو یہ لکھ بھیجا کہ "میں موت کے خوف سے اب آگے قدم بڑھانے کی جرات نہیں کر سکتا" پھر بھی ہمت کر کے ان مدارس میں چلا آیا جہاں اب رپنگڈن نے یہ دعوے کیا تھا کہ پادریوں کا طبقہ اس وقت اچھا

تھا جب اس کی عمر کے صرف نو برس گزرے تھے
بہ نسبت اس زمانہ کے کہ وہ ایک ہزار برس سے زائد
کی عمر کو پہنچ چکا ہے" مگر طلبہ کے مسلح ہو کر نکل پڑنے
سے اسٹوکس پھر ناامید ہو کر کیمبرج کو بھاگ گیا۔ اور
ہر ایک نئے زندیق نے علانیہ مجلس مذہبی میں وکلف کے
انکار تبدیل دم و لحم کی تائید کی۔ ولیم جیمز نے باعلان کہا
کہ "قربانگاہ کی عبادت کے سوا اور کہیں بت پرستی نہیں
ہوتی"۔ چانسلر رابرٹ رگ نے جواب دیا کہ "بیشک یہی
قرین عقل ہے"، مگر کورٹنی ایسا شخص نہیں تھا کہ اس
سرتابی کو دب کر برداشت کر لیتا اور جب اس نے رگ
کو لیمبتھ میں طلب کیا تو اسے اطاعت ہی قبول کرنے
میں مفر نظر آیا۔ یہ اطاعت اُس کے اس وعدے پر
منظور کی گئی کہ وہ دارالعلوم میں وکلف کے مذہب کو
دبائے گا۔ کورٹنی نے جب اسے ان عقائد کی لعنت کے
خطوط دئے تو چانسلر نے بیساختہ کہا کہ "میں موت کے
خوف سے اسے شایع نہیں کر سکتا"۔ اسقف اعظم نے جواب
دیا کہ "اگر تمہارا دارالعلوم اپنے حدود میں صداقت مذہب
کیتھولک کے اعلان کی اجازت نہیں دیتا تو پھر وہ علانیہ
منکروں کا موید ہے۔ شاہی مجلس نے اسقف اعظم کی تنبیہ
کی تائید کی مگر ان احکام کی اشاعت نے معاً آکسفورڈ میں
ایک آگ سی لگا دی۔ طلبہ نے فرائروں کو مار ڈالنے کی

دھمکی دی اور یہ شور مچایا کہ " وہ دارالعلوم کو تباہ کرنا چاہتے ہیں"۔ صدر معلموں نے ہنری کرمپ کو اس بنا پر امن عام کا خراب کرنے والا قرار دے کر خدمت تعلیم سے معطل کر دیا کہ اس نے لولارڈوں " کو منکر کہا تھا' آخرکار بادشاہ نے کورٹنی کی امداد میں سختی کے ساتھ قدم آگے بڑھایا اور ایک شاہی فرمان کی رو سے یہ حکم دیا کہ وکلف کے تمام طرفدار فوراً خارج کر دئے جائیں اور لولارڈ کی تمام کتابیں ضبط کر کے ضایع کردی جائیں' ورنہ بصورت عدم تعمیل دارالعلوم کے امتیازات منسوخ کر دئے جائینگے اس تہدید نے اپنا اثر دکھایا۔ ہرفرڈ اور ریپنگڈن نے جان (گانٹ) سے محافظت کی درخواست کی مگر اس سے کچھ حاصل نہ ہوا بلکہ ڈیوک نے خود ان کو مسئلہ قربانگاہ کے متعلق منکر قرار دیا' بہت کچھ پہلو بچانیکے بعد آخر انہیں باضابطہ اطاعت کا اظہار کرنا پڑا۔ خود آکسفورڈ کے اندر مذہب لولارڈ کالعدم ہو گیا۔ مگر مذہبی آزادی کے فنا ہونے کے ساتھ ہی ذہنی ترقی بھی یکبیک غائب ہو گئی۔ کورٹنی کے غلبہ کے بعد کی صدی دارالعلوم کی تاریخ میں بہت ہی خالی معلوم ہوتی ہے اور دارالعلوم نیند سے اس وقت تک نہیں چونکا جب تک کہ " نئی تعلیم" کی آمد نے اس کی اس زندگی و آزادی کو کسی حد تک بحال نہ کیا جسے مقتدائے اعظم نے ایسا

بری طرح پامال کیا تھا +

وکلف کا انتقال

بلند پایہ معلمین میں وکلف کے آخری شخص ہونیکی عظمت اس سے زیادہ نمایاں طور پر کسی اور امر سے نہیں ظاہر ہوتی کہ کورٹنی جیسا دلیر شخص آکسفورڈ پر کامل فتح حاصل کرنے کے بعد بھی بانی مذہب کے خلاف انتہائی تدابیر اختیار کرنے میں متردد رہا۔ وکلف اگرچہ طلب کیا گیا تھا مگر وہ زلزلہ والی مجلس میں حاضر نہیں ہوا۔ مقتدایان دین اور فرقہائے خانقاہی جو اب تک ایک دوسرے کے مخالف تھے جب ان میں نیا اتحاد پیدا ہوا تو وکلف نے یہ چلتا ہوا فقرہ کہا کہ "پانٹیس پائلیٹ" اور ہیرڈ آج ایک دوسرے کے دوست ہو گئے ہیں۔ انہوں نے جب حضرت عیسیٰ کو (نعوذ باللہ) منکر بنا دیا ہے تو ان کے لئے بہت آسان ہے کہ وہ نیک دل عیسائیوں کو منکر قرار دیں" معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت فی الواقع بیمار تھا لیکن آخر فیصلہ کے اعلان نے اس میں نئی جان ڈال دی۔ اس سے پیشتر ایک خطرناک حالت میں وہ چلا اٹھا تھا کہ "میں مرونگا نہیں بلکہ میں زندہ رہونگا اور فرائر کے کام کا اعلان کرونگا" اس نے بادشاہ اور پارلیمنٹ کو درخواست دی کہ اسے اجازت دی جائے کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے معتقدات کو ثابت کرے اور مخالفین کے اعتراضات کی طرف اپنی جبلی آمادگی کے ساتھ متوجہ ہوکر اس نے یہ

مطالبہ کیا کہ ہر قسم کے مذہبی حلف بند کر دئے جائیں، عشر کا مصرف غریبوں کی امداد کے لئے خاص کر دیا جائے اور پادری اپنے گلہ، کے صدقات پر اوقات بسر کریں، یہ پراویزز اور پرمیمونیری کے قوانین پوپ کے خلاف بھی عاید کئے جائیں، اہل کلیسا دنیاوی عہدوں کے ناقابل قرار دئے جائیں اور اخراج عن الملت کی صورت میں قید کی سزا بند کر دی جائے۔ آخر مجلس کے حکم کے علی الرغم اس نے یہ مطالبہ کیا کہ تبدیل دم و لحم کے ابطال کی عام طور پر تعلیم دی جائے۔ دوسرے سال وہ آکسفورڈ کی مجلس مذہبی میں حاضر ہوا مگر صرف اس لئے کہ اپنی عالمانہ منطق کے زور سے اپنے مخالفین کو ششدر کر دے اور بغیر اس کے کہ اس کے انکار مذہب کے بیان کا کوئی جواب دیا جا سکے وہاں سے چلا آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم سے اس کے نکال دئے جانے پر مخالفین اس وقت مطمئن ہو گئے تھے مگر اپنی عزلت گزینی کی حالت میں بمقام لٹرورتھ وہ ایک ایسا قوی حربہ تیار کر رہا تھا جسے اگرچہ دوسرے ہاتھوں نے چلایا مگر اس نے اس فتحمند حکومت مذہبی کے خلاف بہت ہی خطرناک اثر دکھایا، موت کے قریب وہ اناجیل کے اس سابقہ ترجمہ پر نظر ثانی کر رہا تھا جس کی اول تیاری میں اس کے شاگرد ہرفرڈ نے بھی اس کی مدد کی تھی، اور جو وکلف کی کتاب مقدس

کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ مقتدایان دین نے روما میں مرافعہ پیش کیا۔ آخر اس کے جواب میں یہ حکم آیا کہ وہ پوپ کے دربار میں حاضر ہو وہ اپنی خرابیٔ صحت کے باعث وہاں جانے سے معذور تھا مگر اس حالت میں بھی اس نے امتثال امر سے قاصر رہنے کی وجہ بیان کرنے میں طنز سے یہ لکھ بھیجا کہ "مجھے ہمیشہ اس سے مسرت ہوتی ہے کہ میں اپنا عقیدہ ہر شخص کے سامنے صاف صاف بیان کروں پس روما کے اسقف کے سامنے اپنے عقیدے کے بیان کرنے میں مجھے جو کچھ مسرت نہ ہو کم ہے، کیونکہ مجھے یہ یقین ہے کہ میرا خیال اگر قدیم اعتقاد کے موافق ہے تو وہ اس کی تصدیق کریگا، اگر وہ غلط ہے تو وہ اس کی تصحیح کردیگا۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ روے زمین پر حضرت عیسیٰؑ کے خاص خلیفہ ہونے کے اعتبار سے اسقف روما تمام باقی انسانوں میں سب سے زیادہ انجیل عیسوی کے قانون کا پابند ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں میں کثرت کا اندازہ محض نفوس کے شمار کرنے سے نہیں ہوتا جیسا کہ اس دنیا کا دستور ہے بلکہ غلبہ اس فریق کو ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰؑ کی پیروی کرتا ہو۔ اب دیکھئے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنی زندگی میں سب سے زیادہ غریب تھے، ہر طرح کے دنیاوی اقتدار کو اپنے سے الگ کردیا تھا ان وجوہ سے ایک ناچیز مشورت کے

طور پر نیتجتہً یہ عرض کرتا ہوں کہ پوپ ہر طرح کے دنیاوی اقتدار ملکی طاقت کو سپرد کر دے اور اپنے پادریوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دے" غالباً اس کے الفاظ میں یہ جرأت اس وجہ سے آگئی تھی کہ وہ جانتا تھا کہ اس کا خاتمہ قریب ہے ۔ اس کی طاقت بڑھاپے اور کثرت مطالعہ سے پہلے ہی جا چکی تھی اور اسس ناتوانی میں اس طرح سخت کام کرنے کا لازمی نیتجہ آخر ظاہر ہو گیا ۔ وکلف' لٹرورتھ کے دیہاتی گرجے میں عبادت میں شریک تھا کہ اس پر سکتہ طاری ہوا اور دوسرے دن اس کا انتقال ہو گیا ۔ ۳۱ دسمبر ۱۳۸۴

جزو چہارم

کسانوں کی شورش

۱۳۷۷ — ۱۳۸۱

اسناد:- اس زمانہ کی زمین و مزدوری کے حالات کے متعلق پروفیسر ہتھورولڈ راجرس کی ہسٹری آف پرائسز (تاریخ اثمان (History of prices (Domesday Book) سنٹ پال کی ڈومزڈے بک مرتبہ کیمڈن سوسائٹی) جس میں شماش. اعظم ہیل کا قابل قدر دیباچہ

بھی شامل ہے اور مسٹر سیبوم کے مضامین دربارۂ "وبائے اسود" (شائع شدہ فورٹ نائٹ لی ریویو ۱۸۶۵ء) دیکھنا چاہئے۔ وقائع نگاروں میں نائٹن اور والسنگھم بہت مشرح اور بہت ہی قابل قدر لکھنے والے ہیں۔ "قوانین مزدوران" پارلیمنٹ کے رولز (صحائف) (Rolls) میں دستیاب ہوں گے۔

انگلستان کے علاقہجات

اس کے قبل ہم جس مذہبی انقلاب کا بیان کر چکے ہیں اس کی وجہ سے ایک اُس سے بھی زیادہ اہم انقلاب کی تحریک پیدا ہو گئی تھی، جس کا اثر ایک مدت دراز سے ملک کے چپہ چپہ پر محسوس ہو رہا تھا۔ انگلستان کے تمام دیہاتوں کا طرز معاشرت نظام جاگیرات کے طریق پر منحصر تھا۔ اس طریقہ کے بموجب کاشتکاری اور اندرونی نظم و نسق کے ضروریات سے کل زمین بڑی بڑی جائدادوں میں تقسیم کر دی گئی تھی۔ مالک علاقہ بالعموم اپنی ذاتی زراعت کے طور پر اراضی کا ایک حصہ خود اپنے قبضے میں رکھتا تھا اور باقی اراضی متاجرین میں تقسیم کر دیتا تھا۔ ان متاجرین پر مالک علاقہ کے خدمات فرض ہوتے تھے۔ خاندان الفرڈ کے بادشاہوں کے تحت میں غلاموں اور آزاد شخصوں دونوں کی تعداد یکساں طور پر گھٹ گئی تھی۔ غلاموں کی تعداد کسی وقت میں بھی بہت زیادہ نہیں تھی مگر کلیسا کی کوششوں سے اور بھی کم ہو گئی تھی، شاید جنگہائے ڈین کے ہیجان عام سے ہی بھی اس میں کچھ کمی واقع ہو گئی تھی، مگر اس کے ساتھ

ان لڑائیوں کی وجہ سے بہت سے آزاد اشخاص کسی نہ کسی شاہی امیر کے حلقہ بگوش اور اس کی محافظت کے عوض میں اپنا گاڑھا پسینہ بہانے کے پابند ہو جاتے تھے۔ غالباً یہی ماتحت آزاد اشخاص دور نارمن کے ویلین تھے۔ یہ لوگ خالص آزادی سے پست درجے میں آجاتے اور اپنی زمین اور اپنے آقا دونوں کے پابند ہو جاتے تھے۔ مگر اس وقت تک ان کی قدیمی آزادی بہت کچھ برقرار تھی، ان کی زمین انکے قبضے میں ہوتی تھی اور اپنے آقا کے سوا ہر شخص کے مقابلہ میں انہیں اس زمین پر آزادانہ حق حاصل ہوتا تھا اور اس وقت تک وہ مجلس حلقہ اور مجلس صوبہ میں اپنے قائم مقام بھیجتے تھے۔ اس لئے "بے زمین اشخاص" سے وہ بمدارج بلند تر تھے کیونکہ قدیم نظم سلطنت میں بھی بے زمین اشخاص کو کسی قسم کے سیاسی حقوق حاصل نہیں تھے، اور انگریز بادشاہوں کے قوانین نے تو انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی رئیس کے تابع ہو جائیں ورنہ سلطنت انکی محافظت سے بری الذمہ ہو جائے گی۔ یہ لوگ خانگی ملازم یا مزدوروں کے طور پر کام کرتے تھے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ لگان پر کوئی زمین لے لیتے تھے مگر اس زمین پر انہیں کسی قسم کا حق ملکیت نہیں حاصل ہوتا تھا۔ نارمنی نائٹ قانون دان ان مختلف طبقات کے درمیان کچھ بھی فرق نہیں سمجھتے تھے اور

شاہان آنشردی کے عہد میں قانون کا میلان برابر اسی جانب رہا کہ سب کو ایک ہی طبقۂ نیم غلام کے تحت میں داخل کردیا جائے۔ خالص غلاموں کے ناپید ہو جانے سے جبرل (عام آزاد اشخاص) اور ولیین (پابند زمین آزاد اشخاص) کا درجہ معاشرت اور بھی پست ہو گیا بے شبہ دیہاتی آبادی زیادہ مخلوط ہو گئی تھی اور سب مل کر ایک ہمجنس گروہ بن گئے تھے۔ مگر در اصل ان کے درمیان فرق تھا اور متقنین جیسا سمجھتے تھے فی الواقع وہ حالت نہیں تھی۔ اس میں شک نہیں کہ سب ایک ہی رئیس کے تابع ہوتے تھے، انگلستان کے ہر دیہات کا مرکز اس کے رئیس کا مکان ہوتا تھا، علاقے کی عدالت کا اجلاس اسی مکان کے ہال میں ہوتا تھا۔ یہیں رئیس یا اس کا داروغہ لوگوں کی فرمانبرداری کو قبول اور جرمانے وصول کرتا، رعایا میں باہمی ذمہ داریاں قائم کرتا اور دیہاتیوں کے عشر کا اندراج کرتا تھا، اگر رئیس کو فوجداری کے اختیار حاصل ہوتے تو یہیں وہ اس عدالت کا بھی اجلاس کرتا اور اسی مکان کے دروازہ کے باہر پھانسی کھڑی کی جاتی تھی، اسی مکان کے آس پاس رئیس کی ذاتی زراعت ہوتی تھی اور اس کی کشتکاری تمام تر علاقے کے ولیین کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ یہی لوگ رئیس کے بڑے بڑے کھلیانوں کو غلے سے بھرتے، اس کی بھیڑوں کے بال کترتے، اسکے لئے

اناج کی شراب بناتے اور اس کے ہال میں جلانے کی لکڑی چیرتے تھے ۔ یہی خدمات وہ معاوضۂ جسمانی تھیں جن کے عوض میں انہیں زمین ملتی تھی اور اسی معاوضۂ جسمانی کی نوعیت مقدار آبادی کے ایک طبقے کو دوسرے طبقے سے ممیز کرتی تھی ۔ صحیح معنوں میں " ویلین " کی ذمہ داری صرف اتنی تھی کہ فصل کے وقت رئیس کا غلہ جمع کرے اور ربیع و خریف میں ، زمین کے جوتنے اور بونے میں مدد دے ۔ برخلاف ازیں کھیتوں میں رہنے والے اور مزدور تمام سال رئیس کی زراعت میں کام کرنے کے پابند تھے مگر یہ خدمات اور ان کی بجاآوری کے اوقات نہ صرف " ویلین " کے لئے بلکہ ذلیل تر بے زمین اشخاص کے لئے بھی از روئے رواج قطعی طور پر معین و مقرر ہو گئی تھیں ۔ یہ لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے مکانات اور ان مکانات کی ملحقہ زمینوں پر قابض ہوتے اور علاقے کی افتادہ زمین پر مویشی چرانے کا حق رکھتے تھے اور یہ حقوق محض رئیس کے مراعات و مرضی پر منحصر نہیں رہتے تھے بلکہ آہستہ آہستہ وہ اس درجے پر پہنچ گئے تھے کہ ازروے قانون اس کا دعوی کیا جاسکتا تھا ۔ رئیس جس قدر ہل ، جرمانہ ، امداد ، اور خدمات کا مطالبہ کرسکتا تھا یہ سب کچھ اولاً محض زبانی روایات پر مبنی تھا مگر بعد میں علاقے کے دفتر عدالت میں ان کا

اندراج ہو گیا اور اس کی ایک نقل بطور پٹہ کے ویلین کو بھی ملتی تھی اسی وجہ سے اسے "نقلدار" کہنے لگے۔ اور زمانہ مابعد میں ویلین کے بجائے یہی لفظ رائج ہو گیا۔ جب اختلافات پیش آتے تھے تو ان کا فیصلہ انہی عدالتی اندراجات یا رواج زیر بحث کی زبانی شہادت کے موافق ہوا کرتا تھا، مگر جیسا کہ انگریزوں کی طبیعت کا خاصہ ہے باہمی رواداری سے بالعموم رسوم معاشرۃ ہی ویلین اور رئیس کے حقوق کو ایک انداز پر قائم کر دیتے تھے۔ رئیس کے گماشتے کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ ویلین سے خدمات متعینہ حاصل کرے مگر اس کام میں اس کے ساتھ علاقے کا ایک مقدم بھی شریک ہوتا تھا جسے خود مستاجرین منتخب کرتے تھے اور وہ ان کے اغراض و حقوق کا محافظ ہوتا تھا +

کسان و مزدور

طریق تقسیم اراضی کی جن ابتدائی خرابیوں کا ہم ذکر کر چکے ہیں وہ پٹوں کے جاری ہونے سے پیدا ہوئیں۔ اکثر رئیس علاقہ اسے زیادہ آسائش اور نفع کا باعث سمجھتے تھے کہ اپنی جاگیر میں خود اپنے گماشتہ کے ذریعہ سے کاشت کرنے کے بجائے اسے کسی مستاجر کو دے دیں اور اس سے ایک لگان نقد یا پیداوار کی صورت میں معین کر لیں، چنانچہ بہت ہی قدیم زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ سنت پال کے منتظمین نے سینڈٹن کے

علاقہ کا پٹہ دے دیا تھا' اور معاوضے میں روٹی اور شراب کیلئے غلّہ خانقاہ کے دروازہ پر تقسیم کرنیکے لئے خیرات' باورچیخانے اور بھٹی میں جلانے کیلئے لکڑی اور مزدوری میں صرف کرنے کیلئے نقد روپیہ شامل تھے۔پٹہ داری کے اسی دستور سے انگریزی لفظ فارم Farm اور فارمر Farmer نکلا ہے۔بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ بالعموم پٹہ کی میعاد معینہ کیلئے جو لگان لیا جاتا تھا اور جسے لاطینی لفظ فرما Firma سے اخذ کرکے فیارم Feorm کہتے تھے اس سے لفظ فارم ماخوذ ہے۔ جس کاشتکارانہ انقلاب پر ہم اسوقت بحث کررہے ہیں اِسکا پہلا قدم اسی لفظ کا ترقی پذیر استعمال ہے۔

یہ ایک ایسا انقلاب تھا۔جس سے براہ راست علاقجات کے نظم ونسق میں کوئی فرق نہیں پڑا مگر بالواسطہ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس سے وہ تعلق ٹوٹ گیا جس پر علاقے کا نظام جاگیرات منحصر تھا یعنی مستاجر اپنی ذات سے رئیس کا تابع نہیں رہا اور اس سے یہ موقع ملا کہ زیادہ دولتمند مستاجروں نے ایسی حیثیت پیدا کرلی کہ وہ بظاہر اپنے سابق آقاؤں کے برابر ہوگئے۔اور اسطرح بڑے بڑے جاگیرداروں اور معمولی مستاجروں کے درمیان ایک نیا طبقہ بنگیا۔ اِس انقلاب کی اہمیت بہت ہی بڑھی ہوئی تھی۔نظام جاگیرات میں اس ابتدائی تغیر سے ایک طبقہ ٹھیکہ داروں کا پیدا ہوگیا لیکن اسکے بعد ہی ایک اور بھی زیادہ اہم صورت یہ پیش آئی کہ "آزاد مزدوروں" کا بھی ایک طبقہ پیدا ہوگیا۔اسوقت تک مزدوروں نے دُوسرے اعتبارات سے جو کچھ بھی حق حاصل کرلیا ہو مگر وہ نہایت سختی سے زمین ہی کیساتھ وابستہ تھے' کسی ولیین یا کسی "نیم ملازم" کو یہ موقع حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنے لئے کوئی نیا

مالک یا نئی زمین پسند کر سکے ۔ فی الحقیقت اس کا پیدا ہونا ہی ایک معین زمین اور ایک معین آقا کے لئے ہوتا تھا ۔ وہ تجارت یا اجرت کی تلاش میں علاقے سے باہر جانے کے لئے ایک رقم دے کر اجازت حاصل کر سکتا تھا، لیکن اگر اپنے مالک کی طلب پر وہ واپس آنے سے انکار کرتا تو ایک خارج الذمہ مفرور شخص کے طور پر اس کی گرفتاری عمل میں آتی؛ مگر سوسائٹی کی ترقی اور آبادی کی زیادتی کی وجہ سے ایک مدت سے غلام خاموشی کے ساتھ اس مقامی پابندی سے آزاد ہوتے جا رہے تھے ۔ اپنی جائدادوں کے سوا تمام دوسری جائدادوں میں کلیسا کی طرف سے ایک کار ثواب کے طور پر غلاموں کے آزاد کرانے کی کوشش برابر جاری تھی، اس قسم کے پابند اشخاص مفرور ہو کر جب کسی ایسے شہر میں پہنچ جاتے تھے جسے فرمان شاہی حاصل ہوتا تھا تو وہ اس طرح پر آزاد ہو جاتے تھے کہ وہاں ایک برس ایک دن رہ کر حق شہریت حاصل کر لیتے تھے ۔ لوگوں کا میلان اس جانب بھی بڑھتا جاتا تھا کہ جسمانی خدمات کو نقد معاوضہ سے بدل لیں ۔ اور اس سے حصول آزادی کے لئے ایک نیا راستہ پیدا ہو گیا ۔ آبادی آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی تھی اور جس طرح تمام غیر وصیت شدہ جائداد جو

خدمت پر مبنی نہ ہو، تمام لڑکوں میں برابر تقسیم ہو جاتی تھی، اسی طرح ہر ایک مستاجر کی اراضی و خدمات بھی اس کی اولاد میں منقسم ہو جاتی تھی۔ اس وجہ سے ایسے جسمانی خدمات کا ملنا زیادہ دشوار ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی کسانوں کی دولت بڑھتی جاتی تھی اور ان میں آزادی کی ایک نئی روح پیدا ہوتی جاتی تھی، اس لئے کہ جسمانی خدمت کا انجام دینا خود ان کو بھی زیادہ ناگوار معلوم ہونے لگا تھا۔ ہر جائداد میں مدت سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ خدمت معینہ اگر باقی رہ جاتی تھی تو اس کے عوض میں زر نقد لے لیا جاتا تھا، اب ان اسباب کے جمع ہو جانے سے ایسی تمام خدمتیں عام طور پر معاوضۂ زر نقد ہی سے بدل گئیں۔ سنٹ اڈمنربری کے حالات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس خاموشی کے ساتھ اس قابل قدر تغیر نے ترقی کی تھی۔ مگر یہ طریقہ بہت جلد عام ہو گیا اور ہر ایک خدمت مفترضہ کے بجائے معاوضۂ زر نقد کا اندراج دفتر میں ہو گیا۔ اس تغیر میں خود رئیسوں کی ضروریات کی وجہ سے اور بھی عجلت ہوئی۔ ایوانات کے امیرانہ سامان، فروسیت کی شان و نمود، مہمات کے اخراجات، نے نائٹوں اور بیرنوں کی جیبیں خالی کر دی تھیں۔ اور انہیں دو بارہ پر کرنیکے لئے نیم غلاموں کی آزادی اور ولیین کا خدمات مفترضہ

سے مستثنیٰ کر دینا ایک آسان اور عمدہ ذریعہ تھا۔ اس کارروائی میں بادشاہ تک شامل تھے۔ اڈورڈ سوم نے شاہی جاگیروں پر خاص اسی غرض سے کارفرما روانہ کئے کہ بادشاہ کے نیم غلاموں کی آزادیاں فروخت کر دیں اور اسوقت تک ان لوگوں کے نام موجود ہیں جنھوں نے بادشاہ کے خالی خزانہ میں نقد روپیہ داخل کرکے اپنے خاندان کی آزادی خرید کر لی تھی +

کالی وبا

نیم غلاموں کے پٹہ دار بن جانے سے نظام جاگیرات میں جس قدر تغیر ہوا تھا، اس سے بدرجہا زیادہ حقیقی تغیر اس امر سے واقع ہوا، کہ نیم غلاموں کا زمین سے وابستہ ہونا یک قلم برطرف ہو گیا، حقیقت یہ ہے کہ ایک نئے طبقے کے پیدا ہو جانے سے معاشرت اہل ملک کی صورت ہی بدل گئی تھی۔ پٹہ دار کسانوں کے بعد آزاد مزدوروں کا طبقہ نمایاں ہوا۔ مزدور اب کسی خاص جگہ یا کسی خاص مالک کے پابند نہیں رہے تھے۔ وہ جس کی چاہتے مزدوری کرتے اور جس کام کو چاہتے اختیار کر لیتے تھے۔ جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اُس زمانے میں انگلستان کے بیشتر حصے میں رؤسائے علاقجات کی حالت بالکل وہی ہو گئی تھی جو آج کل کے رئیسوں کی ہے۔ انہیں اپنے مستاجرین سے نقد لگان ملتا تھا اور انہیں اپنی خاص کاشت کے لئے مزدوروں سے اجرت پر کام لینا پڑتا تھا۔ نیم غلاموں کے آزاد ہو جانے سے زمینداروں کا انحصار اجیروں پر رہ گیا تھا

مگر اب اس معاملے میں انہیں ایک سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت تک مزدوروں کی فراوانی اور اجرت کی ارزانی تھی، اب یہ افراط یک بیک نابود ہو گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دنیا کی مہیب ترین وبا مشرق سے چل کر بحیرہ روم کے ساحلوں سے بحر بالٹک تک تمام یورپ کو تباہ کر چکی تھی اور اب اختتام ۱۳۴۸ء میں برطانیہ کو اس نے اپنی آماجگاہ بنا لیا تھا۔ اس کی تباہی کے جو قصے مشہور ہیں اور اس کے بعد جن مضطربانہ الفاظ میں قوانین نافذ ہوئے ہیں، حال کی تحقیقات سے ان کی پوری پوری تصدیق ہوتی ہے۔ اس زمانے میں انگلستان کی کل آبادی تیس چالیس لاکھ کے درمیان تھی اور اس وبا کے متواتر آنے سے نصف سے زائد آبادی
۱۳۴۹ اس کی نذر ہو گئی۔ بڑے شہروں میں اس کے مصائب بہت زیادہ سخت تھے، کیونکہ غلیظ اور بے نکاس کی راہوں کے باعث یہ مقامات جذام و بخار کا مستقل مسکن بن گئے تھے۔ سر والٹر منی نے رحم کھا کر باشندگان لندن کے لئے ایک قبرستان خرید کیا تھا، اس ایک قبرستان میں پچاس ہزار سے زائد مردے دفن کئے گئے۔ بعد میں بطور یادگار یہاں ایک خانقاہ تعمیر کر دی گئی۔ نارُوِچ میں ہزارہا آدمی ہلاک ہوئے اور برسٹل میں زندے اتنے نہیں رہے تھے کہ وہ مردوں کو دفن کر سکیں۔ مگر اس

وبا کی مصیبت دہاتوں پر بھی ویسی ہی تھی جیسی شہروں پر تھی ۔ یارک شائر کے نصف سے زائد پادری اس میں ہلاک ہو گئے ۔ ناروچ کی اسقفی میں دو تہائی سے زائد اضلاع مذہبی کی آبادی کی آبادی بدل گئی مزدوری کا تمام ڈھانچہ ہی بگڑ گیا ۔ آدمیوں کے کم ہو جانے سے ادنیٰ درجہ کے متاجرین کے لئے یہ دشوار ہو گیا کہ وہ اپنی زمین کے عوض خدمات جسمانی انجام دے سکیں ۔ انہوں نے تو زمینیں بھی چھوڑ دی ہوتیں مگر محض زمینداروں کے عارضی طور پر نصف لگان کے کم کر دینے سے وہ رک گئے ۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کاشتکاری ناممکن ہوگئی ایک ہمعصر لکھتا ہے کہ بھیڑیں، گائے بھینس، کھیتوں اور غلوں میں مارے مارے پھرتے تھے ۔ اور کوئی اتنا بھی نہیں تھا کہ انہیں وہاں سے ہنکا دے"۔ یہ سچ ہے کہ اضطراب فرو ہو جانے کے بعد اشیائے خوردنی کی قیمتیں بڑھ گئی تھیں مگر آزاد مزدوروں کے بیحد کم ہو جانیکے باعث مزدوری کی شرح یکایک اس قدر بڑھ گئی کہ اہل حرفہ کے تمام کاروبار یکلخت ابتر ہو گئے ۔ فصلیں زمین ہی پر پڑی پڑی سڑ گئیں ۔ کھیتوں میں کاشت تک نہیں ہوئی" اور اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ آدمی کم تھے بلکہ وہ تنازعہ بھی اسی کا باعث تھا جو اب پہلی بار سرمایہ اور محنت کے درمیان رو نما ہوا +

قوانین مزدوراں ایک طرف دیہاتوں کے زمیندار اور شہروں کے دولتمند اہل حرفہ (اپنے زمانے کے اعتبار سے) مزدوروں کے بے اندازہ مطالبات سے گرداب تباہی میں پھنسے ہوئے تھے۔ دوسری طرف خود ملک شورشوں اور بغاوتوں سے درہم برہم ہو رہا تھا۔ وبا کے بعد ہر جگہ لوگوں میں ایسی نفسا نفسی پیدا ہو گئی تھی کہ انہوں نے قانون کو بالکل پس پشت ڈال دیا اور اس کا اثر بے زمین اشخاص پر خاص کر زیادہ تھا۔ یہ لوگ کام کی تلاش میں ہر طرف پڑے پھرتے تھے۔ اور بازار مزدوری کے اب یہی لوگ مالک بن گئے تھے۔ یہی گشت لگانے والے مزدور و اہل حرفہ آسانی سے تنومند فقیر یا جنگلوں کے راہزن بن جاتے تھے۔ بادشاہ نے ان خرابیوں کے فوری انسداد کے لئے ایک شاہی حکم جاری کر دیا تھا جسے بعد میں "قانون مزدوراں" کی صورت میں بدل دیا گیا۔ اس مشہور قانون کا حکم تھا کہ "ہر تندرست مرد و عورت جس کی عمر ساٹھ برس کے اندر ہو خواہ آزاد ہو یا غلام اگر اس کے پاس اپنے رہنے کے لئے خود اپنا مکان یا کاشت کے لئے ذاتی زمین نہ ہو اور وہ کسی دوسرے شخص کا ملازم بھی نہ ہو تو اس کا فرض ہے کہ جو شخص اس سے کام لینا چاہے اس کا کام کرے اور

وہی مزدوری قبول کرے جو وبا کے شروع ہونے سے دو برس پیشتر قرب و جوار میں رائج تھی"۔ جو شخص اس قانون کی اطاعت سے انکار کرتا اسے قید کی سزا دی جاتی تھی، لیکن بہت جلد اس سے سخت تر کارروائیاں کی ضرورت پیش آئی۔ ۱۳۵۱ء کی پارلیمنٹ نے نہ صرف قانوناً مزدوری کی شرح معین کر دی تھی بلکہ مزدور دوبارہ جگہ کے پابند کر دئے گئے تھے۔ زیادہ مزدوری کی تلاش میں انہیں اپنے قصبے سے باہر جانے سے روکدیا گیا تھا۔ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کرتے تو مفرور قرار دئے جاتے اور جسٹس آف دی پیس (ناظمان امن) انہیں قید کر سکتے تھے۔ ایسے قانون کی حرف بحرف تعمیل کرانا غیر ممکن تھا، کیونکہ غلے کی قیمت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ پرانی شرح اجرت پر ایک دن کی مزدوری سے ایک شخص کے لائق بھی گیہوں نہیں مل سکتا تھا، مگر زمینداروں نے اسے عمل میں لانے کے لئے کسی طرح کی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ اس قانون کے باربار نافذ ہونے ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا اجرا کس قدر مشکل تھا، اور کس شدت سے اس کی مخالفت کی جا رہی تھی۔ ان قوانین کی خلاف ورزی کی پاداش میں جو جرمانے اور ضبطیاں ہوتی تھیں، وہ شاہی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ بن گئی تھیں۔ مگر یہ ابتدائی سزائیں

اس قدر بے اثر ثابت ہوئیں کہ آخرکار یہ حکم دیا گیا کہ مفرورین کی پیشانیوں پر گرم لوہے سے داغ لگا دیا جائے۔ اور ان نیم غلاموں کو شہروں میں پناہ ملنے کے خلاف بھی سخت کارروائیاں کی گئیں۔ اس رجعت قہقری کی مضرت آزاد مزدوروں کے طبقہ موجودہ ہی تک محدود نہیں رہی تھی، بلکہ ان کی تعداد کی آئندہ ترقی بھی اس طرح مسدود کردی گئی تھی کہ جسمانی خدمات کو نقد سے بدل لینے کا طریقہ یک بیک بند کر دیا گیا تھا، اور اس کے ساتھ ہی ہر علاقے میں قانون دان اشخاص بطور داروغہ کے مقرر ہونے لگے تھے، تاکہ وہ پوری تدبیر اس امر میں کریں کہ زمینداریوں میں اس طرح کی مزدوری سابقہ کا رواج پھر جاری ہو جائے جس کے موقوف ہو جانے سے اب انہیں سخت نقصان ہو رہا تھا۔ وہ آزادیاں اور مستثنیات جن پر بغیر کسی قسم کے اعتراض کے مدتیں گزر گئیں تھیں، اب بے ضابطہ ہونے کی بنا پر منسوخ کردی گئیں، اور ادنی کاشتکاروں نے جن خدمات کا معاوضہ دے کر خود کو اُن خدمتوں سے آزاد کر لیا تھا، اب پھر ان کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ یہ کوشش اس وجہ سے اور زیادہ مصیبتناک ہو گئی تھی کہ اس قسم کے معاملات علاقے کی عدالت میں پیش ہوتے تھے، اور یہاں وہ عہدہ دار ان کا

فیصلہ کرتے تھے، جن کا نفع خود اسی میں تھا کہ اپنے آقا کے مفید مطلب فیصلہ کریں۔ ان قوانین کی جس زور کے ساتھ مخالفت ہوئی اس کا پتہ خود ان قوانین سے چلتا ہے جو اس مخالفت کے روکنے کے لئے بیکار جاری کئے جاتے تھے۔ جبری مزدوری کا طریقہ شہروں میں، دیہات سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ رائج کیا گیا، مگر یہاں ادنیٰ اہل حرفہ نے بھی اس کے خلاف نہایت کثرت سے ہڑتال اور ایکا کرنا شروع کر دیا۔ دیہاتوں میں جن ادنیٰ کاشتکاروں سے خدمت جسمانی سے آزاد ہونے پر تعرض کیا جاتا تھا، وہ بھی آزاد مزدوروں کے شریک کار ہو جاتے تھے۔ یہ لوگ اکثر صاحب حیثیت و صاحب دولت ہوتے تھے، اور تمام مشرقی صوبوں میں "مفرور نیم غلاموں" کے اجتماع کے لئے باقاعدہ مقاومت کا انتظام ہو گیا تھا، اور متمول کاشتکار اس کام کی اعانت میں بڑی بڑی رقمیں دے رہے تھے۔ زمانہ مابعد کے ایک قانون سے ان کی اس مقاومت کی کیفیت واضح ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ "ادنیٰ درجے کے کاشتکاروں اور اراضی داروں نے اپنے آقاؤں کے رسوم و خدمات بند کر دی ہیں، اور وہ ایسے غیر لوگوں کے تابع ہو گئے ہیں جو انہیں بہکا کرلے گئے، اور ان کے کفیل بن گئے ہیں

بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے اپنے علاقوں اور دیہاتوں کے دفتر سے مستثنیات کا بہانہ کرکے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ہر طرح کی خدمات سے بری ہیں، اور کسی قسم کی تکلیف اٹھانے یا اپنے خلاف کسی طرح کی قانونی کارروائی کے روادار نہیں ہیں۔ انہی میں ایسے ادنیٰ کاشتکار بھی ہیں جو اپنے حامیوں کی تائید میں اپنے آقاؤں کے عہدہ داروں کو صدمہ پہنچانے اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ نیز یہ لوگ علانیہ اجتماع اور جتھہ کرکے ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں"۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف ولین رؤسائے علاقہ کی ان کوششوں کی مخالفت کر رہے تھے۔ بلکہ تمام نظم معاشرت کے عام طور پر زیر و زبر ہو جانے سے پٹہ دار بھی اسی فکر میں تھے کہ وہ آزاد زمیندار بن جائیں اور پٹہ دار یہ چاہتے تھے کہ وہ خود پٹہ کی زمین کے مالک تسلیم کرلئے جائیں +

جان بال ۱۳۶۰

معاشرت میں مساوات کے نہ ہونے پر اب تک کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ دنیا کا یہ انتظام منجانب خدا ہے، مگر اس عام مصیبت کا ایک عجیب نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ہر طرح کی عدم مساوات کے خلاف ایک نئی شورش برپا ہو گئی، غریبوں کی چیخ پکار کو "کنٹ کے ایک "دیوانے پادری"

کے الفاظ سے خوفناک تائید حاصل ہو گئی تھی۔ درباری فرواسارٹ نے اسے "دیوانہ پادری" لکھا ہے، مگر یہ وہ شخص تھا جو ممانعت و قید کی پروا نکر کے کنٹ کے گرجوں کے صحن میں بیس برس تک تنومند کسانوں کے سامنے وعظ کہتا رہا زمیندار جان بال کو "دیوانہ" کہتے تھے، مگر یہی دیوانہ تھا جس کے وعظ میں سب سے پہلے انگلستان میں مساوات فطری، اور حقوق انسانی کے الفاظ سنے گئے۔ اس کے وعظ کے الفاظ یہ تھے کہ "اے نیک لوگو! انگلستان کی حالت اس وقت تک درست نہ ہو گی جب تک مال و دولت بھی عام نہ ہو جائے، اور رذیل و شریف کا فرق اُٹھ نہ جائے۔ جن لوگوں کو ہم لارڈ کہتے ہیں وہ تفوق کا ہم پر کیا حق رکھتے ہیں؟ ان کے اس استحقاق کی بنا کیا ہے؟۔ کیوں انہوں نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے؟ اگر ہم سب ایک ہی ماں باپ آدمؑ و حوّا کی اولاد ہیں، تو کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں یا ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ ہم سے بہتر ہیں، اگر کچھ ہے تو یہی کہ وہ ہم سے محنت لیتے ہیں، اور ہماری محنت کا ثمرہ اپنے سامان غرور میں اُڑاتے ہیں۔ وہ مخمل پہنتے اور سمور و قاقم سے اپنے کو گرم رکھتے ہیں، اور ہم چیتڑے لپیٹے پھرتے ہیں۔ انہیں شراب، کباب، نفیس نفیس روٹیاں میسر ہیں اور ہمارے لئے

کھانے کو جو کی روٹی اور ساگ پات ہے، اور پینے کو صرف پانی۔ وہ فراغت کے ساتھ نفیس مکانوں میں رہتے ہیں اور ہم تکلیف و محنت کے ساتھ میدانوں میں بارش و طوفان میں بسر کرتے ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی یہ ساری ریاست ہمارے ہی سبب سے اور ہمارے ہی محنتوں کا نتیجہ ہے"۔ جاگیران جائداد کی زیادتی ہی اشتراکیت کی اس طرح بر سر مخالفت آنے کا باعث ہوئی اور یہ کوئی اس وقت کی خصوصیت نہیں تھی بلکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے ایک شعر جو ازمنہ وسطیٰ کے تمام نظام کا بیخکن اور جان بال کے تمام خیالات کا جامع تھا، اس وقت ہر شخص کی زبان پر تھا، اس کا مفہوم یہ تھا کہ

"جب آدمؑ زمین گوڑتے تھے اور حواؑ چرخا
کاتتی تھیں، اس وقت جنٹلمین کون تھا؟"

کسانوں کی شورش یہ شعر ابھی زبان زد خلائق ہو ہی رہا تھا کہ عوام کی تکلیف رسانی کی ایک ایسی تازہ صورت پیش آگئی، جس سے ناراضی کی سلگتی ہوئی آگ اور بھی بھڑک اٹھی۔ اڈورڈ سوم نے بڑھاپے میں اس ذلت سے جان دی کہ اس کی مدخولہ عورت نے بستر مرگ پر اس کے ہاتھ سے انگوٹھیاں تک اتار لی تھیں؛ اس کے بعد بلیک پرنس (شہزادۂ اسود) کے بیٹے

رچرڈ ثانی کی تخت نشینی سے عموماً قانون ساز جماعت کے جمہوریت پسند فریق کی امیدیں تازہ ہوگئیں۔ ۱۳۷۷ء کی پارلیمنٹ نے اصلاح کا کام شروع کر دیا اور نہایت جسارت کے ساتھ نئی امداد پر اپنی نگرانی قائم کر دی، اور اس کے اخراجات کے انتظام کے لئے اپنے ہی میں سے دو شخص متعین کئے ۱۳۸۰ء کی پارلیمنٹ نے اس امداد کے اخراجات کا حساب طلب کیا، اور حساب پیش کیا گیا، مگر پارلیمنٹ خالصتہً صاحب جائداد طبقہ کی قائم مقام رہ گئی تھی اور اسکی تمام قوت اس جد و جہد میں صرف ہو رہی تھی کہ مزدوروں کو پھر زمینداروں کا غلام بنا دیا جائے۔ اس دوران میں، اندرون ملک کی مصیبت و اختلاف میں بیرون ملک کی مصیبت اک شکست سے اور اضافہ ہو گیا تھا۔ جنگ فرانس کی تباہی بدستور جاری تھی؛ ایک انگیریزی بیڑہ اسپینیوں سے شکست کھا چکا تھا اور دوسرا طوفان سے ڈوب گیا تھا، وسط فرانس کی ایک مہم کا اگلی مہمات کی طرح مایوسی و تباہی پر خاتمہ ہوا تھا؛ اس جنگ کے گراں اخراجات کو پورا کرنیکے لئے ۱۳۸۰ء کی پارلیمنٹ نے ایک عطیہ کی تجدید کی جو تین برس پیشتر منظور ہو چکا تھا، اور جس کی تحصیل کا طریقہ یہ قرار دیا گیا تھا کہ ملک کے ہر شخص پر ایک خاص محصول لگایا جائے۔ یہ محصول مزدور اور دیہاتوں کے

لوہار کمار وغیرہ پر بھی عائد کیا گیا، حالانکہ اب تک یہ
لوگ اس سے بچے ہوئے تھے، اس سے خاص اس گروہ
میں اشتعال پیدا ہوگیا، جس کے اندر ناراضی کی آگ
پہلے ہی سے سلگ رہی تھی، محصول کی جبری تحصیل سے
انگلستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک
آگ لگ گئی۔ جس قدر بہار کا زمانہ گزرتا جاتا تھا
۱۳۸۱ اسی قدر عجیب المعنی اشعار ملک میں پھیلتے جاتے تھے۔
اور یہ اشعار بغاوت کی خاص تحریک کا کام دیتے تھے۔
بغاوت کا جوش مشرقی اور وسطی صوبجات سے بڑھ کر
جنوب ٹیمز کے تمام انگلستان میں پھیل گیا تھا، ایک نظم
کا مفہوم یہ تھا کہ "جان بال تمہیں سلام کہتا ہے اور
تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہے کہ اس نے تمہارے
لئے گھنٹہ بجا دیا ہے۔ اب حق و قوت، ارادہ و ہوشیاری
درکار ہے، خدا تعالیٰ اس کام کو بعجلت انجام کو پہنچائے۔"
دوسری نظم میں تھا کہ "صداقت کی مدد کرو اور صداقت
تمہاری مدد کرے گی۔ زمانے میں غرور کا دور دورہ
ہے، اور بزدلی دانشمندی سمجھی جاتی ہے۔ عیاشی سے لوگوں
کو شرم نہیں آتی، اور شکم پری کو قابل ملامت نہیں
سمجھتے، ہر طرف غداری اور بغض کی حکومت ہے۔ اور
سست و کاہل پڑا رہنا بہت اچھا سمجھا جاتا ہے۔
خدا تعالیٰ ہماری حالت میں اصلاح کرے اب وقت بہت نازک ہے، جیک دی ملر

(چکی والے) اور جیک دی کارٹر (گاڑی والے) کے فتنہ انگیز خطوط میں بال کا دخل اور بھی صاف نظر آتا ہے۔ "جیک ملر اپنی چکی کو ٹھیک طرح پر چلانے کے لئے مدد کا خواہاں ہے، اس نے بہت باریک پیسا ہے۔ اسے مسیح کی ذات سے امید ہے کہ اسے اپنی محنت کا معاوضہ خاطر خواہ مل جائیگا خیال رکھو کہ تمہاری چکی چاروں پتواروں کے ساتھ ٹھیک چل رہی ہے۔ اور ستون مضبوط گڑا ہوا ہے۔ حق و قوت، ہوشیاری و ارادہ، بس یہی کارآمد شے ہیں۔ قوت کو حق کی مدد کرنا چاہئے۔ اور ہوشیاری کو ارادہ پر اور حق کو قوت پر مقدم ہونا چاہئے۔ اور جب ایسا ہوگا تو پھر ہماری چکی ازخود ٹھیک سے چلنے لگے گی۔" اس کے ساتھ کے خط میں مرقوم تھا کہ "جیک کارٹر آپ سب سے یہ التجا کرتا ہے کہ جو کام آپنے شروع کیا ہے اس کو انجام کو پہنچائے۔ اور یوماً فیوماً اسے بہتر بنائے، کیونکہ آدمی شام کے وقت دن کے کام کا نتیجہ دیکھتا ہے۔" جیک ٹرو مین یہ گاتا ہے کہ "دروغ و مکر کی حکومت بہت رہ چکی، صداقت مقفل ہے، اور ہر جگہ دروغ و مکر کا زور ہے۔ کوئی شخص سچائی کو حاصل نہیں کرسکتا جب تک وہ نکوکارانہ سچی محبت کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ اور پادری دولت کی طمع میں سے اور خراب کرتے ہیں، خدا اللہ انکی اصلاح کرے۔ اب

وقت ہے"۔ انہیں سب ملکی نظموں سے انگلستان میں سیاسی تحریرات کی ابتدا ہوئی۔یہی نظمیں ملٹن و برک کے رسالجات کے لئے شمع راہ بنیں۔ یہ نظمیں اگرچہ بہت سیدھی سادھی ہیں مگر جن جذبات نے کسانوں میں یہ بغاوت پیدا کی تھی وہ ان سے صاف طور پر معلوم ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی خواہش یہ تھی کہ حکومت نیک نامی کے ساتھ ہو، عدالت میں صاف و سادے طریقے برتے جائیں۔ امرا کی بدکرداری اور دربار شاہی کی ناہنجاری سے ان لوگوں کو نفرت تھی اور غریبوں کو ستانے کے لئے قانون کو توڑ مروڑ کرنے سے یہ لوگ سخت بیزار تھے۔ یہ شورش آگ کی طرح ملک میں پھیلتی گئی۔ نارفک، سفک، کیمبرج اور ہرفرڈشائر نے ہتیار اٹھائے اور بغاوت سسکس اور سرے سے بڑھتی ہوئی ڈیون تک پہنچ گئی۔ مگر اس کی ابتدا کنٹ سے اسطرح پر ہوئی کہ ایک محصل نے ایک کمار کی لڑکی کی بیحرمتی کی اور کمار نے جوش انتقام میں اسے جان سے مار ڈالا۔

شورش کسانان ۵ جون

اس واقعہ کے ساتھ ہی تمام ملک مسلح ہوکر اٹھ کھڑا ہوا۔ کینٹربری میں "تمام باشندے اسی خیال کے تھے" انہوں نے باغیوں کے لئے اپنے شہر کے دروازے کھول دئے۔ باغیوں نے شہر میں گھس کر اسقف اعظم کا محل لوٹ لیا اور جان بال کو قید خانے سے نکال لائے۔ اس کے

ساتھ ہی کنٹ کے ایک لاکھ آدمی ویسکس کے واٹ ٹائیلر اور میلنگ کے جان ہیلز کے گرد جمع ہو گئے۔ محصول کے اجرا کی وجہ سے مشرقی صوبجات میں کسانوں کے غول کے غول پہلے ہی سے جمع ہوتے رہتے تھے۔ یہ لوگ لاٹھیوں، زنگ آلود تلواروں اور کمانوں سے مسلح تھے۔ ان ہنگاموں کے فرد کرنے کے لئے جو شاہی کمشنر بھیجے گئے تھے انہوں نے شکست کھائی۔ دریا کے ایک طرف سے اہل ویسکس اور دوسری طرف سے اہل کنٹ لندن پر بڑھے ان لوگوں کی شکایات زیادہ تر سیاسی تھیں کیونکہ کنٹ میں غلامانہ طرز کی کاشت کا نام و نشان بھی نہیں تھا، مگر جب یہ لوگ بلیک ہیتھ پر وارد ہوئے تو جس قدر اہل قانون ان کے ہاتھ لگے سب کو قتل کر ڈالا۔ کسان جب علاقوں کے گماشتوں کے مکانوں میں آگ لگاتے اور علاقے کی عدالتوں کے کاغذات آگ میں پھینکتے تو چلا چلا کر یہ کہتے جاتے تھے کہ "جب تک یہ تمام لوگ مار نہ ڈالے جائیں گے اس وقت تک ملک کو اگلی سی آزادی نصیب نہ ہوگی۔" ان کے کوچ کے دوران میں تمام آبادی ان کے ساتھ شریک ہو گئی اور امرا خوف سے بے حس و حرکت دیکھتے رہے اور کچھ نہ کر سکے۔ بادشاہ ابھی صرف پندرہ برس کا لڑکا تھا پھر بھی اس نے ایک کشتی پر سوار ہو کر دریا کے اوپر سے ان

لوگوں سے گفتگو کی، مگر جب اسقف اعظم سڈبری کی ہدایت سے مجلس شاہی نے اسے کنارے پر اترنے سے روک دیا تو کسان جوش غضب سے بھڑک اٹھے اور یہ جم غفیر "غداری غداری" کا شور مچاتا ہوا لندن پر ٹوٹ پڑا۔ شہر کے اندر کے غریب باشندوں نے دروازے کھول دئے اور دم کے دم میں جان (گانٹ) کا سبوائے والا عالیشان محل، اہل قانون کی ٹمپل والی نئی اقامتگاہ، غیر ملکی تاجروں کے مکانات سب کے سب آگ کے نذر ہو گئے۔ مگر باغیوں کو اس امر پر فخر تھا اور بجا فخر تھا کہ "وہ عدل و صداقت کے خواستگار ہیں، چور ڈاکو نہیں ہیں۔" چنانچہ ایک شخص محل سبوائے سے ایک چاندی کا برتن اٹھا کر لے چلا تو لوگوں نے اسے پکڑ کر برتن سمیت آگ میں جھونک دیا۔ دوسرے روز معلوم ہوا کہ اس بغاوت کی کیسی عام ہیبت طاری ہو گئی ہے۔ واٹ ٹائلر کی ماتحتی میں کسانوں کا ایک گروہ لندن کے ٹاور (برج) میں گھس گیا، محل شاہی کے تمام نائٹ پریشان ہو گئے اور ان لوگوں نے کھیل ہی کھیل میں ان کی ڈاڑھیاں پکڑ کر کہا کہ وہ آئندہ ان کے اچھے ہمسر و رفیق ثابت ہوں گے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ ان سے بچ کر نکل گیا ہے تو صورت ہی دگرگوں ہو گئی۔ اسقف اعظم کو لوگ اس کے مقدس

۱۳ جون

مکان سے کھینچ لائے اور اسے قتل کر ڈالا اور اس نفرت انگیز محصول کے اجرا کے لئے خزانچی اور متصرف اعلیٰ کا بھی یہی حشر ہوا۔ اسی اثنا میں بادشاہ ٹاور سے سوار ہوکر اہل اسکس سے ملنے کے لئے چلا گیا۔ یہ لوگ شہر سے باہر مائل انڈمین اور برٹفرڈ اور سنٹ البنز کے لوگ ہائی بری میں ٹھہرے ہوے تھے۔ اس نوعمر بادشاہ نے اس تمام خطرناک موقع پر ذرا بھی خوف نہ کیا۔ ان لوگوں کے سامنے آگر اس نے کہا کہ " اے نیک لوگو میں تمہارا بادشاہ اور مالک ہوں۔ تم کیا چاہتے ہو" کسانوں نے شور مچانا شروع کیا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اور ہماری زمینوں کو ہمیشہ کے لئے آزاد کردیں اور ہم نیم غلام نہ سمجھے جائیں اور نہ اس نام سے ہمیں کوئی مخاطب کرے"۔ رچرڈ نے جواب دیا کہ "میں اسے منظور کرتا ہوں" اس نے ان لوگوں کو اپنے گھروں پر جانے کا حکم دیا اور حتمی وعدہ کیا کہ وہ فوراً آزادی و معافی کے فرمان جاری کرے گا۔ نعرہائے مسرت نے اس وعدے کا خیر مقدم کیا۔ تیس سے زائد محرر تمام دن معافی کے پروانے لکھنے میں مشغول رہے اور ان پروانوں کو لے کر اسکس اور ہرفرڈ شائر کے لوگ خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اسی قسم کا ایک فرمان لے کر ولیم گرنڈ کوب، سنٹ البنز کو واپس آیا اور

خانقاہ کی عمارت میں سب شہریوں سے آگے بڑھ کر اس نے رئیس خانقاہ سے کہا کہ جن فرامین کی رو سے شہر خانقاہ کی ملک ہے وہ سب اس کے حوالہ کردے مگر جبکی غلامی کی ایک نمایاں مثال باقی رہ گئی۔ اس کی نسبت بہت دنوں تک مقدمہ چلتا رہا اور اس کا فیصلہ خانقاہ کے حق میں ہوا، یہ پنچکی خانقاہ کے حدود کے اندر اس کامیابی کی علامت کے طور پر رکھ دی گئی کہ خانقاہ کے حد اقتدار کے اندر کوئی شخص رئیس خانقاہ کی مرضی کے بغیر غلہ نہیں پیس سکتا۔ مگر اہل شہر عمارت کے اندر گھس گئے اور پنچکی کو اکھاڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تاکہ ہر شخص اس کا ایک ٹکڑا مقدس روٹی کی طرح لے جائے اور دوبارہ حصول آزادی کی یادگار کے طور پر اسے اپنے پاس رکھے۔

شورش کا انسداد

اہل اسکس سے بادشاہ کے وعدہ کرنے کی خبر سن کر کنٹ کے بہت سے لوگ منتشر ہو گئے پھر بھی دوسرے روز تک بیس ہزار آدمی واٹ ٹائلر کے گرد جمع رہے، صبح کے وقت محض اتفاق سے بمقام سمتھ فیلڈ رچرڈ اور واٹ ٹائلر کا سامنا ہو گیا۔ کسانوں کا یہ سرگروہ بادشاہ سے گفتگو کرنے کے لئے بڑھا تو بادشاہ کے ہمراہیوں میں اور اس میں سخت کلامی ہو گئی اور واٹ ٹائلر نے انہیں دھمکی دی۔ اس سے کچھ فساد پیدا ہو گیا اور اسی

فساد میں لندن کے صدر (میر) ولیم والورتھ نے اسے خنجر مار کر زمین پر گرا دیا۔ مجمع نے چلانا شروع کیا "مارو مارو ان لوگوں نے ہمارے سردار کو قتل کر ڈالا ہے" نو عمر بادشاہ نے اس موقع پر بڑی جرأت دکھائی وہ خود بڑھ کر ان لوگوں کے سامنے آیا اور بآواز بلند کہا کہ "اے لوگو تم کیا چاہتے ہو۔ میں تمہارا سردار اور بادشاہ ہوں۔ تم میرے ساتھ ہو"۔ کسانوں کی تمام امیدوں کا مرکز یہی نوجوان بادشاہ تھا' ان کی شورش کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ اسے اس کے مشیران بد سے نجات دلائیں کیونکہ ان کو یقین تھا کہ وہ لوگ اس کی نو عمری سے فائدہ اٹھا کر اسے خراب کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اب جوش وفاداری و اعتماد کے ساتھ اس کے پیچھے چلے یہاں تک کہ وہ ٹاور میں داخل ہو گیا۔ اس کی ماں وفور مسرت سے روتے ہوئے استقبال کو آئی لڑکے نے جواب دیا کہ "خوش ہو اور خدا کا شکر بجا لاؤ کہ آج میری کھوئی ہوئی وراثت اور انگلستان کی حکومت مجھے واپس ملی ہے" مگر اسے مجبور ہونا پڑا کہ اہل کنٹ سے بھی آزادی کا ویسا ہی وعدہ کرے جیسا اس نے مائل اند میں کیا تھا اور جب تک ان لوگوں نے معافی و آزادی کے خطوط نہ لے لئے اپنے گھروں کو واپس نہ ہوئے۔ مگر فی الحقیقت بغاوت کا خاتمہ

نہیں ہوا تھا۔ٹیمز کے جنوب میں ڈیون شائر تک شورش پھیلی ہوئی تھی۔شمال میں فسادات ہو رہے تھے۔مشرقی صوبجات میں ایک ہنگامہ رستخیز برپا تھا۔کسانوں کے ایک گروہ نے سنٹ البنز پر قبضہ کیا۔دوسرا گروہ سنٹ اڈمنز بری کے دروازے توڑ کر دیوانہ وار اندر گھس گیا اور دہشت زدہ راہبوں سے آزادی شہر کے وعدوں کی تصدیق کرائی۔ناروچ کا ایک رنگریز جان لسٹر کسانوں کے ایک گروہ کا سردار بن گیا اور "بادشاہ عوام" کا لقب اختیار کر لیا۔جن امرا کو وہ پکڑ پاتا انہیں اپنا رکابدار بناتا اور مجبور کرتا کہ کھانے کے وقت اس کی خدمت میں دست بستہ حاضر رہیں مگر خطوط آزادی حاصل کر کے کسانوں کے واپس چلے جانے سے امرا کی ہمت بڑھ گئی۔ناروچ کا جنگجو اسقف نیزہ لئے ہوئے لسٹر کے لشکرگاہ پر حملہ آور ہوا اور پہلے ہی حملے میں کسانوں کو منتشر کر دیا' دوسرے طرف بادشاہ چالیس ہزار آدمیوں کی فوج اپنے ساتھ لئے ہوئے مظفر و منصور کنٹ اور اسکس سے گذرا' اور راستے میں بیدریغ لوگوں کو پھانسیاں دیتا گیا۔والتھم میں اسے اہل اسکس نے اسی کے دئے ہوئے نئے فرمان دکھائے اور یہ حجت پیش کی کہ "جہاں تک آزادی کا تعلق ہے وہ رئیسوں کے برابر ہیں'' مگر انہیں معلوم ہو گیا کہ ایک

بادشاہ کے قول کی کیا منزلت ہوتی ہے۔ رچرڈ نے جواب دیا کہ "تم اس وقت بھی غلام تھے اور اب بھی ہو اور غلامی ہی میں تمہیں رہنا پڑے گا' اور یہ غلامی پہلی غلامی کے مانند نہیں بلکہ اس سے بدتر ہوگی" مگر جیسی شدید مقاومت پیش آئی۔ اس سے رچرڈ کو بھی لوگوں کی طبیعت کا اندازہ ہو گیا' بلیریکے کے دیہاتی جنگلوں میں جا رہے اور دو سخت لڑائیوں کے بعد انہوں نے اطاعت قبول کی۔ بغاوت کے سرغنے جب عدالت میں لائے گئے تو اسکس کے جوری (پنچوں) نے انہیں اس وقت مجرم قرار دیا جب خود جوری کو موت کی دھمکی دی گئی۔ گرنڈکوب کو جان بخشی اس شرط پر عطا ہوئی کہ اپنے سنٹ البنز کے ہمراہیوں سے کسی نہ کسی طرح وہ فرامین واپس دلا دے جو ان لوگوں نے راہبوں سے چھین لئے تھے۔ وہ دلیرانہ اپنے اہل شہر کی طرف مخاطب ہوا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس کی تکالیف کا کچھ خیال نہ کریں۔ اس نے کہا کہ "اگر میں جان دونگا تو میں اسی آزادی کے لئے جان دوں گا جو ہم نے حاصل کی ہے اور ایسی شہادت کو اپنی خوش نصیبی کا باعث سمجھونگا۔ بس آج ہی وہ کام کرو جو کل میرے قتل ہو جانے کی صورت میں کرتے" مفتوحین کی اس ضد کا جواب فاتحین نے بھی ویسی ہی ضد سے دیا۔ کہا جاتا ہے کہ

موسم گرما و خریف کے اندر سات ہزار آدمی پھانسی پر یا میدان میں ہلاک ہوئے۔ لیکن مجلس شاہی نے تشدد محض کے خطرے کو محسوس کر لیا تھا اور بغاوت کے بعد جب پارلیمنٹ جمع ہوئی تو آزادی کے معاملے کو اس نے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا اور اس کے ساتھ مصالحت باہمی کا اشارہ بھی کر دیا۔ شاہی پیغام کے الفاظ یہ تھے کہ "اگر مذکورۂ بالا نیم غلاموں کو قیود سے بری اور آزاد کرنا چاہتے ہو تو تمہاری رائے کے موافق بادشاہ سلامت تمہاری عام درخواست کو منظوری عطا فرمائیں گے کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تم میں سے اکثر کی یہی خواہش ہے" مگر اس کے جواب میں زمینداروں پر مصالحت کے خیال کا پرتو بھی نہیں پڑا۔ پارلیمنٹ نے بہت صحیح جواب دیا کہ بادشاہ کی معافی و خطوط قانوناً بیکار و باطل ہیں۔ زمینداروں کے نیم غلام (غلامان زرعی) انکی املاک ہیں اور بادشاہ ان کے املاک کو ان کی مرضی کے بغیر ان سے نہیں لے سکتا۔ اس جواب کو انھوں نے ان الفاظ پر ختم کیا تھا کہ "ہم نے یہ منظوری نہ کبھی دی ہے اور نہ کبھی دیں گے خواہ ایک ہی دن میں ہم سب کو مرجانا پڑے"۔

جزو پنجم

رچرڈ دوم

۱۳۸۱—۱۳۹۹

[اسناد :۔ سوانح رچرڈ دوم و ہنری چہارم (The Annales Ricardi Secundi et Henrici Quarti) جسے ماسٹر آف دی رولز (محافظ صحائف) نے شایع کیا ہے، ہمارے لئے خاص سند ہیں، یہی سوانح سنٹ آلبنز کے ان تالیفات کی بنا ہیں جو والسنگھم کے نام سے مشہور ہیں۔ اور جن سے اخذ کرکے ایوشیم کے ایک راہب نے رچرڈ کی ایک سوانح عمری مرتب کی ہے۔ والسنگھم کی تصنیف اور وقائع نائٹن کی پانچویں کتاب دونوں میں بہت زور کے ساتھ اہل لینکسٹر کی طرفداری کی گئی ہے۔ برخلاف ازیں فرانسیسی مصنفین نے اسی زور کے ساتھ رچرڈ کی جانبداری کی ہے۔ اس حد پر پہنچ کر فرواسارٹ کی کتاب ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد اس میں کریٹن کی منظوم تاریخ (آرکیولوجیا جلد بستم (Archaeologia) اور تاریخ غداری وقتل رچرڈ (Chronique de la Traison et Most de Richart) بطور ضمیمہ کے شامل کی گئی ہیں، یہ دونوں کتابیں فرانسیسی مصنفین کی تصنیف ہیں۔ اور ہنری چہارم کے زمانے ہیں، فرانس میں شایع ہوئی تھیں، غالباً ان کا منشاء یہ تھا کہ خاندان لینکسٹر جو پھر

جنگ پر تلا ہوا ہے اُس کے مقابل فرانسیسیوں کو اُبھارا جائے۔ اس آخری کتاب کو اب انگلش ہسٹاریکل سوسائٹی (مجلس تاریخ انگلشیہ) نے حال میں شایع کیا ہے۔ انگلستان کے عام خیالات کا اندازہ ان سیاسی گیتوں سے ہو سکتا ہے جو سلسلہ صحائف (Rolls series) میں' پولیٹکل سانگز فرام اڈورڈ دی تھرڈ ٹو رچرڈ دی تھرڈ (نغمہائے سیاسی زمانہ اڈورڈ ثالث سے لے کر زمانہ رچرڈ ثالث تک Political songs from Edward III to Richard III کے عنوان سے شایع ہوئی ہیں' فوڈیرا اور صحائف پارلیمنٹ کا دیکھنا اس عہد کے لئے لازمی ہے' مسٹر ہیلم نے مڈل ایجز (ازمنہ وسطی (Middle Ages میں اس کی دستوری اہمیت کو نہایت خوبی سے واضح کیا ہے۔ اس زمانے کے انگلستان کی طرز معاشرت پر ولیم لانگ لینڈ کی نظم سے جو کمپلینٹ آف پیرز دی پلاؤمین (شکایتہائے پیرز قلبہ ران۔ (Complaints of Piers the Ploughman کے نام سے مشہور ہے۔ اور جسے مسٹر سکیٹ نے ارلی انگلش ٹکسٹ سوسائٹی (مجلس کتب قدیمہ انگلشیہ(Early English Text Society) کے لئے مرتب کیا ہے۔ بہت روشنی پڑتی ہے' کیمڈن سوسائٹی نے جو کتاب دی ڈسپاٹزم آف دی رچرڈ دی سکنڈ (رچرڈ دوم کی مطلق العنانی (The Despotism of Richard II) کے نام سے شایع کی ہے۔ وہ بھی اب اسی مصنف کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ رچرڈ ثانی کے متعلق جدید تصانیف میں بہترین تصنیف ایم ویلن کی ہے۔ یہ کتاب رچرڈ ثانی (Richard II) کے نام سے ۱۸۶۴ء میں پیرس میں شایع ہوئی ہے۔]

پیرز قلبہ ران اس زمانہ کی جس قدر ناگوار و مکروہ کیفیتیں' مثلاً طرز معاشرت کے انقلاب' اخلاقی' مذہبی' بیداری' غریبوں کی پریشان حالی' لولارڈوں کے اعتراضات وغیرہ

جن پر اب تک ہم ایک نظر ڈال آئے ہیں، ان تمام کیفیتوں کا ولیم لانگلینڈ نے ایسا صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ اُسے پڑھ کر نہایت رنج ہوتا ہے۔ چودھویں صدی میں امرا و غربا کی معاشرت کے درمیان جیسا کچھ عمیق فرق تھا، اگر ہم اسے واضح طور پر سمجھنا چاہیں، تو اس کے لئے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ "تمثیل ہائے پیرز قلبہ ران" اور قصص کینٹربری' کا باہم مقابلہ کرکے دیکھیں۔ درباری چاسر آنکھیں بند کئے ہوئے عیش و دولت اور خوش و خرمی کے عالم میں ایسا مدہوش پڑا ہوا ہے گویا خواب میں ہے، دوسری طرف غریبوں کا یہ نحیف و نزار شاعر مصیبت و ناخدا ترسی کے پنجہ میں گرفتار ہے، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے، لانگلینڈ غالباً شراپشائر میں پیدا ہوا تھا، یہیں اس نے تعلیم پائی اور پادریوں کے ادنیٰ طبقے میں داخل کرلیا گیا، لوگ اس کی درازی قد کی وجہ سے اسے لمبو ولیم کہتے تھے۔ وہ بچپن ہی سے لندن میں آگیا تھا۔ یہاں وہ امرا و رؤسا، کے جنازوں کے ساتھ تلقین خوانی کیا کرتا تھا، یہی اس کی وجہ معاش تھی، اور نہایت تنگی و عسرت سے بسر ہوتی تھی۔ لوگ اس غرق خیال پادری کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ اس کا یہ تکلیف دہ افلاس اس کے خودداری و غرور کے لئے ایک تازیانہ ہوگیا،

وہ خود کہتا ہے کہ چاندی سونے میں غرق اور کتان و سمور میں ملبس زرق برق امیروں اور بیگموں کی سواریوں کے سامنے مقام چیپ میں آداب بجا لانا اور قانون پیشہ لوگوں کی نئی اقامتگاہ ٹمپل کی طرف سے گزرتے وقت "خدا سلامت رکھے" کہنا اسے بہت ہی گراں معلوم ہوتا تھا' اس کی دنیا غریبوں کی دنیا ہے۔ وہ غریب آدمیوں کی طرح بھوک اور تکلیف میں زندگی بسر کرتا ہے' جو کچھ دال دلیا میسر آتا ہے' اسی سے پیٹ بھر لیتا ہے' اور ایک ایسا مایوسی کا عالم اس پر طاری رہتا ہے گویا اس سے آئندہ کی تمام توقعات منقطع ہو گئی ہیں۔ اپنی نظم میں زندگی کی جس تنگی پریشانی' تنہائی کا اس نے نقشہ کھینچا ہے۔ اس کا اثر خود نظم پر پڑ گیا ہے اس نظم میں شاعرانہ انداز محض خال خال نظر آتا ہے۔ اور وہ بھی صرف ان موقعوں پر جہاں مناظر قدرت کی دلکشی یا غصہ و ملال کی دلسوزی نے اس کی نظم کو شعر بنا دیا ہے۔ تمام نظم میں چاسر کی سی شگفتہ انسانی ہمدردی کی کہیں جھلک بھی نظر نہیں آتی' اپنے گرد و پیش کے حالات سے مسرت' خوش مزاجی' لطافت و جرأت کا پیدا ہونا' معمولی سے معمولی معاملات کو اس طرح دکھانا کہ آنکھوں کے سامنے تصویر کھنچ جائے طعن و طنز میں نزاکت کو ملحوظ رکھنا' مذاق کا ایسا ہونا

کرشاہی دربار کے سزاوار ہو، یہ سب چاسر کی وہ خصوصیات ہیں، جن کا پیرز کی نظم میں کہیں پتہ نہیں ہے، پیرز کی تمثیلیں اور کنایے دل پر بوجھ ہو جاتے ہیں، اس کی سطحی باتوں سے طبیعت اُکتا جاتی ہے۔ کتب مقدس کے مقفے اقتباسات اس کثرت سے درج کئے ہیں، گویا وہی اصل کتاب بن گئے ہیں، اس انداز میں اگر کہیں کہیں فرق پڑتا ہے تو وہ اس کی تیزی فہم، تلخ و ترش، شکایات اور ہوگرتھ کے سے عام مذاق سے پڑتا ہے۔ جس وجہ سے لوگ ایسے ذوق کے ساتھ اس نظم کو دیکھتے ہیں وہ اس کی عمیق غمگینی ہے۔ دنیا کی حالت خراب ہو گئی ہے۔ اور یہ کمزور شاعر جو استرینڈ میں لمبے لمبے قدم رکھ کر چلتا ہے، اسی غم میں گھل رہا ہے کہ اس میں اتنی قوت نہیں کہ اس کی حالت کو درست کر دے۔ فی الحقیقت اس کی نظم شرم و مصیبت کے اس تمام زمانے پر حاوی ہے جس سے زیادہ شرمناک و مصیبت ناک زمانہ انگلستان پر نہیں گزرا ہے۔ کیونکہ اس نظم کا پہلا مختصر خاکہ صلح برٹنیگی سے دو برس قبل شایع ہوا تھا، اور اس کی تکمیل اڈورڈ سوم کے آخر عہد میں شاید ہوئی ہے۔ اور اس کی کامل اشاعت "شورش مزارعین" سے صرف ایک برس پہلے ہوئی تھی۔ ولیم اگرچہ لندن کا رہنے والا ہے مگر

اس بڑے شہر کے معاصی و آلام سے پریشان ہوکر وہ اپنے تخیل میں کوہستان میلوں کی صبح بہار کی سیر کرتا ہے۔ لکھتا ہے کہ "میں گردش ایام سے تھک کر آرام کے خیال سے ایک چھوٹے سے چشمے کے کنارے بیٹھ گیا۔ یہ ایسا خوشگوار مقام تھا کہ پانی کی سیر دیکھتے ہی دیکھتے مجھ پر غفلت کی نیند طاری ہو گئی"۔ جس طرح چاسر اپنے ہمراہیان سفر میں دنیا کے مختلف وضع و قطع کے لوگوں کے نمونے جمع کرتا ہے، اسی طرح یہ خواب دیکھنے والا ایک وسیع میدان میں ہر پیشہ و گروہ کے لوگوں کو جمع کرتا ہے، اس مجمع میں تاجر و دکاندار، راہب و زاہد، مغنی و مطرب، خریدار و گداگر، جفاکش، قلبہ ران، عورتوں کو ساتھ لئے ہوئے زائر، آزاد و غلام، وکیل و محرر، دربار داری کرنیوالے اسقف، فقرائے مذہبی اور گناہوں سے معافیاں عطا کرکے قسیسوں کے ساتھ حصہ لگانے والے اہل مذہب غرض ہر قسم کے لوگ کینٹربری کی زیارت کو نہیں بلکہ "راستی و صداقت" کی زیارت کو جا رہے ہیں۔ ان کا رہبر کوئی پادری یا قسیس نہیں ہے بلکہ پٹر قلبہ ران ان کا پیشرو ہے، جسے ان لوگوں نے کھیت میں ہل چلاتے ہوئے پایا تھا، یہی شخص ہے جو نائٹوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ آئندہ اپنے مستاجرین سے بزور تحائف نہ وصول کریں۔ اور نہ غریبوں کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آئیں۔" اگرچہ وہ دنیا

میں تمہارا زبردست ہو مگر ممکن ہے کہ بہشت میں وہ تم سے برتر جگہ پاوے اور تم سے زیادہ خوش و خرم رہے، قبر میں جاکر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون شہری ہے اور کون دہاتی نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ کون شریف ہے اور کون وضیع، مساوات کے اس وعظ کی تائید محنت کے وعظ سے کی گئی ہے، اس قلبہ ران کا مقصد یہ ہے کہ وہ خود کام کرے اور اپنے ساتھ دنیا کو بھی کام پر لگائے۔ جس طرح وہ نائٹ کو متنبہ کرتا ہے اسی طرح وہ خود مزدوروں کو بھی تنبیہ کرتا ہے۔ "گرسنگی" کو خدا نے وہ ذریعہ بنایا ہے، جس سے سست سے سست شخص بھی کام کرنے لگتا ہے۔ اور "گرسنگی" اس اہتمام میں ہے کہ وہ کاہلوں اور وقت ضایع کرنیوالوں سے کام لے۔ دولت اور محنت میں جب کشمکش عظیم شروع ہونے والی تھی اس وقت لانگلینڈ ہی ایک شخص تھا جس نے اپنی سیاسی و مذہبی، تیز فہمی کے باعث دونوں پر منصفانہ نظر ڈالی۔ باوجودیکہ جان (گانٹ) کے خلاف عام نفرت بڑھتی جاتی تھی مگر وہ اس سے مرعوب نہیں ہوا اور اس نے ایک مشہور تمثیلی قصہ میں ڈیوک کو اس بلی سے تشبیہ دی جو خود بہت ہی حریص ہے مگر پھر بھی وہ بڑے چوہوں (امرا) کو اس سے روکے ہوے ہے کہ چھوٹے چوہوں (عوام) کو کھا کر بالکل ہی فنا نہ کردیں۔ شاعر اگرچہ کلیسا کا وفا شعار پیرو ہے، مگر وہ بالاعلان یہ

کہتا ہے کہ قواعد مذہب کے موافق زندگی بسر کرنا، گناہ کرکے مراعات و معافیات کا انبار لگانے سے بہتر ہے، اور جس حال میں کہ قسیس پیرز کو معافی دینے میں لیت ولعل کرتے ہیں، خداوند تعالےٰ اپنی بخشایش سے اسے سرفراز فرماتا ہے۔ وہ خواب ہی میں یہ دیکھتا ہے، کہ "بدکرداری" لیڈی میڈ کی صورت میں عدالت کے روبرو لائی گئی ہے۔ اور "عقل" کا وعظ سن کر دنیا اپنے اعمال پر افسوس کر رہی ہے۔ مگر بیداری کے عالم میں "عقل" کے وعظ کا کوئی سننے والا نہیں ہے، شاعر بہت تلخ کامی کے ساتھ لکھتا ہے کہ لوگ اسے دیوانہ سمجھتے ہیں، اپنی آخری نظم کے اختتام پر اس نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی فتحیابی کے بعد ہی دجال کی حکومت شروع ہو جاتی ہے۔ اسے پڑھ کر سخت مصیبت انگیز مایوسی پیدا ہو جاتی ہے، "ندامت" "موت" و "گناہ" کی سرمستیوں میں سو جاتی ہے۔ اور "ضمیر نیک" غرور، و کاہلی، کے سخت گرفت سے نکل کر ایک بار آخری کوشش کرتی اور اپنا عصاء سفر لے کر تمام دنیا میں پیرز قلبہ ران کو تلاش کرتی پھرتی ہے +

نزاعات معاشرتی جس نزاع کو لانگلینڈ روکنا چاہتا تھا، وہ فی الحقیقت شورش مزارعین کے دب جانے کے بعد زیادہ شدت کے ساتھ برافروختہ ہوئی۔ "قوانین مزدوران" کی اولین غرض

یہ تھی کہ مزدوری کو گھٹا کر ایک معین حد پر قائم کردیا جائے اور مزدوروں کو مقررہ حدود کے اندر رکھا جائے مگر ان دونوں کاموں میں تو وہ بالکل بے اثر رہے۔ البتہ ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں اور مالکوں، امیروں اور غریبوں کے درمیان نفرت پیدا ہو گئی۔ شورش مزارعین کے بعد ڈیڑھ صدی کے اندر اندر غلامانہ کاشتکاری کا طریقہ اتنا جلد فنا ہو گیا کہ وہ محض ایک قصہ پارینہ ہو گیا۔ کالی وبا کے سو برس بعد انگلستان کے مزدوروں کی اجرت اتنی ہو گئی تھی کہ وہ اس سے دو چند ضروریات زندگی مہیا کر سکتے تھے، جو اڈورڈ سوم کے وقت کی مزدوری سے حاصل ہو سکتے تھے۔ پیرز تقلبہ ران کی نظم میں مزدوروں کی زندگی کے جو اتفاقی حالات ملتے ہیں ان سے بھی اس بیاں کی تصدیق ہوتی ہے۔ لانگلینڈ کہتا ہے کہ "جن مزدوروں کے پاس مطلق زمین نہیں ہے، اور وہ صرف اپنی بازو کی کمائی کھاتے ہیں وہ بھی ایک آنے کی شراب اور سوکھے گوشت پر زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے بلکہ وہ بھنا ہوا یا پکا ہوا، تازہ گوشت یا مچھلی کھانا چاہتے ہیں، اور وہ بھی سرد نہیں بلکہ گرم سے گرم"۔ باوجود ان قوانین کے، بازار فی الواقع مزدوروں کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن اس پر بھی اگر انہیں منہ مانگی مزدوری نہ ملتی تو زمانے کی شکایت میں

نالاں رہتے تھے کہ کیوں زمانے نے انہیں مزدور بنایا'' شاعر نے صاف طور پر محسوس کر لیا تھا کہ جب آبادی اپنی اوسط حد پر آجائیگی تو اس قسم کی خوش وقتیوں کا زمانہ گزر جائے گا۔ جب تک ''گرسنگی ان پر مسلط ہے وہ انہیں ایسی سخت نظر سے دیکھتی ہے کہ کوئی اس کے قانون کے خلاف شکوہ و شکایت نہیں کر سکتا۔ اے کام کرنے والو! میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ جو کچھ تم سے ہو سکے حاصل کر لو کیونکہ ''گرسنگی'' دوڑی ہوئی آرہی ہے''۔ لیکن اس تحریر کے وقت بھی سال میں ایسے دن آجاتے تھے کہ عام طور پر مزدوروں کو کام کا ملنا مشکل ہو جاتا تھا، ازمنۂ وسطیٰ میں ایک فصل سے دوسری فصل کے درمیان گھروں میں سامان خوراک اور کام دونوں کم ہوتے تھے، پیرز قلبہ ران نے چند اشعار ایسے ہی زمانے کے متعلق کہے ہیں، جن سے اس وقت متوسط درجے کے کاشتکاروں کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ کہتا ہے ''میرے پاس اتنا نہیں ہے کہ چوزہ یا بط یا سور خرید سکوں۔ میں نے صرف دو ٹکڑے پنیر کے اور کچھ دہی ملائی خرید لی ہے۔ اور جو کی ایک روٹی اور مٹر اور بھوسی کی دو ٹکیاں اپنے بچوں کے لئے پکائی ہیں، میرے پاس نہ خشک کیا ہوا گوشت ہے نہ پکے ہوئے گوشت کا کوئی ٹکڑا

ہے۔ البتہ کرفس، گندنا، اور گوبھی کے کچھ پودے ہیں۔
ان کے سوا ایک گائے اور بچھڑا ہے۔ گاڑی کا ایک
گھوڑا بھی ہے۔ جو خشک موسم میں کھیت کا کام کرتا
ہے۔ اور اسی سامان پر ہمیں اگست تک بسر کرنا ہے۔
اور اسی سے مجھے اپنے کھیت کا کاروبار کرنا ہے"۔ اگست
کے گزرنے کے بعد مزدوری کی زیادتی اور نئے غلے کے
پیدا ہو جانے سے گرسنگی باقی نہیں رہتی ہے" اور موسم
بہار اور گرمی کے طولانی زمانے میں آزاد مزدور اور
آوارہ گرد، لوگ امور معاشرت و سیاست میں برہمی پیدا
کرنے کا باعث ہو جاتے تھے۔ یہ آوارہ گرد کام تو کوئی
کرتے نہ تھے، مگر اعلیٰ قسم کی گیہوں کی روٹی کے سوا
اور کوئی روٹی نہیں کھانا چاہتے تھے، نہ بہترین شراب
کے سوا اور کوئی شراب پینا چاہتے تھے، وہ خدا کی
شکایت اور عقل پر رنج و غصہ کرتے اور پھر بادشاہ
اور اس کی مجلس شوریٰ کو برا بھلا کہتے کہ انہیں نے
قانون بناکر مزدوروں کو مصیبت میں ڈالا ہے، زمینداروں
پر جو خوف طاری ہو گیا تھا اس کا اظہار قانون کے
ذریعہ سے کیا گیا اور قوانین اجرت کا یہ لازمی نتیجہ
ہونا تھا۔ انہوں نے ممانعت کردی کہ کسی کاشتکار کا
لڑکا کسی شہر میں ملازمت نہ کرے۔ رچرڈ سے لوگوں
نے التجا کی کہ " لونڈی غلاموں کے بچوں کا مدرسے میں

تعلیم پانا حکماً بند کر دیا جائے تاکہ ان کے لڑکے ترقی کر کے کلیسا میں نہ داخل ہو سکیں" دو دارالعلوم تھے دونوں میں جو نئے کالج اس زمانے میں قائم ہو رہے تھے، ان کے دروازے ادنیٰ درجے کے کاشتکاروں کے لئے بند کر دئے گئے تھے، اس قسم کی لاحاصل کوششوں میں ناکامیاب ہو کر بڑے بڑے مالکان اراضی نے ایک نئی تدبیر شروع کی اور آخر انہوں نے ملک کے طریق زراعت میں بالکل ہی انقلاب پیدا کر دیا، زراعت کے بہ نسبت بھیڑیں پالنے میں کم آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی، اور مزدوروں کی قلت اور اجرت کی زیادتی سے یہ لوگ یوماً فیوماً اس طرف زیادہ مائل ہوتے گئے، کہ قلبہ رانی کے بجائے گلہ بانی کریں، وابستہ اراضی کاشتکاروں کے معدوم ہو جانے سے خدمات جسمانی کے ذرائع گھٹ گئے تھے، اور زمینداروں کو جس طرح پہلے کاشتکاروں کی تعداد بڑھانے میں نفع تھا ویسا ہی اب ان کی تعداد کے گھٹانے میں انہیں اپنا نفع نظر آیا، اس لئے انہوں نے یہ کیا کہ چھوٹی چھوٹی اراضیوں سے کاشتکاروں کو نکال کر ان کے بڑے قطعات بنالئے۔ اخراج کے اس سلسلے نے آزاد مردوں کی تعداد بیحد بڑھادی، اور اس کے ساتھ ہی کام کی وسعت گھٹ گئی۔ نیتجہ یہ ہوا کہ آوارہ گردوں اور تنومند گداگروں کی وجہ سے

نظم معاشرت میں خطرہ روز بروز بڑھتا گیا، یہاں تک کہ یہی امر شاہان ٹیوڈر کی مطلق العنانی کا باعث ہو گیا +

فرقہ لولا

زمانہ مابعد میں جماعت لولارڈ کے اندر فرقہ بندی شدت کے ساتھ بڑھ گئی تھی، اور مذکورہ بالا خطرے کے ساتھ یہ شدید تر مذہبی خطرہ بھی شامل ہو گیا تھا۔ کورٹنی کے جور و تشدد کی وجہ سے زیادہ لائق لوگ اصلاح مذہب کے کام سے دست کش ہو گئے تھے، اور دارالعلوم نے بھی اس کی تائید ترک کر دی تھی۔ معہذا وکلف کے انتقال سے یہ تحریک اس کی رہبری سے ایسے وقت میں محروم ہوئی جبکہ بنے ہوئے کاموں کو بگاڑنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس وقت سے فرقہ لولارڈ میں ایک منتظم تحریک کی شان باقی نہیں رہی تھی۔ صرف انحراف و انقلاب کا ایک عام جوش رہ گیا تھا، اِس زمانے کی تمام معاشرتی و مذہبی بےچینیاں از خود اِس نئے مرکز کی طرف رجوع ہونے لگیں۔ کسانوں کے اشتراکیت کے خواب، شخصی اخلاقیات کا نیا زور و شور فرائرز (برادران مذہبی) سے نفرت، اکابر کلیسا کے ساتھ امرائے عظام کا حسد، مصلحین کا دیوانہ وار جوش و خروش یہ سب ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کی طرف سے بغض و عناد عام ہو گیا،

خاص و عام نے یہ ارادہ مصمم کر لیا کہ تقلیدی و کلیسائی طریق کے بجائے شخصی مذہب اختیار کرنا چاہئے۔ مگر اس تحریک کے عدم انضباط اور سہل انگاری کی وجہ سے سوسائٹی کے ہر طبقے میں اس کا اثر سرایت کر گیا۔ مردوں کی طرح عورتیں بھی اس طریقے کی طرف مائل ہو گئیں۔ فرقہ لولارڈ کے خاص مدرسے قائم ہو گئے، اور ان کے لئے خاص کتابیں بن گئیں۔ اس کے رسالے ہاتوں ہاتھ گشت کرنے لگے، مغلظات سے بھرے ہوئے گیت کونے کونے میں گائے جا رہے تھے جس نے انجوی زمانہ کو یاد دلا دیا جب کہ گولیاس نے پادریوں کی دولتمندی و عیش پرستی پر حملے کئے تھے؛ ارل سالسبری اور بعد میں سر جان اولڈ کیسل جیسے امرا علانیہ اس فرقہ کی سرگروہی کرتے تھے اور انھوں نے اِس کے واعظوں کو پناہ دینے کے لئے دروازے کھول دے تھے، لندن میں پادریوں کی طرف سے نفرتِ بیحد بڑھی ہوئی تھی۔ اس لئے وہاں اس فرقہ کا بڑا ہی زور ہو گیا، اور ایک واعظ کو جس نے سنٹ پال کے منبر پر ان نئے معتقدات کا وعظ کہنے کی جرأت کی تھی، شہر نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ شہر کے ایک میر (صدر) جان نارتھمپٹن نے نئی اخلاقی قوت کا یہ اثر دکھایا کہ پیورٹین کے انداز سے اخلاق کو درست کرنا چاہا۔ (اسی کے قول کے مطابق) پادریوں کے تغافل سے مجبور ہو کر (جو روپیہ لے کر ہر قسم کی

بدکاریوں سے اغماض کر جاتے تھے) اس نے شہر کی فاحشہ عورتوں کو گرفتار کرکے ان کے بال کٹوا دئے، اور گاڑیوں پر بٹھلا کر بنظر حقارت تمام شہر میں ان کی تشہیر کی۔ اگرچہ اس نئی تحریک کی بے انتہا عظمت کا باعث اخلاقی جوش ہی تھا، مگر کلیسا کے لئے وہ اس قدر خطرناک نہیں تھا جس قدر پرانے معتقدات اور ممالک عیسوی کے دستور و رواج کی کھلی مخالفت اس کے لئے مضر تھی۔ فرقہ لولارڈ کے سبب سے جن خیالات تازہ کا ہجوم ہو گیا تھا ان سے بتدریج چھٹ چھٹا کر ایک اعلیٰ مسئلہ پیدا ہوا، کہ مذہبی صداقت کے لئے صرف کتب مقدسہ کو سند قرار دینا چاہئے۔ وکلف کے ترجمے نے اپنا کام پورا کر دیا۔ لیسٹر کا ایک کینن شکا کرتا ہے کہ "انجیل ایک عامیانہ شئے ہو گئی ہے۔ اور ہر ایک حرف شناس مرد و عورت کے لئے اس کے اوراق کھلے ہوے ہیں، اور خود پادریوں سے زیادہ وہ ان لوگوں کے مصرف میں ہے"۔ جن نتائج کے اخذ کرنے سے خود وکلف شاید جھجک گیا تھا، ان نتائج کا اس کے شاگردوں نے دلیری کے ساتھ اعلان کیا۔ کلیسا کو دین سے منحرف قرار دیا گیا۔ قسیسیوں کو مردود ٹھہرایا گیا، اور کلیسا کے طریق عبادت کو بت پرستی سے متہم کیا گیا۔ پادریوں نے اپنے جور و تشدد کے پرانے ہتیار سے اس نئی تحریک کو مٹانا چاہا مگر یہ کوشش محض بیکار ثابت ہوئی۔ طبقۂ

بیرن و امرا کلیسا کے کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں، مگر وہ سب کے سب اس کے دنیاوی اقتدار سے حسد کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے بجز اس تحریک کو روکنے میں کلیسا کی کوششیں کارگر نہیں ہوتی تھیں۔ شورش مزارعین، کے وقت میں کورٹنی کے اثر سے ایک قانون نافذ ہوا تھا، کہ حاکم صوبہ کو اختیار دیا جائے کہ جن لوگوں کو اساقفہ ارتداد کا وعظ کہنے کا مجرم قرار دیں، انہیں وہ گرفتار کرلیں، مگر دوسرے دوران نشست میں اس قانون کی ترمیم کردی گئی، اور اہل کلیسا کے علی الرغم دارالعوام نے اعتراضاً اتنا اور بڑھا دیا کہ "وہ کسی اعتبار سے اسے اپنے لئے مفید نہیں سمجھتے کہ اپنے بزرگوں سے زیادہ اساقفہ کے حد اقتدار میں آکر ان کے قوانین کے پابند ہو جائیں"۔ فی الحقیقت اس وقت تک عام قانون ملک کے بموجب ارتداد ایک جرم تھا، اور مرتدین کو اس وقت تک آگ میں جلانے کی مثالیں اگر نہیں ملتیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح سے قتل کرنے کی تہدید ہوتے ہی عام طور پر لولارڈ اپنے عقیدے سے رجوع کرلیتے تھے، مگر ہر اسقف کے اختیارات اسی کے مستقر اسقفی کے اندر محدود تھے اسوجہ سے اس نئے عقیدے کے واعظوں کو جو جا بجا دعوت مذہب کرتے پھرتے تھے گرفتار کرلینا تقریباً ناممکن ہو گیا تھا،

اور ملکی قانون کے موافق سزا دینے میں اولاً تو عام رائے حائل تھی، اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو خود وہ قانون مدت دراز سے معطل سا ہو گیا تھا۔ تجربے سے اساقفہ کو معلوم ہوگیا کہ بہت کم حاکم صوبہ ایسے ہیں، جو محض کلیسا کے کسی عہدہ دار کے حکم پر کسی کو گرفتار کریں گے، اور کوئی شاہی عدالت کسی اسقف کی تجویز سے "کسی مرتد کے جلانے کا" حکم نہیں دے گی۔ کلیسا کی یہ کوششیں فرقہ لولارڈ کے دبانے میں تو بیکار رہیں، مگر ان کے جوش کو حد جنوں تک پہنچا دینے میں بہت کامیاب ثابت ہوئیں، ان کے معلمین، امرائے کلیسا کی دولت و دنیا پرستی کے متعلق سخت سے سخت بد زبانی کا استعمال کرنے لگے، انہوں نے پارلیمنٹ میں ایک درخواست پیش کی تھی جس میں پادریوں کی دولت پر اظہار نفرت کے علاوہ صاف صاف اپنے یہ اعتقادات بھی درج کر دئے تھے کہ وہ اس کا یقین نہیں رکھتے کہ روٹی و شراب حضرت عیسٰی کے گوشت و خون سے بدل جاتی ہے نہ وہ زیارتوں کو جانے اورمجسمات کی پرستش کرنے کے قائل ہیں، اس کے ساتھ ہی یہ بھی مطالبہ کیا گیا تھا کہ جنگ کو عیسائیت کے خلاف قرار دیا جائے۔ اور زرگری و زرہ سازی کے سے پیشے جو رسولوں کی روش فقر کے خلاف ہیں، ملک سے خارج کر دئے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس قسم کے مختلف اعتقادات و خیالات

اس نئی تحریک میں خلط ملط ہو گئے تھے، انہوں نے یہ دعویٰ کیا اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ دوسرے عہد کی پارلیمنٹ نے اس بیان کو قبول بھی کر لیا کہ کلیسا کی فاضل آمدنیاں اگر ایک مرتبہ مصارف عامہ میں آجائیں تو بادشاہ ان کے ذریعہ سے پندرہ ارل پندرہ سو نائٹ اور چھ ہزار اسکوئر کا انتظام کر سکتا ہے، اور اس کے علاوہ غریبوں کے سو شفاخانوں کے اوقاف معیّن ہو سکتے ہیں +

جنگہائے فرانس

فرانس کی جنگ جس سستی و نالائقی کے ساتھ جاری تھی اس سے تمام قوم میں بد دلی پھیلی ہوئی تھی، مگر جب اس پر زمینداروں کی پریشانی، ملک کی عام بدنظمی، ہر طرف خونیوں اور لٹیروں کی قانون سے علانیہ مخالفت، اور لولارڈ کے منصوبوں کے نہایت بے باکانہ و فتنہ انگیز صورتیں اختیار کر لینے سے کلیسا اور سوسائٹی کے اضطراب میں اضافہ ہو گیا تو یہ بد دلی اور بھی سخت ہو گئی۔ فرانسیسی اور اندلسی بیڑوں کے متحد ہو جانے سے وہ لوگ سمندر کے مالک ہو گئے تھے۔ صوبہ گی این کے جو قصبے انگریزوں کے قبضے میں باقی رہ گئے تھے، وہ بالکل فرانسیسیوں کی زد پر تھے۔ اور اہل اسکاٹلینڈ سے اتحاد کر کے فرانس نے خود انگلستان کی شمالی سرحد کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ ایک فرانسیسی فوج کے

فورتھ میں اترتے ہی تمام ملک نے جانبازانہ کوشش شروع کردی، اور انگریزوں کی ایک بہت بڑی فوج ہر طرح ساز و سامان سے درست اڈنبرا تک اس امید میں بڑھتی گئی کہ دشمن سے مقابلہ ہو، مگر مخالفین نے اس کا موقع ہی نہ آنے دیا، اس سے زیادہ ایک سخت ضرب یہ پڑی کہ گنٹ کو فرانسیسی افواج نے فتح کرلیا۔ انگریزی تجارت کے لئے یہی ایک بازار رہ گیا تھا وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ ان حالات میں چاہئے تھا کہ گنٹ کو بچانے اور انگلستان کے سواحل کو خطرات سے محفوظ رکھنے میں فوجیں کام میں لائی جاتیں، مگر بجائے اس کے جان (گانٹ) تاج اسپین کا خواب دیکھ رہا تھا، اس کی بیوی پڈرو ظالم کی بیٹی تھی، اور اس حق سے وہ تاج اسپین کا دعویدار تھا، اور اس کی سرحد پر انگریزی فوجوں کو ضایع کر رہا تھا، اس کوشش سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ڈیوک نے اب اپنے وطن کے معاملات کی سربراہی کا خیال ترک ہی کر دیا تھا، کسانوں کی شورش فرو ہونے کے بعد سے رابرٹ دی ویر اور میکائل ڈی۔ لاپول (ارل سفک) شاہی مجالس کے سرغنہ بن گئے تھے اور انھوں نے بالاستقلال یہ کوشش کی کہ ڈیوک لینکسٹر کے اختیارات سلب کرلیں، مگر جان (گانٹ) کے چلے جانے کا نتیجہ اتنا ہی ہوا کہ اس کا بھائی ڈیوک گلوسٹر اور اس کا بیٹا ارل ڈربی صف اول میں آگئے اور

اس کے ساتھ ہی جنگ کی دھیمی کارروائی دربار کے مسرفانہ اخراجات اور سب سے زیادہ پارلیمنٹ کے اثر سے آزاد ہو جانے کے لئے بادشاہ کی علانیہ خواہش نے دارالعوام کو بے تعلق سا
۱۳۸۶ کر دیا تھا، پارلیمنٹ نے سفک پر رشوت ستانی کا مقدمہ چلایا اور ایک برس کے لئے ایک مجلس تولیت مقرر کی جس کی روح رواں گلوسٹر تھا۔ پارلیمنٹ کے اختتام میعاد کے قریب نوجوان بادشاہ نے چاہا کہ اس مجلس کو برخاست کر دے، مگر گلوسٹر اور اس کے احباب کے دست بشمشیر ہو جانے سے اُس کی کچھ نہ چلی "بیرحم پارلیمنٹ" نے سفک
۱۳۸۸ اور اس کے ساتھیوں پر غداری کا الزام لگایا اور یہ لوگ یا تو ملک سے نکال دئے گئے یا قتل کر دئے گئے۔ جن پانچ ججوں نے مجلس تولیت کو ناجائز قرار دیا تھا وہ جلاوطن کر دئے گئے۔ اور شاہی خاندان کے چار شخصوں کو قتل کی سزا دی گئی۔ مگر ایک برس بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ رچرڈ نے اتنی قوت حاصل کر لی، کہ اس نے ایک لفظ سے حکومت کو توڑ دیا، جس کے خلاف اس کی
۱۳۸۹ اس قدر کوششیں رائگاں ہوئی تھیں۔ مجلس شاہی میں جاکر اس نے یک بیک اپنے چچا سے یہ پوچھا کہ اب میری عمر کیا ہے۔ گلوسٹر نے جواب دیا کہ "حضور اب چوبیسویں برس میں ہیں" اس پر رچرڈ نے وقار آمیز طریقے سے یہ کہا کہ "تو اب میری عمر اتنی ہو گئی ہے کہ

میں خود اپنے کام کا انتظام کر سکوں۔ تمام ملک میں مجھ سے زیادہ عمر تک اور کوئی شخص تولیت میں نہ رہا ہوگا۔ معزز امرا میں آپ لوگوں کی گزشتہ خدمتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں مگر آئندہ کے لئے مجھے آپ کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں ہے"۔

رچرڈ ۱۳۸۹ اس آسانی کے ساتھ جو اختیار بادشاہ کے ہاتھ میں آگیا تھا اسے اس نے آٹھ برس تک خاص دانشمندی سے استعمال کیا، اور زمانے نے بھی اس کی مساعدت کی، اس کی حکمت عملی امن حاصل کرنے کی تھی اور اس مقصد میں فرانس کے ساتھ گفت و شنود میں کامیابی ہوئی، عارضی صلح ہو گئی، اور سال بسال اس کی تجدید ہوتی رہتی تھی، تاآنکہ ۱۳۹۴ء میں چار برس کے لئے صلح قرار پائی، اس کے بعد جب رچرڈ نے چارلس ششم کی لڑکی ازابیلا سے عقد کر لیا تو اس میعاد صلح کو مزید پچیس برس تک وسعت دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بالاعلان اپنا یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ پارلیمنٹ کے مشورہ سے حکومت کرے گا، اس نے پارلیمنٹ کے اعتراضات کو تسلیم کیا اور تمام اہم معاملات میں اس سے صلاح لی۔ ایک مختصر مہم سے اس نے آئرلینڈ میں سکون پیدا کر دیا اور اس کی غیبت میں لولارڈ کے جن مشکلات کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا وہ اس کے واپس آنے پر رفع ہو گیا۔ رچرڈ میں وہ تمام

قابلیتیں نمایاں تھیں جو خاندان پلنٹجنٹ کے ارکان میں عام طور پر پائی جاتی ہیں، مگر اس کا مضطربانہ تلون، مجنونانہ غرور اور تمنائے مطلق العنانی نے اس کی ان خوبیوں میں دھبہ لگادیا تھا۔ اس کا چچا ڈیوک گلوسٹر بدستور فریق مخالف کا سرگروہ بنا رہا، اور بادشاہ نے جان (گانٹ) اور اس کے بیٹے ارل ڈربی سے موافقت پیدا کرلی، موقع پاتے ہی رچرڈ اس طرح مخالفت پر یکایک آمادہ ہوگیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفک کے فرار کے وقت سے وہ انتقام کے لئے کس قدر بیچین ہو رہا تھا، ڈیوک گلوسٹر اور ارل ارنڈل و واروک ایک سازش کے جرم پر گرفتار کئے گئے۔ پارلیمنٹ شاہی طرفداروں سے بھر گئی اور اس سے یہ درخواست کی گئی، کہ وہ رچرڈ کے مخالفین کو پامال کردے۔ نو برس پیشتر جن لوگوں کو معاف کردیا گیا تھا وہ ازسرنو مجرم قرار دئے گئے مجلس تولیت کو ناجائز اور اس کے بانیوں کو غداری کا مرتکب ٹھرایا گیا، یہ تمام کارروائی نہایت بے رحمی کے ساتھ کی گئی کیلے کے قید خانے میں مقدمہ سے پیشتر ہی ڈیوک کا یکایک انتقال ہوگیا۔ اس وجہ سے وہ تو اس ذلت سے بچ گیا مگر اس کا خاص معاون ارنڈل (اسقف اعظم کینٹربری) اس ہتک سے نہ بچ سکا اور جلاوطن کردیا گیا، اور اس فریق کے امرا میں سے کسی کو موت اور کسی کو قید کی سزا دی گئی۔

دوسرے سال پارلیمنٹ میں جو امور پیش ہوئے ان سے
ظاہر ہو گیا، کہ رچرڈ صرف انتقام ہی لینا نہیں چاہتا تھا
بلکہ اس کی فکریں اس سے زیادہ وسیع تھیں، وہ چاہتا تھا
کہ قطعی طور پر مطلق العنان حکومت قائم کرے۔ اس پارلیمنٹ
نے ۱۳۸۸ء کی پارلیمنٹ کی کارروائیوں کو کالعدم کردیا،
اور اون اور چمڑے کا محصول بطور معاونت تمام عمر کے لئے
رچرڈ کو عطا کر دیا۔ اس طرح وہ پارلیمنٹ کی نگرانی سے
بالکل آزاد ہو گیا۔ اور دوسرے قدم میں اس نے خود
پارلیمنٹ ہی سے خلاصی حاصل کرلی بارہ ارکان دارالامرا
اور چھ ارکان دارالعوام کی ایک مجلس بنائی گئی اور
اُسے یہ اختیار دیا گیا، کہ پارلیمنٹ کے ختم ہو جانیکے
بعد برابر نشست کرتی رہے۔ اور جو معاملات و کارروائیاں
بادشاہ کے حضور میں پیش ہوں، ان کی جانچ کرکے
تصفیہ کرے اور جو امور فیصلہ طلب رہ گئے ہوں، ان کا
بھی فیصلہ کرے۔" رچرڈ کا منشا یہ تھا کہ اس مستقل مجلس
کے ذریعے سے اصل پارلیمنٹ کو فنا کر دے۔ اس نے
فوراً ہی اس مجلس سے مقدمات کے تصفیے اور اپنی مرضی
کا کام لینا شروع کردیا، اور ملک کے ہر مستاجر کو
مجبور کرکے یہ قسم لی کہ وہ اس مجلس کے کاموں
کو جائز تسلیم کرے گا، اور ان کے بدلنے یا منسوخ کرنیکی
ہر ایک کوشش کی مخالفت کرے گا۔ جب حکمرانی کا یہ

آلہ بادشاہ کے ہاتھ آگیا تو وہ بالکل ہی مطلق العنان ہوگیا اور ساتھ ہی اس کا انداز حکومت بھی بدل گیا بجبر قرض لینے کا طریقہ جاری کیا گیا، گلوسٹر کے حامیوں کو کچھ نقد روپیہ لے کر معافی دی جانے لگی۔ مخالفان بادشاہ کی حمایت کرنے کے جرم میں سات صوبے فوراً خارج الذمہ کردئے گئے۔ اور ان پر لازم کیا گیا کہ روپیہ دے کر معافی حاصل کریں۔ عدالت کی کارروائیوں میں جا و بیجا مداخلت ہونے لگی۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ امور سیاست و معاشرت کی خرابیاں جو پہلے ہی بادشاہت کو فنا کردینے کی دھمکی دیرہی تھیں، اب ان میں اور جان پڑگئی +

لینکسٹری انقلاب رچرڈ نے اپنی حکمرانی کے اچھے اور برے دونوں طرز عمل سے رعایا کے ہر فرقے میں اپنی ذات سے برگشتگی پیدا کردی تھی۔ اس کی صلح پسندی کی وجہ سے امرائے، مزدوروں کے خلاف ظالمانہ کارروائیوں کی منظوری نہ ملنے سے زمینداروں نے، ناجائز محصولوں کے باعث تاجروں نے لولارڈ کے خلاف جوش نہ آنے سے اہل کلیسا نے اس سے بیگانگی اختیار کرلی تھی، رچرڈ کو بذاتہ لولارڈ سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں تھی اور جہاں تک امور معاشرت میں خطرات کا اندیشہ تھا وہ انہیں روکے رکھتا تھا، مگر شاہی عمال ارتداد پھیلانے والوں کے گرفتار کرنے اور سزا دینے میں اساقفہ کی مدد دل سے نہیں کرتے تھے۔ اور لولارڈ کو

خود عدالت ہی کے احاطہ میں پناہ مل جاتی تھی۔ رچرڈ کی پہلی ملکہ این، بوہیمیا کی رہنے والی تھی، اسی نے اولاً اپنے وطن میں مصلح کے رسالجات و ترجمہ کتب مقدس کو شایع کیا، اور یہی اشاعت ابتدائی رہبران جان ہس اور جیروم (پراگ) کی مشہور تحریکات کا باعث ہوئی۔ رچرڈ اپنی مملکت میں فی الحقیقت یکہ و تنہا رہ گیا تھا، لیکن باوجود اس قدر عام نفرت کے بھی اگر اس سے بغض و ظلم کا ایک خاص فعل نہ سرزد ہو گیا ہوتا تو اس کا زوال نہ ہوا ہوتا۔ اس فعل کے باعث ایک نہایت ہی قابل و بے باک شخص اس قومی بددلی کا سرغنہ بن گیا، یہ شخص جان (دگانٹ) کا سب سے بڑا بیٹا، ہنری تھا۔ وہ ڈربی کا ارل اور ہیرفرڈ کا ڈیوک تھا، اس نے اگرچہ رچرڈ کے عہد کی ابتدائی مشکلات میں اس کی مخالفت کی تھی مگر بعد میں گلوسٹر کے مقابلہ میں اس نے وفاداری کے ساتھ رچرڈ کا ساتھ دیا تھا۔ لیکن ان امور میں کامیاب ہوتے ہی، رچرڈ اپنی نئی طاقت کو خاندان لینکسٹر کے خلاف صرف کرنے لگا۔ یہ خاندان اس کے لئے زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ ہیرفرڈ اور نارفک کے ڈیوکوں کے درمیان کچھ تنازعہ ہو گیا تھا اور دونوں فریق ایک دوسرے پر غدر و دغا کا الزام لگاتے تھے، رچرڈ نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر دونوں کو جلاوطن کر دیا۔ جلاوطنی کے بعد

جان (گانٹ) کے انتقال پر بادشاہ نے پہلے تو ہنری کو اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنی جائداد موروثی کو تصرف میں لائے۔ مگر پھر بہت جلد اس اجازت کو منسوخ کردیا، اور لینکسٹر کی تمام جائداد پر خود قابض ہو گیا۔ جس زمانے میں رچرڈ نے اپنے عمزاد بھائی کو اس طرح نا امید کیا ہے اسی زمانے میں وہ اپنے فتح و انتظام کے کاموں کی تکمیل کے لئے آئرلینڈ گیا۔ اسقف اعظم ارنڈل نے (جو خود بھی جلاوطن تھا) ڈیوک پر زور دیا کہ وہ بادشاہ کی غیبت کو غنیمت جان کر اپنے حقوق کے واپس لینے کی فکر کرے۔ ہنری اس وقت فرانسیسی دربار میں پناہ گزین تھا، شاہ
۱۳۹۹ء فرانس کی نظر بچا کر وہ ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ یارک شائر کے ساحل پر جا اترا اور یہاں ارل نارتھمبرلینڈ اور ارل وسٹ مورلینڈ فوراً آکر اس کے شریک ہو گئے۔ یہ دونوں ارل علی الترتیب دو مقتدر خاندان پرسی و نیول کے سرگروہ تھے۔ ہنری ان لوگوں کو لئے ہوئے لندن کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں اس کی فوج برابر بڑھتی جاتی تھی، اور وہ نہایت شان و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا، بادشاہ ڈیوک یارک کو اپنا نائب کر گیا تھا، اس نے بھی اطاعت قبول کرلی، اس کی فوجیں بھی ہنری کی فوجوں سے مل گئیں۔ رچرڈ جب ملفرڈھیون میں اترا تو اسے معلوم ہوا کہ بادشاہت

اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ زمین پر قدم رکھتے ہی خود
اس کی فوج منتشر ہونی شروع ہو گئی، اور معزول بادشاہ
بھیس بدل کر شمالی ویلز کو بھاگ گیا، یہاں پہنچ کر اسے
معلوم ہوا کہ ایک دوسری فوج جسے ارل سالسبری نے اس
کی مدد کے لئے جمع کیا تھا وہ پہلے توڑی جا چکی تھی۔ ڈیوک
لینکسٹر نے اسے گفتگو کے لئے مقام فلنٹ میں بلایا، وہاں
پہنچ کر رچرڈ نے دیکھا کہ وہ ہر طرف باغی فوجوں سے
گھرا ہوا ہے، پہاڑی کے اوپر سے جب اس نے اپنے دشمنوں
پر نظر ڈالی تو چلا اٹھا کہ "میرے ساتھ دغا کی گئی، وادی
میں جھنڈے اور بیرقیں موجود ہیں" مگر اب واپسی کا وقت
گزر چکا تھا۔ رچرڈ کو گرفتار کر کے اس کے ابن عم کے
سامنے لے گئے۔ ڈیوک لینکسٹر نے کہا کہ "میں اپنے وقت سے
پہلے آگیا ہوں مگر میں اس کی وجہ آپ پر ظاہر کردوں گا۔
حضور کی رعایا یہ شکایت کرتی ہے کہ حضور نے بیس برس
تک ان پر سخت گیری کے ساتھ حکومت کی ہے۔ تاہم اگر
خدا کو منظور ہے تو میں ان پر بہتر طریقے سے حکومت
کرنے میں حضور کی مدد کروں گا" بادشاہ نے جواب دیا
کہ "بھائی اگر اسی میں تمہاری خوشی ہے تو میں بھی اس
سے خوش ہوں" مگر ہنری محض حکومت میں شریک
ہونا نہیں چاہتا تھا، اس کے منصوبے کچھ اور ہی تھے۔
وسٹ منسٹر ہال میں ایک پارلیمنٹ جمع ہوئی اور اس نے

نعرہائے مسرت کے ساتھ اس باضابطہ تحریر کو قبول کیا، جس میں رچرڈ نے حکمرانی میں ناقابل ہونے کا اعتراف کرکے تاج سے دست برداری کی تھی، اور یہ لکھا تھا کہ وہ عدم قابلیت کے باعث معزولی کا مستحق ہے۔ پارلیمنٹ نے اس کی معزولی پر تصدیق کی مہر لگا دی، تاجپوشی کا حلف پڑھا گیا، اور ایک طول طویل مواخذہ میں یہ بیان کیا گیا کہ رچرڈ نے اپنی تاجپوشی کے وقت جو عہد کئے تھے ان کو توڑ دیا ہے، اور اس لئے دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے یہ طے کر دیا کہ اسے سلطنت اور شاہی اختیارات سے معزول کر دیا جائے۔ اہل قانون نے عام جائدادوں کی وراثت پر قیاس کرکے جو رائے قرار دی تھی اس کے بموجب موروثی حق سے بادشاہت اب جس شخص کی طرف منتقل ہونا چاہئے، وہ ایک ایسے خاندان کا رکن تھا جس نے اڈورڈ کے ابتدائی انقلابات میں حصہ لیا تھا جس مارٹیمر نے اڈورڈ ثانی کو تخت سے اوتارا تھا اوس کے پروتے اڈمنڈ نے اڈورڈ سوم کے تیسرے بیٹے لیونل (کلیرنس) کی بیٹی سے عقد کیا تھا۔ اس لڑکی کا ایک پوتا تھا اس کا نام بھی اڈمنڈ تھا۔ رچرڈ کی اولاد نہ ہونے اور اڈورڈ کے دوسرے بیٹے کے لاولد انتقال کر جانے سے بھی اڈمنڈ دعویداران تاج میں سب سے مقدم تھا۔ مگر وہ صرف چھ برس کا بچہ تھا اور بادشاہت کے معاملہ میں توریث خاندانی کا قطعی قاعدہ کبھی باقاعدہ منظور نہیں ہوا تھا اور سابقہ کارروائیوں سے پارلیمنٹ کا یہ حق قائم ہو گیا تھا کہ

ایسی صورت میں شاہی خاندان کے کسی اور رکن کو جانشین منتخب کرلے۔ ایسا جانشین فی الواقع ایک ہی شخص ہو سکتا اور وہ ہنری آف لینکسٹر تھا، ہنری اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے آیا اور اس نے بڑے وقار کے ساتھ تاج کا دعویٰ کیا اور کہا کہ "میرا سلسلۂ نسب بلا انقطاع شاہ ہنری سوم سے ملتا ہے، اور اس بنا پر خدائے مہربان نے مجھے میرے عزیزوں اور دوستوں کی مدد سے یہاں بھیجا ہے کہ میں ملک کو ناقص حکومت اور منصفانہ قوانین کی خلاف ورزی سے پاک کردوں" اس دعوی میں جو کچھ بھی نقص ہو، مگر پارلیمنٹ کے اسے تسلیم کرلینے سے ان سب پر پردہ پڑ گیا۔ دونوں اساقفۂ اعظم نے نئے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے تخت پر بٹھایا، اور ہنری نے پرزور الفاظ میں اپنے اور اپنی رعایا کے مابین عہد و پیمان کی تصدیق کی، اس کے گرد جو مقتدایان دین، امرا، نائٹ، اور دوسرے اہل شہر جمع تھے ان کو مخاطب کرکے اس نے کہا "صاحبو! میں خدا کا اور آپ سب مذہبی و دنیاوی امرا و دیگر طبقہائے رعایا کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ سب لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں فاتح کی حیثیت سے کسی کو اس کی وراثت، یا حق آزادی، یا کسی اور حق سے محروم نہیں کرونگا۔ نہ کسی کو اس کی کسی ملک سے جو حسب قانون اس کے

قبضے میں ہے، بے دخل کردں گا۔ اس سے صرف وہ لوگ خارج ہیں، جو ملک کی عام بہبود اور اس کے مفاد کے خلاف رہے ہیں"+

جزو ششم

خاندان لینکیسٹر

اسناد۔ ہنری چہارم کے حالات کے لئے سوانح ہنری چہارم (Annales Henrici Quarti) اور والسنگھم مثل سابق دیکھنا چاہئے اس کے جانشین کے حالات کے لئے کتب ذیل کا دیکھنا مناسب ہے۔ (۱) اکٹا ہنریکی کونٹی (سوانح ہنری پنجم (Acta Henrici Quenti مصنفہ ٹائیٹس لیویس۔ یہ شخص شاہی فوج میں پیش نماز (چیپلین) تھا، اور اس کی یہ تصنیف انگلستان کی مجلس تاریخ (انگلش ہسٹاریکل سوسائٹی) نے شایع کی ہے، (۲) سوانح مصنفہ الم ہم (رئیس خانقاہ نٹن) اس کتاب کی عبارت نسبتہ آسان ہے مگر ترتیب و واقعات بالکل وہی ہیں جو سابق کتاب کے ہیں۔ (۳) تذکرہ رابرٹ رڈین۔(۴) وقائع منظوم مصنفہ الم ہم (یہ وقایع سلسلہ صحائف میں "یادگار ہنری پنجم" کے تحت میں شائع ہوا ہے) (۵) ہارڈنگ اور اوٹر بورن کے مختصر وقائع۔ اس دور کے لئے فرانسیسی مصنفین میں مانسٹرلٹ سب سے قابل وثوق ہے، نارمن مہمسموں کے لئے ایم پوٹی زو کی "سی ایڈ ڈی روآن" (محاصرہ روئین (Siege de Rouen) دیکھنا چاہئے۔ یہ کتاب بہ مقام کان ۱۸۶۷ء میں

شایع ہوئی ہے۔ لارڈ بروہیم نے اپنی کتاب ہسٹری آف انگلنڈ انڈر دی ہاوس آف لینکیسٹر (تاریخ انگلستان بعہد خاندان لینکیسٹر (History of England under the House of Lancaster) میں اس عہد کے متعلق بہت زور دار خاکہ کھینچا ہے، اور آئینی نظر سے وہ بہت ہی قابل قدر ہے۔]

لولارڈی
فرو کیا

چونکہ خاندان لینکیسٹر کو پارلیمنٹ ہی کی کارروائی سے تخت حاصل ہوا تھا، اور ان کے استحقاق کی بنا پارلیمنٹ ہی کے عطا کردہ حق پر مبنی تھی اس لئے وہ حصول آزادی کے لئے ایسی دلیرانہ جدوجہد نہیں کر سکتے تھے جیسی رچرڈ ثانی نے کی تھی۔ تاریخ انگلستان کے اوائل زمانے میں دونوں ایوان پارلیمنٹ کے اختیارات کا کبھی ایسا صاف اعتراف نہیں کیا گیا تھا جیسا اس زمانے میں ہوا۔ ہنری چہارم کا انداز قریب قریب اس کے آخر زمانے تک یہ رہا کہ وہ پارلیمنٹ کی درخواستوں سے منکسرانہ طور پر اتفاق کرتا تھا، اس کے پرغرور جانشین کا اگرچہ یہ حال نہیں تھا، مگر پارلیمنٹ کی مخالفت کرنے سے وہ بھی ڈرتا رہتا تھا لیکن ہنری کو تاج محض اسی با اعزاز آئینی طریق سے حاصل نہیں ہوا تھا، بلکہ اس کے ساتھ کچھ ایسے مواعید بھی شامل تھے، جو کسی طرح پر معزز و موقر نہیں کہے جا سکتے تھے۔ امرا کی تائید ایک حد تک اسی امید پر مبنی تھی، کہ فرانس کی تباہ کن جنگ پھر جاری ہو جائے گی۔ کلیسا نے اس خطرناک وعدے کی وجہ سے ساتھ دیا تھا، کہ ارتداد کے مٹانے میں جبر و تشدد سے کام

لیا جائے گا۔ اس وعدے کا ایفا بہت عجلت کے ساتھ عمل میں آیا۔ ہنری نے اپنے عہد کی پہلی ہی مجلس مذہبی میں اپنے "محافظ کلیسا" ہونے کا اعلان کر دیا، اور مقتدایان دین کو حکم دیا کہ مرتدین اور پھرنے والے واعظین کے دبانے کا انتظام کریں۔ یہ اعلان اس قانون ارتداد کی تمہید تھی جو اوائل ۱۴۰۱ء میں نافذ ہوا۔ اس نا ملائم قانون کی رو سے وہ تمام رکاوٹیں برطرف کر دی گئیں جو اب تک اساقفہ کی کوششوں کو بیکار ثابت کر رہی تھیں۔ اساقفہ کو صرف یہی اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ وہ تمام ایسے لوگوں کو جو ارتداد کا وعظ کہیں، مدرسوں میں ارتداد کی تعلیم دیں، ارتداد کے متعلق کتابیں لکھیں، یا انہیں اپنے پاس رکھیں، گرفتار کر لیں، اور بادشاہ کی اجازت سے (باوجود ان کے اپنے عقائد سے رجوع کرنے کے) انہیں قید کر دیں۔ بلکہ اگر وہ ان کاموں سے باز نہ آئیں، یا ایک مرتبہ ان سے رجوع کر کے پھر انہیں اختیار کریں، تو اساقفہ انہیں مرتد قرار دے کر ملکی حکام کے حوالہ کر سکتے تھے، اور اس حالت میں حکام ملکی پر لازم تھا کہ ایسے لوگوں کو کسی بلند جگہ پر لوگوں کے سامنے آگ میں جلا دیں۔ مذہبی خونریزی کے جن قوانین نے انگلستان پر دھبہ لگایا ہے ان میں یہ اپنی قسم کا پہلا قانون تھا۔ اس قانون کے منظور ہوتے ہی لن کا مقامی قسیس، ولیم ساٹر اس کا پہلا شکار ہوا، نو برس بعد ایک عام شخص

جان بیڈلی تبدیل لحم و دم کے عقیدے سے انکار کرنے کے باعث شہزادہ ویلز کے روبرو آگ میں جلا دیا گیا۔ اس کے کراہنے سے شہزادہ نے یہ سمجھا کہ وہ اپنے خیالات سے انکار کر رہا ہے، اور اس کے حکم سے وہ آگ سے نکال لیا گیا۔ مگر باوجود جان بخشی و وظیفہ کے وعدے کے اس کے جوش لولارڈی میں کسی طرح کمی نہیں ہوئی اور وہ پھر آگ میں پھینک دیا گیا، مسلسل بغاوتوں سے ہنری کی بادشاہت کے متزلزل ہو جانے کا اندیشہ پہلے ہی سے موجود تھا، اب فرانس کی دشمنی اور مصلحین کے سخت بغض و کین کی وجہ سے ایک نیا خطرہ پیدا ہو گیا، اپنے عہد حکومت کے مضطرب زمانے میں بادشاہ کا محض اپنی طاقت کو قائم رکھنا ہی اس کی قابلیت کا بہترین ثبوت تھا۔ رچرڈ کے اہل قرابت، ارل ہنٹنگڈن اور ارل کنٹ نے اس کے لئے ایک سازش کی، مگر یہ سازش معاً فرو کردی گئی اور اس کے بعد فوراً ہی رچرڈ کا بھی قید خانے کے اندر خاتمہ ہو گیا، بعد ازاں خاندان پرسی کے امرا نے بغاوت اختیار کی اور ارل نارتھمبرلینڈ کے بیٹے ہاٹسپر نے اہل اسکاٹلینڈ اور ویلز کے باغیوں سے اتحاد پیدا کر لیا، وہ تو شروزبری کے قریب ایک جنگ میں شکست کھا کر مارا گیا، مگر اس کے باپ نے دو برس بعد ایک نئی بغاوت پیدا کر دی اور اگرچہ وہ اپنے شریک سازش اسکروپ (اسقف اعظم یارک) کے گرفتار ہو کر قتل ہو جانے سے سرحد پار بھاگ گیا، مگر کچھ

دنوں بعد اس نے پھر ایک نئی یورش کی اور مرتے دم تک تخت کے لئے باعث خطر بنا رہا۔ ویلز مدت سے خاموش تھا مگر اس دوران میں انگلستان کی اس کمزوری کو دیکھ کر اس نے بھی اپنے فاتحین کا جوا کندھے سے اتار پھینکا اور اُوِن
گلنڈوور کی طلب پر تمام ویلز اُٹھ کھڑا ہوا۔ گلنڈوور ویلز ۱۴۰۰
کے قدیم شہزادوں کی اولاد میں تھا۔ اس نے بھی اپنے بزرگوں کی طرح حملہ آوروں کو قحط اور کوہی طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے چھوڑ دیا، ان کے واپس ہوتے ہی وہ اپنے ناقابل گزر قلعوں سے نکلا اور فتح پر فتح حاصل کرنے لگا تمام شمالی ویلز اور جنوب کا بیشتر حصہ اس کا معاون ہو گیا، اور اس کے ساتھ ہی چارلس شاہ فرانس نے بھی اس کی امداد کے لئے ایک فوج بھیجدی۔ ہنری کو گلنڈوور کی کامیابی کے روکنے کا موقع صرف اس وجہ سے ملا کہ انگلستان میں امن قائم ہو گیا تھا۔ شہزادہ ویلز نے آہستگی و فہمیدگی کے ساتھ چار برس تک اس مہم کو جاری رکھا جب جاکر وہ جنوب ویلز کو گلنڈوور سے نکال سکا۔ گلنڈوور کی شمالی رعایا پے در پے شکستوں سے برداشتہ خاطر ہو کر بتدریج اس سے کنارہ کش ہوتی گئی، اور بالآخر شراپشائر پر ایک دلیرانہ حملے کے منہزم ہو جانے سے بمجبوری اسے سنوڈن
کی پہاڑیوں میں پناہ لینی پڑی اور معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ۱۴۱۰
وہ اپنے انتقال کے وقت تک بطور خود مقابلہ کرتا رہا۔

ویلز کی بغاوت کے ختم ہو جانے سے خاندان لینکیسٹر نے تخت کو بیرونی خطرات سے محفوظ سمجھ لیا، مگر اندرون ملک میں لولارڈ کا عظیم الشان خطرہ مثل سابق بر قرار تھا۔ نئے قانون اور اس کی درد انگیز سزاؤں کا دلیرانہ مقابلہ کیا جاتا تھا۔ ہنری کے خلاف پہلی بغاوت میں لولارڈی کا حامی ارل سالسبری مارا گیا، اور اس کا خون آلود سر جب لندن میں لایا گیا تو رئیسان خانقاہ اور اساقفہ کا ایک جلوس شکریہ کا راگ گاتا ہوا اسے لینے گیا، مگر اس فعل کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ اس فرقے کی سرغنائی اس وقت کے سب سے بڑے جنگ آور کے ہاتھ میں آگئی۔ سر جان اولڈکیسل (جو اپنی بیوی کے واسطے سے لارڈ کابہیم کے خطاب سے ملقب تھا) اس فرقے کا سرگروہ بن گیا، اس نے اپنے قصر کاؤلنگ کو لولارڈی کا مرکز بنا دیا، ان کے واعظوں کو وہاں پناہ دی اور اساقفہ کے امتناعات و احکامات کو بالائے طاق رکھ دیا۔ ہنری چہارم نے اپنے عہد حکومت کی پریشانیوں سے عاجز آکر جب ۱۴۱۳ء میں انتقال کیا، تو اس پر خطر معاملے کے یکسو کرنے کا بار اس کے جانشین کے سر پڑا۔ اساقفہ نے یہ مطالبہ کیا کہ کابہیم کو عدالت کے روبرو لانا چاہئے۔ اور اگرچہ بادشاہ نے اپنے ایک ایسے دوست کے لئے کارروائی میں تاخیر کی خواہش کی، مگر کابہیم کی علانیہ مخالفت نے آخرکار اسے مجبور کر دیا

ہنری چہارم کا انتقال ۱۴۱۳ء

اور شاہی فوج کی ایک جماعت نے اس کو گرفتار کرکے ٹاور (لندن) میں پہنچا دیا۔ اس کا وہاں سے بھاگ نکلنا ایک وسیع بغاوت کا اشارہ ہو گیا، لولارڈوں کو خفیہ حکم دیا گیا کہ وہ لندن سے باہر سنٹ جائلز کے میدان میں جمع ہوں۔ ہنری نے اس مجمع کے متعلق جو کچھ بیان کیا اس سے اگرچہ شورش کے اصلی اغراض کا پتہ نہیں چلتا، مگر کم از کم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کس قدر خوف پیدا ہو گیا تھا۔ بالفاظ ہنری اس مجمع کی غرض یہ تھی کہ وہ "اسے، اس کے بھائیوں کو اور بہت سے دینی و دنیاوی امرا کو ہلاک کر ڈالیں،" مگر نوجوان بادشاہ کی باخبری کے باعث لندن کے لولارڈ اپنے بیرونی احباب سے ملنے نہیں پائے اور جو لوگ میدان میں جمع ہو گئے تھے انہیں بھی شاہی فوجوں نے منتشر کر دیا۔ اس شورش کے ناکام رہنے سے قانون اور بھی سخت کر دیا گیا۔ حکام کو ہدایت کی گئی کہ وہ تمام لولارڈوں کو گرفتار کرکے اساقفہ کے حوالہ کر دیں۔ ارتداد کا عقیدہ جان و مال دونوں سے محروم کر دیتا تھا۔ چنانچہ انتالیس مقتدر لولارڈوں کو پھانسی دے دی گئی۔ کابہیم بچ نکلا اور مزید چار برس تک بغاوت برپا کرنے کی کوششیں کرتا رہا، مگر آخرکار ویلز کی سرحد پر گرفتار ہوا اور بجرم ارتداد جلا دیا گیا۔

اجنکورٹ

اولڈ کیسل کے انتقال کے ساتھ لولارڈوں کی سیاسی کوششوں کا دفعتہً خاتمہ ہو گیا' اور اساقفہ کے مسلسل جور و تعدی کے باعث اگرچہ مذہبی تحریک کی حیثیت سے لولارڈی فنا نہیں ہوی مگر ابتداے کار میں جس جوش و خروش کا اظہار ہوا تھا وہ جاتا رہا۔ لیکن خاندان لینکیسٹر جن مقاصد کو مدنظر رکھ کر تخت نشیں ہوا' ان کا ابھی وہ صرف ایک جزو پورا کر سکا تھا۔ امرا کی نظر میں رچرڈ کا ایک خاص جرم یہ تھا کہ اس نے صلح کی روش اختیار کر رکھی تھی' اور اس انقلاب میں امرا کا مدد دینا ایک حد تک اسی امید پر مبنی تھا کہ جنگ پھر جاری ہو جائے گی' عام رعایا بھی جنگ کی گزشتہ مصیبتوں کو بھول گئی تھی' اور ان کی صرف یہ تمنا تھی کہ کسی طرح اپنی شکستوں کی شرم کو مٹا دیں۔ اس وجہ سے حامی جنگ فریق کو قوم کے میلان عام سے بھی مدد مل گئی تھی' فرانس اس وقت خود اپنی اندرونی مصیبتوں میں مبتلا تھا' اور اس لئے مداخلت کا بہت اچھا موقع نظر آ رہا تھا۔ فرانس کا بادشاہ چارلس ششم مخبوط ہو گیا تھا' اور شہزادے اور امرا دو فریق میں منقسم ہو گئے تھے۔ ایک کا سرگروہ ڈیوک برگنڈی تھا' اور یہ فریق اسی نام سے موسوم تھا' دوسرے کا سرگروہ ڈیوک آرلی انز تھا' اور اس نے آرمانیاک کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ہنری چہارم

اس کشمکش کو رقیبانہ نظر سے دیکھ رہا تھا، مگر جب اس نے یہ چاہا کہ فرانس میں انگریزی فوج اتار کر اس کشش باہمی کو اور بڑھائے تو دونوں فریق فوراً متحد ہو گئے۔ لیکن جب ہنری پنجم نے اپنی تاجپوشی کے وقت تجدید جنگ کا یہ مقصد ظاہر کیا
۱۴۱۲ کہ وہ فرانسیسی تاج کا دعویدار ہے، تو ان دونوں فریقوں میں پھر نہایت سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔ کوئی دعویٰ ہنری کے دعوی سے زیادہ بے بنیاد نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ پارلیمنٹ کے جس قانون کے بموجب خاندان لینکیسٹر کو انگلستان کی بادشاہت ملی تھی اس سے فرانس کی بادشاہت کا کوئی حق نہیں پیدا ہوتا تھا، اور اڈورڈ نے جس موروثی قانون کی بنا پر دعویٰ کیا تھا اس کی رو سے اگر حق پہنچتا تھا تو خاندان مارٹیمر کو پہنچتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف دعویٰ بلکہ خود جنگ کی نوعیت بھی اڈورڈ سوم کی کارروائی سے بالکل مختلف تھی، اڈورڈ کو خود اپنی مرضی کے خلاف فرانس ہی کے مسلسل حملوں سے مجبور ہو کر جنگ کرنا پڑی تھی، اور تاج کا دعویٰ ایک بعد کا خیال تھا، جو فلیڈوز کی رفاقت حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ برخلاف ازیں ہنری کے جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ اگرچہ وہ بظاہر رچرڈ کی میعاد صلح کے ختم ہو جانے سے محض سابقہ مخاصمت کی تجدید تھی، مگر اس کی حقیقت یہ تھی کہ ایک قوم اپنی سابقہ شکست کے باعث اپنے مخالف کی بے بسی سے فائدہ اٹھا کر اسکے

ملک میں بے وجہ و بے ضرورت مداخلت کرنا چاہتی تھی، بیشک اس کارروائی کے لئے ایک عذر یہ ضرور موجود تھا کہ گذشتہ پندرہ برس میں فرانس، خاندان لینکیسٹر کی بادشاہت کے خلاف ہمیشہ بیرونی دشمنوں اور اندرونی غداروں کو شہ دیتا رہا تھا۔ ۱۴۱۵ء کے موسم گرما میں ہنری ساحل نارمنڈی کی طرف روانہ ہوا اور اس نے اپنی پہلی ہی مہم میں ہارفلر پر قبضہ کرلیا۔ محاصرہ کے دوران میں مرض اسہال کے باعث اس کی فوج بالکل ابتر ہو گئی تھی اور جب اس نے اڈورڈ کے مانند کیلے پر دلیرانہ کوچ کرکے دشمن کو ذلیل کرنا چاہا، تو اس وقت اس کے پاس بہت ہی تھوڑے آدمی رہ گئے تھے۔ غالباً اس نے فرانسیسیوں کے باہمی اختلافات کے باعث اپنے کو محفوظ سمجھ لیا تھا، مگر جب حملہ آور واقعی فرانس کے قلب میں پہنچے تو سب مخالفتیں برطرف ہوگئیں، اور ہنری کی درماندہ اور فاقہ کش فوج نے دریائے سوم کے پار ہوکر دیکھا کہ میدان آزین کورمیں ساٹھ ہزار فرانسیسی فوج اس کا راستہ روکنے کے لئے خیمہ زن ہے۔ چونکہ فرانسیسیوں کے دونوں جانب جنگل تھے اور سامنے صرف اتنی جگہ تھی کہ تیس تیس آدمیوں کی صفیں قائم ہوسکیں، اس لئے ان کا موقع مدافعت کیلئے تو مضبوط تھا مگر خود حملہ کرنے کے لئے موزوں نہیں تھا معہذا فرانسیسی سرداروں کو کریسی اور پوائٹیرز کا تجربہ ہوچکا اس لئے انہوں نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ وہ انگریزوں کے بڑھنے کا

آزین کو
۲۵ اکتو
۱۴۱۵

انتظار کریں گے۔ برخلاف ازیں ہنری کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ یا حملہ کرے یا بلا شرط مطیع ہو جائے۔ اس کے آدمی فاقہ سے تباہ ہو رہے تھے، اور کیلے کا راستہ فرانسیسی فوج سے رکا ہوا تھا، مگر اس خطرے کے ساتھ ہی بادشاہ کی ہمت بھی بلند ہو گئی۔ اس کے جلو کے ایک نائٹ نے کہا کہ کاش انگلستان کے وہ ہزارہا مضبوط جنگ آور جو بیکار وقت گزار رہے ہیں، آج سب اس کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوتے تو ہنری نے نہایت حقارت کے ساتھ جواب دیا کہ "میں ایک زائد آدمی کا بھی یہاں ہونا نہیں چاہتا۔ اگر خدا نے ہمیں فتحیاب کیا تو اس سے صاف ظاہر ہو جائیگا کہ یہ اس کی رحمت ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو جس قدر کم آدمی ہوں گے اسی قدر انگلستان کا نقصان کم ہوگا"۔ ہنری کے مٹھی بھر آدمی اگرچہ فاقہ کشی و بیماری میں مبتلا تھے، مگر اپنے سرداروں کے جوش میں وہ بھی شریک تھے۔ جبکہ بارش کی سرد رات گزر گئی، تو ہنری کے تیر اندازوں نے تیر و کمان سے پوری طرح کام لینے کے لئے اپنے ہاتھوں اور سینوں سے کپڑے اتار دئے۔ انگلستان کے لئے اس وقت جو کچھ تھا یہی تیر اندازی تھی۔ یہ لوگ نہایت جوش و خروش کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔ ان کو بڑھتے دیکھ کر فرانسیسیوں کا شعلۂ غرور بھڑک اٹھا، ان کے سرداروں نے اپنے عاقلانہ عزم کو فراموش کر دیا، اور بھاری زرہ پوش سپاہیوں کی صف رتیلی زمین پر

انگریزوں کے مقابلہ کے لئے بڑھ چلی' ان کو بڑھتے دیکھ کر ہنری نے اپنی صف کو جہاں تھی وہیں روک لیا اور ہر ایک تیر انداز نے نوکدار تختوں کو (جو پہلے سے ان کے پاس موجود تھے) اپنے سامنے گاڑ کر سپاہ مخالف پر تیر برسانے شروع کردئے۔ فرانسیسی بے طرح مارے گئے' پھر بھی ان کے سواروں کے جانبازانہ حملوں نے تیر اندازوں کو ایک قریب کے جنگل کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں سے انہیں موقع تھا کہ اپنے دشمنوں کے بازوں پر برابر تیر برساتے رہیں۔ ادھر ہنری خود اپنے زرہ پوشوں کو لیکر فرانسیسی صف میں گھس پڑا' اور اس کے بعد جیسی گھمسان کی لڑائی ہوئی اس میں بادشاہ نے اپنی بہادری کا سکہ جما دیا۔ ایک فرانسیسی کے گرز کی ضرب سے وہ ایک مرتبہ گر پڑا اور اس کے خود کے اوپر کا تاج ڈیوک الانسان کی تلوار سے کٹ گیا' مگر آخر اس نے دشمن کی فوج کو منتشر کر ہی دیا' اصل فوج کی ہزیمت کے بعد فرانسیسیوں کی محفوظ فوج میں بھی ابتری پھیل گئی۔ اس جنگ کے تناسب تعداد میں کریسی سے بھی زیادہ فرق تھا' اور اس وجہ سے یہ کامیابی اور بھی زیادہ شاندار تھی۔ گیارہ ہزار فرانسیسی میدان جنگ میں کام آئے' جن میں سو سے زائد شہزادے اور امرائے عظام بھی داخل تھے۔

جنگ آژنکور کا کوئی فوری نتیجہ نہیں نکلا' کیونکہ انگریزی فتح فوج اس درجہ خستہ و درماندہ ہو گئی تھی کہ تعاقب کی تاب

نہیں لاسکتی تھی، وہ فوراً کیلے کو روانہ ہو گئی اور وہاں سے انگلستان کو پلٹ آئی۔ جنگ صرف رودبار کے قبضے تک محدود ہو گئی تھی۔ تا آنکہ برگنڈیوں اور آرمانیاک میں مخاصمت کی شدت بڑھ گئی اور اس سے ہنری کو یہ حوصلہ ہوا کہ نارمنڈی کے واپس لینے کی کوشش کرے اس مبارزت کی اصل غرض کے متعلق لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کے خیال میں اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر انگلستان میں اس کے خاندان کی طاقت ٹوٹ جائے تو نارمنڈی ایک محفوظ جگہ ان کے لئے باقی رہے۔ بعض کا خیال تھا کہ وہ محض سمندروں کی حکومت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بہر حال مقصد کچھ بھی ہو لیکن جس استقلال اور ہوشیاری سے اس نے اس کام کو پورا کیا ہے ان سے سپہ سالاران افواج کی صف میں اس کا رتبہ بہت بلند ہو گیا ہے۔ چالیس ہزار آدمیوں کو لے کر وہ دریائے ٹوک کے دہانے کے قریب اترا۔ کان کو سر کیا، بایو کو حلقۂ
اطاعت میں لیا، الان سان و فالیز کو زیر کیا، اور اپنے بھائی ۱۴۱۷
گلوسٹر کے قبضہ میں کانٹن کو چھوڑ کر خود آگے بڑھ کر آورانش اور ڈامفرنٹ کو مسخر کر لیا، اس طرح نشیبی نارمنڈی کو اپنے قبضہ میں لاکر وہ ایورو کی طرف بڑھا اور لوویرز اور پان ڈے لارش پر قبضہ کر کے اپنی فوجیں دریائے سین کے پار اتار دیں۔ ان شاطرانہ چالوں کی غائت اب ظاہر ہوئی۔ اس زمانے میں روآن، فرانس کا سب سے بڑا اور

سب سے زیادہ دولتمند شہر تھا۔ ایک زبردست توپخانہ اس کی حفاظت کے لئے متعین تھا۔ ایلین بلان شارڈ ایک دلیر اور قوی العزم محب وطن نے اس کی تمام وسیع آبادی کو اپنا ہی سا پرجوش بنا دیا تھا۔ اس کی قلعہ نشین فوج پہلے ہی سے مضبوط تھی، اب اس میں پندرہ ہزار مسلح شہریوں کا بھی اضافہ ہو گیا۔ مگر ہنری کی قابلیت ان تمام مشکلات پر غالب آنے کے لئے کافی سے زائد تھی۔ نیشیبی نارمنڈی کی تسخیر سے اس نے عقب کے حملے سے اپنے کو محفوظ کر لیا تھا، ہارفلر پر وہ پہلے ہی قبضہ کر چکا تھا اور اس طرح شہر کو سمندر سے منقطع کر دیا تھا، اب پان ڈے لارش کے فتح کر لینے سے پیرس کی طرف سے بھی مدد کا راستہ بند کر دیا۔ آہستگی اور استقلال کے ساتھ بادشاہ اس بدقسمت شہر کو اپنے حلقے میں گھیرتا گیا۔ کشتیوں کا ایک بیڑا ہارفلر سے لایا گیا، اور شہر سے بلندی کی جانب دریائے سین پر کشتیوں کا پل باندھا گیا۔ محاصرین کی گہری خندقیں تختہ بندی سے محفوظ کی گئیں، اور قلعہ نشین فوج کے سرفروشانہ حملوں کا بہت ہی استقلال سے جواب دیا گیا، چھ مہینے تک روآن عزم و استقلال کے ساتھ اپنی حالت پر قائم رہا، مگر گرد و نواح کے لوگوں کے شہر میں جمع ہو جانے کے باعث قحط نے بالآخر اپنا اثر دکھایا۔ مجبوراً ان میں سے بارہ ہزار آدمی شہر کے دروازہ سے باہر کر دئے گئے، مگر فاتح کو ان لوگوں پر کچھ رحم نہ آیا اور اس نے انہیں راستہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس عالم ناچاری

میں وہ شہر کی دیوار اور محاصرین کی خندق کے درمیان ہلاک ہو کر رہ گئے۔ اس جانستاں مصیبت کے اثنا میں بہت سی عورتوں کے بچے پیدا ہوئے۔ ان بچوں کو ٹوکریوں میں رکھ کر بپتسمہ دینے کے لئے دیوار شہر کے اوپر بھیجا گیا، مگر وہ پھر مرنے کے لئے اپنی ماؤں کی گود میں واپس کر دیے گئے۔ شہر کے اندر کی حالت بھی کچھ اس سے بہتر نہ تھی۔ جب جاڑے کا زور ہوا تو شہر کی نصف آبادی ہلاک ہو گئی۔ غضبناک بادشاہ نے کہا کہ "آتشزنی، خونریزی، اور فاقہ کشی، یہ تینوں جنگ کی لونڈیاں ہیں، اور میں نے ان میں سے سب سے زیادہ نرم دل لونڈی کو ان پر مقرر کیا ہے" مگر جب اس نے اہل شہر سے یہ کہا کہ وہ بلا شرط اطاعت قبول کر لیں، تو ناامیدی نے ان میں ایک طرح کی ہمت پیدا کر دی، اور انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ شہر میں آگ لگا دیں، اور سب کے سب ایک ہی بار انگریزی صفوں پر ٹوٹ پڑیں۔ ہنری اس خوف سے کہ مبادا آخر وقت میں اس کا شکار ہاتھ سے جاتا رہے شرائط پیش کرنے پر مجبور ہوا۔ جن لوگوں نے غیر ملکی حکومت کے قبول کرنے سے انکار کیا انہیں شہر سے چلے جانے کی اجازت دی گئی، مگر ایلین بلان شارڈ ہنری کے انتقام کی نذر ہو گیا اور یہ بہادر محب الوطن اس کے حکم سے بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

فتح فرانس

چند اور محاصرات نے نارمنڈی کی تسخیر کو مکمل کر دیا۔

اب تک بادشاہ کی امیدیں صرف اسی صوبے کے حاصل کرنے محدود تھیں، پس فتح کے سلسلے کو روک کر اس نے یہ کوشش کی کہ محصولات کے کم کر دینے اور شکایات کے رفع کر دینے سے وہ اس صوبے کو اپنا وفادار بنالے، اور شاہ فرانس سے باضابطہ صلح کرکے اس قبضے پر مہر تصدیق لگا دے۔ مگر مقام پانٹواز میں جو گفتگو اس غرض کے لئے ہو رہی تھی وہ فرانس کے مناقشات کے عارضی طور پر فرو ہو جانے سے ناکام رہ گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی جنگ میں طول کھینچنے اور اخراجات کی وجہ سے خود انگلستان میں شکایت و بددلی پیدا ہو گئی۔ بادشاہ کی مشکلات انتہا کو پہنچ گئی تھیں کہ اسی اثنا میں ڈیوک برگنڈی کو جو ولیعہد فرانس کے ہمراہ گفتگوے مصالحت میں شریک ہونے کے لئے آیا تھا، ولیعہد کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ اور فرانسیسیوں میں ملکی مناقشات کی آگ پھر بھڑک اٹھی۔ جوش انتقام میں تمام برگنڈوی فریق مع اپنے نئے ڈیوک فلپ نیکدل کے ہنری کا شریک ہو گیا۔ دیوانہ بادشاہ چارلس اور اس کی بیوی اور بیٹیاں فلپ کے قبضہ میں تھیں، اور چونکہ وہ اس ارادہ پر جما ہوا تھا کہ ولیعہد کو تخت سے محروم کر دے، اس لئے اس نے انگریزوں کو اپنا معاون بنانے کے لئے یہ کارروائی کی کہ شاہ فرانس کی سب سے بڑی لڑکی کو ہنری کی زوجیت میں دے دیا، اور چارلس کی زندگی تک کے لئے

اُسے ولیعہد مقرر کرکے یہ طے کر دیا کہ شاہ چارلس کے بعد
ہنری ہی تخت فرانس کا مالک ہوگا۔ خود چارلس نے بھی اس
معاہدہ کی بمقام ٹرائس باضابطہ تصدیق کر دی، اور ہنری نے
۱۴۲۰ ولیعہد ہونے کی حیثیت سے اپنے خسر کی جانب سے اُس
حصہ ملک کو فتح کرنا شروع کر دیا جو ولیعہد فرانس کے قبضہ
میں تھا، اور بالائے سین کے شہروں کو مسخر کرکے بادشاہ کے
پہلو بہ پہلو شان و شوکت کے ساتھ پیرس میں داخل ہُوا۔
پائے تخت میں طبقات عامہ کا باضابطہ اجلاس منعقد ہوا اور
معاہدۂ ٹرائس کے عجیب و غریب شرائط کی دارالعوام نے بھی
بلا چون و چرا تصدیق کردی، اور ہنری باضابطہ طور پر فرانس
کا آئندہ بادشاہ تسلیم کرلیا گیا۔ آنثرو میں اس کے بھائی کلیرنس
کے شکست کھا جانے سے اسے پھر میدان جنگ میں جانا
پڑا اور اس کے آتے ہی ڈرو پر قبضہ ہو گیا، اور آرلی آنز
کے سامنے پسپا ہونے کا عوض مؤ کی طویل و شدید
محاصرے کی کامیابی سے ہوگیا۔ مرنے سے چند دنوں قبل
ہنری کا ستارۂ اقبال اپنے انتہائی اوج پر پہنچ گیا تھا،
۱۴۲۲ اس کی علالت آناً فاناً ایسی بڑھی کہ تمام طبیب متحیر رہ گئے
اور یہ عظیم الشان فاتح یہ عجیب و غریب حسرت لئے ہوئے
دنیا سے رخصت ہوا کہ وہ یروشلم کے فتح کرنے کے لئے
زندہ نہ رہا +

باب ششم

شاہی جدید

۱۴۲۲ — ۱۵۴۰

جزو اول

جین آف آرک

۱۴۲۲ — ۱۴۵۱

(**ماخذ**۔ "وارز آف دی انگلش ان فرانس" (محاربات انگریزاں در فرانس (Wars of the English in France اور ڈی رڈکشیونے نارمانی ای De Reductione Normanniae (تسخیر نارمنڈی مصنفہ بلانڈل) دونوں ماسٹر آف دی رولز کی جانب سے شائع ہوئے ہیں اور اُس زمانے کی فوجی معاملات کے متعلق ان سے کافی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ فرانسیسی نقطۂ نظر سے ہمارے معلومات کا خاص ماخذ بدستور مانسترلے ہی ہے۔ جون آف آرک کی تاریخ کے متعلق صرف ایک کتاب "پروسے دو ژان وارک" (مقدمہ جون

آو آرک Proces de jeane d'arc کو واقعی مستند کہ سکتے ہیں۔ اس کتاب کو فرانس کی مجلس تاریخ (Societe de (Historie de France نے شایع کیا ہے۔ انگریزی معاملات کے لئے ہمیں ولیم (درسسٹر) وقایع کرولینڈ کے مختتم اور فے بین کے بیانات پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ فے بین لندن کا ایک الڈرمین اور خاندان لینکیسٹر کا سخت جانبدار تھا۔ اس کے بیانات صرف لندن کے لئے کارآمد ہو سکتے ہیں۔ وقایع کا مختتم اپنے طبقہ کے بہترین لوگوں میں سے ہے، اور اگرچہ خاندان یارک سے اس کا خاص لگاؤ ہے۔ تاہم اس کی تصنیف بوسورتھ فیلڈ کے بعد ہی جلد شائع ہوگئی تھی، اور اس کے سنہ تصنیف کے لحاظ سے اسے ایک بڑی حد تک غیر جانبدار سمجھا جاسکتا ہے، مگر اس کی تحریر میں تصویر نگاری زیادہ اور بیان واقعات کم پایا جاتا ہے، علمی قابلیت کے لحاظ سے پالیڈ ورورجل کی زیادہ وسیع داستان ان سب پر فائق ہے، لیکن وہ بعد کے زمانہ کی ہے اور خاندان لینکیسٹر کی طرف بہت زیادہ مائل ہے۔ پارلیمنٹ رولز (صحائف Rolls) اور ریمر کی کتاب فیڈرا بہت ہی قابل قدر ہیں۔ جدید لکھنے والوں میں موسیو مشلے نے اپنی ہسٹری آف فرانس (تاریخ فرانس History of France جلد پنجم) میں عذرائے آرلینز کا ایسا نقشہ کھینچا ہے، جس میں انتہائی صحت اور پوری شاعرانہ نزاکت دونوں مجتمع ہیں، لارڈ بروم کی کتاب "انگلینڈ انڈر دی ہاؤس آف لینکیسٹر" (انگلستان تحت خاندان لینکیسٹر England under the House of Lancaster — آئینی اعتبار سے بدستور کارآمد ہے۔

(ڈاکٹر اسٹبز کی کانسٹیٹیوشنل ہسٹری جلد سوم (تاریخ آئینی Constitutional History) ان صفحات کے لکھنے کے بعد شایع ہوئی۔ اس سے بھی اس زمانہ پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے۔)

ھنری پنجم کے انتقال کے وقت اس کی عظمت و رفعت انتہائی کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ اُس نے کلیسا کو اپنی مذہب پرستی سے گروہ امرا کو اپنی جنگجویانہ قابلیت سے اور عام لوگوں کو کریسی اور

پواٹیرز کے شان و شکوہ کو زندہ کر دینے سے بالکل اپنا بنا لیا تھا۔ فرانس میں وہ اپنے پر وقار طرز عمل سے ایک بیرونی فاتح کے بجائے جائز وارث تاج و تخت قرار پایا گیا تھا، اور اُس کے اس حق کو طبقات رعایا نے باضابطہ تسلیم کر لیا تھا۔ اور اپنے انتقال کے وقت تک وہ جس رفتار سے ترقی کر رہا تھا اُس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جلد تر کل ملک کا مالک ہو جائے گا۔

ارکان دارال
کی سلب رائے

لیکن آژین کور کی فتح اور ہنری پنجم کی ذہانت و طباعی تاج کی اس کمزوری و ذلت پر پردہ نہ ڈال سکی جو اس کے اختتام عہد پر اس کے شیرخوار بچے کی جانشین ہوتے ہی پیش آگئی۔ ہنری ششم اپنے باپ کے انتقال کے وقت صرف نو مہینے کا بچہ تھا۔ اُس کے نابالغی کے طولانی زمانہ اور خود اس کے عہد حکومت کی ذاتی کمزوری کی وجہ سے خاندان لینکیسٹر کا دارمدار تمام تر پارلیمنٹ کے نظر عنایت پر رہ گیا تھا۔ پارلیمنٹ روز بروز محض طبقۂ بیرن اور بڑے بڑے زمینداروں کے قائم مقامی پر منحصر ہوتی جاتی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ ارکان دارالعوام کو روپیہ کی منظوری دینے، اس پر نگرانی رکھنے، قانون بنانے میں شرکت کرنے اور وزرا پر الزام قائم کرنے کا حق حاصل تھا، مگر فی الواقع دارالعوام جس وجہ سے اس نام سے موسوم تھا یعنی عوام کی قائم مقامی ان معنوں سے وہ حقیقۃً ہٹتا جاتا تھا۔ عام میلان، رائے دہی میں قیدوں اور بندشوں اور امتیازات خاص کے بڑھانے کی طرف ہو رہا تھا اور اس سے قصبات کے حق رائے دہی کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ بیشتر شہروں میں یہ رائے دہی بہت جلد ایک مضحکہ محض بن گئی۔ اس وقت تک یہ دستور تھا کہ

قصبات کی حق
رائے دہی کا
محدود کیا جانا

قصبے میں جس قدر آزاد اشخاص رہتے اور مواجبات ادا کرتے تھے وہ سب کے سب محض اپنی اقامت قصبہ کی وجہ سے اہل قصبہ میں شمار ہوتے تھے۔ مگر ہنری ششم کے عہد سے لفظ قصباتی کے ان عام معنوں میں تخصیص و تقئید بے قاعدہ کی جانے لگی۔ وہ تجارتی کپنیاں جنھوں نے قدیم سوداگروں کی تعدی کے مقابلہ میں بلدی آزادی کو قائم و برقرار رکھا تھا، وہ خود ایک تنگ خیال اور محدود جماعت بنتی جاتی تھیں۔ اسوقت تک بیشتر قصبات نے بلدی حکومت حاصل کرلی تھی۔ مگر اس اقتدار میں وہ اجنبیوں کو شریک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور اسی انتفاع خاص کو محفوظ رکھنے کے لئے زیادہ تر یہ ہوا کہ اس وقت کے اہل قصبہ بادشاہ سے جماعت بندی کے فرامین حاصل کرکے ایک معین و محدود جماعت بن گئے اور ان تمام لوگوں کو اپنے دائرے سے خارج کردیا جو قصبے کے اصلی باشندے نہ تھے یا اس حق کے حاصل کرنے کے لئے ایک طولانی زمانہ ملازمت کا پورا نہیں کرسکتے تھے۔ ایک طرف تو اہل قصبہ کی تعداد اس طرح محدود ہوگئی، دوسری طرف قصبات کی اندرونی حکومت بھی عوام کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ دستور یہ تھا کہ قصباتی مجالس میں تمام اہل قصبہ جمع ہوتے اور آزادانہ رائے دیتے تھے مگر تیرھویں صدی کی اشتراکی تحریک کے ناکامیاب ہونیکے بعد سے تقریباً ہر جگہ قصبات کی اندرونی حکومت کے لئے مجالس عامہ قائم ہوگئیں، جو اپنے اراکین منتخب کرلیتی تھیں یا زیادہ دولتمند اہل قصبہ ان کے اراکین کا انتخاب کردیتے تھے۔ فرامین جدید کی رو سے انہیں مجلسوں کو پارلیمنٹ کے لئے قائم مقام منتخب کرنے کا حق عطا ہوتا تھا بلکہ ان میں بھی ایک

منتخب جماعت کے اندر ہی اندر حق انتخاب محدود کردیا جاتا تھا۔انہیں رکاوٹوں سے تنزل کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس سے آخرکار انگلستان میں قصبات کی قائم مقامی ایک مضحکہ محض بن گئی۔ بڑے بڑے امرأ قرب و جوار کے زمیندار بلکہ خود بادشاہ تک ان قصبات کو شکار کی طرح پکڑ لیتے اور جسے چاہتے قصبہ کا قائم مقام منتخب کرا دیتے تھے۔جو کام قوت سے انجام نہ پاتا تھا وہ رشوت سے پورا کیا جاتا تھا۔گلابون والی جنگ کے زمانہ سے پٹ کے وقت تک رعایا کی خواہشوں کے معلوم کرنیکا ذریعہ ارکان قصبات نہیں بلکہ کوئنٹیوں یا ضلعوں کے نائٹ تھے۔ لیکن خود صوبوں کی حق رائے دہی میں بھی عوائق پیدا ہوگئے تھے۔اور یہ فعل بلا واسطہ خود پارلیمنٹ کا تھا' اقتصادی تغیرات کے باعث سے صوبوں میں تعداد رائے دہندگاں روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھی۔ معاشرت میں جس قسم کے تغیرات ہو رہے تھے اور جائدادوں کی جس طرح تقسیم در تقسیم ہوتی جاتی تھی ان کا بیان اس کے قبل ہو چکا ہے۔ یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے آزاد اراضی داروں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی' اور ترقی آزادی کا ایک نشان یہ بھی تھا کہ شرفا اور دوسرے لوگوں میں ہنگامے اور مناقشے بھی پیدا ہوتے جاتے تھے۔ مدبرین وقت اس قسم کے مناقشات و مشاجرات کو رائے دہندوں کی کثرت تعداد کی طرف منسوب کرتے تھے۔بہت سے صوبوں میں بڑے بڑے ذی اقتدار امرا اپنے حشم و خدم کے زور سے انتخاب پر بے دغدغہ قابو حاصل کرلیتے تھے۔ کیڈ کی شورش میں اہل کنٹ کی ایک شکایت یہ بھی تھی کہ کوئنٹی یا

ضلعوں کی حق رائے دہی کا محدود کیا جانا

ضلع کے لوگوں کو ضلع کے نائٹ کے انتخاب میں آزادانہ رائے دہی کا موقع نہیں ملتا بلکہ مختلف جاگیروں سے صوبے کے بڑے بڑے امرا کے نام خطوط آتے ہیں اور وہ اپنے متاجرین و دیگر اشخاص کو بزور مجبور کرتے ہیں کہ عام خواہش کے خلاف دوسرے لوگوں کا انتخاب کردیں"۔ اسی خرابی کے رفع کرنے کی غرض سے ۱۴۳۰ء میں بعہد ہنری ششم ایک قانون نافذ ہوا کہ حق انتخاب ضلع کے صرف اُن آزاد اراضی داروں تک محدود کردیا جائے جن کی زمین چالیس شلنگ قیمت کی ہو۔ اس زمانے کے چالیس شلنگ کو اس وقت کے کم از کم بیس پونڈ کے برابر سمجھنا چاہیئے اور منافع کے لحاظ سے نسبتہً اور بھی زیادہ۔ اِس قانون کو "سلب رائے دہی کا قانون اعظم" کہنا بہت بجا تھا۔ کیونکہ خود اس قانون ہی کے الفاظ میں اس کا مقصد ان رائے دہندوں کے خلاف تھا جن کی "کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی مگر جو چاہتے یہ تھے کہ اپنے ضلع کے رہنے والے ذی ثروت نائٹ اور اسکوائر کے برابر رائے دیں"۔ ان الفاظ کا جو کچھ ظاہری مقصد تھا وہ ہی کیا کم تھا۔ عملاً اسے اور بھی مضرت رساں بنا دیا گیا۔ اس وقت تک یہ تھا کہ شیرف کی عدالت میں جو شخص درخواست کرتا بلا مزاحمت ضلع کے نائٹ کے انتخاب میں رائے دے سکتا تھا۔ مگر اس قانون جدید سے بہت سے اُس زمانے کے اہل رائے اور تمام لیز ہولڈر (یا پٹہ دار) اور کاپی ہولڈر (یا سند دار) حق رائے دہی سے ضمناً محروم ہوگئے۔ کچھ زمانہ بعد ایک اور قانون منظور ہوا مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر عمل نہیں ہوا۔ اس قانون نے ضلع کے ہر نائٹ کے لئے خاندانی شریف ہونا لازمی

قرار دیا تھا۔ اِس سے امرا و اعیان کے انداز اور اُن معاشرتی تغیرات کا پتہ چلتا ہے جن کے خلاف طبقہ اعیان یہ تمام کوششیں کر رہا تھا۔

انگلستان امرا کے تحت میں

ہنری پنجم کی موت سے اس سربستہ قوت کی حقیقت عیاں ہوگئی تمام شاہی اقتدار بلا مزاحمت اہل کلیسا اور طبقہ بیرن کے قائم مقام امرائے عظام کی ایک مجلس کے ہاتھ میں آگیا' اس وقت بیرنوں کا سرگروہ ہنری بوفرٹ اسقف ونچسٹر تھا' یہ شخص جان گانٹ کی مدخولہ کیتھرن سونفرڈ کے بطن سے تھا اور بعد میں جان کا جائز فرزند قرار پاگیا تھا۔ مذہب وکلف کے واعظوں نے اوراجتماعیت مذہب کے خیال نے کلیسا کی بڑھی ہوئی سیاسی طاقت کو باطل کر دیا تھا اب وہ محض جاگیرداروں کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ کلیسا کا بڑا مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح اپنی دولت کثیر کو محفوظ رکھے۔ اس دولت کو دہرے خطرے درپیش تھے ایک طرف ملحدوں کی نفرت اور دوسری طرف امرا کی حرص دآز۔ باوجود جور و تعدی کے وکلف کی رائے مذہبی و اخلاقی انقلاب کی روح رواں بنی ہوئی تھی' اور بادشاہ کی تخت نشینی کے نو برس بعد یہ دیکھا جاتا ہے کہ ڈیوک گلوسٹر ایک مسلح جماعت کے ساتھ انگلستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس غرض سے گشت لگا رہا ہے کہ وکلف کے واعظوں کی شورشوں کو دبائے اور پادریوں کے خلاف اس کے سب وشتم کی اشاعت کو روکے۔ جور و زیادتی اور بدنظمی کا داغ ہمیشہ سے طبقہ بیرن پر لگا ہوا تھا' اب جنگ فرانس سے اسے اور بھی شہ مل گئی تھی۔ اس کشمکش کے ختم ہونے سے بہت پہلے امراے انگلستان کے مزاج پر اس کا مہلک اثر پڑ چکا تھا۔ ان کا مطمح نظر طمع زر'

1431

آز غنیمت، بربادیٔ زراعت، تخریب دیار و امصار، تاوان اسیران جنگ کے سوا اور کچھ نہ تھا، وصول غنائم کی حرص اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ صرف تہدید قتل سے ہی سپاہی اپنی صفوں میں روکے جاسکتے تھے، اس جنگ میں انگریزوں کو فتح پر فتح حاصل ہوئی مگر فاتحین کی اس فکر و تشویش نے کہ کسی طرح وہ اپنے مال غنیمت اور اپنے قیدیوں کو بحفاظت انگلستان پہنچادیں، کل نتائج پر پانی پھیر دیا۔ ہنری پنجم اور بڈفرڈ کے سے زبردست سرداروں نے اپنے زور بازو سے اس فتنہ کو دبائے رکھا۔ ان کا علٰحدہ ہونا تھا کہ جنگ نے محض قتل عام اور لوٹ مار کی صورت اختیار کرلی۔ ایک فرانسیسی سپہ سالار کے منہ سے بے اختیار یہ نکل گیا کہ "اگر خدا بھی اس زمانے میں کسی فوج کا سردار ہوتا تو وہ بھی ایک سفاک قاتل ہو جاتا"۔ ممالک غیر جس قدر امرا کی حرص و جفاکاری سے تباہ تھے اسی قدر خود اُن کا وطن اُن کی قانون شکنی اور بداطواری سے نالاں تھا۔ پارلیمنٹ امرا کے حشم و خدم اور ان کے ہواداروں کی ایک مجلس بن گئی تھی۔ اور بالکل ایک مسلح لشکرگاہ کا نمونہ معلوم ہوتی تھی جہاں امرائے عظام میں سے ہر ایک اپنے جلو میں ایک چھوٹی سی فوج لیکر آتا تھا جب ہتیار کا لانا ممنوع قرار پایا تو بیرنوں کے ملازمین کندھوں پر لاٹھیاں رکھ رکھ کر آئے اور اسی وجہ سے ۱۴۲۶ء پارلیمنٹ "کلب پارلیمنٹ" (مجلس دبوس) کہی جانے لگی۔ جب لاٹھیوں کی بھی ممانعت ہوگئی تو یہ لوگ پتھر اور سیسے کی گولیاں اپنے جیبوں میں چھپا چھپا کر لانے لگے۔ وکلف کے واعظوں نے جس بداطواری کے خلاف اِس

زور و شور سے اخلاقی اعتراض اٹھایا تھا اب بلا روک ٹوک ہر طرف اسی بد اطواری کی حکومت تھی۔ بیشک علمی روشنی کی ایک شعاع اس عالم ظلمت میں نمودار ہو رہی تھی مگر کس لئے؟ صرف اس لئے کہ اس نفرت انگیز اخلاقی خرابی کو ذہنی طاقت اور تقویت حاصل ہو جائے۔ ڈیوک گلوسٹر نے جیسا گراں بہا کتب خانہ جمع کیا تھا اِس سے اس کا ذوق علمی ظاہر ہوتا تھا مگر وہی شخص اپنے وقت کا سب سے بڑا خود غرض و عیاش رئیس تھا کیکسٹن کا مربی، ارل ورسٹر تجدید علوم کے علمائے سابقین میں سے تھا مگر اپنے مظالم کی وجہ سے گلابوں والی جنگ کے خون آشام سرداروں میں بھی اسے بدنامی کا امتیاز خاص حاصل ہو گیا تھا، اور اسی باعث سے اس کا لقب "قصاب" قرار پا گیا تھا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مذہب و تکلف کی بیخکنی کے ساتھ ہر طرح کی روحانی زندگی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ انگریزی علم ادب کبھی پستی کے اِس درجہ پر نہیں پہنچا تھا۔ صرف چند جفاکش اہل اخلاق کی وجہ سے شاعری کا نام قائم رہ گیا تھا۔ تاریخ نہایت ہی معمولی اور بہت ہی بیکار بیانات و واقعات میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ عوام تک میں کسی قسم کے مذہبی جوش کا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا یا یہ کہئے کہ اساقفہ کی عدالتوں نے اسے نیست کر دیا تھا۔ اس زمانے میں صرف ٹونے اور جادو کے ایک اعتقاد کو قبول عام حاصل تھا، ڈیوک گلوسٹر کی بیوی ائے نرکابہم اس بنا پر مجرم قرار دی گئی کہ اس نے بادشاہ کی جان لینے کے لئے ایک قسیس کے ساتھ جادو کی مشق کی تھی۔ اسے حکم دیا گیا کہ لندن کی سڑکوں پر توبہ کرے۔

بارنٹ کے میدان جنگ پر جب کہر چھاگئی تو اسے فرائر بنگے کی سحر سازیوں کی طرف منسوب کیا گیا، ایک پاک صورت جو زمانہ کی حرص و آز، خود غرضی و بد اعتقادی سے بالاتر نظر آتی تھی وہ جین آف آرک کی صورت تھی، مگر جن عالموں اور قسیسوں نے اس پر حکم لگایا انہوں نے اُسے ایک ساحرہ خیال کیا،

جین آف آرک

ژان وارک یا جین آف آرک: دون ریمی کے ایک مزدور کی لڑکی تھی، یہ مقام لورین اور شیمپین کے حدود پر نواح دوکولر میں ایک چھوٹا سا موضع تھا، جس مکان میں وہ پیدا ہوئی تھی اس کے قریب ہی سے دوڑ کے جنگلات شروع ہوتے ہیں، یہیں دون ریمی کے بچے پریوں کے شاعرانہ افسانے سنتے اور آسیب زدہ کوئیں کا پانی پیتے، مقدس درختوں کے پھولوں کے ہار بناتے اور اُن نیک لوگوں کو گانا سناتے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے اس چشمے کا پانی نہیں پی سکتے تھے۔ جین کو اس جنگل سے خاص الفت تھی۔ جنگل کے چرند و پرند اس کی طفلانہ آواز پر محبت کے ساتھ اس کے پاس آجاتے تھے، مگر گھر کے اندر لوگ اسے بس اتنا سمجھتے تھے کہ وہ ایک نیک طبع، سادہ مزاج اور خوش اطوار لڑکی ہے" دوسری لڑکیاں میدانوں کو چلی جاتیں مگر وہ اپنی ماں کے پاس سینے پرونے میں مشغول رہتی، غریبوں اور بیماروں سے شفقت آمیز برتاو کرتی، گرجے سے شوق رکھتی اور گرجے کا گھنٹہ سننے سے اُسے ایسی مسرت ہوتی گویا وہ خواب دیکھ رہی ہے مگر اسکے اس خوش آئند زمانہ کا بہت جلد خاتمہ ہو گیا، کیونکہ جنگ کا طوفان آخرکار دون ریمی تک پہنچ گیا۔ ہنری پنجم کے مرنے کے تھوڑے ہی

زمانہ بعد شاہ چارلس کا بھی انتقال ہو گیا۔ تاہم حالات میں کچھ تغیر نہیں ہوا' ولیعہد نے فوراً ہی اپنے شاہ فرانس ہونے کا اعلان کر دیا' اور چارلس ہفتم کا نام اختیار کیا' مگر ہنری ششم (شاہ انگلستان) اس تمام ملک کا جو فی الحقیقت چارلس کے زیر حکومت تھا بادشاہ تسلیم کیا جا چکا تھا' اور وہ اپنی وصیت کے ذریعہ سے اپنے بھائی جان (ڈیوک بڈفرڈ) کو فرانس کا کارفرما مقرر کر گیا تھا۔ چارلس کے ہواخواہوں نے ملین کے لمبارڈ سپاہیوں اور ارل ڈگلس کے چار ہزار اسکاٹ کی مدد پاکر لوار کے پار نئے جوش و خروش سے حملے شروع کر دئے۔ مگر بڈفرڈ نے ان حملوں کو نہایت آسانی سے مسترد کر دیا۔ جان اپنی سیاسی قابلیت کی طرح تدابیر جنگ میں بھی کسی طرح ہنری سے کم نہ تھا اُس نے برگنڈی اور برٹینی کے امیروں کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کر لیا اور بڑی صبر آزما تدبیروں سے اُن کے ساتھ اپنے اتحادات کو زیادہ مضبوط کر کے شمالی فرانس کی فتح مکمل کر لی' ہولین پر قبضہ کر کے نارمنڈی سے سلسلہ آمد و رفت محفوظ کر لیا' اوگزیر کے قریب ایک فتح حاصل کر کے یون کے راستے پر حاوی ہو گیا۔ اور آخر کار ماکون کے قریب کی سرزمین پر پہنچ گیا۔ اس کی اس رفتار ترقی کے روکنے کے لئے سپہ دار بیوکن' لوار کو دلیرانہ عبور کر کے عین سرحد نارمنڈی پر بمقام ورنوئیل انگریزی فوج پر حملہ آور ہوا' مگر اس کی ہزیمت کسی طرح آزین کور کی ہزیمت سے کم مصیبت انگیز نہ تھی' ایک تہائی فرانسیسی سوار میدان جنگ میں کھیت رہے۔

ڈیوک بڈفرڈ

کار فرمائے فرانس (ڈیوک بڈفرڈ) لوار کو عبور کرنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ اپنے بھائی ڈیوک گلوسٹر کی سازشوں کی وجہ سے اُسے اپنا

ڈیوک گلوسٹر

ارادہ ملتوی کرنا پڑا، شاہ متوفی نے اپنی وصیت میں ڈیوک گلوسٹر کو انگلستان کی کارفرمائی کے لئے نامزد کیا تھا، مگر مجلس شاہی نے اسے اس عہدہ سے علٰحدہ کر کے اُسے "محافظ ملک" مقرر کر دیا۔ اس طرح مسلوب الاختیار رہنے سے تنگ آکر اس نے اپنی پرجوش حوصلہ مندی کے لئے ندرلینڈ میں ایک نیا موقع نکالا، ژاکلین اپنے ذاتی حقوق کی بناپر ہالینڈ اور ہنیالٹ کی کاؤنٹس تھی اور ڈیوک برابانٹ کے عقد میں تھی۔ برابانٹ نے جب اُسے طلاق دے دی تو گلوسٹر نے اس سے عقد کرلیا اور ندرلینڈ میں اس کے دعووں کی تائید کرنے لگا۔ اس کی اس بلند عزمی سے ڈیوک برگنڈی کا حسد بھڑک اٹھا کیونکہ وہ خود کو ڈیوک برابانٹ کا ولیعہد سمجھتا تھا اور اسی وجہ سے وہ بڈفرڈ کی رفاقت چھوڑ کر شمال میں اسکے بھائی گلوسٹر کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوگیا اور بڈفرڈ کی کوششیں بیکار ہوگئیں۔ گلوسٹر اگرچہ خود جلد انگلستان کو واپس چلا گیا مگر اس کشمکش کی تباہی تین برس تک جاری رہی اور جب تک کہ یہ جنگ ختم نہ ہوئی اور بڈفرڈ کو پھر برگنڈی کی مدد حاصل نہ ہوگئی اُسے مجبوراً اسوقت تک حالت مدافعت پر قائم رہنا پڑا۔ ادھر خود انگلستان میں گلوسٹر اور بوفرٹ کے درمیان مناقشہ برپا ہوگیا اور جنگ فرانس کے لئے جس قدر آدمی اور روپیہ کی ضرورت تھی اس میں اسکی وجہ سے رخنہ پڑگیا اور یہ امر نہایت خطرانگیز ثابت ہوا، مگر انگلستان کے عارضی سکون اور ہالینڈ
۱۴۲۸ کے امن سے بڈفرڈ ایکبار پھر اس قابل ہوگیا کہ جنوب کی طرف اپنے فتوحات بڑھا سکے لیکن اس تاخیر سے فرانس کو بھی کوئی فائدہ نہیں تھا، اور چارلس کی آنکھوں کے سامنے حلفا کی دس ہزار سپاہ نے آرلینز کو گھیر لیا اور وہ اسے

کسی طرح کی مدد نہ پہنچا سکا۔ جنگ اس کے بہت قبل لورین کے حدود تک پہنچ چکی تھی اور شمالی فرانس فی الحقیقت روز بروز ایک صحرا بنتا چلا جاتا تھا۔ کاشتکار پناہ کے لئے شہروں کو بھاگ رہے تھے یہاں تک کہ قحط کے خوف سے شہروں نے اپنے دروازے بند کر لئے ادھر سے مایوس ہو کر وہ جنگلوں میں جا رہے اور قزاقی و رہزنی شروع کر دی۔ ویرانگی ملک اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ دو متخاصم فوجیں ایک وقت کے اندر تباہ شدہ بوس میں ایک دوسرے کو نہ پاسکیں۔ شہروں کی حالت بھی دیہات و قصبات سے کچھ بہتر نہ تھی۔ فلاکت و بیماری سے، صرف پیرس کے اندر ایک لاکھ آدمی ہلاک ہو چکے تھے۔ یہ خانماں برباد زخمی جب ڈون ریمی سے ہو کر گزرتے تھے تو نو عمر جین انہیں اپنے گھر میں ٹھہراتی اور انکی تیمارداری کرتی تھی۔ وہ ایک خیال میں غرق تھی اور ہر وقت یہی کہا کرتی تھی کہ "فرانس کے خوبصورت ملک پر اُسے رحم آرہا ہے"۔ اس جذبے نے جب کچھ اور ترقی کی تو اُسے پرانی پیشینگوئیاں یاد آنے لگیں کہ سرحد لورین کی ایک لڑکی ملک کو نجات دلائے گی۔ وہ انہیں باتوں کا خواب دیکھنے لگی۔ حضرت میکائیل آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی میں اس کے خواب میں آئے اور اسے حکم دیا کہ بادشاہ کی مدد کے لئے جائے اور اس کا ملک اسے واپس دلائے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ "حضرت میں تو صرف ایک غریب لڑکی ہوں یہ بھی نہیں جانتی کہ گھوڑے پر کیوں کر سوار ہوتے ہیں اور میدان جنگ کو کس طرح جاتے یا فوجوں کو کس طرح لڑاتے ہیں"۔ فرشتہ مقرب اس کی ہمت افزائی کے لئے واپس آیا اور اس سے اس "رحم" کا ذکر

کیا جو بارگاہ خداوندی سے فرانس کے خوبصورت ملک کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ لڑکی رونے لگی اور اس نے یہ تمنا کی کہ کاش جو فرشتے اس پر ظاہر ہوئے تھے وہ اسے دنیا سے اٹھا لے گئے ہوتے مگر اس کا کار مفوضہ بالکل صاف و واضح تھا۔ اس مقصد کو سن کر اس کے باپ نے قسم کھا کر کہا کہ میں تجھے غرق کر دونگا قبل اس کے کہ تو سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں جا سکے مگر اس لڑکی پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا، دیہات کے پادری، ذی فہم اشخاص اور ووکولیر کے کپتان نے اس کے بیان میں شک ظاہر کیا اور اُسے مدد دینے سے انکار کر دیا مگر اس کا بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس کسان کی لڑکی نے باصرار یہ کہا کہ "خواہ میرے پاؤں گھٹنوں گھٹنوں تک گھس ہی کیوں نہ جائیں مگر میں بادشاہ کے پاس جاؤں گی اور ضرور جاونگی"۔ اس نے درد انگیز انداز سے اس بات پر زور دیکر کہا کہ "میں تو یہی چاہتی تھی کہ اپنی ماں کے پاس رہتی اور چرخا کاتتی مگر مجھے اب جانا اور اس کام کو انجام دینا ہے کیونکہ میرے خداوند کی یہی مرضی ہے"۔ لوگوں نے پوچھا کہ "تمہارا خداوند کون ہے"۔ اس نے جواب دیا کہ "وہ وہی ہے جو تمام عالم کا خدا ہے"۔ اس قسم کی باتوں نے آخر درشت مزاج کپتان کو نرم کر دیا اور اس نے جین کا ہاتھ پکڑ کر قسم کھائی کہ وہ خود اسے بادشاہ کے حضور میں لیچلے گا۔ جب وہ مقام شینان میں پہنچی تو اس پر مشکوک و مشتبہ نظریں پڑنے لگیں۔ اہل مذہب نے اپنی کتابوں سے یہ ثابت کیا کہ انہیں اس لڑکی پر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ مگر جین نے سادگی سے جواب دیا کہ "خدا کی کتاب میں تمہاری کتاب

سے زیادہ باتیں ہیں" آخرکار چارلس نے اُسے امیروں اور سپاہیوں کے ایک مجمع میں طلب کیا، لڑکی نے کہا کہ "اے نیک دل ولیعہد! میرا نام جین عذرا ہے۔ آسمانی بادشاہ نے مجھے یہ کہنے کے لئے بھیجا ہے کہ مقام ریمز میں حضور کو خدا کی طرف سے بادشاہی عطا ہوگی اور تاج پہنایا جائے گا۔ اور آپ اس آسمانی بادشاہ کے جو فرانس کا حقیقی بادشاہ ہے نائب ہوں گے۔"

آرلینز کا خلاص

جین جب فرانسیسی دربار میں داخل ہوئی ہے اس وقت آرلینز فاقہ کشی سے مجبور ہوکر اطاعت کی درخواست کر چکا تھا۔ چارلس نے مدد پہنچانے کے لئے کچھ نہیں کیا تھا بلکہ خود مقام شینان میں قلعہ بند ہوکر مایوسانہ روتا رہتا تھا۔ فی الحقیقت انگریزی فتوحات کے طولانی سلسلہ نے فرانسیسی سپاہ کی ہمتوں کو ایسا پست کردیا تھا کہ سرجان فاسٹالف کے تحت میں تیراندازوں کے ایک دستے نے "بیٹل آف دی ہرنگز" (جنگ ماہی) میں ایک فوج کی فوج کو بھگا دیا اور ذخیرہ خوراک کو لے کر بڑی شان کے ساتھ آرلینز کے لشکرگاہ کو روانہ ہوے۔ (اسی ذخیرہ خوراک کی وجہ سے اس جنگ کا یہ نام مشہور ہوا) اہل برگنڈی پھر انگریزوں کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے اور آرلینز کی خندقوں میں صرف تین ہزار انگریز رہ گئے تھے۔ شہر مسلح آدمیوں سے بھرا ہوا تھا مگر چھ مہینے کے محاصرے کے دوران میں ایک بار بھی انھیں یہ جرأت نہ ہوئی کہ نکل کر حملہ کرتے۔ تمام فرانس پر خوف کا ایک سحر چھا گیا تھا اور ان مٹھی بھر انگریز محاصرین کی کامیابی تمام تر اسی پر منحصر تھی جین

کے نمودار ہوتے ہی یہ طلسم ٹوٹ گیا، اس لڑکی کی عمر اس وقت صرف اٹھارہ برس کی تھی۔ اس کا قد کشیدہ، اور اس کا جسم سڈول تھا اور کاشتکارانہ نشو و نما کے جوش و قوت سے بھری ہوئی تھی وہ صبح سے شام تک بغیر کھائے پئے گھوڑے پر سوار رہ سکتی تھی۔ جب وہ ازسرتاپا سفید زرہ بکتر میں غرق اور سفید نرگسوں* سے مزین ایک بڑا جھنڈا اڑاتی ہوئی گھوڑے پر سوار چلتی تھی تو اس کی صورت اور اس کی باتیں سب آسمانی معلوم ہوتی تھیں۔ دس ہزار مسلح اشخاص جو مقام بلوئے سے اس کے ساتھ چلے تھے وہ بالکل ہی لیٹرے تھے اور ان کی دعا ہمیشہ لاہیر (الغام) ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے جین کے کہنے سے اپنی قسم کھانے کی عادت اور اپنی بیہودہ طرز معیشت کو ترک کردیا اور اپنے کوچ میں گرجے کے اندر جمع ہونے لگے، اس کی اوجڈ دہقانوں کی سی طبیعت نے ان وحشی سپاہیوں کو قابو میں رکھنے میں اسے بڑی مدد دی، اس کے ہمراہی اپنے فرودگاہ میں رات کو آگ کے گرد بیٹھتے تو اس بڈھے سپاہی پر ہنسا کرتے جو قسموں کے ترک کر دینے کے حکم سے اس قدر حیران و پریشان تھا کہ آخر جین نے اسے کندۂ بندوق کی قسم کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ ان تمام شورانگیزیوں کے باوجود خوش فہمی نے کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑا، راستہ میں لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور اس سے معجزات دکھانے کی خواہش کرتے تھے۔ صلیب و تسبیح اس کے پاس لاتے کہ چھو کر

---

* نوٹ۔ سفید نرگس فرانسیسی بادشاہت کے جھنڈے پر بطور نشان امتیاز کے تھے +

ان میں برکت دے دے۔ اس نے ایک بڈھی عورت مارگیرٹ سے کہا
کہ "تم خود اسے چھوؤ تمہارے چھونے سے بھی وہی فائدہ ہوگا"۔ لیکن
اپنے مقصد کے متعلق اس کا اعتقاد ہمہ وقت یکساں طور پر مستحکم رہا'
۱۴۲۹ اس نے بڈفرڈ کو لکھا کہ "یہ لڑکی آپ سے التجا کرتی ہے کہ اب
فرانس میں زیادہ تباہی نہ پھیلائیے بلکہ اس کے ساتھ شریک ہو کر
"مزار مقدس" کو ترکوں کے ہاتھ سے نکالئے"۔ دیونوا جب آرلینز سے
نکل کر اس کے پاس آیا تو جین نے اس سے کہا کہ میں تمہارے
لئے وہ مدد لائی ہوں جس سے بڑی مدد کبھی کسی شخص کو نہیں
بھیجی گئی' میں آسمان کے بادشاہ کی طرف سے مدد لائی ہوں" جب
وہ آرلینز میں داخل ہوئی ہے تو محاصرین ہیبت زدہ اس کی
طرف دیکھتے رہے۔ شہر میں داخل ہو کر اُس نے گھوڑے پر
سوار دیواروں پر چکر لگایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ان محاصرہ
کرنے والے مہیب قلعوں کی طرف سے بالکل بے خوف وخطر
ہو جائیں۔ اس کے جوش کو دیکھ کر مذبذب سپہ سالاروں کو بھی غیرت
ہوی کہ اد مٹھی بھر محاصرین کا مقابلہ کرنا چاہئے فوجوں کی اس نمایاں
غیر مساوات کا اثر فوراً محسوس ہوا' قلعوں پر یکے بعد دیگرے قبضہ ہوتا گیا
یہاں تک کہ صرف ایک قلعہ جو سب میں مستحکم تھا باقی رہ گیا اور
اس وقت مجلس جنگ نے حملے کے ملتوی کر دینے کا فیصلہ کیا' مگر جین نے
جواب دیا کہ "تم اپنی مشورت کر چکے اب میں اپنی مشورت کرتی ہوں"۔
مسلح لوگوں کو اپنی سرکردگی میں لے کر اس نے شہر کے دروازے کھلوادئے
اور قلعے پر دھاوا کر دیا' انگریز اگرچہ بہت تھوڑے ہی تھے مگر انہوں نے

جنگ میں ایسی جانبازی دکھائی کہ جب جین دیوار پر چڑھنے کی کوشش میں زخمی ہو کر گری اور لوگ اس کو ایک تاکستان میں اٹھالے گئے تو دیونوا نے نقارہ بازگشت بجوا دیا۔ اس لڑکی نے بہت ہی اصرار کے ساتھ کہا کہ "ابھی ذرا توقف کرو، تم لوگ کھاؤ پیو اور اطمینان رکھو کہ جس وقت میرا علم دیوار کو چھوئے گا اسی وقت تم قلعہ میں داخل ہو جاؤ گے"۔ آخرالامر علم دیوار تک پہنچا، اور حملہ آور قلعہ کے اندر داخل ہو گئے، دوسرے روز محاصرہ اٹھا لیا گیا اور محاصرین ترتیب کے ساتھ شمال کو پلٹ گئے۔ ان کامیابیوں کے باوجود جین کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ بدستور دوتز کی ایک پاکباز اور رحمدل کسان لڑکی ہی رہی، آرلینز میں داخل ہونے پر وہ سب سے بڑے گرجا میں گئی اور وہاں جب وہ دعا کے لئے جھکی تو اس جوش و بیخودی کے ساتھ روئی کہ "تمام لوگ اس کے ساتھ رو دیے"۔ میدان جنگ میں جب اس نے اول بار خونی منظر اور لاشوں کو ہر طرف پڑا دیکھا تو دوبارہ اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ پہلی بار زخمی ہونے پر وہ خوف زدہ ہو گئی اور اس خوف نسوانی کا اثر صرف اس وقت زائل ہوا جب اس نے بازگشت کی آواز سنی۔ جس پاک دامنی کے ساتھ اس نے ازمنہ وسطی کے جنگی لشکرگاہ کے لوگوں میں وقت گزارا ہے اس سے اس کے نیک صفات اور بھی نمایاں ہو جاتے ہیں، محض اپنی عزت کے خیال سے وہ سپاہیوں کا لباس زیب تن کرتی تھی۔ انگریزوں کے مغلظہ طعن و تشنیع کا حال سن کر وہ زار و قطار رونے لگی اور عالم بیخودی میں خدا کو اپنی پاکدامنی کی گواہی کے لئے پکارنے لگی۔ جب انگریز

سپاہی نے اس کے متعلق سب سے زیادہ ہتک آمیز باتیں کہیں تھیں جب وہ زخمی ہوکر اس کے قدموں پر گرا ہے تو جین نے اس سے باواز بلند کہا کہ "گلیسڈیل توبہ کر تو نے مجھے فاحشہ کہا تھا' مجھے تیری روح پر بہت ہی رحم معلوم ہوتا ہے۔" مگر اپنے مقصد کے خیال میں اپنی ذات کا تمام خیال اس سے محو ہو گیا تھا' فرانسیسی سپہ سالاروں نے اس امر کی بیکار کوشش کی کہ وہ دریائے لوآر پر رکے رہیں' جین اپنے کام کو پورا کرنے کا عزم مصمم کر چکی تھی' انگریز حیران و پریشان پیرس کے گرد ہی رکے رہے اور وہ مقام ژیاں سے فوج لیکر براہ ٹرایز' ریمز کے دروازوں پر جا پہنچی۔ راستہ میں اس کی فوج کی تعداد برابر بڑھتی گئی۔ چارلس کی تاجپوشی کے بعد اس نے یہ سمجھ لیا کہ اس کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اس نے چارلس ہفتم کے قدموں پر گر کر جانیکی اجازت چاہی اور کہا کہ "اے نیک بادشاہ خدا کی مرضی پوری ہو گئی" جب اسقف اعظم نے اسے رکنے پر مجبور کیا تو اس نے کہا کہ "کاش خدا کی یہ مرضی ہوتی کہ میں گھر جاتی اور پھر اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ گلہ بانی کرتی۔ مجھے دوبارہ دیکھکر وہ بہت ہی خوش ہوتے۔"

جین کی موت

فرانسیسی دربار نے اپنے مفاد کے خیال سے اُسے روک لیا' اور اس اثنا میں شمالی فرانس کے شہروں کے دروازے یکے بعد دیگرے بادشاہ کے لئے کھلتے گئے۔ مگر بڈفرڈ کے پاس پہلے روپیہ اور آدمی نہیں رہے تھے' اب اسے بھی نئی امداد حاصل ہو گئی اور چارلس کو پیرس کی دیواروں کے سامنے پسپا ہونا پڑا۔ وہ دریائے لوآر کے عقب میں جا رہا' اور ادھر دریائے اواز کے شہر پھر ڈیوک برگنڈی کے مطیع ہو گئے'

ان آخری لڑائیوں میں جین حسب معمول بہادری کے ساتھ لڑی مگر یہ مضر خیال ہمہ وقت اس کے دامنگیر تھا کہ اس کا کام ختم ہو چکا ہے۔ اور کامپیٹنی کی مدافعت کرتے ہوئے وہ بیسٹرڈ آف واندوم کے ہاتھ میں پڑ گئی۔ اس نے ڈیوک برگنڈی کے ہاتھ اور ڈیوک نے اسے انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالا، انگریزوں کی نظر میں اس کی ظفریابیاں محض فتوحاتِ سحر کے نتیجے تھے۔ ایک برس قید رکھنے کے بعد انہوں نے جادوگری کے جرم میں اُسے ایک مذہبی عدالت کے روبرو حاضر کیا۔ اس عدالت کا صدر اسقف بووے تھا، بہت طول طویل کارروائی اختیار کی گئی اور ہر طرح پر یہ تدبیر کی گئی کہ باتوں ہی باتوں میں اسے پھانس لیا جائے؛ مگر اس روستائی لڑکی کی تیز فہمی کے آگے ججوں کی کچھ پیش نہ گئی۔ انہوں نے سوال کیا کہ "تم یقین رکھتی ہو کہ خدا کی رحمت تمہارے شامل حال ہے" جواب ملا کہ "اگر نہیں ہے تو خدا مجھے یہ رحمت عطا کرے۔ اور اگر ہے تو خدا اُسے قائم رکھے" انہوں نے یہ حجت نکالی کہ اس کے گرفتار ہو جانے سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے اُسے چھوڑ دیا ہے۔ اس نے نرمی کے ساتھ جواب دیا کہ "چونکہ خدا کی مرضی اسی میں ہے کہ میں گرفتار ہو جاؤں اس لئے یہی ہر طرح پر بہتر ہے" آخر انہوں نے پوچھا کہ "آیا تم مجاہدین مذہبی کے فیصلے کو قبول کرو گی" جین نے جواب دیا کہ "میں خدا کے حکم اور آسمان کے ظفرمند کلیسا کی طرف سے شاہ فرانس کے پاس آئی ہوں اور اسی کلیسا کی مطیع ہوں" اور اپنی گفتگو ان پُرجوش الفاظ پر ختم کی کہ "موت مجھے اس سے بدرجہا زیادہ پسند ہے کہ میں اس شے سے

رجوع کروں جسے میں نے خدا کے حکم سے انجام دیا ہے۔" پادریوں نے اسے عبادت میں شریک کرنا بند کر دیا۔ اس نے رو رو کر کہا کہ "خدا تمہاری مدد کے بغیر بھی میری دعا سُن سکتا ہے"، ججوں نے پوچھا کہ "کیا تمہارے سروش غیبی تمہیں کلیسا اور پوپ کی اطاعت سے منع کرتے ہیں" "نہیں ہرگز نہیں، مگر خدا کی فرمانبرداری کو مقدم بتاتے ہیں" عدالت اور مذہبی امداد کی محرومیت کے ساتھ جب مقدمہ کی کارروائی اس درجہ طول پکڑتی گئی اور سوال پر سوال ہونے لگے تو جین کے استقلال میں لغزش کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب انگیز امر نہیں تھا، جادوگری اور فتنہ انگیزی کے الزام پر وہ بدستور استقلال کے ساتھ خدا کو گواہ لاتی رہی۔ جب دنیادار ججوں نے اس کے خلاف حکم صادر کیا تو اس نے کہا کہ "میں اپنے حاکم آسمان و زمین کے بادشاہ کی جواب دہ ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا ہے ہمیشہ خدا ہی کو اپنا مالک سمجھ کر کیا ہے۔ شیطان نے کبھی مجھ پر قابو نہیں پایا ہے" فوجی قیدخانے سے مذہبی قیدخانے کو منتقل ہو جانے کی غرض سے وہ اس پر راضی ہو گئی کہ حسب ظاہر جادوگری سے توبہ کرے، انگریزی سپاہیوں کے درمیان میں اُسے اپنی آبرو کا خوف تھا اور اسی لئے اس نے اول ہی سے مردوں کا لباس اختیار کر رکھا تھا، مگر کلیسا کی نظروں میں اس کا یہ لباس بھی ایک جرم تھا اور اس نے اس لباس کو ترک کر دیا، مگر جب لوگوں نے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کی تو اس کے پاس کوئی چارہ بجز اس کے نہ تھا کہ وہ بارہ مردانہ لباس اختیار کرے مگر اُسکا ایسا کرنا دوبارہ ارتداد اختیار کرنے کے برابر سمجھا گیا اور اس پر موت کا فتویٰ صادر

ہو گیا؛ روآن کے بازار میں جہاں اب اس کا بت نصب ہے لکڑیوں کا ایک بڑا انبار لگایا گیا؛ وہ وحشی سپاہی بھی جو اس "جادوگرنی" کو پادریوں کے ہاتوں سے چھین کر جلد جلد قتلگاہ کی طرف لے گئے تھے، انبار ہیزم پر پہنچ کر ساکت ہوگئے۔ ایک سپاہی نے یہاں تک کیا کہ اپنی چھڑی کی ایک بھدی سی صلیب بناکر اسے دے دیا، جسے جین نے اپنے پہلو سے پیوست کرلیا، اس قتلگاہ سے جب اس نے شہر کو دیکھا تو لوگوں نے اسے یہ کہتے سنا کہ "آہ روآن۔ روآن!! مجھے سخت اندیشہ ہے کہ تجھے میری موت کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑے"۔ جب آخر وقت آیا تو وہ دفعتہً چلا اٹھی کہ "ہاں میری آواز، خدا کی آواز تھی ؛ اس نے کبھی مجھے دھوکا نہیں دیا"۔ شعلے بہت جلد اُس کے قریب تک پہنچ گئے اور لڑکی کا سر اس کے سینہ پر جھک گیا، ایک آواز آئی "یسوع" اور بس۔ جب اژدحام منتشر ہوا ہے تو ایک انگریز سپاہی آپ ہی آپ کہ رہا تھا کہ "اب ہمارا خاتمہ ہے۔ ہم نے ایک ولی کو جلا دیا ہے"۔

انتزاع فرانس

فی الحقیقت انگریزی صورت معاملات ناقابل تلافی حد کو پہنچ گئی تھی۔ اگرچہ پیرس میں خورد سال بادشاہ ہنری کی تاجپوشی نہایت شان و شوکت سے عمل میں آئی مگر بڈفرڈ نے اپنی دانشمندی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ فرانس پر مستقل قبضہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس امید کو خیرباد کہ کر اس نے اپنے بھائی کی ابتدائی تجویز کے موافق نارمنڈی کو محفوظ کرلینے پر اپنی کوششیں منحصر کردی تھیں۔ روآن میں ایک برس تک ہنری کا دربار قائم رہا، کان میں ایک دارالعلوم

جاری کیا گیا، دوسرے مقامات میں کیسی ہی کچھ لوٹ مار اور بدامنی
روا رکھی گئی ہو، مگر ان مورد عنایت صوبجات میں انصاف، عمدہ
نظم و نسق، ناموئی تجارت کا انتظام برابر مستحکم رہا۔ اسقف ونچسٹر کو
۱۴۲۶ء میں کارڈنل کا درجہ حاصل ہوگیا تھا اور ڈیوک گلوسٹر کی بیکار
۱۴۳۱ کوششوں کے باوجود وہ شاہی کونسل کی توسط سے انگلستان پر اب
پھر حکومت کرنے لگا تھا۔ اس نے انگلستان میں پوری مستعدی کے
ساتھ بڈفرڈ کا ساتھ دیا یہاں تک کہ جب وہ گلوسٹر کی سازشوں سے
کونسل سے خارج بھی کردیا گیا اس زمانے میں بھی اس کی لاانتہا
دولت خالی شدہ شاہی خزانہ میں بیدریغ داخل ہو رہی تھی تاآنکہ
سلطنت کے ذمہ اس کا قرضہ پانچ لاکھ تک پہنچ گیا۔ اس نے بوہیمیا
کے پیروان ہس کی جنگ صلیبی کے لئے خود اپنے خرچ سے ایک
فوج تیار کی تھی مگر جب آرلینز کو فرانسیسیوں نے لے لیا تو اس نے
بلاتامل اس فوج کو بڈفرڈ کی مدد پر روانہ کردیا۔ کارڈنل کی سیاسی
قابلیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کئی بار اسکاٹلینڈ کو عارضی
صلح پر مجبور کردیا اور محض اپنی ذاتی کوشش سے فرانس و برگنڈی
میں کسی طرح صفائی نہ ہونے دی مگر ۱۴۳۵ء میں ڈیوک برگنڈی
نے کسی نہ کسی طرح چارلس سے ایک باضابطہ معاہدہ کرلیا، اور
اس کے بعد ہی بڈفرڈ کا انتقال ہوگیا، جس سے انگریزی قوت
کو اور بھی سخت صدمہ پہنچ گیا۔ پیرس دفعتہً انگریزی فوج کے
خلاف ہوگیا اور شاہ چارلس کی طرفداری کا اعلان کردیا، ہنری کی
مملکت صرف نارمنڈی اور بیرون افتادہ قلعجات پکارڈی اور مین تک

محدود ہوکر رہ گئی مگر باوجودیکہ مٹھی بھر انگریزی سپاہیوں کے مقابلہ میں ایک پوری مسلح فوج تھی پھر بھی انہوں نے وہی جانبازانہ جرأت دکھائی جو زمانۂ کامیابی میں دکھا چکے تھے۔ ان کا سب سے زیادہ جری سردار لارڈ ٹالبٹ، کروٹوا کی خلاصی کے لئے گلے گلے تک پانی میں چل کر سوم سے پار ہوا اور پانتواز کی خلاصی کے لئے اپنے آدمیوں کو پوری فرانسیسی فوج کے مقابلہ میں اواز کے پار اتار دیا۔ بڈفرڈ کے بعد ڈیوک یارک کارفرما مقرر ہوا۔ اس نے اپنی قابلیت سے کچھ مدت تک ناگوار صورتوں کے پیش آنے کو روکا مگر بادشاہ کے مشیر اس سے حسد کرنے لگے اور رفتار جنگ پر اس کا نہایت مہلک اثر پڑا۔ بادشاہ کے سن بلوغ کو پہنچ جانے کے بعد ارل سفک مجلس پر حاوی ہو گیا تھا، اس نے صلح کے لئے ازسرنو کوشش شروع کی اور اسی وجہ سے بوفرٹ کو مجبوراً کنارہ کش ہونا پڑا، اور وہ ونچسٹر چلا گیا، ارل سفک نے آنژو کے ڈیوک رنے کی لڑکی کے ساتھ اپنے آقا کی شادی کے لئے نامہ و پیام بھی جاری کر دیا، اس عقد کے معاوضے میں نہ صرف آنژو (جس کا اب کوئی حصہ انگلستان کے قبضہ میں نہیں رہا تھا) بلکہ نارمنڈی کا خاص قلعہ میں بھی ڈیوک رنے کو دیدیا گیا، سفک اسے صلح کی تمہید خیال کرتا تھا مگر صلح کے شرائط اور تکمیل صلح کی تعویق کی وجہ سے جنگی فریق کو بسرکردگی گلوسٹر ازسرنو قوت حاصل ہو گئی۔ اس خطرے کا
۱۴۴۷ انسداد نہایت سختی کے ساتھ کیا گیا، گلوسٹر پارلیمنٹ کو جاتے ہوئے خفیہ سازش کے الزام پر گرفتار کر لیا گیا، اور چند روز بعد وہ اپنی آقاگاہ

میں مردہ پایا گیا، مگر جو مشکلات اس نے پیدا کردئے تھے ان سے سلک
کے نامہ و پیام میں دشواریاں پیش آگئیں۔ اور اگرچہ چارلس نے
تہدید جنگ سے لمان کو لے لیا مگر صلح کے شرائط بیشتر پورے
نہیں کئے گئے۔ اب کسی قسم کی جد و جہد محض بیکار تھی۔ دوبارہ جنگ
جاری ہونے سے دو ماہ کے اندر اندر نارمنڈی کا نصف حصہ دیونوا
کے ہاتھ میں تھا۔ روآن اپنے کمزور محافظین کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا
اور اپنے دروازے چارلس کے لئے کھول دئے اور مقام فوری نی ای
میں ایک انگریزی فوج کا شکست کھا جانا صوبے کے تمام باقی
حصے کے لئے بغاوت کا اشارہ ہو گیا۔ ۱۴۵۰ء میں شربورگ کے
مفتوح ہو جانے سے نارمنڈی کی چپہ بھر زمین بھی ہنری کے پاس
باقی نہیں رہی، اور دوسرے سال امارت گی این کا آخری ٹکڑا بھی
جاتا رہا۔ ٹالبٹ (ارل شروسبری) کے تحت میں ایک انگریزی فوج
کے آجانے سے صوبہ گیسکنی البتہ انگریزی فوج کا طرفدار ہو گیا۔ ارل
کی امداد کے لئے پارلیمنٹ نے بیس ہزار آدمیوں کی منظوری دی تھی
مگر قبل اس کے کہ وہ آبنائے کو عبور کرسکیں پوری فرانسیسی فوج
۱۴۵۳ یک بیک شروسبری کے مقابل آپڑی فرانسیسی فوج کی توپوں نے
ارل کے سپاہیوں کا بھراؤ کردیا۔ ارل خود بھی میدان جنگ میں کام
آیا، قلعہ پر قلعہ فتح ہوتا گیا اور آخر کار انگریز ہمیشہ کے لئے سرزمین فرانس
سے خارج کردئے گئے، جنگ صد سالہ کا خاتمہ ہوا نہ اس طرح کہ
صرف اڈورڈ سوم کے وقت سے لے کر اس وقت تک کے تمام عارضی
فتوحات باستثنائے کیلے ضائع ہو گئے بلکہ وہ بڑا جنوبی صوبہ بھی جاتا رہا

جو اس کی ڈچیز الی اے نر اور ہنری دوم کے عقد کے زمانے سے برابر انگریزوں کے قبضے میں رہا تھا اور فرانس جنگ کے قبل جس قدر قوی تھا اختتام جنگ پر اس سے بدرجہا زیادہ قوی ہو گیا۔

"حاشیہ ناظر مذہبی" جین آف آرک میں جو ایک نوجوان لڑکی تھی اپنی قوم کی تباہ حالت دیکھ کر ایک غیر معمولی جوش کا پیدا ہونا اور اس کا اثر ایسی فوج میں جس کی تعداد دشمن کی فوج سے زیادہ بھی ہو جانا ایسی بات نہیں تھی کہ فاتحین اس کو ولیہ اور ملہمہ سمجھیں اور مفتوحین اس کو ساحرہ خیال کریں۔ ممکن ہے کہ اس قصہ کے بیان کرنے میں مبالغہ اور رنگ آمیزی بھی شامل ہو۔ مگر اس زمانہ میں جو خیالات اہل یورپ کے تھے وہ اس قصہ سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتے ہیں۔"

جزو دوم

گلابوں والی لڑائی

۱۴۵۰ - ۱۴۷۱

ماخذ۔ جس آخری عہد کا اس کے قبل ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی عہد تاریخی اسناد کے اعتبار سے اس عہد سے جو زیر بحث ہے زیادہ ناقص نہ ہوگا۔

اس عہد کے لئے بھی ولیم (ورسٹر) فیبین اور کرولینڈ کا مختتم وقائع کارآمد ہیں۔
وارک اور اڈورڈ کے مناقشے کے لئے واستان آمد اڈورڈ چہارم The Arrival of
Edward IV مرتبہ کیمڈن سوسائٹی ایک سرکاری قابل قدر بیان سمجھا جاتا ہے۔
مکتوبات پیسٹن (The Paston Letters) مرتبہ گیرڈنر انگریزی تاریخ میں خاندانی
مراسلت کی پہلی مثال ہے۔ اور اس وقت کی تاریخ معاشرت پر اس سے
بہت روشنی پڑتی ہے۔ مسٹر ڈیورنٹ نے دو مضمونوں میں کیڈ کی بغاوت کو
مفصلاً بیان کیا ہے یہ دونوں مضمون دوبارہ چھپ گئے ہیں۔ (صحائف پارلیمنٹ
Rolls of Parliament بدستور سابق نہایت ہی مفید ہیں)۔

بغاوت کیڈ

فرانس کے ساتھ اس جنگ عظیم کے مصیبت انگیز نتیجے سے
تمام انگلستان کا غصہ اس ملعون حکومت کے خلاف بھڑک اٹھا،
جس کی کمزوری و کج فہمی سے یہ صورت پیش آئی تھی، سفک
پر مقدمہ قائم کیا گیا اور بحالت جلاوطنی سمندر پار جاتے ہوئے
اُسے قتل کردیا گیا۔ اسقف چچسٹر ملاحوں کی تنخواہیں ادا کرنیکے
لئے پورٹسمتھ بھیجا گیا تھا۔ اس نے ان کی تنخواہ سے کچھ کم دے کر ۱۴۴۹ء
انہیں ٹالنا چاہا، وہ سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑے اور اُسے
وہیں مارڈالا، کنٹ اس زمانہ کا ایک بڑا صنعتی علاقہ تھا، اس کی آبادی
بہت کاروباری تھی، اور سنک پورٹس کی قزاقیوں کے باعث مخاصمات
فرانس سے اُسے خاص تعلق تھا، اس کے ہر گھر سے غنیمت جنگ کے
کچھ نہ کچھ آثار ظاہر ہوتے تھے۔ اس صلح سے وہاں بددلی پھیلی
اور بددلی نے کھلی بغاوت کی شکل اختیار کرلی، کنٹ سے گزر کر سرے
اور سسکس تک شورش پھیل گئی، تینوں ضلعوں کے اراضی داروں
کی ایک فوج ترتیب دی گئی جس میں سو سے زائد اعیان و شرفا

بھی شریک تھے۔ سسکس کے دو بڑے زمیندار یعنی بیٹل کا رئیس خانقاہ اور لیوس کا صاحب صومعۂ علانیہ ان کے طرفدار ہو گئے تھے، جان کیڈ جسے بہ حیثیت ایک سپاہی کے فرانسیسی لڑائیوں میں کچھ تجربہ حاصل ہو گیا تھا، مارٹیمر کا معزز نام اختیار کر کے ان لوگوں کا سرگروہ بن گیا، فوج کی جمعیت جب بیس ہزار آدمیوں تک پہنچ گئی، تو یہ لوگ بلیکہیتھ کی جانب روانہ ہوئے۔ عوام کنٹ کے جو شکایات ان لوگوں نے مجلس شاہی کے روبرو پیش کئے تھے وہ بہت قابل قدر ہیں کیونکہ ان سے اس وقت کے رعایا کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ تمام مطالبات میں مذہبی اصلاح کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا ہے۔ سنہ ۱۴۵۰ء کے اس شکایت نامہ میں غلامانہ و نیم غلامانہ حالت کا ذکر تک نہیں ہے۔ آخری بغاوت مزارعین کے بعد اس ستر برس کے اندر اندر ترقی معاشرت کے باعث پہلے ہی اراضی کے ساتھ پابند ہونے کا غلامانہ دستور از خود اٹھ گیا تھا۔ "قوانین لباس" (جو اس وقت سے کتاب قانون پر ایک بار ہو گئے ہیں) مزدوروں اور کسانوں کے لباس کو چھوٹا کرنے پر زور دیتے ہیں، مگر اسی سے اُن طبقات کی خوشحالی و ثروت کی ترقی کا ثبوت ملتا ہے؛ اور خود ان قوانین کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس قدر مزدوری بڑھتی گئی کسان اور مزدور باوجود قوانین امتناعی کے اسی قدر اعلیٰ درجہ کی پوشاک اختیار کرتے گئے۔ اس موقع پر عوام نے جو تجاویز پیش کئے تھے ان میں صرف قانون مزدوران کے منسوخ کر دینے کی ایک

جون ۱۴۵۰ء

تجویز معاشرت سے تعلق رکھتی تھی، ورنہ باقی سب تجاویز امور سیاسی سے متعلق تھے۔ اس "شکایت نامہ" میں انتظامی و اقتصادی اصلاح، وزارت کے تغیر، شاہی آمدنی کے اخراجات کے انضباط اور زائل شدہ آزادی انتخاب کی بحالی پر زور دیا گیا تھا، مجلس شاہی نے اس "شکایت نامہ" کے قبول کرنے سے انکار کردیا، مگر اس کے بعد ہی اہل کنٹ کو شاہی فوجوں پر بمقام سیون آوکز فتح حاصل ہوگئی، باغی لندن میں داخل ہوگئے۔ اور شاہی وزرا میں سب سے زیادہ نفرت زدہ وزیر لارڈ سے کو پھانسی دیدی، اس کارروائی سے دوسرے وزیروں کی ضد ٹوٹ گئی، اور انہوں نے شکایت نامہ کو قبول کرلیا شورش کے تمام شرکائے کار کو معافی دی گئی۔ اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ کیڈ نے یہ کوشش کی کہ انہیں بدستور مسلح رکھے، مگر جب اس میں اسے ناکامی ہوئی، تو اس نے جیلخانے توڑ کر ایک نئی فوج تیار کرنا چاہی، لیکن یہ لوگ آپس ہی میں لڑ پڑے۔ اور خود کیڈ، سسکس کی طرف بھاگتے میں شیرف (ناظم) کنٹ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ "شکایت نامہ" بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ اور ان شکایات کے رفع کرنے کی کسی قسم کی کوشش نہیں کی گئی۔ اور ڈیوک سمرسٹ جو نفرت عامہ کا خاص کر کے سزاوار تھا وہی شاہی مجلس کا صدر بن گیا۔

یارک
ارکان خل
بوفر

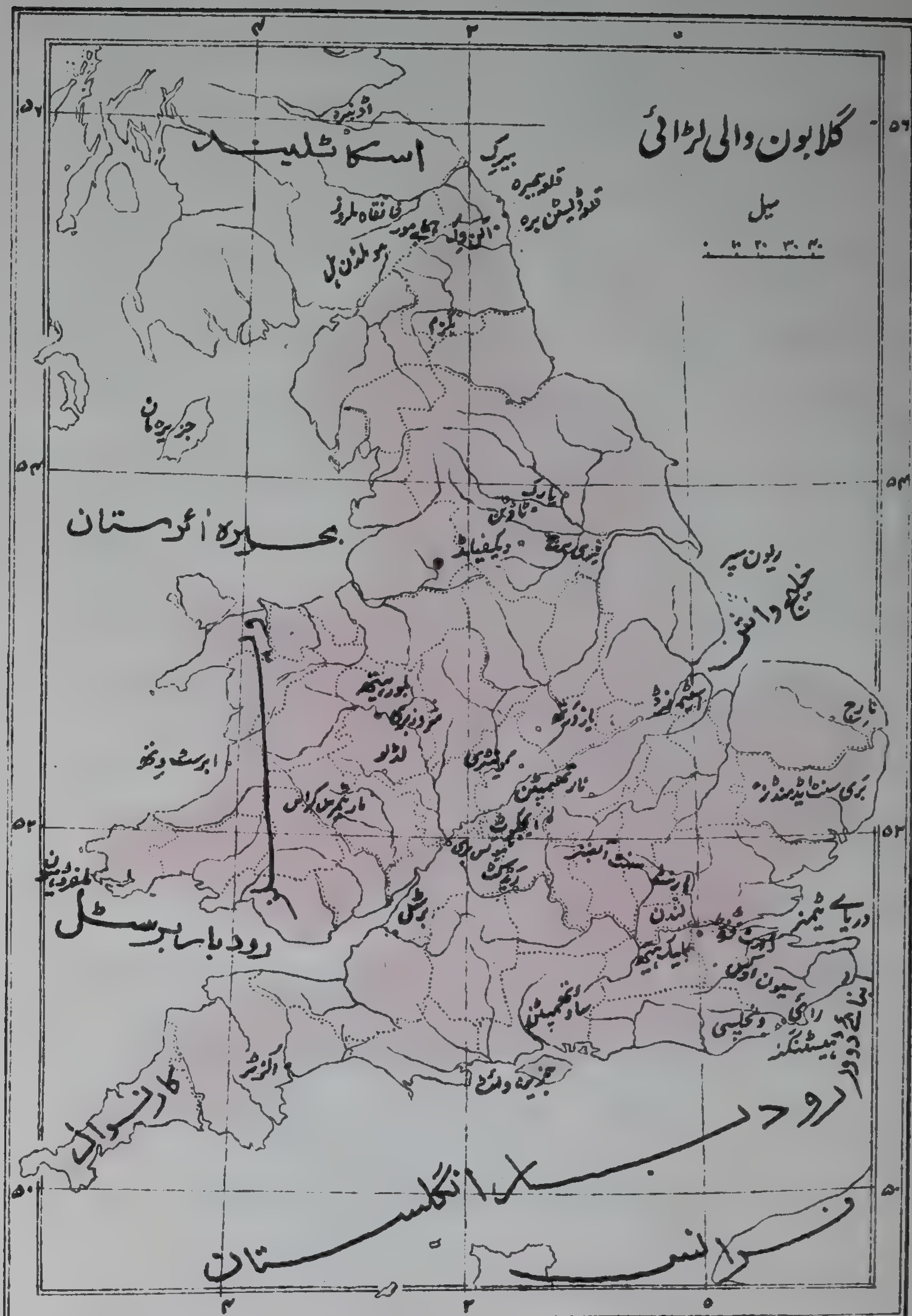
بوفرٹ (ڈیوک سمرسٹ، جان (اگانٹ، اور اس کی بیوی کیتھرن سونفورڈ کی اولاد میں ہونے کے اعتبار سے خاندان لنکیسٹر کی ایک چھوٹی سی شاخ کا قائم مقام تھا، ہنری چہارم نے

جس قانون کی رو سے اس شاخ کو جائز قرار دیا تھا، اسی کی ایک دفعہ کے بموجب ان کے لئے وراثت تخت کا استحقاق باطل کردیا گیا تھا، مگر ہنری ششم کے لاولد ہونے کی وجہ سے بوفرٹ کے دل میں نئی امیدیں پیدا ہوگئیں تھیں۔ اس کا رقیب ڈیوک یارک خاندانہائے یارک، کلیرنس اور مارٹیمر کا وارث تھا، اور اڈورڈ سوم کے ساتھ دہرے دہرے نسب پر اسے خاص فخر تھا، دوسرے دعووں کے علاوہ جنہیں ظاہر کرنے سے یارک ابھی رکتا تھا، اسے یہ بھی دعوے تھا کہ اڈورڈ کے فرزند پنجم اڈمنڈ (لینگلی) کے اولاد میں ہونے کے سبب سے وہ تخت کا آئندہ وارث سمجھا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عوام کا میلان بھی اسی کی طرف تھا مگر ۱۴۵۳ء میں خود بادشاہ کے یہاں لڑکا پیدا ہوگیا، اور اس سے یہ یقین ہوگیا کہ اب ولیعہدی کے خرخشے مٹ جائینگے۔ لیکن اسی زمانے میں ہنری خلل دماغ کی وجہ سے حکومت کے بالکل ناقابل ہوگیا، اور یارک سلطنت کا "محافظ" مقرر کردیا گیا، اس نے اپنے رقیب ڈیوک سمرسٹ پر مقدمہ دائر کرکے اسے ٹاور (برج) میں قید کردیا، مگر ہنری کی بحالی صحت کے بعد سمرسٹ کو پھر طاقت حاصل ہوگئی، اور ملکہ نے بذات خاص نہایت مستعدی و جسارت سے اس کی تائید شروع کردی، یارک نے فوراً ہی ہتیار اٹھائے اور خاندان نیول کے سرگروہ ارل سالسبری اور ارل وارک نے اس کی پشت پناہی کی، وہ تین ہزار آدمی لے کر ہنری
۱۴۵۵ کی فرودگاہ سنٹ آلبنز کی طرف بڑھا۔ شہر پر اس کا حملہ کامیاب رہا۔

اور سمرسٹ کے انتقال سے اس کامیابی کا اثر اور بھی زیادہ ہوگیا۔
۱۴۵۵ بادشاہ کی علالت نے پھر عود کیا اور یارک دوبارہ "محافظ ملک"
مقرر ہوگیا، مگر ہنری کے صحت پانے پر خاندان بوفرٹ کو
بدستور سابق غلبہ حاصل ہوگیا، اور دونوں فریق میں کچھ دنوں
مصالحت رہنے کے بعد ازسرنو جنگ چھڑ گئی۔ سالسبری نے لارڈ
آڈلی کو بلورہیتھ میں شکست دی اور یارک نے ان دونوں رئیسوں
کی معیت میں بمقام لڈلو اپنا علم بلند کیا؛ بادشاہ بھی بہ استعجال
تمام باغیوں کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا، مگر کوئی نتیجہ خیز جنگ
نہ ہوسکی، کیونکہ یارک کی فوج کا کچھ حصہ تو اسے چھوڑ کر بھاگ
گیا اور باقی حصہ منتشر کردیا گیا۔ ڈیوک خود آئرلینڈ کی طرف
نکل بھاگا، اور ارل نے کیلے کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ ادھر ملکہ نے
کونٹری میں ایک پارلیمنٹ جمع کرکے ان کے خلاف اٹینڈر یا مخصوص قانون تعزیر
پاس کرنے پر زور دیا، اسباب کچھ بھی ہوں مگر یہ حالت محض
عارضی تھی، دوسرے ہی سال وسط گرما میں دونوں ارل پھر کنٹ
میں وارد ہوگئے اور صوبے میں عام بغاوت برپا ہوگئی۔ باغیوں
کو لئے ہوئے وہ لندن میں داخل ہوئے اور یہاں بھی شہریوں نے
جوش و خروش کے ساتھ ان کا استقبال کیا، بمقام نارتھیمپٹن فریقین
جنگ نارتھیمپٹن
میں ایک سخت جنگ ہوئی اور شاہی فوج نے ہزیمت اٹھائی۔ مارگریٹ
اسکاٹلنڈ کو بھاگ گئی، اور ہنری ڈیوک یارک کے ہاتھ میں قید
ہوگیا،

گلاب... لڑائی
یارک، اڈمنڈ، (لینگلی) کی اولاد میں ہونے کے سبب سے

بظاہر تاج کا وارث سمجھا جاتا تھا، مگر ہنری کے ہاں لڑکا پیدا ہو جانے سے اس کی یہ حیثیت زائل ہو گئی تھی، نارتھیمپٹن کی فتح سے وہ ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا، اور جن فتنہ انگیز دعووں کو وہ دل میں پوشیدہ کئے ہوئے تھا، اب بلا تامل ان کا اظہار کرنے لگا، ہنری اور اس کی ملکہ کو پہلے ہی سے اس کا علم تھا اور یہی وجہ ان کے بغض و عداوت کی تھی۔ (لینگلی) کی اولاد میں ہونیکے اعتبار سے وراثت میں یارک کا درجہ خاندان لینکسٹر کے بعد تھا، مگر جان (گانٹ) کے بڑے بھائی لایونل کی اولاد میں ہونے کے باعث سے اس کا حق وراثت خاندان لینکسٹر سے قطعاً متقدم تھا، اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ کس طرح لایونل کا استحقاق خاندان مارٹیمر کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ این خاندان مارٹیمر کی بیگم نے ڈیوک کے باپ سے عقد کر لیا تھا اور اسی عقد کے سبب سے یہ حق ڈیوک کی طرف منتقل ہوا تھا، پارلیمنٹ نے اس حق کو باطل کر دیا تھا، مگر اس کے باطل کرنے کی کوئی آئینی بنا نہیں تھی کہ کیوں بڑے بھائی کے سلسلہ کو ترک کر کے وراثت چھوٹے بھائی کے سلسلہ کی طرف منتقل کر دی جائے پارلیمنٹ کے جس قانون نے خاندان لینکیسٹر کو تخت نشیں کیا، اس نے صاف طور پر خاندان مارٹیمر کے حق کو باطل کر دیا تھا، قبضہ بجائے خود اہل یارک کے ادّعا کے خلاف تھا، جدید خیال کے موافق ان کے دعویٰ کا بہترین جواب خود ہنری کے یہ الفاظ ہیں، کہ "میرا باپ بادشاہ تھا، اُس کا باپ بھی بادشاہ تھا، بچپن سے اس وقت تک میں خود چالیس برس سریر آرائے



گلابون والی لڑائی
میل
اسکاٹلینڈ
اڈنبرہ
بیرک
جزیرہ مان
بحیرہ آئرستان
یارک
ویکفیلڈ
خلیج واش
لڈلو
برسٹل
لندن
روڈ بار برسٹل
کارنوال
جزیرہ وائٹ
روڈ بار انگلستان
فرانس

حکومت رہا ہوں۔ تم سب نے مجھے بادشاہ تسلیم کر کے میری وفاداری کا حلف اٹھایا ہے۔ تمہارے بزرگوں نے بھی اسی طرح میرے بزرگوں کی وفاداری کا حلف اٹھایا تھا، پس اب میرے استحقاق کے متعلق کسی قسم کی بحث وحجت کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔" مدت دراز تک بے خلل قبضہ، نیز پارلیمنٹ کا آزادانہ قانون خاندان لینکیسٹر کی تائید میں تھا، مگر لولارڈون پر ظلم و تعدی، انتخابات میں مداخلت، جنگ کی بدنامی سالہا سال کی بدانتظامی، متخاصم فریق کی مسلسل جنگ آزمائیاں یہ تمام باتیں ایک کمزور وازکار رفتہ بادشاہ کے حق میں سم قاتل ثابت ہو رہی تھیں، طبقہ تجار کی روش سے ظاہر تھا، کہ حکومت کی خرابیاں کس قدر بڑھی ہوی تھیں، نارتھیمپٹن کی فتح سلطنت کے سب سے بڑے تجارتی ضلع کنٹ کی شورش ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی، اس کے بعد سے اس کشمکش کے دوران میں لندن اور تمام بڑے بڑے تجارتی شہر برابر خاندان یارک کے جانب دار رہے، اہل لینکیسٹر کی طرفداری کا جوش صرف ویلز، شمالی انگلستان اور جنوب و مغرب کے اضلاع میں پایا جاتا تھا، یہ خیال کرنا قیاس مع الفارق ہے کہ چیپائڈ کے چالاک تاجروں پر وراثت کے حق و ناحق ہونے کا اثر پڑا تھا اور اکثر اہل ویلز اس وجہ سے لینکیسٹر کے طرفدار تھے کہ وہ پارلیمنٹ کے طے کردہ سلسلہ جانشینی کی تائید کر رہے تھے۔ مگر ڈیوک یارک کے مجبور ہو کر پارلیمنٹ کی طرف رجوع کرنے اور اپنے دعوے کو درخواست استحقاق کے طور پر امرا کے روبرو پیش کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب پارلیمنٹ نے کس قدر قوت حاصل کر لی تھی۔ ڈیوک کی دلیل یہ تھی کہ اس کا

موروثی حق نہ حلف سے باطل ہو سکتا ہے اور نہ ان کثیر التعداد قوانین سے جو خاندان لینکیسٹر میں انتقال تاج کا باعث ہوئے۔ بیرنوں نے کراہیت کے ساتھ اس درخواست کو قبول کیا اور بخیال خود اس مسئلہ کو تراضی باہمی سے طے کیا' انہوں نے بادشاہ کو تخت سے آتارنے سے انکار کر دیا' اور چونکہ انہوں نے اس کے لڑکے کی اطاعت کا حلف نہیں اٹھایا تھا' اس لئے وہ اس امر پر رضامند تھے' کہ ہنری کے بعد ڈیوک کو تاج کا وارث تسلیم کریں۔ مگر یارک کے دعوی کے اس طرح علانیہ ظاہر ہو جانے سے شاہی خاندان کے ہوا خواہ فوراً متحد ہو گئے اور اہل شمال لارڈ کلیفرڈ کے گرد اور اہل مغرب ڈیوک سمرسٹ کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ یہیں سے اس مہیب کشمکش کا آغاز ہوا' جو گلابوں والی لڑائی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہوئی' کہ خاندان یارک کا نشان سفید گلاب اور خاندان لینکیسٹر کا نشان سرخ گلاب تھا۔ ڈیوک یارک بہت ہی تھوڑی سی فوج لیکر لارڈ کلیفرڈ کے مقابلے کے لئے بعجلت تمام روانہ ہو گیا اور ویکفیلڈ میں شکست کھا کر مارا گیا۔ جنگ ویکفیلڈ اس خانہ جنگی کے میدان میں غضب کی آگ بھڑک اٹھی' ارل سالسبری بھی اس کے بعد ہی بہت جلد قتل کر دیا گیا' اور کہا جاتا ہے کہ ڈیوک رچرڈ کے سر بریدہ پر تمسخر سے کاغذ کا ایک تاج پہنا کر یارک کی دیوار پر رکھ دیا گیا' اس کا دوسرا بیٹا لارڈ رٹلینڈ رحم رحم کہتا ہوا کلیفرڈ کے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑا' مگر اس وحشی بیرن نے یہ کہکر اس نوعمر رئیس کے سینے میں خنجر اتار دیا کہ "جس طرح تمہارے

باپ نے میرے باپ کو مارا ہے اسی طرح میں تمہیں مارتا ہوں" سنٹ آلبنز
میں جب جنگ کا آغاز ہوا ہے، اس وقت سب سے پہلے کلیفرڈ کا
باپ ہی کام آیا تھا، کلیفرڈ کا یہ ظالمانہ فعل بلا انتقام نہیں رہ سکتا تھا
بہت جلد اسے اس کا عوض ملنے والا تھا، ڈیوک رچرڈ کا سب سے
بڑا بیٹا اڈورڈ (ارل مارچ) بہت تیزی کے ساتھ مغرب کی طرف
سے بڑھا اور مارٹیمرز کراس پر اہل لینکسٹر کے ایک دستے کو شکست
دیکر دلیرانہ لنڈن پر آپڑا۔ ادھر ارل وارک کے تحت میں کنٹ
والوں کی ایک فوج نے لینکسٹر کی فوج کو دارالحکومت پر بڑھنے سے
روکدیا۔ مگر سنٹ آلبنز پر ایک جانبازانہ جد وجہد کے بعد رات کی
تاریکی میں طرفداران یارک کی فوج خود منتشر ہوگئی اور فتح لینکسٹر والوں
کے ہاتھ رہی۔ فاتحین اگر فی الفور بڑھ گئے ہوتے تو جنگ کا خاتمہ
ہو جاتا مگر ملکہ مارگریٹ اپنی فتح پر ظالمانہ خونریزی کا داغ لگانے کے
لئے ٹھہر گئی۔ جاہل شمالی اس کی فوج کا حصہ غالب تھے وہ لوٹ مار
۱۴۶۱ میں مشغول ہو گئے۔اڈورڈ لنڈن کے سامنے جا پہنچا۔ اہل شہر اس کی
طلب پر جمع ہو گئے اور جب یہ خوبصورت نوجوان سڑکوں سے ہوکر
گذر رہا تھا تو ہر طرف سے آوازیں آرہی تھیں کہ "شاہ اڈورڈ کی عمر
دراز"۔ فوراً ہی یارک کے طرفدار امرا کی ایک مجلس طلب کی گئی اور اس نے
یہ فیصلہ کیا کہ پارلیمنٹ کی قرارداده مصالحت باقی نہیں رہی اور
خاندان لینکسٹر کا بادشاہ ہنری بادشاہت سے معزول کر دیا گیا، لیکن اب آخری
فیصلہ کا انحصار پارلیمنٹ پر نہیں بلکہ تلوار پر تھا، لنڈن سے مایوس
ہوکر لینکسٹر کی فوج بہت جلد شمال کے طرف پلٹ پڑی اور

اڈورڈ بھی بڑے زوروں میں اس کے تعاقب میں چلا +

میدان ٹاؤٹن
ٹیڈکیسٹر کے قریب، میدان ٹاؤٹن میں، دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ فوجوں کی تعداد اور مقاتلہ کی شدت کے اعتبار سے جنگ سنلیک کے بعد سے ایسی لڑائی انگلستان میں نہیں ہوئی تھی۔ دونوں فوجوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچی تھی، باوجود سخت
۲۹۔ مارچ ۱۴۶۱
برف باری کے اہل یارک نے دن نکلتے ہی بڑھنا شروع کر دیا۔ چھ گھنٹے تک جنگ کا زور رہا اور فریقین نے جانبازانہ داد مردانگی دی، وارک نے ایک نازک موقع پر دیکھا کہ اُس کے آدمیوں میں کچھ لغزش پیدا ہوگئی ہے۔ اس نے ان کے روبرو اپنے گھوڑے کو خنجر ماردیا اور اپنے دستہ شمشیر کی صلیب پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ یا فتح حاصل کروں گا یا میدان ہی میں جان دیدونگا۔ نارفک کے ایک تازہ دم فوج کے ساتھ آجانے سے جنگ کی صورت حال بدل گئی، اور آخرالامر اہل لینکیسٹر دب نکلے، اُنہوں نے پلٹنا چاہا، مگر ان کی پشت پر ایک دریا واقع تھا اور اس وجہ سے ان کی مراجعت ہزیمت سے مبدل ہوگئی، چونکہ جانبین میں سے کوئی کسی کو پناہ نہیں دیتا تھا۔ اس لئے قتل و فرار تمام رات اور دوسرے دن تک جاری رہا۔ اڈورڈ کے نقیب نے لینکیسٹر والوں کی بیس ہزار لاشیں میدان میں شمار کیں، خود فاتحین کا نقصان بھی اس سے کم نہیں ہوا تھا، مگر ان کا غلبہ ہر طرح پر کامل ہو گیا، ارل نارتھمبرلینڈ مارا گیا۔ ارل ڈیون شائر اور ارل ولٹ شائر گرفتار ہو کر قتل

ہوے، ڈیوک سمرسٹ ملک سے باہر بھاگ گیا، ہنری نے خود مجبور ہوکر مع ملکہ سرحد کے پار جاکر اسکاٹلینڈ میں پناہ لی، خاندان لینکیسٹر کے اثر کا خاتمہ ہوگیا، اور ٹاؤٹن کی فتح سے انگلستان کا تاج اڈورڈ (یارک) کی طرف منتقل ہوگیا، جو امرا و رؤسا اب تک خاندان لینکیسٹر کے حامی تھے وہ بھی ضبطی جائداد کے قانون سے تباہ و برباد کردے گئے، مارگیرٹ نے کچھ جد و جہد کی مگر اس کا نتیجہ صرف یہ ہوا، کہ اس کے حمایتی نئی مصیبتوں میں مبتلا ہوگئے۔ شمال کی
۶۳ء نئی بغاوت کو ارل وارک نے پامال کردیا، ایک شاعرانہ افسانے سے اس زمانے کی پریشانی کا یہ حال معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ یہاں سے فرار کرکے رہزنوں کے ایک غول سے بڑی مشکلوں سے بچ کر نکلی ہی تھی کہ جنگل کے اندر ایک دوسرے گروہ نے اُسے گھیر لیا۔ مایوسی نے اس میں جرأت پیدا کردی، اور اُس نے اپنے لڑکے کو ان کے حوالہ کرکے کہا کہ "میں تمھارے بادشاہ کے لڑکے کو تمھاری وفاداری کے اعتماد پر چھوڑتی ہوں، قزاقوں پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے مارگیرٹ اور اس کے بچے کو سرحد پار پہنچا دیا۔ مگر ہنری ایک نئی بغاوت میں بمقام ہیگزم شکست کھاکر اِدھر اُدھر بے یار و مددگار پھرتا رہا، اور آخرکار لوگوں نے دغا دے کر اُسے دشمنوں کے پنجہ میں پھنسا دیا، اس کے پاؤں رکاب سے باندھ دیے گئے اور تین بار اُسے چکر دے کر ایک قیدی کی طرح ٹاور (برج) کو روانہ کردیا گیا۔

طبقۂ بیرن کے زوال، خاندانہائے اُمرا کے انقراض، اور بادشا

بڑی بڑی جاگیروں کے ٹکڑے ہو جانے سے نظام جاگیر فی الواقع برباد ہو چکا تھا، مگر ٹاؤٹن کے بعد کے چند سال میں جو قوت اُسے حاصل ہو گئی ایسی قوت اسے کبھی پہلے نہیں حاصل ہوئی تھی، بیرنوں کے عام طور پر پریشان ہو جانے سے ایک خاص خاندان کو جو ہمیشہ سے اپنے ہمسروں میں سربلند رہتا آیا تھا، بہت عروج حاصل ہو گیا، لارڈ وارک نسباً سالسبری کا رئیس اور اس امیر کبیر کا بیٹا تھا، جس کی امداد سے خاندان یارک کو تخت نصیب ہوا تھا، اس نے خاندان بیچم کی ایک رئیسہ سے عقد کرکے اپنی دولت اور اپنے اثر کو دو چند کر لیا تھا، خاندان یارک کی خدمت کے عوض میں لینکیسٹر والوں کی ضبط شدہ جائدادوں سے اسے بہت ہی فیاضانہ انعامات عطا ہوئے، اور سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدہ پر اس کا تقرر ہو گیا۔ وہ کیلے کا کپتان آبنائے کے بیڑے کا امیر البحر اور مغربی سرحدوں کا وارڈن (محافظ) بنا دیا گیا، اس کی ذاتی طاقت کو خاندان نیول کی سرگروہی سے مزید تقویت حاصل ہو گئی تھی۔ شمالی سرحد کی سپہ سالاری اس کے بھائی لارڈ مانٹیگو کے ہاتھ میں تھی، جسے بطور غنیمت نارتھمبرلینڈ کی ضبط شدہ امارت اور اپنے موروثی رقیب پرسیون کی جائدادیں مل گئی تھیں؛ اس کا چھوٹا بھائی، جارج نیول یارک کے اسقف اور لارڈ چانسلر کے عہدے پر ممتاز کر دیا گیا، اس کے چچا لارڈ فالکنبرگ لارڈ ابرگیونی اور لارڈ لیٹمیر کو بھی کمتر درجے کے انعامات ملے۔ دولت اور اعزاز کے اس طرح جمع ہو جانے سے ارل کو

بہت بڑی طاقت حاصل ہو گئی تھی، اور اپنی اس طاقت سے اس نے خوب ہی کام لیا، بظاہر وارک نظام جاگیر کا پورا نمونہ معلوم ہوتا تھا، وہ اپنی ہی ریاست سے اپنی طلب پر فوجیں جمع کر سکتا تھا، چھ سو مسلح خدام اس کے جلو میں پارلیمنٹ کو جاتے تھے، ہزارہا وابستگانِ دولت اس کے گھر کے صحن میں کھانا کھاتے تھے۔ مگر ان تمام شان و شکوہ ظاہری پر بھی اس کے دل میں نظام جاگیر کی مطلق وقعت نہ تھی، وہ اگرچہ جنگ میں نہایت ہی مستعد و بے رحم تھا مگر اس کے دشمن اس کی ذاتی شجاعت کے منکر تھے، جنگ میں اُسے خود لڑنا نہیں، بلکہ لڑانا آتا تھا، فی الحقیقت اس کی سپاہ گری اس کی سیاسی قابلیت کے ہم پلہ نہیں تھی، اسے جن باتوں میں کمال تھا وہ سازش، غداری، فتنہ گری تھی، وہ بے تامل ایک طرف سے دوسری طرف ہو جاتا تھا، جس نوعمر بادشاہ کو اس نے تخت پر بٹھایا تھا، وہ ارل کے مقابلہ میں صرف ایک پختہ کار سپہ سالار ہی نہیں بلکہ ایک ایسا مدبر ثابت ہوا۔ جس کی چابکدستی و تیز فہمی کا گہرا اور دیرپا اثر معاملات ملکی پر پڑا۔ تخت نشینی کے وقت اڈورڈ کی عمر صرف انیس برس کی تھی، وارک اس کا چچا زاد بھائی تھا، اور اس کے تازہ خدمات اس کے سفارشی تھے۔ ان وجوہ سے ابتدا میں تین برس تک وارک سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رہا، مگر جنگ ہیگزم میں جب ہنری کی کامل تباہی سے اس کی طرف سے ہمیشہ کیلئے اطمینان حاصل ہو گیا، اسیوقت سے

۱۴۶۴ ارل اور نوجوان بادشاہ کے درمیان دل ہی دل میں کشمکش
شروع ہو گئی۔ اڈورڈ نے پہلا کام یہ کیا کہ عین اس وقت
جبکہ وارک، فرانس میں اس کی شادی کے لئے نامہ و پیام کررہا
تھا، اس نے بطور خود خاندان لینکیسٹر کی ایک بیوہ (ڈیم الزبیتھ گرے)
سے عقد کا معاہدہ کرلیا، اس کے خاندان وڈویل کے لوگوں
کو خاندان نیول کے مقابلہ میں بلند درجے عطا کئے گئے۔
الزبیتھ کا باپ لارڈ ریورز خزانچی و سپہ سالار بنایا گیا، پہلی
شادی سے اس کا جو لڑکا تھا، اس کی نسبت ڈیوک اکزٹر کی
بیٹی سے کردی گئی، جو باپ کے منصب و جاگیر کی وارث تھی
جسے وارک اپنے بھتیجے سے منسوب کرنا چاہتا تھا۔ وارک کی
حکمت عملی یہ تھی کہ فرانس سے گہرا تعلق پیدا کرلیا جائے۔
اسے جب اپنی پہلی تجویز میں ناکامی ہوی تو اس نے اس
امر پر زور دیا، کہ بادشاہ کی بہن مارگیرٹ کا عقد فرانسیسی
شاہزادے سے کردیا جائے۔ مگر ۱۴۶۷ء میں جبکہ وارک شاہ
لوئی سے معاملات طے کرنے کے لئے سمندر پار گیا ہوا تھا،
اڈورڈ نے اس کی غیبت میں موقع پاکر اس کے بھائی کو اس
منصب سے کہ شاہی مہر سے فرمان کو وہی مزین کرتا تھا معزول
کردیا، اور فرانس اور وارک دونوں کے حقیقی دشمن چارلس
شجاع (امیر برگنڈی) سے مارگیرٹ کا عقد کردینے کی تیاری کی، وارول
نے اڈورڈ کے اس وار کا توڑ یہ کیا کہ اہل یارک اڈورڈ سے
ناراض تو ہو ہی رہے تھے ان کو اس کے بھائی ڈیوک کلیرنس

کے گرد جمع کرنے کی سازش شروع کردی، خفیہ گفت و شنید کا انجام یہ ہوا کہ کلیرنس کے ساتھ وارک کی لڑکی کا عقد ہو گیا، اور اس کے ساتھ ہی ایک بغاوت کے مشتعل ہو جانے سے اڈورڈ ارل کے قبضہ میں آگیا۔ ارل نے بڑی جرأت سے یہ کام کیا تھا مگر بن نہ پڑا۔ یارک کے امرا نے بادشاہ کو رہا کر دینے کا مطالبہ کیا، واروک اپنی تائید کے لئے صرف لینکیسٹر والوں پر نظر ڈال سکتا تھا، مگر لینکیسٹر والے اپنی مدد کے معاوضے میں، ہنری کو دوبارہ بادشاہ بنا دینے کے خواہاں تھے، یہ مطالبہ کلیرنس کو تخت نشیں کرنے کی تجویز کا مانع تھا، اور وارک کے لئے سوا اس کے کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا کہ بادشاہ سے باضابطہ مصالحت کرلے۔ دوسرے موسم بہار میں ایک نئی بغاوت لنکنشائر میں برپا کی گئی، مگر اس وقت بادشاہ اس کے مقابلے کے لئے تیار تھا، اڈورڈ نے اولاً بہت جلد شمال پر دھاوا کرکے باغیوں کو منتشر کر دیا، اور اس کے بعد بغاوت کے بھڑکانے والوں کی طرف متوجہ ہوا، کلیرنس اور ارل اس کے مقابلے کے لئے کوئی فوج جمع نہ کر سکے، حامیان یارک و لینکیسٹر۔ دونوں الگ رہے، اور ان لوگوں کو مجبوراً راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ کیلے اگرچہ واروک کے ہاتھ میں تھا، مگر وہاں بھی ان لوگوں کو قدم رکھنے کا موقع نہ ملا، اور ارل کے بیڑے کو مجبوراً فرانس میں پناہ لینا پڑی، اڈورڈ کے تعلق برگنڈی کی وجہ سے اس کے دشمنوں کو فرانس میں لوئی یازدہم کی

تائید حاصل ہو گئی، مگر ارل کی غیر محتاط طبعت کا اندازہ اس سے ہو گیا کہ اس نے فوراً ہی خاندان لینکیسٹر کے ہواخواہوں سے اتفاق کرلیا، ملکہ مارگیرٹ کے اس وعدے سے کہ وہ اپنے بیٹے کا عقد ارل کی لڑکی این سے کردے گی، واروک نے اس بات کا ذمہ کیا کہ وہ اس قیدی بادشاہ کو پھر تخت پر بٹھا دے گا جسے
۱۴۷۰ اُسی نے ٹاور (برج) میں مقید کیا تھا۔ جس وقت کہ اڈورڈ شمال کی ایک بغاوت کے فرو کرنے میں مشغول تھا، اور برگنڈی کا بیڑہ جو آبنائے کی حفاظت کر رہا تھا طوفان سے منتشر ہو گیا تھا، ارل دلیرانہ ساحل انگلستان پر آپڑا۔ وہ جس قدر شمال کی طرف بڑھتا گیا اس کی فوج میں ترقی ہوتی گئی، اور اڈورڈ کا معتمد علیہ لارڈ مانٹیگو بھی اس سے منحرف ہو گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس مرتبہ بادشاہ کو سمندر میں پناہ لینا پڑی۔ ادھر اڈورڈ اپنے جملہ رفقا کے ہمراہ چارلس شجاع سے مدد مانگنے کے لئے بھاگا، ادھر ہنری (لینکیسٹر والا) پھر قید خانے سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا گیا، مگر جس فریق کو وارک نے اس بے رحمی سے پامال کیا تھا وہ اپنے تنفر کی وجہ سے اس بادشاہ
زوال وارِوک گر کے شکر گزار نہیں ہوے۔ موسم بہار میں جب اڈورڈ پھر ریونسپر میں اترا تو ارل اور اس کے فریق کے انداز سے اس نئے اتحاد کی کمزوری ظاہر ہو گئی۔ شاید مارگیرٹ کا خوف ارل کے اس عاجلانہ طرز کا باعث ہوا۔ کیونکہ ہر وقت اس کے انگلستان میں آجانے کا اندیشہ لگا ہوا تھا، اڈورڈ نے انگلستان میں اتر کر یہ اعلان کردیا کہ تاج کی نسبت اس نے اپنے تمام دعاوی ترک کر دئے ہیں،

اور اب وہ صرف اپنی خاص موروثی امارت کا خواہاں ہے۔ اس
اعلان کے ساتھ ہی وہ شمال میں لینکیسٹر والوں کے اضلاع سے
گزرتا گیا، اور اس وجہ سے مانٹیگو کی جمع کی ہوئی فوج نے بھی
اس پر حملہ نہیں کیا۔ اس کوچ میں اس کا بھائی کلیرنس (جو
اب تک واروک کے کہنے پر عمل کر رہا تھا) اس سے آملا۔
کونٹری میں خیمہ زن ہو کر خود ارل نے بھی اس قسم کی غداری کا
منصوبہ باندھا مگر لینکیسٹر والے سرداروں کے آجانے سے نامہ و
پیام کا خاتمہ ہو گیا۔ جب مانٹیگو اپنے بھائی سے مل گیا۔ اسوقت
اڈورڈ نے لندن کی طرف کوچ کیا، اور اس کے پیچھے پیچھے واروک
کی فوج تھی۔ ارل کے بھائی اسقف اعظم نیول نے دغا کرنیکی
نیت سے شہر کے دروازے اس کے لئے کھول دئے تھے۔ اور
ہنری بار دگر ٹاور (برج) میں بھیج دیا گیا۔ جنگ بارنٹ جسے جنگ ۱۴۷۱ء
نہیں بلکہ کشت و خون و غدر و دغا کا ہنگامہ سمجھنا چاہئے، صرف
تین گھنٹے تک جاری رہی۔ اس کا انجام وارک کے زوال پر
ہوا اور اس پر بزدلانہ طور پر بھاگنے کا الزام لگایا گیا، مارگیرٹ
اس قدر دیر کرکے آئی کہ وہ اپنے شریک کار کو کچھ مدد نہ دے سکی،
مگر اڈورڈ کی فوج کی ظفر مندی اس کی ہوشیاری و تدبیر سے
حد کمال کو پہنچ گئی۔ اس نے نہایت چالاکی سے مارگیرٹ کو ٹیوکسبری
میں جنگ کرنے پر مجبور کیا، اور اس کی فوج کو بالکل تباہ
کر دیا۔ ملکہ خود قیدیوں میں شامل تھی۔ اس کا لڑکا میدان جنگ
میں کام آیا۔ اور بوثوق کہا جاتا تھا کہ اس کے رحم کی فریاد پر

اڈورڈ نے اپنا دستانہ اس پر کھینچ مارا اور یارک کے امرا نے خنجروں سے اس کا کام تمام کر دیا۔ ٹاور (برج) کے اندر ہنری کے انتقال کر جانے سے خاندان لینکیسٹر کی آخری امیدوں کا خاتمہ ہو گیا +

جزو سوم

شاہی جدید

۱۴۷۱ - ۱۵۰۹

اڈورڈ پنجم ایک تصنیف کا موضوع ہے، جسے سر ٹامس مور کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور یہ امر قریب قریب متیقّن ہے کہ اس کتاب کا ماخذ اسقف اعظم مورٹن کے بیان کئے ہوئے حالات پر مبنی ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس کی وقعت کچھ بھی ہو مگر بلحاظ زبان یہ ایک قابل قدر کتاب ہے، کیونکہ علمی پایہ کی یہی پہلی تاریخی تصنیف ہے جو جدید زبان میں لکھی گئی ہے۔ "رچرڈ سوم اور ہنری ہفتم کے خطوط و کاغذات" "ہنری ہفتم کے بعض تذکرے" جن میں اس کی ایک سوانح عمری مصنفہ برنرڈ آندرے (ساکن ٹولوز) بھی داخل ہے، اور اس کے عہد کی تاریخ کے "مواد تاریخی" کی ایک جلد، یہ سب سلسلہ صحائف (Rolls Series) کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔ لارڈ بیکن کے تصانیف میں ہنری کی ایک سوانح عمری بھی شامل ہے۔ ہال کے (وقائع) ہنری چہارم کے وقت سے ہنری ہشتم کے وقت تک کے حالات پر محتوی ہیں، مس ہالسٹیڈ نے اپنی تصنیف سوانح عمری رچرڈ سوم میں یک حد تک اس آئینی امتیاز کے عہد کا بیان شرح و بسط سے کیا ہے۔

کیکسٹن کے حالات کے لئے مسٹر بلیڈز کی مصنفہ سوانح عمری دیکھنا چاہئے]

انگریز جس دل برداشتگی اور تنفر کے ساتھ گلابوں والی لڑائی کے تذکروں سے کراہیت کرتے ہیں، ایسی کراہیت وہ اپنی تاریخ کے کسی اور عہد سے نہیں کرتے، اس زمانے کی وحشیانہ نبرد آزمائیاں ظالمانہ کشت و خون، گستاخانہ غدّاریاں، اس وجہ سے اور بھی زیادہ مہیب معلوم ہوتی ہیں، کہ جس غرض سے یہ لوگ لڑتے تھے وہ تمامتر خود غرضی پر مبنی تھی، خود جنگ میں بھی شریفانہ و سپاہیانہ جوہر بالکل مفقود تھا، اور انجام کار میں ان لڑائیوں کا کوئی اہم نتیجہ بھی نہیں نکلتا تھا مگر اس جدال و قتال کے زمانے پر جب ایک فلسفی مدبر تامل کے ساتھ نظر ڈالتا ہے، تو اُسے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کا سبب محض نفرت باہمی نہیں تھی، بلکہ کچھ اور اسباب بھی اس کے محرک تھے، فلب ڈی کامنس کے خیال میں انگلستان ایک عجیب وغریب ملک تھا، جہاں وحشیانہ خانہ جنگی کے باوجود "جنگ کی وجہ سے کوئی عمارت تباہ و برباد نہیں کی گئی، اور جنگ کے مصائب انہیں لوگوں تک محدود رہتے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں۔" فی الحقیقت تباہی و خونریزی کا اثر بڑے بڑے امرا اور ان کے حشم و خدم ہی پر پڑا۔ البتہ دو ایک بار ٹاوٹن کی طرح بعض دوسرے شہر بھی ازخود اس کشمکش میں شریک ہو گئے، مگر زیادہ تر یہی ہوا کہ زراعت پیشہ اور اہل تجارت اس ہماہمی و کشمکش سے بالکل الگ رہے، ملک کی بیرونی تجارت اب تک اطالویوں، اتحاد ہینس، کیٹلونا و جنوب گال کے سوداگروں کے ہاتھ میں تھی، مگر

اب قطعی طور پر یہ تجارت بہ تدریج خود انگریزوں کے ہاتھ میں آتی جاتی تھی۔ انگریزی سوداگر فلورنس و وینس میں آباد ہو گئے تھے اور انگریزی تجارتی جہاز بحر بالٹک میں جانے لگے تھے۔ ترقی صنعت و حرفت کی پہلی خفیف جھلک ان حفاظتی قوانین میں نظر آتی ہے، جو اڈورڈ چہارم کے عہد کی نمایاں خصوصیت تھی۔ جس زمانے میں بیرن آپس میں لڑلڑ کر اپنے کو تباہ کر رہے تھے اس زمانے میں عام طور پر ملک میں جو سکون رہا وہ اس سے ظاہر ہے کہ عدالتیں ہمیشہ اپنے حال پر برقرار رہیں۔ عدالتیں وسٹ منسٹر میں اجلاس کرتی تھیں۔ جج بدستور سابق دورے پر جاتے تھے۔ فیصلہ کرنے والوں اور گواہوں کے ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینے کے باعث جیوری کا طریقہ یوماً فیوماً وہ صورت اختیار کرتا جاتا تھا جو آج نظر آرہا ہے۔ لیکن جس طرح یہ عام خیال غلط ہے، کہ ان لڑائیوں کے دوران میں انگلستان میں غداری و خونریزی کے سوا کچھ باقی نہیں رہا تھا، اسی طرح یہ عام خیال بھی غلط ہے کہ ان لڑائیوں کا حقیقی نتیجہ کچھ نہیں نکلا، گلابوں والی لڑائی کا نتیجہ اس سے بدرجہا زیادہ ہوا کہ ایک شاہی خاندان تخت سے اتار دیا گیا، اور دوسرا تخت پر بٹھا دیا گیا، ان لڑائیوں نے اگر انگلستان کی آزادی کو بالکل ہی غارت نہیں کر دیا تو کم از کم سو برس سے زائد زمانے کے لئے اس کی ترقی کو روک دیا۔ حسب بیان کامین آغاز جنگ میں تمام ممالک عالم میں انگلستان ہی وہ

ملک تھا' جہاں بہبود عامہ کی حالت سب سے بہتر تھی اور جہاں رعایا پر اہل حکومت کی طرف سے سب سے کم زیادتی ہوتی تھی“۔ یہی ژرف نگاہ مبصر لکھتا ہے کہ انگلستان کا کوئی بادشاہ” بغیر اپنی پارلیمنٹ کو جمع کئے ہوئے کوئی اہم کام نہیں کرسکتا' یہ نہایت ہی دانشمندانہ اور متبرک طریقہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انگلستان کے بادشاہ بر اعظم کے مطلق العنان بادشاہوں کی بہ نسبت زیادہ قوی اور زیادہ دولتمند ہیں“ ایک جج سرجان فارٹسکیو نے اسی زمانے میں فخریہ لکھا ہے کہ” انگریزی بادشاہت مطلق العنان نہیں ہے' بلکہ وہ ایک پابند قوانین بادشاہت ہے' یہ وہ زمین نہیں ہے جہاں محض بادشاہ کی مرضی قانون کی قائم مقام ہو' بلکہ یہ وہ زمین ہے جہاں بادشاہ اپنی رعایا کی مرضی کے بغیر نہ کوئی قانون بنا سکتا ہے' اور نہ محصول لگا سکتا ہے“۔ کسی زمانے میں' پارلیمنٹ نے حکومت ملک میں ایسا مسلسل اور ایسا نمایاں دخل نہیں پایا تھا' جیسا اس زمانے میں ہوا' کسی زمانے میں یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ عام رعایا نے آئینی آزادی کو اس خوبی سے سمجھا ہے' اور اسے ایسا عزیز رکھتی ہے جیسا اس زمانے میں تھا' اڈورڈ اول کے زمانے سے بادشاہ اور دونوں ایوان پارلیمنٹ کے درمیان کشمکش چلی آتی تھی اس طولانی کشاکش سے قومی آزادی کی محافظت کا نہایت قوی سامان مہیا ہوگیا تھا' بادشاہ کو اب محض اپنے حکم سے کسی قسم کے محصول کے عائد کرنے' کسی قانون کے نافذ

کرنے یا کسی کو قید کرنے کا اختیار باقی نہیں رہا تھا، اور اس کے ساتھ ہی یہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ تاج کے بڑے سے بڑے عہدہ دار پارلیمنٹ و قانون کے جوابدہ ہیں، مگر مسئلہ جانشینی کی کشمکش کے ختم ہوتے ہی یہ تمام آزادیاں بھی دفعتہً واحدةً غائب ہوگئیں، ہم اب آئینی ترقی معکوس کے ایک ایسے دور میں داخل ہوتے ہیں، جس میں وہ تمام کام جو زمانۂ ماسبق میں بتدریج انجام پا چکے تھے، بہت جلد منقلب ہو جاتے ہیں، پارلیمنٹ میں جان باقی نہ تھی، اور جو کچھ تھی وہ بھی تاج کے غالب اثر کی وجہ سے محض ایک ضابطہ کی صورت میں رہ گئی تھی۔ دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ کے قانونی اختیارات کو شاہی مجلس نے غصب کرلیا تھا، بلا مشورہ پارلیمنٹ محصول تو نہیں عائد کئے جاتے تھے، مگر پیشکش اور جبری قرضہ کا مآل کار وہی تھا، جاسوسی کا خطرناک سلسلہ جاری ہو گیا تھا، اور تحکمانہ قیدوں کے متواتر واقعات پیش آنے لگے تھے، اس سے شخصی آزادی تقریباً معدوم ہوگئی تھی، قوانین ضبطی کا نفاذ بہت کثرت سے ہونے لگا تھا، رائل کونسل (یا شاہی مجلس) کے اختیارات بیحد وسیع ہو گئے تھے۔ ججوں نے خوشامد کا شیوہ اختیار کرلیا تھا، جوری کو خوف دلا کر ان کی رائے پر اثر ڈالا جاتا تھا، ان تمام باتوں سے انصاف میں سخت دقت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ تغیر ایسا وسیع اور عام تھا کہ زمانۂ مابعد میں سرسری نظر سے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اڈورڈ اور ہنری کے عہد کی آئینی بادشاہت ٹیوڈر کے زمانے میں دفعتہً

ترکوں کی سی کامل مطلق العنانی سے بدل گئی تھی۔ مگر فی الحقیقت یہ خیال مبالغہ آمیز و ناواجب ہے، قانون کی کیسی ہی توڑ مروڑ کیوں نہ کی گئی ہو، مگر کبھی کوئی وقت ایسا نہیں گزرا ہے کہ انگلستان کے بڑے سے بڑے خودسر حکمران نے بھی قانونی پابندیوں کے قبول کرنے سے انکار کردیا ہو، رعایا کے ادنیٰ ترین شخص کی اطاعت بھی ہمیشہ سیاسی و مذہبی حدود کے اندر رہی ہے، اور اس پر شاہ پرستی کا خیال کبھی غالب نہیں آسکا ہے، لیکن باوجود اس کے بھی اڈورڈ چہارم کے وقت سے الزبتھ کے وقت تک کی شاہی انگلستان کی تاریخ کچھ عجیب اور علیحدہ سی معلوم ہوتی ہے۔ قدیم انگریزی، نارمنی آنشروی۔ پلیمین ٹیجنٹ، بادشاہوں کی طرز حکمرانی کو خاندان یارک یا خاندان ٹیوڈر کی حکمرانی کے سلسلہ میں ملانا مشکل ہے +

شاہی جلدیدکے اسباب

اگر ہم ایسے فوری و کامل انقلاب کی وجہ تلاش کریں، تو اس کی وجہ صرف یہی معلوم ہوگی کہ جس نظام معاشرت سے انگریزی آزادی کی حفاظت ہوتی تھی، وہ اب معدوم ہوگیا تھا آزادی بیرنوں کی تلوار سے حاصل ہوئی تھی، اہل کلیسا نے اس کے قیام پر رقیبانہ نظر رکھی تھی، پارلیمنٹ کے اندر دیہات کے اسکوائر (متوسط الحال اشخاص) اور شہر کے تاجروں سے مل کر جو طبقۂ "عوام" کا پیدا ہوگیا تھا وہ اپنی سیاسی کارروائیوں کو وسعت دیتا جاتا تھا، مگر اس جنگ کے ختم ہوتے ہی یہ تمام قدیمی رکاوٹیں تاج کے راستہ سے ہٹ گئی تھیں، طبقہ بیرن کی حالت

یوماً فیوماً تنزل پذیر ہوتی گئی، اہل کلیسا کا کوئی معاون و مددگار نہیں رہا، اور وہ ایک اضطرابی حالت مین کسی نہ کسی طرح وقت کو ٹالتا رہا یہاں تک کہ کرامول نے اس کا خاتمہ کردیا۔ تجار اور چھوٹے چھوٹے زمیندار سیاسی میدان عمل میں بیکار ہو گئے، ادھر یہ حالت تھی اور اُدھر تاج (جسے صرف پچاس برس پیشتر ہر فریق نے ایک کھیل بنا رکھا تھا) سب سے علیحدہ ہو کر کمال رفعت پر پہنچ گیا تھا۔ ازمنہ سابق میں بادشاہی کو جاگیردارانہ طریق، طبقہ قسیس کے مذہبی اذن، اور آئینی آزادی کی روز افزوں قوتوں نے محدود کر رکھا تھا، مگر اب یہ تمام قوتیں یک بیک زوال پذیر ہوگئیں، اور نئی بادشاہی میں ایک ہمہ گیر و بے قید مطلق العنانی پیدا ہو گئی۔ یہ تغیر اگرچہ انقلابی حد کو پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر فی الحقیقت یہ بھی تدریجی منازل کو طے کرتا ہوا اس حد کو پہنچا تھا، اور جن اسباب سے ایسا ہوا ہم انہیں پہلے ہی کہ چکے ہیں، دستکاری کی ترقی، روحانی و ذہنی تعلیم کی ترویج، اور فن جنگ کے تغیرات کے باعث اندر ہی اندر اس نظام معاشرت کی بیخ کنی ہو رہی تھی، جس سے انگریزوں کا سیاسی نظام حکومت پیدا ہوا تھا اور جس پر وہ اب تک قائم تھا۔ مگر کلیسا کی جانب لوگوں کی نئی روش، ارکان دارالعوام کی حق رائے دہی کا سلب ہو جانا اور طبقہ بیرن کے زوال کی وجہ سے اس کی تباہی روز افزوں ہوگئی تھی۔ بیرنوں کے بڑے بڑے خاندانوں میں سے بعض کا تو بالکل خاتمہ ہوگیا تھا

اور بعض کی کچھ غیر معروف شاخیں قائم رہ گئی تھیں، مگر وہ محض اپنی گزشتہ عظمت کا پرتو تھیں۔ خاندانہائے پول، اسٹینلی۔ اور ہاورڈ کے سوا (اور یہ بھی درحقیقت نئے خاندان تھے) قدیم طبقہ بیرن کے کسی گروہ نے شاید ہی اس وقت سے حکومت کے کام میں دخل دیا ہو دارالعوام میں اہل کلیسا، قصبات کے چھوٹے چھوٹے زمیندار اور طبقات تجار کے لوگ ہوا کرتے تھے مگر یہ لوگ بھی ان امرا کے قائم مقام نہیں ہو سکتے تھے جن کو خانہ جنگیوں نے تباہ کردیا تھا۔ اپنے زمانہ گزشتہ کے کارناموں، اپنی وسیع دولت، اور اپنی ملک داری کی روایات کی وجہ سے بلند مرتبہ طبقہ مذہبی ابھی تک ذی اثر معلوم ہوتا تھا مگر جوش روحانی کے فقدان، اخلاقی سستی، عوام کے گہرے مذہبی معتقدات سے مخالفت اور دنیا میں ہلچل ڈال دینے والی ذہنی تحریک سے کورانہ عناد رکھنے کے باعث اس طبقہ نے بھی اپنی قوت اثر کو زائل کردیا تھا۔ ان کی قدیمی آزادی کا کچھ شائبہ نیچے درجے کے پادریوں اور خانقاہی گروہوں میں البتہ باقی رہ گیا تھا، مگر سیاسی معاملات میں کلیسا کا براہ راست اثر اس کے مقتداؤں کی وجہ سے تھا، اور ان کا انداز عام پادریوں کی بہ نسبت کچھ اور ہی تھا۔ بیرن ان کی دنیاوی املاک پر اور واعظین مذہب وکلف یعنی لالرڈ ان کے مذہبی اقتدار پر حملے کررہے تھے اس حالت نے انہیں مجبور کردیا کہ تاج کی معاونت پر بھروسہ کریں، اور محض اس خیال سے کہ شاہی امداد سے وہ کلیسا کی دولت کو لٹنے سے بچالیں گے انہوں نے بادشاہ کی آڑ پکڑی تھی۔ مگر کسی

وسیع سیاسی مفہوم میں ان کے گروہ کا اثر بالکل ہیچ تھا، پہلی نظر میں یہ امر صاف واضح نہیں ہوتا کہ کلیسا اور امرا کی سیاسی تباہی میں ارکان دارالعوام کیوں شریک ہو گئے حالانکہ قصبات کے زمینداروں کی دولت و تعداد بہت جلد جلد بڑھ رہی تھی، اور اہل شہر بھی تجارت کے نشوونما سے مالا مال ہو رہے تھے مگر رائے دہی کے حق کو محدود کر دینے اور انتخابات میں مداخلت کرنے کا یہ نتیجہ تھا اور اس کا اثر اب دارالعوام کی سیاسی بے دخلی سے صاف ظاہر ہو گیا ان کارروائیوں کی وجہ سے پارلیمنٹ میں کام کا دارومدار عملاً طبقہ بیرن پر رہ گیا تھا اور اب کہ دارالعوام طبقۂ بیرن کے زوال کے باعث اس کی امداد اور رہبری سے محروم ہو گیا تو لازماً وہ خود ہی زوال پذیر ہو گیا۔ جب اس طرح کی حریف طاقتیں غائب ہو گئیں تو از خود تمام اختیارات بادشاہ کے ہاتھ میں آ گئے فی الحقیقت صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ اہل کلیسا متوسط الحال اشخاص اور اہل شہر، تاج کے مقابلہ میں آزادی کو برقرار رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے ذاتی مفاد کی طمع میں انہوں نے آزادی کو تاج پر نثار کر دیا تھا، کلیسا ارتداد کی ترقی سے کانپ رہا تھا، شہروں کے اجتماعی گروہوں کو اپنے امتیازات برقرار رکھنے کے لئے حفاظت کی ضرورت تھی، تاجروں کے ساتھ ہی زمیندار بھی جس جنگ و بدنظمی کا مشاہدہ کر چکے تھے اس کے مصائب کے خیال سے وہ ہیبت زدہ ہو رہے تھے، اور دونوں کی بے انتہا خواہش تھی کہ ایسی صورت کے دوبارہ پیش

نہ آنے کے لئے جس اعانت کی ضرورت ہو وہ تاج کو دی جائے۔
لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ زمیندار اور ساہوکار اس زورشور
کے ساتھ بادشاہ کا ساتھ صرف اس غرض سے دے رہے تھے کہ
وہی ایک طاقت تھی جو معاشرتی انقلاب سے انہیں بچا سکتی تھی۔
اہل کنٹ کی شورش سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جن وقتوں کے رفع
کرنے کے لئے قوانین اجرت نافذ کئے گئے وہ اب تک بدستور
قائم ہیں اور ناراضی پھیلنے کا بڑا سبب یہی ہے۔ زراعت کے
جن وسیع تغیرات کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یعنی چھوٹے چھوٹے
مقبوضات کا باہم ملا دینا، اراضی کاشت کا کم، اور چراگاہوں کا
زیادہ ہو جانا، یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے ایک بڑی حد
تک بے خانماں مزدوروں کی تعداد اور ان کا شور و شر بہت
بڑھ گیا تھا، رمنوں کے اور احاطوں کے مخصوص کر لینے پر شورشوں کا
ذکر پہلے پہل ہنری ششم کے عہد میں سنا جاتا ہے، اور دور ٹیوڈر
کی، تو وہ ایک مستقل خصوصیت ہو گئی تھی۔ ان شورشوں سے صرف
یہی نہیں ظاہر ہوتا کہ زمینداروں اور چھوٹے درجہ کے کسانوں کے
درمیان ہر جگہ مناقشہ برپا تھا، بلکہ ان سے اس عام معاشرتی بدلی
کا بھی اظہار ہوتا ہے، جو شورش و انقلاب کے ذریعہ سے اپنے لئے
کوئی منفذ پیدا کرنا چاہتی تھی۔ اور اس وقت خاص میں جنگجو امرا
کے خاندانوں کے شکست ہو جانے اور لڑائیوں سے زخمی و بیکار
سپاہیوں کے واپس آنے سے اس بھڑک اوٹھنے والے انبار میں
زیادتی و بدنظمی کے ایک نئے جزو کا اضافہ ہو گیا تھا، حقیقت یہ

ہے کہ یہی معاشرتی خطرہ ٹیوڈر کی مطلق العنانی کی بنیاد تھا۔ صاحب املاک طبقہ کے لئے غریبوں کا زیر کرنا زندگی وموت کا سوال تھا' مزدوروں سے کام لینے والے اور صاحبان جائداد اس امر پر آمادہ تھے کہ وہ آزادی کو ایک ایسی طاقت کے حوالہ کردیں جو انہیں معاشرتی آشوب سے بچا سکے'۔ زمینداروں کے خودغرضانہ اضطراب ہی کا نتیجہ تھا کہ انگلستان میں قانون اجرت نافذ ہُوا' اور اس کا خوفناک نتیجہ محتاجوں کی کثرت میں ظاہر ہوا۔ زمینداروں اور تاجروں ہی کے خودغرضانہ اضطراب کی وجہ سے انگلستان کو مطلق العنان شاہی سے سابقہ پڑا +

اڈورڈ چہارم

اس شاہی جدید کا بانی اڈورڈ چہارم تھا' وہ ابھی محض لڑکا ہی تھا کہ دوران خانہ جنگی میں اس نے خود کو ایک نہایت ہی قابل اور بیرحم جنگجو ثابت کر دکھایا۔عنفوان شباب میں وہ بڈھے بڈھے امرا کو تختہ قتل پر جاتے ہوے دیکھتا اور اس کے دل مین ذرا بھی رحم نہین آتا تھا زمانہ مابعد میں حصول طاقت کی تگ ودو میں' لوگوں سے بیوفائی کرنے میں اس نے وارک کو بھی پس پشت ڈال دیا مگر اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہی نوجوان بادشاہ عیاشانہ کاہلی میں پڑ گیا' لندن کی زنان بازاری کے ساتھ سرخوشیاں اور جین شور کی سی عورتوں کے ساتھ ناز ونیاز ہونے لگے۔ وہ ایک کشیدہ قامت اور نہایت حسین شخص تھا۔ اس کے دلفریب اطوار اور مسرت آمیز بے پروائی کی وجہ سے اسے وہ ہردلعزیزی حاصل ہوگئی تھی جو اس سے معزز تر بادشاہوں کو

بھی میسر نہیں ہوئی تھی مگر اس کی یہ بے پروائی و اہتزاز محض نقاب تھے جن کے نیچے اس نے اپنی اعلیٰ سیاسی قابلیت کو پوشیدہ کر رکھا تھا، لوئس یازدہم اور فرڈیننڈ (والی اراگان) اس وقت کے بہت ہی ہوشیار بادشاہوں میں تھے، اور ظاہری حالت کے اعتبار سے اڈورڈ سے زیادہ کوئی ان سے مشابہت نہیں رکھتا تھا۔ درحقیقت اڈورڈ کو کام بھی وہی کرنا تھا جو ان لوگوں نے کئے، اور اس نے اپنے کام کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام کو پہنچایا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اڈورڈ اکابر شہر سے مذاق یا عورتوں سے دل لگی بازی کرنے اور وسٹ منسٹر کے چھاپہ خانہ کے نئے مطبوعات کے دیکھنے میں وقت گزاری کرتا ہے، مگر درپردہ وہ مطلق العنان حکومت کی بنیادیں استوار کر رہا تھا، پارلیمنٹ کا قریب قریب بالکل ہی بند ہونا بجائے خود ایک انقلاب تھا، اس وقت تک دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے حکومت ملک میں جو کام انجام دئے تھے وہ یوماً فیوماً زیادہ نمود حاصل کرتے جاتے تھے، خاندان لنکیسٹر سے بعد کے دو بادشاہوں کے عہد میں پارلیمنٹ کم و بیش ہر سال طلب کی جاتی تھی، دارالعوام کو نہ صرف اجرائے محصول اور وضع قانون کا حق تفویض کر دیا گیا تھا، بلکہ وہ نظم و نسق سلطنت میں بھی دخل دینے اور محاصل کے اخراجات کی ہدایت کرنے لگے تھے۔ علاوہ بریں انہوں نے کتنی بار وزرائے شاہی پر مقدمات قائم کر کے ان سے جواب طلب کئے، ہنری ششم کے عہد میں یہ ہوتا رہا تھا کہ پارلیمنٹ کی خواہشات درخواست کی صورت میں پیش ہو کر

شاہی مجلس میں قانونی شکل اختیار کرتی تھیں۔ اب یہ طریقہ ترک کردیا گیا اور آئینی ترقی میں ایک قدم اور آگے بڑھا یعنی خود پارلیمنٹ کی جانب سے قانون آخری صورت میں شاہی منظوری کے لئے پیش ہونے لگا اور مثل سابق کے، بادشاہ کو اس قانون کی ترمیم کرنیکا حق باقی نہیں رہا، مگر اڈورڈ کے عہد سے نہ صرف اس قسم کی ترقیاں رک گئیں بلکہ خود پارلیمنٹ ہی کا کام تمام ہوگیا، جان کے بعد سے یہ پہلا موقع تھا کہ آزادی کو ترقی دینے یا حکومت کی خرابیوں کو رفع کرنے پر کوئی ایک مسودہ قانون بھی پیش نہیں ہوا، حقیقت یہ ہے کہ خانہ جنگی کی وجہ سے ضبطیاں اس کثرت سے ہوئیں کہ شاہی خزانہ دولت سے بھر گیا، اور پارلیمنٹ کو طلب کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ فتح ٹاؤٹن کے بعد ایک قانون ضبطی کے ذریعہ سے بارہ امرائے عظام اور اور سو سے زائد نائٹ اور اسکوائر کی جائدادیں بادشاہ کے حق میں ضبط ہوگئی تھیں، کہا جاتا ہے کہ خانہ جنگی کے کسی زمانہ میں کل اراضی ملک کا قریب قریب پانچواں حصہ شاہی ملک میں آگیا تھا۔ محصولات بحری کی آمدنی بھی زندگی بھر کے لئے بادشاہ کو عطا کردی گئی تھی۔ اڈورڈ نے اپنی آمدنی کو اپنی وسیع تجارت کے نفع سے اور بھی بڑھا لیا تھا، شاہی جہازات ٹین، اون، اور کپڑے سے لدے ہوئے اس تاجر بادشاہ کے نام کو اطالیہ و یونان کے بندرگاہوں میں روشن کرتے پھرتے تھے۔ فرانس کے مقابلہ میں جو دلیرانہ کارروائیاں اس نے کرنا چاہی تھیں وہ اگرچہ چارلس برگنڈوی کے انکار شرکت کی وجہ سے خراب ہوگئیں، مگر اس سے حصول زر کا ایک نیا ذریعہ نکل آیا۔ جنگ کی

ضرورت پیش نہیں آئی اور جو رقمیں اس جنگ کے لئے دی گئی تھیں، شاہی خزانہ کی توفیر میں شامل ہوگئیں۔ اس حیلہ سے اڈورڈ نے نہ صرف اپنے اندوختہ میں اضافہ کر لیا' بلکہ اس نے عوام کی آزادی پر بھی چھری پھیر دی۔ پارلیمنٹ کی اجازت سے قرض لینے کے دستور کو بالائے طاق رکھ کر اس نے لندن کے سوداگروں کو خود اپنے روبرو طلب کیا' اور ان سے یہ خواہش کی کہ وہ بقدر ضرورت کے پیشکش یا نذر دیں' طبقہ تجار میں بادشاہ بہت ہردلعزیز تھا' مگر یہ جبرستانی انہیں بھی بہت شاق گزری' لیکن اس وقت مخالفت بیکار تھی' پیشکش "و نذر" کا یہ دستور بہت جلد وولزی اور چارلس اول کے زمانے میں جبری قرضہ کی صورت میں بدل گیا' اڈورڈ کے جانشینان ٹیوڈر کا وسیع نظام جاسوسی تعذیب کے لئے شکنجہ کا استعمال اور بے لاگ انصاف میں مداخلت ان سب کی ابتدا یہیں سے ہوئی تھی۔ اڈورڈ کا عہد اگر کسی معاملہ میں روشن نظر آتا ہے تو وہ صرف ذہنی ترقی ہے' اور نئی مطلق العنان حکومت کا بانی کیکسٹن کا مربی ہونے کے لحاظ سے عزت کا مستحق ہے÷

فی الحقیقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جس طرح آزادی کا خاتمہ ہوگیا تھا اسی طرح علم ادب کا بھی خاتمہ ہوگیا تھا۔ چاسر کے بعد کا علم ادب چاسر اور اس کے بعد کے دو ایک شاعروں کی ذہانت نے (جن کی تصانیف چاسر کے کلام میں خلط ملط ہو گئے ہیں) ایک وقت تک اپنے زمانے کی اظہار علم' تصنع' و بے مائگی' کا مقابلہ کیا' مگر اس

شاعرانہ روانی خیال کے یک بیک بند ہو جانے سے انگلستان میں صرف پست درجہ کے شاعر، و مولف، غیر متناہی اخلاقیات کے جمع کرنے والے، تذکرات کو نظم کرنے والے، اور فرسودہ فرانسیسی افسانوں کے ترجمہ کرنے والے باقی رہ گئے تھے۔ گاور کے گراں سطحی خیالات میں قدیم انداز کی خوبی و زندہ دلی کی ایک خفیف سی جھلک نظر آجاتی ہے، مگر آکلیو اور لڈگیٹ کے معلمانہ و عامیہ خیالات میں اس کا بھی پتہ نہیں چلتا ازمنہ وسطی کا علم ادب ازمنہ وسطی کے ساتھ ہی فنا ہوتا جاتا تھا، طرز معاشرت کی طرح ان کا ذوق علمی بھی فلسفہ کے لا حاصل پیچیدگیوں میں ضایع ہوچکا تھا، سپہگری کا شریفانہ خیال لغو و مضحکہ آمیز نمایش میں بدل گیا تھا۔ ریاضت کے صوفیانہ جوش نے سخت گیری کے شروع ہوتے ہی تنگ خیال، قدامت پرستی، اور سطحی اخلاق کی صورت اختیار کرلی تھی، طبقہ قسیس قدیم وقتوں میں تمام ذہنی کوششوں کا مرجع تھا، اب بہ حیثیت مجموعی اسے علم سے کچھ بھی مس باقی نہیں رہا تھا، خانقاہیں تحصیل علوم کا مرکز تھیں۔ چاسر کے انتقال کے بیس برس بعد ایک اطالوی سیاح پوجیو انگلستان آیا تھا، وہ لکھتا ہے کہ "میں نے پادریوں میں ایسے لوگ بہ کثرت دیکھے جو شہوت پرستی میں مبتلا تھے، مگر علم کے شایق اشخاص ان میں بہت ہی کم پائے، اور جو تھے بھی وہ بھی مہمل علوم کی طرف راغب تھے۔ علم ادب کے بجائے انہیں الفاظ کے الٹ پلٹ کرنے اور سوفسطائیت کی خوب مہارت تھی"، نئے نئے کالجوں کی تعمیر شروع ہو گئی تھی، مگر دارالعلوموں کے

طلبہ کی تعداد اور علم میں جو انحطاط رونما تھا ان کے روکنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ ایک صدی قبل آکسفورڈ کے طلبہ کی جو تعداد تھی اب اس کا صرف پانچواں حصہ رہ گئی تھی؛ ایسی کج بحثیوں کے لئے جن میں قواعد زبان تک کا خیال نہ کیا جائے "آکسفورڈ کی لاطینی" کا فقرہ زبان زد عام ہو گیا تھا۔ ہر قسم کے علمی تصانیف تقریباً بند ہو گئے تھے، البتہ تاریخی تصانیف کا کچھ سلسلہ چلا جاتا تھا مگر ان کی بھی کیفیت یہ تھی کہ نام نہاد وقائع والسنگھم کی طرح کچھ تو گذشتہ مصنفین کے اقتباسات جمع کر کے تیار کی جاتی تھیں اور کچھ خانقاہوں کے بے مغز وقائع اور کچھ بے مصرف عام خلاصے تھے۔ البتہ کیمیا، سحر، اکسیر حیات سنگ پارس کے متعلق بے شمار رسالے تیار ہوئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ اصلی ذہنی کوششیں کس طرف مصروف تھیں، اور صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اس زمانے میں ذہنی انحطاط کس حد کو پہنچ گیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تعمق نظر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قدیم علمی گروہ جس قدر فنا ہو جاتا تھا اسی قدر خود عوام میں علم کا شوق بڑھتا جاتا تھا، خوش قسمتی سے خاندان پیسٹن کے کچھ مراسلات محفوظ رہ گئے ہیں، اُن سے نہ صرف روانی و قوت اور ایسی صحت زبان کا اظہار ہوتا ہے جو چند برس قبل بے تکلف خطوط میں ناممکن تھی، بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دیہاتوں کے متوسط الحال اشخاص کتابوں کے متعلق بحث کرتے اور کتب خانے جمع کرتے تھے۔ اس زمانے کی تصانیف کے خصوصیات یہ تھے کہ علمی و تاریخی کتابوں کے خلاصے لکھے جائیں، کھیل تماشے اور اسرار کی کتابیں تیار کی جائیں روزمرہ کی اخلاقی کیفیات کو شاعری

کا مقصود قرار دیا جائے اور واقعات عامہ کو نظم میں بیان کیا جائے۔ ان رجحانات سے اس امر کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ علم ادب خالص علمی طبقہ سے نکل کر عوام میں شایع ہونا شروع ہو گیا تھا، گراں قیمت صاف شدہ چمڑے کے بجائے کتابوں کے لئے کاغذ کا کثرت سے استعمال ہونے لگا تھا اور اس سے علم کے شیوع عام کو بہت مدد مل گئی تھی۔ زمانۂ ماسبق میں کبھی کتابوں کی نقلیں اس زمانے سے زیادہ نفیس نہیں ہوئیں، اور نہ کسی زمانے میں اس کثرت سے کتابیں نقل ہوئیں۔ کتابوں کی اس کثرت طلب کی وجہ سے ان کے نقل کرنے اور قلمی نسخوں کے مزین کرنے کا کام اکثر مذہبی کے زاویہ سے نکل کر بروژ کی مجلس سنٹ جان، یا برسلز کے "برادران اہل قلم" کی سی تجارتی مجلسوں کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پندرھویں صدی کے وسط میں کتابوں، رسالوں، اور خاصکر قواعد زبان اور مذہبی کتب کی بھی کثرت سے طلب تھی، جو مطبع کے وجود میں آنے کا باعث ہوئی۔ طبع کی پہلی صورت یہ تھی کہ لکڑی کے تختیوں پر حروف کھود کر اوراق چھاپتے تھے۔ ان کتابوں کو "تختی سے چھپی ہوئی کتابیں" کہتے ہیں۔ بعد کو اس ضرورت کے لئے علیحدہ علیحدہ حروف بنائے گئے، تاکہ وہ باہم جوڑے اور الگ کئے جاسکیں۔ اس کی ابتدا مینز کے تین مشہور اہل مطابع، گٹنبرگ، فسٹ اور شیفر سے ہوئی۔ وہاں سے یہ نیا طریقہ جنوب کی طرف بڑھا اور اسٹراسبرگ سے ہوکر آلپس کے دوسری جانب وینس میں پہنچا، اور وہیں سے بوسیلہ الدی تمام یورپ میں یونانی علم ادب کی اشاعت کا باعث ہوا، بعد ازاں

اطراف رائن سے ہوتا ہوا فلینڈرز کے شہروں میں داخل ہوا غالباً
بمقام بروژ گرجاء سینٹ ڈونا کے دروازے کے چھوٹے سے کمرے کے
اندر کولرڈ مینشن کے چھاپے خانے میں کیکسٹن نے اس فن کو سیکھا
اور وہاں سے اول بار اسے انگلستان میں لایا'

کیکسٹن

ولیم کیکسٹن، کنٹ میں پیدا ہوا تھا' وہ لڑکپن ہی میں
لندن کے ایک بزاز کے وہاں ملازم ہو گیا تھا اور انگریزی مجلس
تاجران سیاح کے صدر کی حیثیت سے تیس برس فلینڈرز میں
رہنے کے بعد اڈورڈ کی بہن ڈچز مارگیرٹ (برگنڈوی) کے ہاں نقل
کتب پر متعین ہوا' مگر کولرڈ مینشن کے ذریعہ سے یہ نیا فن بروژ میں
قائم ہو چکا تھا' اس کے مقابلہ میں نقل کرنے کا زحمت طلب کام
بہت جلد ترک کر دیا گیا' کیکسٹن اپنی پہلی مطبوعہ کتاب افسانہای
ٹرائے کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ لکھتے لکھتے میرا قلم گھس گیا' ہاتھ
شل ہو گیا' سفید کاغذ پر نظر جمائے رکھنے سے آنکھیں خیرہ ہو گئیں' اور
اس کے ساتھ ہی عمر گزرتی گئی' اور جسم کمزور ہوتا گیا' میں نے بہت سے
معززین اور اپنے بہت سے دوستوں سے حتی المقدور اس کتاب کے
جلد پیش کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے' اس لئے میں نے بہت صرف
اور محنت سے اس فن کو سیکھا اور اس کی مشق کی تاکہ میں اس
کتاب کو اسی طرح پر چھاپ سکوں جس طرح وہ اس وقت
ہمارے پیش نظر ہے' غرض اس سے یہی تھی کہ ایک ہی وقت
میں یہ کتاب ہر شخص کے پاس پہنچ جائے' اس قصہ کی تمام کتابیں'
ایک ہی دن میں چھپنا شروع ہوئیں' اور ایک ہی دن میں چھپکر

۱۴۷۶ ختم ہوگئیں یہ پینتیس برس کی غیر حاضری کے بعد یہی چھاپہ خانہ وہ بیش بہا سامان تھا جسے وہ انگلستان میں لایا تھا، اس عمر کو پہنچ کر لوگ آرام و آسایش کے خواہاں ہوتے ہیں مگر ہم کیکسٹن کو دیکھتے ہیں کہ پندرہ برس اور وہ خاص انہماک کے ساتھ اپنے اس نئے کام میں مشغول رہا۔ اس کے تختۂ اعلان کے وسط میں ایک سرخ نشان کھینچا ہوا تھا، اور اسی وجہ سے اس کی دکان ہی کا نام "سرخ نشان" ہوگیا تھا، یہ تختہ خریداران کتب کے لئے صلائے عام تھا۔ کیکسٹن کا کارخانہ وسٹ منسٹر کے خیراتخانہ کے احاطہ میں واقع تھا، یہ خیرات خانہ گرجے کی مغربی حد پر تھا، اس میں ایک عبادتخانہ اور وہ خیرات خانے تھے جہاں خانقاہ کی طرف سے غریبوں کو خیرات تقسیم کی جاتی تھی، کیکسٹن کے اشتہار کی عبارت یہ تھی کہ "اگر کسی دنیاوی یا مذہبی شخص کو رائج الوقت خط میں خوشنما و بالکل صحیح چھپے ہوئے سالسبری کے تذکروں کے کسی دو تین ٹکڑوں کی ضرورت ہو تو اُسے وسٹ منسٹر کے خیرات خانہ میں "سرخ نشان" پر آنا چاہئے، اور یہاں اُسے یہ ٹکڑے نہایت سستے مل جائیں گے"۔ جیسا کہ اسکے اشتہار سے ظاہر ہوتا ہے، وہ ایک باعمل کاروباری آدمی تھا، وہ وینس کے آلدی یا رومہ کے ادب القدما کے چھاپنے والوں کا حریف نہیں تھا۔ وہ اپنی تجارت سے اپنی معاش حاصل کرنا چاہتا تھا، قسیسوں کو عبادت نامے اور واعظوں کو کتب مواعظ مہیا کرتا تھا عام پادریوں کے لئے ان کا "فسانہ زرین" تیار کرتا تھا، اور نائٹ اور بیرن کو سپہگری کے "مسرت آمیز دلفریب قصے" بہم پہنچاتا تھا۔ لیکن

اگرچہ اسے حصول معاش کی فکر دامنگیر رہتی تھی مگر پھر بھی وہ سہل الحصول اعلیٰ علم ادب کی خدمت کے لئے بھی وقت نکال لیتا تھا، انگریزی نظمیں خواہ کسی زمانے کی ہوں، اس وقت جس قدر موجود تھیں، اس نے ان سب کو چھاپ ڈالا، حیات ابدی کے مستحق قابل الاحترام جافری چاسر کی توقیر جس درجہ اس کے دل میں تھی اس کا اظہار نہ صرف افسانہائے کینٹربری کے اول بار چھاپ دینے سے ہوا، بلکہ جب اس نظم کا ایک زیادہ صاف نسخہ ہاتھ آیا تو اس نے اسے دوبارہ طبع کردیا۔ اس کے بعد لڈگیٹ اور گاور کی نظمیں بھی طبع کی گئیں۔ مورخانہ انداز کی قابل الحصول کتابوں میں اس وقت انگریزی زبان میں صرف برٹ کی وقائع اور ہگڈن کی "وقائع عام" موجود تھیں، کیکسٹن نے نہ صرف انہیں طبع کیا، بلکہ موخرالذکر کو خود اپنے زمانہ تک پورا کردیا۔ بیٹیس کے تراجم فرانسیسی سے اینڈ کا ترجمہ، سیسرو کے دو ایک رسالے یہ انگلستان کے قدیم ترین چھاپہ خانہ کے متفرق و مقدم نتایج تھے۔

کیکسٹن کے ترجمے

کیکسٹن اگرچہ طبع کے کام میں ہمہ تن مشغول تھا مگر ترجمہ کے کام میں اس کا انہماک اور بھی بڑھا ہوا تھا، اس کے مطبوعات میں چار ہزار سے زیادہ صفحات خود اس کے ترجمہ کئے ہوئے ہیں، ان ترجموں کی ضرورت ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم ادب نے اس زمانے میں عام پسند روش اختیار کرلی تھی، اس قسم کے ترجموں کی طلب اگرچہ بہت بڑھی ہوئی تھی، مگر کیکسٹن نے اس ضرورت کے رفع کرنے میں کسی قسم کے تصنع کو دخل نہیں دیا۔ اس کے

نادر دیباچوں میں ایک طرح کا سادہ و فطری ذوق علم (خاص کر اسلوب زبان کے متعلق) جوش زن نظر آتا ہے، وہ اپنے ترجمہ اینڈ کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "میرے پاس کوئی کام نہیں تھا، اور میں اپنے مطالعہ کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، مختلف مضامین کے رسالے و کتابیں جمع تھیں، انہی میں سے ایک چھوٹی سی فرانسیسی کتاب میں نے اُٹھائی، جسے تھوڑے ہی زمانے قبل فرانس کے کسی معزز عالم نے لاطینی کتاب اینڈ سے ترجمہ کیا ہے، اصل کتاب ہمارے معزز شاعر و موقر عالم ورجل کی تصنیف ہے، اس کتاب کے صاف وصحیح فرانسیسی فقرات و الفاظ سے مجھے بہت ہی مسرت حاصل ہوئی ایسے دلپذیر و باترتیب فقرے اور الفاظ کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرے تھے، دل میں خیال آیا کہ روانی بیان اور تاریخی واقعات کے لحاظ سے یہ کتاب اعیان ملک کے مطالعہ کے لئے بہت ہی موزوں ہوگی۔ اس خیال پر میں نے بخوبی غور کیا اور آخر کار اس کتاب کو انگریزی میں ترجمہ کرنیکا تہیہ کر لیا، میں نے فوراً قلم اُٹھایا اور صفحے دو صفحے اسی وقت لکھ ڈالے، مگر ترجمہ کے کام میں انگریزی کے خاص طرز کے اختیار کرنے کی بھی ضرورت تھی، اور اسی سے کیکسٹن کے کام کو انگریزی زبان کی تاریخ میں خاص وقار حاصل ہوگیا ہے، اس زمانے میں ترجمہ کے دو طریقے تھے، ایک میں فرانسیسی تصنع کا اور دوسرے میں انگریزی اظہار علم کو زور تھا، کیکسٹن ان دونوں طریقوں کے بین بین تھا، یہ وہ وقت تھا، جب انگریزی زبان اپنے موجودہ سانچے میں ڈھل رہی تھی، جو ہا ہمی اس وقت تھی،

اس کا نقشہ خود گیگسٹن ہی کے الفاظ میں دیکھنا بہت دلچسپ معلوم ہوگا، وہ لکھتا ہے کہ بعض بڑے بڑے عالموں نے نیک دلی کے ساتھ مجھ سے یہ خواہش کی کہ مجھ سے جہاں تک ہوسکے نادر سے نادر فقرے استعمال کروں برخلاف ازیں بعض معززین نے مجھے یہ طعنہ دیا کہ میں اپنے ترجمے میں بہت سے ایسے نامانوس فقرے استعمال کرتا ہوں جنہیں عام لوگ سمجھ نہیں سکتے، اور یہ خواہش کی کہ میں اپنے ترجمے میں پرانے اور مانوس فقرے استعمال کروں"۔ یہ خوش مذاق صاحب مطبع اس پر یہ حاشیہ چڑھاتا ہے کہ "میں بہت ہی خوش ہوتا اگر میں ہر شخص کو راضی کرسکتا"۔ اس کے استقلال طبیعت نے اسے دربار کی امیدواری اور ان فرقوں کے دام فریب دونوں سے بچا لیا، خود اس کی ذوق طبیعت نے اسے انگریزی ترجمے کی طرف مائل کیا، مگر ایسی انگریزی کی طرف نہیں جو اس کے قدامت پسند مشیروں کو مرغوب تھی، بلکہ "اس عام بول چال کی طرف جو روزمرہ استعمال میں تھی"۔ گیکسٹن خود لکھتا ہے کہ "میں نے ایک پرانی کتاب کو لیکر پڑھا، اس کی انگریزی ایسی سخت اور اس قدر از کار رفتہ تھی کہ میں اسے بخوبی سمجھ بھی نہ سکا" پرانے انگریزی فرامین جو وسٹ منسٹر کے رئیس خانقاہ نے اپنے دفتر خانے سے نکال کر نمونے کے طور پر اسے دئے تھے، ان کی نسبت اس کا خیال تھا کہ وہ انگریزی کے بجائے ڈچ زبان میں معلوم ہوتے تھے" معہذا ایسے وقت میں جبکہ عام بول چال تک میں اس شدت کے ساتھ تغیرات ہو رہے تھے، مروج زبان کا اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، بقول گیکسٹن "اس وقت جو زبان استعمال

ہورہی ہے، وہ اس سے بہت ہی مختلف ہے، جو میری پیدائش کے وقت مروج و مستعمل تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں تھا، بلکہ ہر صوبے کی زبان میں اس قدر فرق تھا کہ ایک صوبے کی زبان دوسرے صوبے کے لئے تقریباً ناقابل الفہم تھی۔ ایک صوبہ کی عام انگریزی دوسرے صوبے کی انگریزی سے جس درجہ مختلف نہیں ہے، اس کا اندازہ میرے وقت کے ایک واقعہ سے اچھی طرح سے ہو سکتا ہے، چند تاجر زیلینڈ جانیکے ارادہ سے ٹیمز میں جہاز پر سوار ہوئے، مگر ہوا کی کمی کے باعث وہ فورلینڈ میں جہاز کو ٹھہرا کر بغرض تفریح خشکی پر چلے گئے۔ ان میں سے شیفیلڈ نامی ایک بزاز ایک گھر میں گیا اور کھانے کے لئے کچھ طلب کیا، اور بالتخصیص انڈے کی فرمایش کی گھر کی مالکہ نے جواب دیا کہ وہ فرانسیسی نہیں بول سکتی۔ سوداگر کو غصہ آیا کیونکہ وہ بھی فرانسیسی نہیں بولتا تھا، اس نے صرف انڈے مانگے تھے، مگر مالکہ مکان اس کی زبان کے سمجھنے سے قاصر تھی۔ آخر ایک دوسرے سوداگر نے ایک دوسرے لفظ کے ذریعہ سے اسی مطلب کو ادا کیا، اس وقت اس عورت نے کہا کہ اب اس نے اچھی طرح سمجھا پس بتاؤ اس زمانے میں کوئی کیا لکھے"۔ فی الحقیقت زبان کی اس تغیر کی وجہ سے ہر شخص کا خوش کرنا نہایت مشکل ہے"۔ خود اس کی زبان بھی "ویلڈ" واقع کنٹ کی زبان تھی۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہاں بھی ویسی ہی سخت و دور از کار انگریزی بولی جاتی ہے۔ جیسی انگلستان کے اور دوسرے جگہوں میں رائج تھی" جب اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال کیا جائے کہ وہ مدت تک ملک سے باہر

فلینڈرز میں رہا تھا، تو پھر اس کے اس عذر تقصیر پر (جو اس نے اپنے پہلے ترجمہ میں پیش کیا ہے) متعجب ہونے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ وہ لکھتا ہے کہ جب پانچ چھ جزو لکھنے کے بعد ان تمام امور سے مجھے سابقہ پڑا تو مجھے اس کام سے ناامیدی ہوگئی، اور میں نے یہ ارادہ کیا کہ اب اس کام کو ہرگز جاری نہ رکھوں گا، ان اجزا کو میں نے الگ رکھدیا اور دو برس تک پھر ادھر توجہ نہیں کی"۔

علم ادب اور طبقۂ امرا

مگر بااین ہمہ جس وقت کیکسٹن کا انتقال ہوا ہے، وہ ترجمہ کرنے میں مشغول تھا، فی الحقیقت اس کی محنتوں سے علم ادب کے متعلق جو عام دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، اس نے تمام مشکلات کو آسان کردیا۔ جب فسانہ زرین میں طول ہو جانے کی وجہ سے اسے انجام کو پہنچانے سے گونہ مایوسی ہوگئی اور وہ اسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوگیا، تو ارل ارنڈل نے اس کی خوشامد کی کہ وہ اسے ہرگز ترک نہ کرے، اور اس کے مکمل ہو جانے پر ہر سال گرمی میں، ایک ہرن اور جاڑے میں ایک ہرنی نذر کرنے کا وعدہ کیا" ملک کے اور بہت سے امرا اور مختلف معززین نے مجھ سے باربار دریافت کیا کہ میں نے سان گرال San Graol کی سی نفیس تاریخ کیوں نہیں چھاپی"۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس صاحب فراست اہل مطبع کے ملاقاتی اس سے آرتھر کے وجود پر تاریخی بحث کر رہے ہیں سمرسٹ کی ڈچز مارگیرٹ اسے اپنی "بلانشار ڈین اور اگلنٹین" Blanctor dine & Englantine۔ عاریت دیتی ہے کوچسٹر کا ایک آرچ ڈیکن اپنی مترجمہ کتاب "کیٹو" اسکے پاس لاتا ہے، لندن کا ایک بزاز اس پر زور دیتا ہے کہ

وہ فلپ خوبرو کی کتاب شاہی کا ترجمہ کرے۔ ملکہ کا بھائی ارل ریورز اپنے ترجمہ "مقولات فلاسفہ" کے متعلق اس سے گفتگو کرنے آتا ہے۔ بادشاہوں تک نے اس کے تالیفات کو دلچسپ سمجھا اس کی کتاب ٹلی اڈورڈ چہارم کی سرپرستی میں طبع ہوئی "آرڈر آف شیولیری" رچرڈ سوم کے نام پر معنون کی گئی۔ فیٹز آف آرمز، ہنری ہفتم کی خواہش سے شایع ہوئی؛ اس کے وقت میں وسیع و شاندار کتبخانوں کا شوق فرانسیسی بادشاہوں سے گزر کر انگریز بادشاہوں میں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ہنری ششم کے پاس کتابوں کا ایک بیش قیمت مجموعہ تھا، لوور کے کتب خانہ پر گلوسٹر کے ڈیوک ہمفری نے قبضہ کرلیا تھا، اور اسی سے اس نفیس کتب خانہ کی بنیاد قائم ہوئی؛ جسے اس نے بعد ہی دارالعلوم آکسفورڈ کی نذر کردیا۔ بڑے بڑے امرا اس علم تجدید میں عملی و ذاتی طور پر شریک تھے، کتابوں کے ساتھ جنگجو سر جان فاسٹالف کی الفت زبان زد عام تھی۔ ارل ریورز بذات خاص اس زمانے کے مصنفین مین شامل تھا۔ زیارتوں اور ملکی معاملات کی مصروفیتوں کے درمیان اسے اتنا موقع مل جاتا تھا کہ اس نے کیکسٹن کے مطبع کے لئے "مقولات فلاسفہ" اور دو مذہبی رسالوں کا ترجمہ کرڈالا، لیکن کیکسٹن کو جن امرا کی دوستی حاصل ہوگئی تھی، ان میں سب سے زیادہ ذی امتیاز عالم جان ٹپٹاف (ارل ورسٹر) تھا، ہنری ششم کے زمانے میں طلب علم کے شوق میں وہ مدتوں اطالیہ میں سرگرداں رہا، وہاں کے متعدد دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرکے وہ پادوا میں معلم ہو گیا، جہاں اسکی لاطینی کے

لطف بیان نے عالم ترین پوپ پائس دوم (مشہور بہ اینیس سلویس) کی آنکھوں سے آنسو جاری کردئے۔ کیکسٹن کو مناسب الفاظ نہیں ملے جس میں وہ اپنے وقت کے صلاح و دانش کے اس گل سرسبد کی وقعت کا اظہار کرسکے" وہ لکھتا ہے کہ میں دنیاوی امرا میں کسی کو نہیں جانتا جو علم و اخلاق میں اس کا نظیر ہو، مگر اس علمی قوت کے ساتھ ہی ساتھ نشاۃ جدیدہ کی سفاکی بھی پیناف میں موجود تھی۔ اور جس شخص نے اپنے مظالم کی وجہ سے خانہ جنگی کے سے ہولناک زمانے میں "قصاب" کا لقب پایا ہو اس کے زوال پر سوا اس وفاشعار صاحب مطبع کے اور کسی نے اظہار افسوس نہیں کیا۔ اس کے زوال کے بہت دنوں بعد کیکسٹن ایک دیباچے میں لکھتا ہے کہ" اس پاکباز و نیکدل امیر کا زوال کیسی سخت مصیبت کا باعث ہوا، میں جب اسے یاد کرتا ہوں اور اس کی زندگی، اس کے علم اور اس کی نکوکاری کو مشتہر کرتا ہوں، تو میں اسکی دولت و علم کے لحاظ سے اس کے زوال کو ایک بڑی مصیبت خیال کرتا ہوں، (خدا اس سے ناخوش نہ ہو)۔"

جن امرا نے کیکسٹن کی ہمت افزائی کی تھی ان میں ہم بادشاہ کے سب سے چھوٹے بھائی رچرڈ ڈیوک گلوسٹر کو بھی دیکھ چکے ہیں۔ اڈورڈ کی طرح وہ بھی بیرحم و چالاک تھا، اور بادشاہ کے بعد جب ایک تیرہ برس کے لڑکے کے تخت نشین ہونے سے دربار میں پھر رقابتوں کی گرم بازاری ہوئی، تو ڈیوک نے ایک بہت ہی بے باکانہ منصوبہ گانٹھ کر معاملات ملکی میں سب سے آگے قدم ۱۴۸۳

رچرڈ سوم

بڑھایا۔ بادشاہ کے مرتے ہی اس نے نہایت عجلت کے ساتھ اپنے بھتیجے اڈورڈ پنجم کو اپنے قابو میں کر لیا، ملکہ کے خاندان کی قوت کو توڑ دیا اور مجلس شاہی کی جانب سے "محافظ ملک" کا منصب اپنے لئے حاصل کرلیا، ایک مہینے سے زیادہ نہیں گزرا تھا کہ اس نے یکایک ایوان مجلس میں داخل ہوکر لارڈ ہیسٹنگز پر یہ الزام لگایا کہ وہ جادوگر ہے، اور جادو کے زور سے اس کی جان لینا چاہتا ہے۔ لارڈ ہیسٹنگز شاہ سابق کا خاص مشیر اور اس کے لڑکوں کا خاص حامی تھا، ڈیوک نے اپنا ہاتھ میز پر پٹکا اور معاً کمرہ سپاہیوں سے بھر گیا، پھر اس نے خود ہیسٹنگز کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ "میں اس وقت تک کھانا بھی نہیں کھاؤنگا جب تک کہ یہ سپاہی تمہارا سر میرے سامنے لاکر نہ رکھدیں۔" اس کہنے کے ساتھ ہی سپاہیوں نے اس زبردست وزیر کو بعجلت تمام صحن میں لیجاکر اس کا سر اڑا دیا۔ یارک کا اسقف اعظم اور ایلی کا اسقف دونوں قید خانے میں ڈال دئے گئے، اور رچرڈ کی خوشی میں جس قسم کی بھی کوئی دقت حائل ہوئی سب رفع کردی گئی۔ اب صرف ایک قدم اٹھانا باقی رہ گیا تھا، اور رچرڈ نے اپنے بھائی کے مرنے کے دو مہینے کے بعد اظہار ناگواری کے ساتھ اس درخواست کو قبول کرلیا جو ہر طبقات رعایا کی طرف سے امرا اور چند دوسرے اشخاص کے نام سے پیش کی گئی تھی۔ اس درخواست میں اڈورڈ کے لڑکے اس بنا پر وراثت سے محروم کردئے گئے تھے کہ وہ ناجائز عقد سے پیدا ہوئے تھے، اور کلیرنس کے لڑکے اس کی جائداد ضبط

ہو جانکی وجہ سے محروم قرار دئے گئے تھے، اس لئے رچرڈ سے التجا کی گئی کہ وہ شاہی منصب و خطاب کو قبول کرے۔ اس کے نوعمر بھتیجے اڈورڈ پنجم اور ڈیوک یارک ٹاور میں قید کر دئے گئے، اور کہا یہ جاتا ہے کہ وہیں اپنے چچا کے حکم سے قتل کر دئے گئے۔ ملکہ کے بھائی اور بیٹے یعنی لارڈ ریوزر اور سر رچرڈ گرے کا بہت ہی جلد خاتمہ کر دیا گیا، مورٹن، (اسقف ایلی) بکنگھم کی نگرانی میں ویلز میں قید تھا، اس نے ان دونوں لڑکوں کے نہ رہنے سے ایک تجویز یہ نکالی کہ بدل اہل یارک کو لینکیسٹر والوں کے چند پسماندہ اشخاص سے متحد کرکے ایک وسیع سازش قائم کی جائے۔ ہنری چہارم کی اولاد میں اب کوئی باقی نہیں رہا تھا، البتہ جان آف گانٹ کے سلسلہ میں کچھ لوگ موجود تھے، خاندان سمرسٹ کی آخری یادگار لیڈی مارگیرٹ بوفرٹ، نے اڈمنڈ ٹیوڈر (ارل رچمنڈ) سے عقد کرلیا تھا، اور ہنری ٹیوڈر اسی کا بیٹا تھا، جس قانون کی رو سے خاندان بیوفورٹ کو جائز قرار دیا گیا تھا، اس میں ہنری چہارم نے خلاف انصاف ایک شرط یہ لگادی تھی، کہ وہ تاج کے وارث نہ ہوسکیں گے۔ مگر ہنری ٹیوڈر خاندان لینکسٹر کی آخری نشانی تھا، اور اس کے طرفدار اس کے حق کو مسلم سمجھتے تھے، اور یہی باعث تھا کہ شاہان یارک اس سے حاسدانہ عناد رکھتے تھے اور اسے بھاگ کر بریٹنی میں پناہ لینا پڑی تھی۔ مورٹن کی تجویز یہ تھی کہ اڈورڈ چہارم کی بیٹی اور وارثہ الیزبیتھ سے ہنری ٹیوڈر کا عقد کر دیا جائے، اور بکنگھم کی مدد سے ایک سخت بغاوت برپا کی جائے، مگر بغاوت

۱۴۸۲ شروع ہی میں فوراً دبادی گئی۔ رچرڈ کی طبیعت جیسی جری تھی ظاہر ہے، مگر تخت پر اس نے محض اپنے زور بازو کے اعتماد پر قبضہ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے بھائی کے عہد میں بغور دیکھتا رہا تھا کہ شاہی کے جدید طرز عمل سے عام نفرت بڑھ رہی ہے، اور عوام سے اس بنا پر اسے اپنی تائید کی توقع تھی کہ اس نے قدیم آزادی کو بحال کر دیا تھا۔ لندن کے شہریوں نے بادشاہ کو ایک درخواست دی تھی، اور اس میں لکھا تھا۔ "ہم شدائد کے برداشت کرنے اور اپنی جانوں کو موت کے خطرات میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں، مگر غلامی و پابندی میں جس طرح زندگی بسر کرتے رہے ہیں، اس طرح زندگی آیندہ بسر نہیں کرنا چاہتے۔ خدا اور انسان کے قوانین اور اس ملک کے مسلمہ قوانین و آزادی کے خلاف (جو ہر انگریز کا خلقی حق ہے) ہم پر ظلم ہوتے رہے ہیں، اور ہم سے نئے نئے طرح کے محصولات جبراً وصول کئے جاتے ہیں"۔ ہم لکھ چکے ہیں، کہ اڈورڈ کے زمانہ میں پارلیمنٹ کے اجلاس بالکل ہی بند ہو گئے تھے، رچرڈ نے اس درخواست کے جواب میں پارلیمنٹ کو ازسرنو طلب کیا، اور اصلاحات سے نہایت وسیع الاثر قوانین نافذ کرنا شروع کئے۔ اس کے مختصر دور حکومت کے ایک ہی نشست پارلیمنٹ میں "پیشکشوں" کے ذریعہ
۱۴۸۴ سے روپیہ حاصل کرنا ناجائز قرار دیا گیا، لوگوں کو معافی دی گئی، اور بہت سی ضبط شدہ جائدادیں واپس کی گئیں۔ ان کارروائیوں سے اڈورڈ کے طرز عمل کا وہ خوف کسی قدر رفع ہو گیا جو ملک پر طاری ہو گیا تھا اور جس سے اس نے اپنا خزانہ بھر لیا تھا۔ کثیر التعداد

قوانین کے نفاذ سے یہ معلوم ہونے لگا کہ پارلیمنٹ خواب سے بیدار ہوکر اجرائے قوانین کی طرف متوجہ ہوگئی ہے۔ مسلسل تجارتی قوانین کے ذریعہ سے اغراض تجارت کی ترقی و حفاظت کی کوشش کی گئی، علم ادب کی طرف بادشاہ کی توجہ اسی حکم سے ظاہر ہوئی کہ "کسی قوم یا ملک کا کوئی دستکار یا تاجر کسی قسم کی کوئی مطبوعہ یا قلمی کتاب خردہ فروشی یا تھوک فروشی کے لئے اس ملک میں لائے تو از روئے قانون اس میں کسی طرح پر روک نہ پیدا کی جائے۔ اڈورڈ کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ اثبات جرم کے قبل ہی مال و اسباب ضبط کرلیا جاتا تھا رچرڈ نے اس طریقے کو منسوخ کردیا، شاہی جاگیر میں اب تک جس قدر غیر آزاد غلام باقی رہ گئے تھے، ان سب کو اس نے آزاد کردیا، مذہبی عمارات کی تعمیر کی طرف خاص توجہ کی۔ ان تمام امور سے رچرڈ کی اس سخت تشویش کا اظہار ہوتا ہے کہ کیونکر وہ اپنے ابتدائے عہد کی خونریزی کو عام ہر دلعزیزی سے بدلنا چاہتا تھا، مگر شاہ متوفی کے بچوں کے قتل کی خبر آہستہ آہستہ پھیلتی جاتی تھی، اور بے رحم سے بے رحم شخص بھی اس کی اس انتہا کی خونخواری کو سن کر مبہوت ہو جاتا تھا، آئینی حکمرانی کا پردہ بھی جلد تر اٹھ گیا، اور نئے جاری شدہ قانون کے خلاف متواتر پیشکشوں کے وصول کرنے سے عوام کا غصہ بھڑک اٹھا، مگر بادشاہ اپنے کو محفوظ سمجھتا تھا، اس نے شاہ متوفی کی ملکہ سے الیزبیتھ کے ساتھ عقد کرلینے کی منظوری بھی حاصل کرلی تھی۔ اور ہنری کی طرف سے کچھ ایسا خطرہ نہیں معلوم ہوتا تھا، کیونکہ وہ تنہا جلاوطنی میں

پڑا ہوا تھا، مگر جب ہنری ملفرڈ ہیون میں اترا اور ویلز کی طرف بڑھا تو فوراً ایک وسیع سازش کا اظہار ہو گیا۔ بوسورتھ فیلڈ واقع لیسٹر شائر میں جب ہنری شاہی فوج کے مقابل آیا تو آن واحد میں غداری نے جنگ کا فیصلہ کر دیا۔ آغاز جنگ کے قبل ہی لارڈ سیٹلی کے تحت میں فوج کا ایک حصہ رچرڈ کو چھوڑ کر ہنری سے جا ملا تھا، جنگ کے شروع ہوتے ہی ارل نارتھمبرلینڈ کی سرگروگی میں ایک دوسری جماعت بھی روگرداں ہو گئی، رچرڈ "غداری۔ غداری" کا شور مچاتا ہوا عین اس مقام پر حملہ آور ہوا، جہاں لڑائی کا سب سے زیادہ زور تھا؛ مایوسانہ جوش غضب میں اس نے لینکیسٹر کے علم کو زمین پر گرا دیا، اور اپنے رقیب کے سامنے تک پہنچ گیا، مگر کثرت تعداد سے مغلوب ہو کر مارا گیا، اس کا تاج اختتام جنگ پر ایک جھاڑی میں پڑا ہوا ملا، اور اسی وقت فاتح کے سر پر رکھدیا گیا۔

بوسورتھ فیلڈ

ہنری ہفتم

ہنری ہفتم کی تخت نشینی سے ان خونریز خانہ جنگیوں کا طویل سلسلہ ختم ہو گیا، اور الیزبتھ اور ہنری کے عقد کی وجہ سے دونوں متخاصم خاندان متحد ہو گئے۔ ہنری کے رقیب صرف اڈورڈ کے دو قریبی رشتہ دار تھے، جن میں سے ایک اس کا بھانجا جان ڈی لاپول (ارل لنکن تھا) جسے رچرڈ سوم نے اپنا جانشین تسلیم کیا تھا، اور دوسرا اس کا بھتیجا یعنی ڈیوک کلیرنس کا بیٹا ارل وارک تھا، اور یارک کے سلسلہ کے ورثۂ ذکور میں یہی سب میں مقدم تھا، مگر ان دونوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا، اور اس طرح یہ خطرہ

۱۴۸۷ بھی جاتا رہا۔ دو قابل الذکر فرضی شخصوں کو کچھ دنوں کے لئے مہیب
بغاوتیں برپا کرنے میں کامیابی ہوگئی تھی، ان میں سے ایک لیمبرٹ
سمنل تھا، جو ارل وارک بن بیٹھا تھا، اور دوسرا پرکن وار بک
۱۴۹۲ تھا جو ڈیوک یارک بنا ہوا تھا، (ملحوظ رہے کہ ڈیوک یارک
اڈورڈ پنجم کا چھوٹا بھائی تھا، اور ٹاور میں مارا جا چکا تھا)
شکست نے پہلے شخص کو شاہی باورچیخانہ کا مشعلچی بنا دیا، اور دوسرا
نہایت ہی حیرت انگیز مہمات کے سر کرنے اور اسکاٹلینڈ و فرانس
کے بادشاہوں اور برگنڈی کی بیوہ ڈچز سے (جسے اس نے اپنی
پھپی بنایا تھا) اپنے حقوق تسلیم کرانے کے بعد گرفتار ہوا، اور چار
برس بعد ٹائبرن میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ فن جنگ میں ترقی
۱۵۰۱ ہونے کی وجہ سے شاہی جدید کو جو طاقت حاصل ہو گئی تھی،
اس کا ثبوت ان بغاوتوں سے بہت ہی صاف طور پر مل گیا۔
بارود کے رواج نے نظام جاگیرات کو تباہ کر دیا تھا، سوار و زرہ پوش
نائٹ کی جگہ ذلیل پیادوں نے لے لی تھی۔ ازمنہ وسطی کے
حملوں کے مقابلہ میں جن قلعوں کو ناقابل التسخیر سمجھا جاتا تھا، وہ
نئے توپخانوں کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے تھے، اگرچہ بارود
کا استعمال جنگ کریسی کے وقت سے رائج ہو چکا تھا، مگر خاندان
لینکیسٹر کے تخت نشینی کے قبل فوجی کاموں میں اس کا موثر
طور سے استعمال شروع نہیں ہوا تھا۔ اس کے استعمال سے
طریق جنگ میں فوری انقلاب ہو گیا، ہنری پنجم کی تمام لڑائیاں
محاصرات کی لڑائیاں تھیں، وارک جسے تفنناً آخری بیرن کہتے

ہیں، وہ زیادہ تر اپنے توپخانہ ہی پر بھروسہ کرتا تھا۔ توپخانہ ہی نے بارنٹ اور ٹیوکسبری میں جنگ کا پانسہ پلٹ دیا، اور اسی سے ہنری ہفتم پیش آنے والے مہیب خطرات پر فتح حاصل ہوئی، اس تغیر سے بادشاہ کو جو قوت حاصل ہوگئی تھی، اس کا مقابلہ بالکل ہی نا ممکن تھا۔ ازمنہ وسطی میں ایک ذی مقتدر بیرن کا اٹھ کھڑا ہونا ایک بڑی بغاوت کے لئے کافی تھا، مگر اب وہ زمانہ گزر گیا جب عوام الناس اپنے دودکش کے کونوں سے اپنی کمانیں اتار لیتے، نائٹ اپنی زرہیں پہن لیتے، اور چند دنوں کے اندر ہی اندر بادشاہ کو ایک پوری فوج کے مقابلہ کا خطرہ پیش آجاتا، توپخانے کے بغیر اس قسم کی فوج بیکار محض تھی، اور ملک میں ایک ہی توپخانہ تھا اور وہ بادشاہ کے قبضہ میں تھا۔ اپنی اسی قوت کے احساس نے نئے بادشاہ کو اس قابل بنادیا کہ وہ خاموشی کے ساتھ اڈورڈ چہارم کی حکمت عملی پر کاربند ہوجائے یہ صحیح ہے کہ سلسلہ نسب کے لحاظ سے اسے مجبور ہونا پڑا کہ اپنے حق شاہی کو پارلیمنٹ کے عطا کئے ہوئے منصب پر مبنی کرے استحقاق نسب یا فتح کا کسی قسم کا ذکر مذکور کئے بغیر ہر دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے یہ طے کردیا تھا کہ "ہمارے اعلیحضرت شاہ ہنری ہفتم تاج کے وارث ہیں، اور آئندہ بھی تاج کے مالک رہینگے، اور ملک معظم ہی کی جائز اولاد میں بادشاہت قائم رہے گی"، مگر ہنری نے اڈورڈ کے طرز عمل کی پوری تقلید کی اور اپنے عہد کے آخری تیرہ برس میں صرف دو بار پارلیمنٹ کو طلب کیا، فی الحقیقت

بادشاہ کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ ایک ایسا خزانہ جمع کرلے جس سے آیندہ وہ پارلیمنٹ کی مدد سے بے نیاز ہو جائے، جنگ کے لئے ایک خاص امداد منظور کی گئی تھی، مگر ہنری نے کسی نہ کسی طرح جنگ کو ٹال کر اس رقم کو جمع کرلیا، اور اسی کو اپنے خزانے کی بنیاد قرار دیا، تاج کے ساقط العمل حقوق کی تجدید، ازیاد رفتہ لگانوں کے ادا نہونے پر جرمانے اور اسی قسم کی لاتعد جبر و ظلم سے اس نے اپنے خزانے کو بھر لیا۔ اس کے مورد عنایت وزیر مورٹن نے ایک عجیب اجتماع ضدین کی صورت پیدا کی تھی اور یہ طریقہ اسی کے نام پر "مارٹن کا پھندا" کہلاتا تھا۔ جو لوگ ظاہری شان و شوکت کے ساتھ رہتے تھے، ان سے اس بنا پر خزانے کے لئے نذرانے طلب کئے جاتے تھے کہ ان کی دولت و ثروت عیاں ہے، اور جو لوگ سادی زندگی بسر کرتے تھے، ان پر یہ حجت قائم کی جاتی تھی کہ کفایت شعاری کی وجہ سے ضرور ان کے پاس دولت جمع ہو گی۔ بادشاہ کی عکومت میں جن شورشوں سے رخنہ پڑا تھا، ان میں جن لوگوں کے ساتھ رعایت کی گئی، ان سے اور بھی زیادہ بڑی بڑی رقمیں وصول کی گئیں یہ کوششیں اس قدر کامیاب ثابت ہوئیں کہ ہنری اپنے جانشین کے لئے بیس لاکھ پونڈ چھوڑ مرا۔ ملکی نظم و نسق میں بھی اسی طرح اڈورڈ کے طرز عمل کی نقل کی گئی۔ طبقہ بیرن کی طاقت اگرچہ ٹوٹ گئی تھی، مگر اب بھی ایسے امرا موجود تھے، جنہیں بادشاہ رقیبانہ نظر سے دیکھتا تھا، ان کی طاقت کا انحصار ان متوسلین پر تھا جو ان کے گھروں کے گرد جمع رہتے تھے، اور شورش کے وقت امرا

انہیں سے ایک فوج بنا لیتے تھے، اور حالت امن میں وہ ہر طرح کی زیادتیوں اور نقض قانون کا مرکز بنے رہتے تھے۔ اڈورڈ نے اپنے "وردیوں کے قانون" میں ان صاحب فوج خاندانوں کے توڑ دینے کا حکم دیا تھا، اور ہنری نے نہایت ہی سختی کے ساتھ اس قانون پر عمل کیا۔ ارل آکسفورڈ، خاندان لینکیسٹر کا نہایت ہی طرفدار تھا، اور ہنری جب ایک بار اس سے ملنے گیا تو اس کے استقبال کے لئے "وردی پہنے ہوئے خدام کی دو قطاریں کھڑی تھیں۔ رخصت کے وقت ہنری نے کہا کہ "مائی لارڈ، آپ کی اعلیٰ مہمان نوازی کا میں شکر گزار ہوں، مگر میں یہ نہیں دیکھ سکتا، کہ میری نظر کے سامنے میرے قانون کی اس طرح بیحرمتی کی جائے۔ میرا مختار کار آپ سے گفتگو کرے گا۔" ارل خوش ہوا کہ اسے صرف دس ہزار پاونڈ جرمانہ دینا پڑا۔ خاص اسی خطرے کے دبانے کی نظر سے ہنری نے مجلس شاہی کے فوجداری اختیارات استعمال کئے، اس نے مجلس شاہی کی ایک کمیٹی بطور مستقل کورٹ آف عدالت کے مقرر کی یہ عدالت اپنے مقام نشست کی نام سے کورٹ اسٹار چیمبر آف اسٹار چیمبر عدالت ستارہ منزل کہلانے لگی۔ غالباً بادشاہ کا مقصد اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا کہ وہ بڑے بڑے امرا کو خود اپنی عدالت کے روبرو طلب کرکے ملک میں امن قائم کرے مگر جب اس عدالت کے رواجی اختیارات کو پارلیمنٹ کی تصدیق بھی حاصل ہوگئی، اور اس کے اجلاس گاہ بیگاہ ہونیکے بجائے مستقل طور پہ ہونے لگے اور جوری (پنچ) کے نہ ہونے سے ملزم کا یہ حق بھی جاتا رہا کہ اس کا فیصلہ اسکے ہمسر کریں، تو ہنری کے بیٹے کو ایک نہایت ہی کارآمد ذریعہ ظلم وستم کا ہاتھ آگیا۔ ہنری کا

طرز عمل اگرچہ برابر مطلق العنانی کی طرف مائل رہا مگر اس کے انداز طبیعت سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ وہ ایک مدبر کے بجائے ایک خواب دیکھنے والے شاعر کی طرح حکمرانی کرے گا۔ اس کے نحیف جسم، زرد چہرے، تیز آنکھ، شرمیلی طبیعت، اور تنہائی پسندی کی رغبت کے ساتھ دلپذیر گفتگو اور پر لطف طنز کی آمیزش سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صفات مختلفہ کا مجموعہ اور ایک پرجوش شخص ہے۔ اسے علوم اور صنعت و حرفت سے بھی دلچسپی تھی، وہ نئے چھاپے خانے کا حربی تھا، اور کتابوں اور صنعتوں سے اسے خاص رغبت تھی۔ مگر مراحل زندگی نے ہنری کو شیریں خواب دیکھنے اور علوم و فنون حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا، غیر ملکی سازشی تجاویز میں گھرے ہونے اور اندرون ملک کے خطرات کی کشمکش میں پڑے ہونے کے باعث ہنری کو اپنے عہد کے اس بڑی علمی ترقی میں خود کچھ کرنے کا بہت کم موقع ملا جو "تجدید علوم" کے نام سے موسوم ہے ؛

جزو چہارم

علوم جدیدہ

۱۵۰۹ — ۱۵۴۰

اسناد۔ مسٹر ہیلم نے اس عہد کی عام علمی تاریخ بہت شرح و بسط اور صحت کے ساتھ "ادبیات یورپ" Literature of Europe میں بیان

کی ہے :"انگریزی شاعری کی تاریخ" History of English Poetry میں وارٹن نے ژولیدہ مگر دلچسپ طور پر اسی پہلو کو دکھایا ہے۔ مور کی تصنیف یوٹوپیا اس "دور تجدید" کا آئینہ ہے، اور اس کا سب سے زیادہ رائج نسخہ وہی ہے جو الیزبیتھ کے عہد میں مرتب ہوا اور جسے ۱۸۶۹ء میں "طبع ثانی کتب انگریزی" English Reprints کے تحت میں مسٹر آربر نے شایع کیا ہے۔ ارزیمس کے قیام انگلستان کی تاریخ خود اسی کے دلپذیر خطوط میں دیکھنا چاہئے۔ ان میں سے بعض کا خلاصہ جارٹن کی مشہور و معروف سوانح عمری میں بھی ملے گا۔ کالٹ کے کارنامے اور "دور تجدید" کے مذہبی پہلو کو مسٹر سیبوم نے "۱۴۹۸ء کے مصلحان آکسفورڈ" The Oxford Reformers of 1869 کے اندر نمایاں کیا ہے۔ وارہم نے جو کام انجام دے اس کے متعلق میں نے خود اپنے ایک مضمون "لیمبتھ و اساقفۂ اعظم" Lambeth & the Arch Bishops سلسلۂ "اسٹرے اسٹڈیز" Stray Studies سے بھی کسی قدر اقتباس کیا ہے۔]

تعلیمات جدیدہ

ہنری کی حکمت عملی کے نتائج اگرچہ بہت ہی عظیم الشان تھے مگر جو پرزور تحریکیں اب لوگوں کے دلوں کو ابھار رہی تھیں ان کے مقابلے میں وہ بالکل ہی ہیچ معلوم ہوتے تھے۔ عیسائیت کی فتح رومی سلطنت کے زوال کے بعد سے دنیا کو کبھی اتنے بڑے تغیرات سے سابقہ نہیں پڑا تھا، جیسے اب پیش آرہے تھے، دنیا کے حدود خارجی میں دفعتہً وسعت پیدا ہوگئی تھی۔ کوپرنیکس کے انکشافات نے کائنات کے راز سے پردہ اٹھا دیا، پرتگال کے ناخداؤں نے راس امید کا چکر لگا کر اپنے تجارتی بیڑے ہندوستان کے بندرگاہوں میں لنگر انداز کردئے۔ کولمبس نے اس بحر محیط کو قطع کیا جس میں اب تک کسی کا گذر نہیں ہوا تھا، اور پرانی دنیا میں ایک نئی دنیا کا اضافہ کردیا۔

سینبیٹیئن' برسٹل کے بندرگاہ سے روانہ ہوکر تودہائے برف میں راستہ نکالتا ہوا لیبریڈور پہنچ گیا۔ نئی سرزمینوں' نئے مذہبوں' اور نئی نسلوں سے اس طرح یک بیک سابقہ پڑ جانے سے یورپ کی خوابیدہ قوت ذہنی میں ایک عجیب قسم کا استعجاب پیدا ہوگیا' دریائی سفروں کی پہلی کتاب جس میں مغربی دنیا کا مذکور تھا' امیرالبحر ویسپچی کے سفرنامے تھے۔ یہ کتاب بہت جلد ہر شخص کے ہاتھ میں "پہنچ گئی"۔ مور کی کتاب یوٹوپیا" انسانی خیال و عمل کے ہر صف پر حاوی ہے' اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کے تنگ حدود کیسے کامل و قطعی طور پر ٹوٹ گئے تھے؛ قسطنطنیہ پر ترکوں کے قابض ہو جانے اور یونانی علما کے وہاں سے بھاگ کر سواحل اطالیہ پر چلے جانے سے قدیم علم و ادب کا مخزن ازسرنو عین اس وقت کھل گیا جبکہ "ازمنۂ وسطی" کی ذہنی قوت تھک کر بیکار ہوچکی تھی۔ اطالیہ نے ان جلاوطن یونانی علما کا خیر مقدم کیا' اور فلورنس جو اب تک آزادی و صنعت کا مرکز رہا تھا' اب علمی تجدید کا مرکز بن گیا۔ ہومر کی شاعری' سوفوکلیس کا ڈراما' ارسطو و افلاطون کا فلسفہ' اس عظیم الشان گنبد کے سایہ میں پھر جاگ اٹھا' جسے برونیلیشی نے حال ہی میں دریائے آرنو کے قریب (فلورنس میں) تیار کیا تھا' اور جو تمام شہر کی عمارتوں کا سرتاج تھا۔ فلورنس نے ابتک آزادی کی حمایت میں ہر طرح پر قوت صرف کی تھی' لیکن اب کہ خود اس کی آزادی چھن گئی تھی' اس نے اپنی قوت علم کی حمایت میں لگا دی۔ اس کے سوداگروں کے جہازات مشرق سے قلمی کتابیں لاتے تھے' اور ان کے تمام ذخائر میں

یہی کتابیں سب سے زیادہ قیمتی ذخیرہ سمجھی جاتی تھیں۔ اس کے امرا کے محلات میں گرلاندایو کی پچی کاری کئے ہوئے طاقچوں کے اندر زمانۂ قدیم کے مجسمات کے ٹکڑے سجائے جاتے تھے۔ سیسرو کی کوئی کتاب "سیلسٹ" کا کوئی رسالہ کسی خانقاہ میں دبا دبایا ملجاتا تھا تو فلورنس کے مدبر و اہل فن "روچیلائی" کے باغات میں جمع ہوکر نہایت جوش کے ساتھ اس کا خیرمقدم کرتے تھے۔ زبان یونانی اس نئے علم کی کنجی تھی، اور غیر ملکوں کے طلبہ فلورنس کے معلمین سے اس زبان کے سیکھنے کے لئے کوہستان آلپس کو قطع کرکے آتے تھے۔ انگریزوں میں شاید نیو کالج آکسفرڈ کا فیلو (رفیق) گروسن پہلا شخص تھا، جس نے یونان
۱۴۹۱ کے ایک جلاوطن کالکونڈلاس سے تعلیم حاصل کی۔ وہاں سے آکر اس نے آکسفورڈ میں یونانی زبان کے متعلق لکچر دئے، اور یہیں سے انگریزی تاریخ علمی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، یونان کے قدیم علما کے اس طرح دوبارہ آشکار ہو جانے سے جسمانی و ذہنی دونوں قوتیں بیدار ہوگئیں، اور انگریزی سائینس کی مسلسل ترقی کا آغاز اسی دن سے سمجھنا چاہئے، جس دن آکسفورڈ کا ایک دوسرا طالب علم لائی نیکر فلورنسی پولیشن کے درس سے واپس آیا اور اس نے جالینوس کی کتاب کا ترجمہ کرکے علم طب کی قدیمی روایات کو از سرنو زندہ کردیا۔

کالٹ بمقام آکسفورڈ

مگر اول ہی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ انگلستان میں یہ "علمی تجدید" اطالیہ سے بالکل ہی الگ رنگ اختیار کرلے گی۔ اس میں ادبیات و ہمدردی انسانی کا جزو کسی قدر کم ہوگا، مگر تمدن، و

سیاست پر اثر ڈالنے میں اس کا اخلاقی، مذہبی، اور علمی رنگ بڑھا ہوا رہیگا۔ انگلستان اور قوم ٹیوٹن کے دوسرے تمام ممالک میں عقائد عیسائیت کی ایسی بیداری جو قرین عقل ہو جان کالٹ کے اطالوی علوم کے مطالعہ سے شروع ہوئی، اور انگریزوں کے مذہب پر اس تحریک سے جو گہرا اثر پڑنے والا تھا، اس کا بہترین ثبوت خود کالٹ کا جوش و صدق تھا۔ وہ جب انگلستان میں واپس آیا ہے تو افلاطونی صوفیت اسے چھو تک نہیں گئی تھی، نہ اسپر اس ملحدانہ رعونت کا کچھ اثر پڑا تھا جو لارنزو ''ذیشان'' کے طلبہ کی عام خصوصیت تھی۔ ان کے علمی جوش سے بھی وہ کچھ زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا۔ زبان یونانی کے حاصل کرنے سے اس کی صرف ایک غرض معلوم ہوتی ہے یعنی واقفیت زبان یونانی ہی وہ کنجی تھی، جس سے کتب مقدس کے قفل کھل سکتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح ایک نیا مذہبی میدان ہاتھ آجائے گا۔ اس نے یہ عزم کرلیا تھا کہ اپنے وقت کے روائتی معتقدات کو ترک کرکے خود انجیلوں سے ایک معقول مذہب کا پتہ لگائے۔ اور یہی وہ عزم تھا جس نے ''نشاۃ جدیدہ'' کے دینیات میں خاص انداز پیدا کردیا، اس کا اعتقاد صرف اس امر پر مبنی تھا کہ حضرت عیسیٰ کی شخصیت کو صاف طور پر سمجھ لیا جائے۔ اس رائے کی اخلاق و خیالات پر ایک نمایاں تاثیر، قدیم نسخہائے انجیل کی آزادانہ تنقید، اور معتقدات و مسلمات مذہبی میں سادگی کی طرف میلان یہی وہ خصوصیات تھے، جن کے ذریعے سے کالٹ نے اس مذہبی طرز خیال کی بنا ڈالی جو ازمنہ مابعد کے

اصلاح مذہبی" سے اسی قدر مغائر تھی، جس قدر خود کیتھولک کے خلاف تھے۔ ازمنہ وسطیٰ نے دینیات کو معمیٰ و استعارات سے مزین کرنے اور اسے پُراسرار بنانے میں جس قدر دماغی قوت صرف کی تھی، وہ سب اس ایک ضرب سے پاش پاش ہوگئی کہ کالٹ نے کتب مقدس کی اصل عبارت کے لغوی و تاریخی مفہوم کے سوا اس سے اور کسی طرح کا مطلب نکالنے سے یکقلم انکار کردیا۔ ازمنہ وسطی کے علمانے اعتقادات کی جو ایک بڑی عمارت بناکر کھڑی کی تھی اسے وہ محض "پرانے علما" کے مزخرفات" سمجھتا تھا۔ اسے بانی مذہب کے اقوال و افعال میں ایک سادہ و قرین عقل عیسائیت نظر آئی تھی اور اس کے نزدیک اس کا بہترین اظہار حوارئین کے حالات سے ہوتا تھا۔ اس نے اسی کو اختیار کرلیا تھا اور" باقی تمام امور کے لئے" اس نے بے تامل یہ کہدیا کہ" علمائے دین جسطرح جھگڑتے ہیں جھگڑتے رہیں" مروجہ مذہب کے زیادہ عامیانہ صورتوں کی نسبت اس کے خیال کا سرسری اندازہ اس امر سے ہوجاتا ہے، کہ جب اس نے کینٹربری میں سنٹ ٹامس کے مشہور مزار کے جواہرات کی چمک دمک، اس کے قیمتی نقش ونگار، اور اسکے نازک فلزاتی کاموں کو دیکھا، تو اس نے یہ تعریض کی کہ جو ولی اپنی زندگی میں غریبوں سے اس قدر فیاضانہ سلوک کرتا تھا، وہ یقیناً اس امر کو پسند کرے گا، کہ اس کے مرنے کے بعد جو دولت اس کے گرد جمع ہوگئی ہے، وہ ان غریبوں ہی کو دیدیجائے۔ تبرک کے لحاظ سے ٹامس کا بوسیدہ لباس اور اس کا جوتہ بوسہ

دینے کے لئے کالٹ کے روبرو پیش کیا گیا، مگر اس نے سخت تنفر
کے ساتھ انہیں الگ ہٹا دیا۔ اس کے ہر قول و فعل سے جس
سچائی، جوش مذہبی، بیچینی، اور ازمنہ گزشتہ سے عدم ہمدردی کا اظہار
ہوتا ہے، وہ سب اس کی ان تقریروں سے ظاہر ہو گئیں جو
۱۴۹۷ پولوس کے خطوط" کے متعلق اس نے آکسفورڈ میں کی تھیں۔ اسکے
سامعین میں سخت ترین نکتہ چین کو بھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ "اسکی
آواز، اس کی نظر، اس کا چہرہ، اس کا تمام انداز، عام انسانی
حالت سے بلند ہے، گویا اس پر الہامات وارد ہو رہے ہیں"۔
یہ نیا معلم اپنی ظاہری طرز زندگی میں بہت ہی سخت تھا،
اس کی یہ سختی اس کے سادے سیاہ چغے اور (اپنے زمانۂ آخر
کے اعلیٰ مناصب کے باوجود) اس کے کفایت شعارانہ دسترخوان
سے ظاہر تھی، مگر گفتگو میں اس کی زندہ دلی، اس کی سادگی پسند
صفائی، اس کی طرز زندگی کی پاکیزگی و شرافت سب سے زیادہ
اس کے مزاج کے ناگوار اشتعالات تک نے اسے ایک
جماعت علماء میں نہایت عزیز بنا دیا تھا، جن میں ارسیمس
اور ٹامس مور سب میں مقدم تھے۔

ارسیمس انگلستان میں

تارک الوطن آرگیرو پولوس نے جب جرمن رو آخلن کا ترجمہ
تھوسی ڈڈیس سنا تو چلا اٹھا کہ "یونان الپس کے پار آگیا ہے"
مگر ارسیمس کے سامنے رو آخلن اور اس کے بعد کے علما کی
شان و شوکت بہت جلد ماند پڑ جانے والی تھیں، ارسیمس
نے محنت ہائے شاقہ برداشت کیں، اور بتدریج علوم قدیمہ کا ایک بڑا

خزانہ جمع کرلیا، مگر اس معاملے میں وہ منفرد نہیں تھا، اس کے وقت کے اور لوگوں نے بھی ایسا کیا تھا، آبائے عیسوین کی کتابوں کے معلومات میں، وہ لوتھر کے رتبے کو نہیں پہنچا تھا، خیالات کی جدت و وسعت میں وہ یقیناً مور سے کمتر درجے پر تھا، اس کے علم کے بجائے اس کی دینیات کا دنیا پر زیادہ اثر پڑا، مگر یہ دینیات بلا کم و کاست کالٹ کے افکار طبع سے ماخوذ تھی۔ درحقیقت جس شے نے اسے اپنے اماثل و اقران میں بلند کردیا تھا، وہ ایک دوسری ہی چیز تھی، اس کی جامعیت اور ہمہ گیری تھی جس نے اسے اس رتبے پر پہنچا دیا۔ وسعت علم کے ساتھ باریک بینی، مشاہدات و رائے صائب کے ساتھ زندہ دلی، جودت طبع کے ساتھ کامل معاملہ فہمی، سچی پرہیزگاری، اور عقلی مذہب کے لئے کالٹ کے سے جوش کے ساتھ قدیمی معتقدات کے متعلق باوقار حق شناسی، دنیاوی علوم سے رغبت، طبیعت کی سچی آزادی، یہ وہ صفات جامع تھے جن کی وجہ سے ارسیمس نے اپنی عمر میں وہ عمر جو طولانی اور عالمانہ تھی قوم ٹیوٹن کے لوگوں میں نئے علوم کا شوق پھیلا دیا تھا، اس عمر کا آغاز پیرس میں، اور غم انگیز خاتمہ بازل میں ہوا۔ کالٹ جب اطالیہ سے واپس آیا ہے اس وقت ارسیمس نوعمر اور کسی قدر غیر معروف شخص تھا، اور اس زمانے میں حصول علم کے لئے پھرتا ہوا پیرس میں پہنچا تھا، وہاں سے جو خطوط اس نے بھیجے ہیں ان میں نئی تحریک کے متعلق اس کا جوش دلیری کے ساتھ ابل پڑا ہے۔ وہ لکھتا ہے

کہ "میں نے یونانی علوم کے حاصل کرنے میں اپنی جان تک کھپا دی ہے، اور جس وقت بھی کچھ روپیہ میرے ہاتھ آوے گا، میں اول یونانی کتابیں خرید کروں گا۔ اس کے بعد پھر کوئی کپڑا خریدوں گا" یہ نوجوان طالب علم جب اطالیہ پہنچنے سے ناامید ہو گیا اس وقت اس نے آکسفورڈ کا قصد کیا کیونکہ آلپس
۱۴۹۸ کے اس طرف یہی ایک مقام تھا جہاں گروسن سے وہ یونانی علوم حاصل کر سکتا تھا۔ جب وہ وہاں پہنچ گیا تو یاس و حسرت کے تمام خیالات غائب ہو گئے۔ وہ لکھتا ہے کہ "مجھے آکسفورڈ میں ایسی جلا اور تعلیم حاصل ہوئی کہ اب مجھے اطالیہ جانے کی مطلقاً فکر نہیں رہی، بجز اس کے کہ محض وہاں رہ آنا مقصود ہو تو جاؤں، جب میں اپنے دوست کالٹ کی باتیں سنتا ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے گویا افلاطون سے ہمکلام ہوں۔ گروسن کے وسیع معلومات پر کسے تعجب نہیں ہوتا؟ لائنیکر کے نتائج علمی سے زیادہ کونسی شے تعجب انگیز عمیق، و پاکیزہ ہو سکتی ہے؟ فطرت نے کبھی کسی کی طبیعت کو مور کی طبیعت سے زیادہ نازک، محبت آگین، اور خوش گزران بنایا ہے؟"

تجدید علوم لیکن یہ نئی تحریک صرف آکسفورڈ کی دیواروں کے اندر محدود نہیں تھی، زمانے کے خاموش اثرات برابر اسے آگے بڑھا رہے تھے۔ چھاپہ خانوں کی وجہ سے علوم سب لوگوں کی مشترک ملک بن گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ پندرھویں صدی کے آخری تیس برس میں تمام یورپ میں کتابوں کے دس ہزار سے زائد اڈیشن

شایع ہوئے جن میں سے نصف سے زائد اور بہترین حصہ تنہا اطالیہ میں شائع ہوا۔ پندرھویں صدی کے ختم ہونے کے قبل تمام لاطینی مصنفین کی کتابیں ہر طالب علم کے دسترس کے اندر پہنچ گئی تھیں؛ اور بعد کی صدی کے اول بیس برس میں تقریباً تمام قابل قدر یونانی مصنفین کی کتابیں بھی شایع ہوگئیں، ان بڑی قدیمی ادبیات کے اس طرح سے دنیا میں پھیلتے ہی عظیم الشان اثر ظاہر ہوگیا' موسیوٹین نے اپنے ان الفاظ سے اس کی تصویر کھینچ دی ہے کہ" لوگوں نے پہلی بار آنکھیں کھولیں اور دیکھا جو دیکھا"۔ جو وسیع میدان اسوقت نظروں کے سامنے تھا' اس سے طبائع انسانی میں نئی قوتیں پیدا ہوگئیں۔ علم کے ہر شعبہ پر اعتراضات ہوئے' اور سب کی صورتیں بدل گئیں' علوم بذریعۂ تجربیات' فلسفہ زبان' سیاسیات' عقائد مذہبی کی تنقید' ان سب کی بنا اسی "نشأۃ جدیدہ" میں پڑی گویا دنیا ازسرنو پیدا ہوگئی۔ علوم نظری کی جدت و صفائی اگرچہ بہت کچھ جاتی رہی تھی مگر اس کے حدود میں وسعت اور اس کے میلان اور فطرت میں آزادی پیدا ہوگئی تھی' علم ادب اگرچہ یونان و روم کے پرعظمت نمونوں کی کشش سے مغلوب ہوکر کچھ دنوں کے لئے پامال ہوگیا تھا' مگر بعد میں اس کی ظاہری شان اور اس کے جذبات انسانی کی ترجمانی نے جو وسعت و جدت اختیار کی' وہ اس سے قبل کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ چند برس قبل انگلستان میں اس نئی تحریک کا اثر ایک مختصر سی جماعت میں

محدود تھا، مگر اب وہ اس محدود حلقہ سے بہت باہر نکل گیا تھا۔ بڑے بڑے اہل کلیسا اس کے سرپرست بن گئے تھے۔ لینگٹن (اسقف ونچسٹر) بڑی خوشی سے ہر شام کو اپنے مستقر کے نوعمر طلبہ کا امتحان لیا کرتا تھا، اور ان میں سے جسے قابل دیکھتا، اسے تعلیم حاصل کرنے کے لئے اطالیہ بھیج دیتا تھا۔ کینٹربری کا اسقف اعظم تعلیم کا اور بھی زیادہ معاون تھا۔ اسقف اعظم وارہم اگرچہ نظم و نسق سلطنت میں مستغرق تھا، مگر وہ محض اسی کا بندہ نہیں تھا۔ ارسمس نے اس کی زندگی میں جس شد و مد سے اس کی مدح خوانی کی ہے، جس طرح اس کی ایک ایک خوبی کو سراہا ہے، جس بلند آہنگی سے اس کے علمی پایہ، اس کی عملی قوت، اس کے خوش آئند مذاق، اس کی حیاداری، اور دوستوں کے ساتھ اس کی وفاشعاری کی تعریفیں کی ہیں، ممکن ہے کہ انہیں زیادہ وقعت نہ دی جائے، کیونکہ زندگی میں بالعموم سب کی مدح سرائیاں یوں ہی ہوا کرتی ہیں، لیکن جب موت نے خوشامد کا کوئی موقع باقی نہیں رکھا اس وقت اس نے اسقف اعظم کی جو درخشاں تصویر کھینچی ہے، اس کی صداقت میں کسی قسم کا شک کرنا مشکل ہے۔ کلیسا کے اس رکن اعظم اور اس خانہ بدوش طالبعلم (ارسمس) کے درمیان جو مراسلت ہوتی رہی، اسقف اعظم نے اپنے جاہ و مراتب کے باوجود محض اپنی نیک طبعی سے اس علمی دوستی میں جیسی کامل مساوات کو ملحوظ رکھا، ارسمس نے اپنے سینٹ جیروم کے دیباچے میں اس کی روشن خیالی، صلاح و تقوی کی نسبت جیسے پر وقعت الفاظ استعمال کئے ہیں، یہ سب وارہم کی وہ خوبیاں ہیں جن سے اس کے

اسقف اعظم وارہم

وقت کے ہر نیک دل شخص کو اتفاق ہوگا۔ اسقف اعظم جیسی سادہ زندگی بسر کرتا تھا، وہ اس وقت کے امرا کی عیاشانہ طرز زندگی کی بالکل ہی ضد تھی۔ امراء وقت تمامتر اظہار شان و شوکت، شہوات نفسانی، صید افگنی، اور قمار بازی میں منہمک رہتے تھے، مگر اسقف اعظم ان خرافات کے قریب بھی نہیں جاتا تھا۔ اس کے ملکی و مذہبی مشاغل کبھی ختم ہوتے ہی نہ تھے۔ اس دور میں اگر کسی وقت کوئی وقفہ پڑ جاتا تھا تو صرف یہ کہ کچھ دیر کے لئے وہ کوئی دلچسپ کتاب پڑھنے لگے، یا کسی نو وارد عالم سے تنہائی میں باتیں کرنے لگے۔ علمی و اخلاقی مساوات کے نئے خیال کو جس کے سامنے قدیم دنیا کے تمام معاشرتی امتیازات فنا ہو جانے والے تھے، وارہم سے بہتر کسی نے نہ سمجھا ہوگا۔ اس کی نہایت پسندیدہ تفریح یہ تھی کہ رات کو اپنے ذی علم ملاقاتیوں کے ساتھ کھانا کھائے۔ ان کی ظرافت سے لطف اٹھائے، اور خود اپنی حاضر جوابی سے انہیں محظوظ کرے۔ مگر اسقف اعظم کی میز پر گروہ علما کو کھانے اور مذاق سے کچھ زائد ہاتھ آجاتا تھا، ان کی حاجت روائی کے لئے اس کے خزانہ کا منہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ ارسمس نے اس کے بہت بعد لکھا تھا "اگر نوجوانی میں مجھے کوئی ایسا مربی مل گیا ہوتا تو میں اپنے کو خوش قسمتوں میں شمار کرتا" ارسمس جب دوسری بار انگلستان آیا تو گروسن کے ساتھ دریا سے گزر کر لیمبتھ پہنچا اور وارہم کی ضیافت میں شریک ہوا، اور اگرچہ یہ پہلی ملاقات کچھ امید افزا نہیں معلوم ہوتی تھی، مگر بعد میں اس میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی، ارسمس نے

اپنے گھر پر لکھا تھا کہ "اسقف اعظم اس سے ایسی محبت کرتا ہے گویا وہ اس کا باپ یا بھائی ہے، اور اس کی فیاضی اس کے (ارسیمس کے) تمام دوستوں سے بڑھی ہوئی ہے"۔ اسقف اعظم نے ارسیمس کو بلا شرط خدمت ایک منصب مذہبی دینا چاہا تھا مگر جب اس نے اس سے انکار کیا تو سو کراؤن سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا، ارسیمس جب پھرتا پھراتا پیرس پہنچ گیا تو وہاں سے محض وارہم کی طلب پر انگلستان واپس آیا۔ جب اس کے تمام سرپرست اس سے دست بردار ہو گئے، اور نوبت اس حد کو پہنچی کہ کیمبرج میں بیر شراب کی تلچھٹ پر اس کی اوقات بسر ہونے لگی، اسوقت وارہم ہی تھا جس نے اسے پچاس انجل (یعنی پچیس پاونڈ) بھیجے، اور بذلہ سنجی کے طور پر تجنیس لفظی کا یہ فقرہ لکھا، کہ "میری خواہش تو یہ تھی کہ پچاس کے بجائے ہزاروں انجل ہوتے"۔

ہنری ہشتم

یہ ترقی اگرچہ ایک حقیقی ترقی تھی، تاہم ہنری ہفتم کے عہد میں "تعلیمات جدید" کے علما کی تعداد انگلستان میں بہت ہی کم تھی، البتہ اس کے بیٹے کی تخت نشینی کے وقت سے ایک "نیا دور" شروع ہوا، یہ لوگ خود اپنے لئے فخراً یہی نام "دور جدید" استعمال کرتے تھے، ہنری ہشتم ابھی پورے اٹھارہ برس کا بھی نہیں ہوا تھا کہ تخت نے اس کے قدموں کو بوسہ دیا لیکن اس عمر میں بھی اس کی صاف دلی و فراخ طبعی اور اس کے اغراض سیاسی کی وقعت کسی طرح اس کے قوائے جسمانی اور اس کے فن سپہگری کے زور و قدرت سے کم نہ تھی۔ اس نے فوراً ہی ان

تمام جبرستانیوں کو بند کردیا جو متروک قوانین کے بہانے سے رائج کی گئی تھیں، اور اپنے باپ کے وزراے خزانہ ایمپسن اور ڈڈلے پر غداری کے مقدمات قائم کردئے، رعایا کے دلوں
۱۵۰۹ میں کسی کی تخت نشینی سے اس سے زیادہ بلند امیدیں نہیں پیدا ہوئی تھیں جیسی ہنری ہشتم کی تخت نشینی سے پیدا ہوئیں، پول جو اس کا سخت ترین دشمن تھا، اس نے بھی بعد میں یہ اعتراف کیا کہ "بادشاہ کا مزاج اس طرح کا تھا کہ ابتدائے عہد میں اس سے ہر طرح کی اعلیٰ امیدیں قائم کی جاسکتی تھیں"۔ اپنے جسم و قوت کے لحاظ سے وہ اپنے ہم عمروں میں پہلے ہی سے بادشاہ تھا۔ اس کا قد سب سے زیادہ دراز اور اس کا جسم سب سے قوی تھا۔ وہ ایک شہ زور کشتی گیر، ایک زبردست صید افگن اور ایک بہترین قدر انداز تھا، اس جسمانی شانداری کے ساتھ نوجوان بادشاہ کی طبیعت میں، وہ فراخی اور ہمہ گیری بھی موجود تھی، جو اس نئے زمانے کی خاص خصوصیت ہونے والی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ "تعلیمات جدیدہ" سے اسے ہر طرح پر ہمدردی ہے، کیونکہ ہنری نہ صرف اب ایک معقول حد تک صاحب علم تھا بلکہ بچپن میں ہی اس نے اپنی ذہانت اور کمالات سے اریسمس کو تعجب میں ڈال دیا تھا۔ ہنری کے تخت نشیں ہونے پر یہ عالم باکمال بزودی تمام انگلستان کو واپس آیا اور اپنی تصنیف "ستائش جہالت" میں، ہنری کی تعریف کے دریا بہا دئے۔ اس کتاب میں اس نے یہ دکھایا ہے کہ جہالت و تعصب کی قدیم

دنیا حکومت جدید کی روشنی و علم کے سامنے ناپید ہو جائیگی۔ اس دلچسپ چھوٹی سی کتاب کے بیان کے موافق "فالی" (جہالت) ٹوپی پہنے اور گھنٹیاں باندھے ہوئے منبر پر چڑھتی ہے، اور اپنے گردوپیش کی دنیا کے ناممکن العمل خیالات، راہبوں کے توہمات، نحویوں کی علم نمائیوں، علماء مدارس کی کج بحثیوں، بادشاہوں کے ظلموں اور خودغرضیوں پر ہجو ملیح کا ایک طوفان برپا کردیتی ہے۔

تعلیمات جدیدہ و درس و تدریس

کالٹ کی سنجیدہ کوششیں، ارسمس کے تفنن آمیز طریقے کی پشت و پناہ بن گئیں۔ کالٹ، آکسفورڈ سے بلایا گیا اور سینٹ پال کا صدر مقرر کیا گیا تھا، اور چارہی برس کے اندر اندر وہ اپنے وقت کا بہت بڑا واعظ بن گیا۔ اپنے سادگی بیان، ادائے مطالب اور قوت تقریر میں وہ لیٹمر کا پیشرو ثابت ہوا۔ اس نے
۱۵۱۰ اصلاح تعلیم کا کام شروع کردینے کے لئے سینٹ پال کے قریب خود اپنا ایک ابتدائی مدرسہ قائم کیا۔ بانی مدرسہ کی انداز طبیعت کا پتہ اس سے چل سکتا ہے کہ اس نے مدرس کی کرسی پر عیسٰی کے بچپنے کا ایک مجسمہ رکھ دیا۔ اور اس کے نیچے یہ کندہ کردیا کہ "تم لوگ اسی کی اطاعت کرو"۔ بظاہر اس میں خشونت معلوم ہوتی تھی، مگر فی الواقع وہ ایک نرم دل شخص تھا۔ اس نے اپنے طلبہ کو لکھا تھا کہ "میں تمہارے لئے خدا سے دعا کرتا ہوں تم بھی میرے لئے اپنے چھوٹے چھوٹے گورے گورے ہاتھ دعا کے لئے اٹھاؤ"۔ معلمان وقت کی تمام تعلیمی تجاویز پر اس نئے مدرسہ میں عمل ہوتا تھا، درس کے پرانے طریقے ترک کردیے گئے تھے،

اور ان کے بجائے قواعد کی نئی کتابیں، جاری کی گئیں تھیں، جنہیں اریسمس اور دوسرے علما نے خاص اسی مدرسے کے لئے تصنیف کیا تھا، للی ایک طالب علم آکسفورڈ کا تھا، اور اس نے مشرق میں جاکر یونانی زبان حاصل کی تھی، وہ اس مدرسے کا مدرس اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ بانی مدرسہ کی ہدایت یہ تھی کہ منطق کے کج بحث طریقے کو خارج کرکے صحیح تعلیم کے ساتھ عقلی مذہب کو منطبق کیا جائے اور یونانی ولاطینی علم ادب کی تعلیم کو مسلسل وسعت دی جائے۔ بڑے بڑے متعصب اہل کلیسا بہت جلد اس تعلیم سے خائف ہوگئے۔ مور نے اس کو لکھا تھا کہ "تعجب نہیں کہ آپ کے مدرسے سے ایک طوفان برپا ہو جائے۔ اس کی مثال اس لکڑی کے گھوڑے کی سی ہے، جس میں غیر مہذب ٹرائے کو تباہ کرنیکے لئے مسلح یونانی چھپے ہوئے تھے۔" مگر اس خوف کا کچھ اثر نہ ہوا۔ یونانی زبان نہ صرف موجودالوقت مدارس میں آہستہ آہستہ داخل ہو گئی، بلکہ ایک گروہ کے گروہ نے کالٹ کے طرز تعلیم کی پیروی شروع کردی۔ گزشتہ تین سو برس میں جتنے ابتدائی مدارس قائم ہوئے تھے، اس سے زیادہ مدرسے تنہا ہنری کے آخری دور حکومت میں قائم ہوگئے۔ "علوم جدیدہ" کا فوری اثر جب گزر گیا تو قیام مدارس کی تحریک سست ہونے کے بجائے اور زور دار ہوگئی، اڈورڈ ششم اور ایلزبتھ کے وقت کے ابتدائی مدارس اسی درخت کے ثمرہ تھے جسے کالٹ نے سینٹ پال میں بویا تھا، خلاصہ یہ کہ متوسط تعلیم کے جس طریقے نے صدی کے آخر ہوتے ہوتے

انگلستان کی حالت بدل دی تھی، اس کی ابتدا کالٹ ہی سے ہوئی تھی۔ مگر مور کے "اولوالعزم یونانی" یہیں تک رکے نہیں رہے، انہوں نے ملک کی اعلیٰ تعلیم کے اصلاح کے وسیع میدان میں بھی قدم رکھا۔ "تعلیمات جدیدہ" کا دارالعلوموں پر یہ اثر ہوا کہ گویا مردہ زندہ ہوگیا۔ ارسمس کسی وقت میں خود کیمبرج میں یونانی کا مدرس رہ چکا تھا، وہ وہاں کی یہ تصویر کھینچتا ہے کہ "تیس
۱۵۱۶ برس پہلے وہاں پر والاجیکلیا (Porva Logicalia)تصانیف الگزنڈر، ارسطو کی فرسودہ مشقوں اور اسکوٹس کے "سوالات" کے سوا اور کچھ سکھایا نہیں جاتا تھا، جس قدر زمانہ گزرتا گیا اسی قدر بہتر علوم شامل ہوتے گئے۔ ارسطو کے نئے تصانیف اور یونانی علم ادب داخل درس ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دارالعلوم اب ایسی رونق پر ہے کہ وہ اس زمانے کے بہترین دارالعلوموں کا مقابلہ کرسکتا ہے۔" لیٹمر اور کروک نے اطالیہ سے واپس آکر کیمبرج میں ارسمس کے کام کو جاری رکھا، اور فشر (اسقف روچسٹر) نے جو خود اس نئی تحریک کے علمائے سابقین میں سے تھا، اپنی پوری قوت سے ان لوگوں کو مدد دی۔ لیکن آکسفورڈ میں اس نئی تحریک کی سخت مخالفت ہوئی۔ اس اختلاف کو لڑکوں نے اپنا کھیل بنا لیا اور "علوم جدیدہ" کے طرفدار و مخالف ایک دوسرے کے حریف بن کر اس میں شریک ہوتے تھے۔ بادشاہ نے خود علوم جدیدہ کے ایک سخت ترین دشمن کو وڈسٹاک میں طلب کرکے حکم دیا کہ دارالعلوم کے منبر پر سے علوم جدیدہ

کی مخالفت کے وعظ کہنا ترک کردے۔ واعظ نے کہا کہ اس پر
روح القدس کا اثر پڑ گیا تھا۔" بادشاہ نے اس کا یہ دنداں شکن
جواب دیا کہ "بیشک "روح کا اثر تھا" مگر یہ روح عقل کی روح
نہیں بلکہ حماقت کی روح تھی۔" بہرحال آکسفورڈ میں بھی مخالفت
کا بہت جلد خاتمہ ہو گیا۔ فاکس اسقف ونچسٹر نے اپنے نئے
کالج کارپس کرسٹی میں سب سے اول یونانی زبان کی تعلیم کا
انتظام کیا، اور بعد میں بادشاہ کی طرف سے یونانی کا ایک ۱۵۲۰
پروفیسر بھی مقرر ہو گیا۔ ایک شخص اس وقت کی چشم دید کیفیت
لکھتا ہے کہ طلبہ یونانی علم ادب کی طرف دوڑے پڑتے ہیں،
اور اس کے حاصل کرنے کے لئے وہ راتوں کا جاگنا، بھوکا رہنا، اور
ہر طرح کی محنت گوارا کرتے ہیں۔" آخر وہ دن آگیا کہ کارڈنل کالج
کی عالیشان عمارت بلند ہوئی اور وہاں کی مدرسی کے لئے وولزی
نے یورپ کے موجودالوقت علما میں سے سب سے بڑے عالم
کو طلب کیا، اور اس کے کتب خانہ کے لئے اس نے یہ وعدہ
کیا کہ پوپ کے محلسرا کی تمام کتابوں کی نقلیں منگا دے گا۔

تعلیمات جدید اور کلیسا

درس و تدریس کی اصلاح سے گزر کر "تعلیمات جدیدہ" نے
مذہب کی اصلاح پر بھی زور دینا شروع کیا۔ وارہم بدستور اس
نئی تحریک کو اپنی حمایت میں لئے ہوئے تھا، اور اسی کے حکم
سے کالٹ کو یہ موقع ملا کہ پادریوں کی مجلس میں وہ ایسے
خیالات ظاہر کرے جن سے "تعلیمات جدیدہ" کا مذہبی منشا پوری
شد و مد سے عیاں ہو جائے۔ اس پرجوش واعظ نے کہا کہ

"کاش آپ لوگ ذرا اپنے نام اور اپنے کام کا پاس کرتے اور کلیسا کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جاتے" اس وقت سے زیادہ کبھی اصلاح کی ضرورت نہیں ہوئی تھی، اور کبھی کلیسا کی حالت اس وقت سے زیادہ پر زور مساعی کی محتاج نہیں تھی۔" آگے چل کر اس نے کہا کہ "ہمیں مرتدوں سے مشکلات پیش آ رہے ہیں۔ مگر ان کے مرتدانہ کارروائیوں میں کوئی کارروائی بھی ہمارے لئے اور تمام قوم کے لئے اس سے زیادہ ضرر رساں نہیں ہے، جس قدر خود اہل کلیسا کے فاسقانہ اور مبتذل اطوار ہمیں نقصان پہنچا رہے ہیں۔" کالٹ کی رائے میں اور پادریوں کی اصلاح سے مقدم اساقفہ کی اصلاح ہونا چاہئے تھی، اس کے بعد ان پادریوں کی اصلاح کے اثر سے عوام میں مذہبی تجدید پیدا ہو جاتی۔ اوقاف کا جمع کرنا اور پادریوں کو تعیش و دنیاداری میں منہمک رہنا ترک کرنا چاہئے۔ مقتدیان دین کو چاہئے تھا، کہ وہ توجہ کے ساتھ وعظ کہیں، درباداری کو ترک کریں، اور اپنے اپنے حلقوں میں محنت کے ساتھ کام کریں، اچھے کام کرنیوالوں کے درجے اور تنخواہ میں ترقی ہونا چاہئے تھی۔ پادریوں کیلئے اپنے حدود کے اندر رہنا لازمی قرار پانا، اور ان کے اخلاق کی پست سطح کو بلند کرنا چاہئے تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ "تعلیمات جدیدہ" کے لوگ کسی عقیدے کی اصلاح نہیں کرنا چاہتے تھے، بلکہ وہ صرف طرز زندگی کی اصلاح چاہتے تھے۔ وہ کوئی ایسا انقلاب نہیں کرنا چاہتے تھے، جس سے قدیم توہمات فوراً کافور

۱۵۱۲

ہو جائیں، بلکہ وہ مذہب کی ایک نئی روح پیدا کرنا چاہتے تھے۔ جس سے یہ توہمات ازخود ناپید ہو جاتے۔ اسقف لندن نے کالٹ پر شروع ہی میں ارتداد کا الزام لگایا، مگر داہم نے اسے بچا لیا، اور جب ہنری سے یہ کہا گیا کہ وہ اس واعظ کو اپنی خدمت میں نہ رکھے تو اس نے کالٹ کو یہ سمجھا دیا کہ وہ جرأت کے ساتھ اپنا کام کرتا رہے، اور مخالفین کے ساتھ ایک طولانی گفتگو کے بعد نوجوان بادشاہ نے کہا کہ "ہر شخص کو اپنا معلم خود تجویز کرنا چاہئے اور ہر شخص کو اپنے معلم کی رائے پر چلنا چاہئے، یہ شخص میرا معلم ہے۔"

ہنری اور فرانس

یہ نئی اصلاح صرف اسی صورت میں بارآور ہوسکتی تھی، کہ خاموشی کے ساتھ علم کی اشاعت ہو، اور آہستہ آہستہ لوگوں کے خیالات روشن ہوتے جائیں، لیکن اس مقصد کے کماحقہ کامیابی کے لئے جس شے کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، وہ امن تھا۔ نوجوان بادشاہ سے اہل علم کو بہت کچھ توقع تھی لیکن اس کے خیالات جنگ کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ فرانس و انگلستان کے مابین اگرچہ مدت دراز تک صلح قائم رہ چکی تھی، مگر انگلستان نے تاج فرانس کے خیال کو فی الحقیقت ترک نہیں کیا تھا، اور ہنری کو نارمنڈی اور گی این کے متعلق انگلستان کے قدیم دعووں پر ناز تھا، اڈورڈ چہارم اور ہنری ہفتم دونوں امن کے اصول پر قائم رہے تھے، اور اس امن میں اگر خلل پڑا تو صرف اس لاحاصل کوشش سے کہ انہوں نے برٹنی کو

فرانس کے حملے سے بچانا چاہا، لیکن جب لیوئس یازدہم نے
بڑی بڑی ریاستوں کو معدوم کردیا، اور تمام انتظام ملک کو
ایک مرکز پر جمع کرلیا، تو فرانس کی بادشاہت اتنی وسیع و
قوی ہو گئی کہ یورپ کی کوئی دوسری بادشاہت اس کی ہمسری
کا دعوی نہیں کرسکتی تھی، فرانس کا اگر کوئی مد مقابل ہوسکتا
تھا تو وہ اسپین تھا۔ کیسٹائل اور اراگان کے متحد ہوجانے
سے اسپین ایک بڑی سلطنت بن گیا تھا، اور فرڈیننڈ نے
اپنے وقار و تدبر سے اس طاقت کو اور زیادہ بڑھانے کی
یہ صورت نکالی کہ اپنی وارثہ تخت و تاج بیٹی کا عقد شہنشاہ
میکسیملین کے بیٹے آرچ ڈیوک فلپ سے کردیا۔ ہنری ہفتم تنہا
فرانس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا تھا، اس لئے اپنے اس
"موروثی دشمن" سے محفوظ رہنے کی اس نے یہ تدبیر کی کہ اسپین
سے اتحاد پیدا کرلیا، اور اس اتحاد کو پختہ کرنے کے لئے اپنے
بڑے بیٹے آرتھر کا عقد فرڈیننڈ کی بیٹی کیتھرین سے کردیا۔ نوجوان ۱۵۰۱
شہزادے کی موت سے یہ تعلق ٹوٹ گیا، لیکن اسپین کی
کوششوں سے پوپ نے یہ اجازت دیدی کہ کیتھرین کا عقد اس
کے متوفی شوہر کے بھائی سے کردیا جائے۔ اسی اثناء میں فرانس
اور اسپین میں جنگ چھڑ گئی تھی، اور ہنری یہ چاہتا تھا کہ
دونوں میں توازن قائم رہے، اس لئے اس نے اس تجویز کی
مخالفت کی مگر خود ہنری ہشتم نے تخت نشیں ہوتے ہی کیتھرین
سے شادی کرلی۔ ہنری اپنی حکومت کے شروع میں کئی برس

سیر و شکار اور عیش و عشرت میں اس طرح منہمک رہا، کہ معلوم ہوتا تھا، کہ اس کی تمام قوت اسی میں صرف ہو رہی ہے، مگر فی الحقیقت وہ بہت غور سے اس وقت کی تاک میں تھا، کہ فرانس کی بڑھی ہوئی اولوالعزمی سے اسے پرانی مخاصمت کے تازہ کرنے کا موقع ملے، لیوئس یازدہم کے جانشینوں نے اپنی کوششیں اطالیہ کے فتح کرنے کی طرف منعطف کردی تھیں، چارلس ہشتم کے آلپس کے قطع کرنے اور ایک ہی ضرب میں اٹلی پر حاوی ہو جانے سے، فرانس اس عظمت و رفعت پر پہنچ گیا، کہ قرب و جوار کی کوئی سلطنت اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتی تھی، چارلس کا جانشین، لیوئس دوازدہم نیپلز سے دوبار پسپا ہونے کے باوجود بھی، ملان، اور شمالی اطالیہ کے بیشتر حصہ پر قابض رہا، اور اتحاد کیمبرے میں وینس کے برباد ہو جانے سے وہ آخری اطالوی سلطنت بھی خاک میں مل گئی، جس سے یہ توقع ہو سکتی تھی، کہ تمام جزیرہ نما پر فرانس کو اپنا تسلط قائم کر لینے سے روک سکے گی۔ فرانس کو ملان سے نکالنے کے لئے فرڈیننڈ کی کوششوں سے ایک اتحاد قائم کیا گیا۔ پوپ کی سرپرستی کی وجہ سے اس اتحاد کا نام "اتحاد مقدس" رکھا گیا۔ اس کوشش میں شہنشاہ سے قرابت داری کے باعث بھی فرڈیننڈ کو مدد ملی اور وینس اور جولیس ثانی اور جنگجو ہنری نے بھی اس کی تائید کی، اور بقول جولیس "وحشیوں کو آلپس کے پار بھگا دیا گیا" مگر فرڈیننڈ

نے ناعاقبت اندیشی یہ کی کہ اس جنگ میں اسی انگریزی فوج
سے کام لیا جو گی این پر حملہ کرنے کی غرض سے مقام
فونتارابیہ میں اتری تھی، اور خود اپنی فوج کو نوار کی فتح کرنے
میں لگا دیا، انگریزی فوجیں روگرداں ہوکر وطن کو چلی گئیں۔
اور لوگوں نے یہ طعنہ دینا شروع کیا، کہ انگریزوں میں جنگ
کی قابلیت نہیں ہے، مگر وقت آنے پر ہنری کی ہمت
بلند ہوگئی، اور وہ خود بذات خاص شمال فرانس میں اترا،
اور گین گیٹ کے قریب اچانک ایک فرانسیسی رسالے کو
تباہ کرکے قلعہائے ٹیرواَن اور ٹورنے پر قابض ہوگیا، چونکہ ۱۵۱۳ع
اس یورش میں خونریزی بہت ہی کم ہوی تھی، اس وجہ سے
اس کا نام "جنگ ہمیز" پڑگیا، یہ نوجوان فاتح اپنے "موروثی حصہ
فرانس" کے واپس لینے کے لئے نہایت اشتیاق کے ساتھ بڑھتا
جارہا تھا، کہ یکایک فرڈیننڈ نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اتحاد
ٹوٹ گیا اور وہ بالکل تنہا رہ گیا۔ لیکن ہنری نے اس اثنا
میں بہت کچھ نفع حاصل کرلیا تھا۔ فرانس کا زور ٹوٹ گیا تھا،
پوپ آزاد ہوگیا تھا، اور انگلستان کا شمار دوبارہ یورپ کی
بڑی طاقتوں میں ہونے لگا تھا، مگر اس کے باپ کا اندوختہ
ختم ہوچکا تھا، رعایا روپیہ دیتے دیتے تنگ آگئی تھی، اس لئے
باوجودیکہ ہنری اپنے غیر ملکی رفیق کی غداری سے نہایت درجہ
طیش میں تھا، مگر مجبور ہوکر اسے صلح کرلینا پڑی۔

امن اور تعلیمات جدیدہ

آتش جنگ کا اس طرح یکایک بھڑک اٹھنا اور جس

بادشاہ سے ایک "سلسلہ جدید" کے وقوع پذیر ہوجانے کی توقع تھی، اس کا اس طرح فتوحات کے درپے ہوجانا "تعلیمات جدیدہ" کی امیدوں کے لئے سخت مضر ثابت ہوا۔ سینٹ پال کے منبر پر سے کالٹ کی آواز گرج کی طرح گونج گئی کہ "جنگ کیسی ہی واجبی و روا کیوں نہو، مگر نا واجبی صلح اس سے ہر حال میں بہتر ہے۔ لوگ جب بغض و حرص کی وجہ سے لڑتے اور ایک دوسرے کو تباہ کرتے ہیں، تو وہ عیسیٰ کے جھنڈے کے نیچے نہیں، بلکہ شیطان کے جھنڈے کے نیچے لڑتے ہیں۔" اریسمس، کیمبرج کو چھوڑ کر چلا گیا اور ایک سخت طنز آمیز تحریر میں اپنے گرد و پیش کے حالات کو "دیوانگی" سے تعبیر کیا۔ اس کے ان الفاظ نے اس زمانے کے لوگوں کو چونکا دیا ہوگا، کہ "رعایا شہروں کو آباد کرتی اور بادشاہ اپنی دیوانگی میں انہیں ویران کرتے ہیں۔" اس کے نزدیک اس زمانے کے بادشاہ شکاری پرندوں کے مانند اپنے مضبوط چونچ اور پنجوں سے بنی نوع انسان کی محنت کی کمائی اور اس کے علم و ہنر کو غارت کر رہے تھے۔ اس نے بادشاہوں کی نہایت سخت ہجو کی ہے، ایک جگہ کہتا ہے کہ "بادشاہوں کو خدائی صفات سے متصف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں انسانی صفات تک کا پتہ نہیں ہے انہیں اٹل سمجھا جاتا ہے مگر وہ ہر میدان جنگ سے بھاگتے رہتے ہیں۔ انہیں صاحب حلم و سکون کہا جاتا ہے، اور حالت یہ ہے کہ اپنے طوفان جنگ سے وہ دنیا کو تہ وبالا کر ڈالتے ہیں۔ انکی چمک دمک کا شہرہ ہے اور وہ تمام شریفانہ خصائل سے معرا ظلمت میں پڑے ہوتے ہیں۔ مذہبی بنتے ہیں

اور دنیا کی تمام چیزوں کی پیروی کرتے ہیں، اور نہیں پیروی کرتے ہیں تو عیش کی۔ عقلمند اگر بادشاہ کا نمونہ دیکھنا چاہے تو تمام چڑیوں کو چھوڑ کر عقاب کو دیکھے، یہ چڑیا نہ خوبصورت ہے نہ خوش آواز ہے، اور نہ کھانے کی مصرف کی ہے، ہاں خونخوار، حریص، قابل نفرت اور ایک بلائے بے درماں ہے، نقصان رسانی کی اس میں ایسی طاقت ہے کہ اگر وہ خود اپنے کو نہ روکے تو کوئی دوسری شے اسے روکنے والی نہیں ہے"۔ ازمنہ جدیدہ کی تاریخ میں، یہ پہلا موقع تھا کہ مذہب نے خود کو بادشاہوں کی حرص و آز اور جنگ کے مصائب سے باضابطہ طور پر علیحدہ کرلیا، اور تنقید کے نئے جوش میں ان سیاسی مسلمات پر جن میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں سمجھی جاتی تھی، نہ صرف اعتراض کیا بلکہ ان سے انکار کردیا آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ ایک اور بڑے فلسفی نے ان نئے خیالات کو کس حد تک پہنچایا، مگر سردست یک بیک صلح کے ہو جانے سے تعلیمات جدید کا غیظ و غضب فرو ہوگیا اور اس کی قوت عملی اغراض کی طرف پھر گئی۔ ہنری نے تعلیمات جدیدہ کی امیدوں پر کیسا ہی پانی کیوں نہ پھیر دیا ہو پھر بھی وہ اس کا طرفدار ہی تھا۔ اسکی زندگی میں ہرطرح کے ہولناک تغیرات ہوتے رہے، مگر اس کا گھر ہمیشہ اہل علم کا مسکن بنا رہا۔ اس کا لڑکا اڈورڈ ششم یونانی و لاطینی دونوں میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی لڑکی میری لاطینی میں اچھی طرح خط و کتابت کر سکتی تھی، ایلزبتھ کا ہر روز

پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ ایک گھنٹہ بھر یونانی ایکیل، سوفوکلیس کے قصے ڈماستھینیس کی تقریریں پڑھا کرتی تھی، دربار کی بیگمات نے بھی شاہی روش کی تقلید کی اور وہ بھی اکثر افلاطون کے تصانیف کی ورق گردانی کیا کرتی تھیں۔ ہنری کے وزرا اپنے عادات و خصائل میں اگرچہ ایک دوسرے سے نہایت مختلف تھے، مگر اپنے وقت کے علم کی سرپرستی اور خود اس میں شرکت کرنے میں سب یکساں تھے، اس لئے گروہ علمائ کا اضطراب بہت جلد رفع ہو گیا، لائینکر کے ہم سبق اور ارسمس کے دوست لیو دہم کے پوپ منتخب ہو جانے سے معلوم ہوتا تھا، کہ تمام ممالک عیسوی تعلیمات جدیدہ کے زیر اثر آجائیں گے فتنہ پرداز و حریص جولیس کا دور ختم سمجھا جانے لگا۔ نئے پوپ نے عام صلح کا اعلان کردیا۔ اس کے دربار کے ایک انگریزی گماشتہ نے لکھا تھا کہ "لیو علوم و فنون کی سرپرستی اور عمارات کے بنانے میں کوشش کریگا۔ اور جب تک وہ واقعی مجبور نہ ہو جائے۔ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوگا" تاریخ مابعد میں ان الفاظ کے عجیب و غریب معنی پیدا کئے گئے۔ وولزی کی نئی وزارت میں انگلستان نے معاملات براعظم میں ہر طرح کی عملی مداخلت ترک کردی، اور بقائے امن کے لئے ویسا ہی آمادہ ہو گیا، جیسا خود پوپ لیو تھا۔ کالٹ اپنی تعلیمی کوششوں میں سرگرم تھا، ارسمس برابر وہ تمام کتابیں انگلستان بھیج رہا تھا، جو انگریزوں کی فیاضی سے

وہ ممالک غیر میں مہیا کر سکتا تھا، وارہم نے جیسی کشادہ دلی
سے کالٹ کی حمایت کی ویسی ہی فیاضی سے وہ ارسمس کی
بھی مدد کرتا تھا، یہ زبردست عالم جس زمانے میں کیمبرج میں
قیام پذیر تھا تو وارہم ہی کی ہمت افزائی سے اس نے سینٹ جروم
کے تصانیف کو مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ شایع ہونے پر
یہ کتاب اسقف اعظم ہی کے نام معنون کی گئی۔ وارہم
کے نام کی آڑ میں ارسمس کا بے خوف و خطر ایک ایسی کتاب
کا شایع کرنا جو تمام ممالک عیسوی کو اناجیل کی صحیح تنقید
کی طرف بلاتی ہو اور اپنے دیباچے میں وارہم کو نہایت
صاف گوئی کے ساتھ مخاطب کرنا، صاف یہ ظاہر کر رہا تھا کہ
اس مقتدائے اعظم کو "تعلیمات جدیدہ" کی اعلیٰ ترین کوششوں
سے کیسی کامل ہمدردی تھی۔ منقولات کے مقابل اس استحکام
کے ساتھ تحقیقات کا جوش کسی دوسری جگہ نہیں پایا جاتا۔ ارسمس
نے لکھا تھا کہ "اگر حق محض منقولات پر مبنی ہے تو صورت
دوسری ہے۔ ورنہ معمولی مجالس مذہبی اور ان کے احکام بلکہ
خاص مجالس بھی غلطیوں کے دبانے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں
اور معتقدات جس قدر تعداد میں زیادہ ہوتے جائیں گے،
اسی قدر ارتداد کے لئے زیادہ زرخیز زمین مہیا ہوتی جائے گی۔
مذہب عیسوی کبھی اس سے زیادہ صاف و بے غل و غش
نہیں تھا، جبکہ دنیا ایک طریقے پر قانع تھی، اور موجودہ زمانہ
کے تمام طریقوں میں وہ طریقہ سب سے زیادہ مختصر تھا۔"

تصانیف سینٹ جروم مرتبہ ارسمس

بہت جلد وہ زمانہ آنے والا تھا جب ممالک عیسوی میں ”اُعترافات اُڈکبرگ“ ”عقائد پوپ پی اس“ ”مکالمات وسٹ منسٹر“ اور سی ونہ دفعات مذہب کی سی کتابوں سے معتقدات کا ایک سیلاب رواں ہو جائے۔ اس حالت کے پیش آنے کے قبل ہی ارسمس نے اس کے خلاف جس قسم کے عقلی وعملی استدلال کئے ہیں انہیں پڑھ کر اس وقت تک دل پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ تصانیف جرومؔ کے دیباچے میں ارسمس نے جن اصول پر زور دیا تھا انہیں یونانی کتاب مقدس کے اڈیشن میں اس نے اور بھی زیادہ شرح و بسط سے بیان کیا۔ یونانی کتاب مقدس کے اڈیشن کی ترتیب کیمبرج میں اس کے سپرد ہوئی تھی اور اس کی تیاری تمام تر انگریزی علما کی ہمت افزائی و امداد پر منحصر تھی، بجائے خود بھی یہ کتاب اہل کلیسا کی روایات کی علانیہ مخالف تھی، اس سے جرومؔ کا لاطینی ترجمہ بیکار ہو گیا، جسے کلیسا میں قبولیت عامہ حاصل ہو چکی تھی۔ ارسمس کا ترجمہ مسلمہ عقائد پر نہیں بلکہ اصل عبارت کے واقعی معنی پر مبنی تھا۔ اس کا مقصود وہی تھا جس کے لئے کالٹ نے اپنے لکچروں کے ذریعہ سے آکسفورڈ میں کوشش کی تھی۔ ارسمس کی خواہش یہ تھی کہ کلیسا کے بجائے خود حضرت عیسیٰ کا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرے، اور عیسوی صاحبان شریعت کی تعلیمات کے بجائے خود بانیٔ عیسائیت کی تعلیمات کی طرف لوگوں کو متوجہ کرے۔

انجیل مرتبہ ارسمس

اس کے نزدیک اناجیل کی بڑی خوبی یہ تھی کہ پڑھنے والوں کو صاف یہ معلوم ہو کہ وہ ہو بہو عیسیٰ کی شخصیت کو معاینہ کر رہے ہیں۔" اگر ہم خود اپنی ان آنکھوں سے مسیح کو دیکھتے تو بھی ہمیں آپ کا اس قدر صحیح علم نہ ہوتا جس قدر ان انجیلوں کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ ہم آپ کو اس طرح باتیں کرتے، مریضوں کو شفا دیتے، رحلت فرماتے اور پھر زندہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ گویا یہ تمام واقعات ہماری نظروں کے سامنے پیش آرہے ہیں۔" حضرت عیسیٰ کی شخصی پرستش کے سامنے ازمنہ وسطی کی تمام توہماتی پرستش ناپدید ہوگئی۔" اگر کسی جگہ کی نسبت ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ کے قدم پڑے ہیں، تو ہم جھک جاتے اور اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ ان کتابوں میں ہم آپ کی جیتی جاگتی تصویر دیکھتے ہیں اور اس کی عزت و توقیر نہیں کرتے؟ حضرت عیسیٰ کی محبت کی وجہ سے ہم آپ کی لکڑی اور پتھر کی مورتوں کو زر و جواہر سے آراستہ کرتے ہیں۔ مگر با ایں ہمہ ان تصاویر سے صرف آپ کی جسمانی شباہت ظاہر ہوتی ہے۔ برخلاف ازیں یہ کتابیں آپ کے روحانی تقدس کی زندہ تصاویر ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔" اس طرح پر حضرت عیسیٰ کی حقیقی تعلیم کی اشاعت سے کلیسا کی قدیم پراسرار تعلیمات کو پست کردیا گیا تھا۔ ارسمس جوش میں بھرا ہوا کہتا ہے

کہ یہ نازک خیالیاں، جنہیں شاید ہی چند علمائے مذہب سمجھ سکتے ہوں، اس طرح پیش کی جاتی ہیں گویا وہ حضرت عیسیٰ نے تعلیم کی ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ عیسوی مذہب کی قوت کا دار و مدار اس پر ہے کہ لوگ اس کے سمجھنے سے قاصر رہیں، آگے چل کر وہ اپنی خاص ہجو ملیح کے انداز میں لکھتا ہے کہ "بادشاہوں کے اسرار سلطنت کا چھپانا ایک مامون و مصئون طریقہ کہا جاسکتا ہے، مگر حضرت مسیح کی مرضی تو یہ تھی کہ آپ کے اسرار تا حد امکان علانیہ طور پر ہر طرف شایع کئے جائیں" وہ اسی ضرورت پر زور دیتا تھا کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کی عام واقفیت اور ان کی عام اشاعت سے ایک شایستہ عیسائیت کی بنیاد قائم کرنا چاہئے۔ جس کلیسا نے وکلف کے وقت سے عام زبان میں کتاب مقدس کے ترجمہ کرنے اور اس کے پڑھنے کو ارتداد اور اس جرم کی سزا زندہ جلا دینا قرار دے رکھا تھا، اسی کلیسا کے مقتدائے اعظم کی درپردہ تائید سے ارزیمس کی یہ جرأت ہوئی کہ اس نے کتاب مقدس کی عام اشاعت اور اسے عام فہم بنانے کی خواہش ظاہر کی "میری تمنا یہ ہے کہ ایک کمزور ترین عورت بھی کتب مقدس اور سنٹ پال کے مکتوبات کو پڑھ سکے۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ تمام زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو جاتا، کہ ان کا مطالعہ صرف اہل اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ تک محدود نہ رہتا، بلکہ عرب،

اور ترک، بھی انہیں پڑھ سکتے، لیکن اس مقصد کے حاصل کرنیکا پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ ان کتابوں کو اس قابل بنایا جائے کہ پڑھنے والا انہیں سمجھ سکے۔ مجھے اس دن کی آرزو ہے جب ہل چلاتے وقت کسان انجیل کے فقرے آپ ہی آپ گاتا جائے جب جولاہا اپنے کرگھے پر انجیل ہی کے الفاظ گنگناتا رہے جبکہ مسافر اپنی تکان سفر کو رفع کرنے کے لئے انجیل ہی کے قصے کہے یا سنے" ارسمیس کے "عہد نامہ جدید" کا تذکرہ اس وقت ہر شخص کی زبان پر تھا، دربار میں، دارالعلوموں میں اور ہر گھر میں، جہاں "تعلیمات جدیدہ" کا اثر پہنچا تھا یہی انجیل پڑھی جاتی تھی، اور اسی کا چرچا رہتا تھا، مگر باوجود اس جرأت و بے باکی کے وارہم نے نہ صرف اس کتاب پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، بلکہ اس نے مصنف کو لکھا کہ وہ اس کتاب کو دوسرے اساقفہ کو بھی دیتا رہتا ہے۔ اس کے مددگاروں میں سب سے زیادہ با اثر شخص فاکس اسقف ونچسٹر تھا اس کا قول تھا کہ "محض یہ ترجمہ دس تفسیروں کے برابر ہے" اور انہیں میں سے ایک بہت ہی بڑے ذی علم شخص فشر اسقف روچسٹر نے ارسمیس کو اپنے گھر مہمان رکھا +

ٹامس مور

"تعلیمات جدیدہ" کی یہ کوششیں تعلیمی و مذہبی اصلاح کے متعلق جیسی کچھ آزادانہ اور امید افزا معلوم ہوتی ہیں وہ ظاہر ہے مگر سیاسی و معاشرتی تخیلات میں ٹامس مور کی کتاب "یوٹوپیا" نے بہت ہی وسیع اثر ڈالا، مور کا زمانہ طفولیت کارڈنل مارٹن کے

خاندان میں بسر ہوا تھا، اور وہیں اس کی ہونہار قابلیتوں سے نہایت ہی اعلیٰ امیدیں پیدا ہوگئی تھیں۔ یہ بڈھا مدبر اکثر کہا کرتا تھا کہ "جو شخص زندہ رہے گا، وہ دیکھ لے گا کہ یہ خدمت گزار لڑکا کسی وقت ایک عجیب و غریب شخص ہو جائے گا۔ ہم دیکھ چکے ہیں، کہ آکسفورڈ میں اس کے تعجب انگیز معلومات اور لطائف طبع نے کالٹ و ارسیمس پر کیا اثر ڈالا تھا۔ دارالعلوم سے جب وہ نکلا ہے تو بالکل ہی نوعمر تھا، مگر پھر بھی تمام یورپ میں اس نئی تحریک کے نہایت ممتاز لوگوں میں اس کا شمار ہونے لگا تھا۔ اس کی ایک تصویر ہالبائن کی کھینچی ہوئی موجود ہے۔ اس سے اس کا حلیہ یہ معلوم ہوتا کہ اس کا چہرہ ناتراشیدہ سا تھا، مگر اس سے تیزی ٹپکتی تھی، آنکھوں کا رنگ زردی مائل تھا اور ان سے بےچینی ظاہر ہوتی تھی۔ ہونٹھ باریک اور ملے ہوئے تھے، بال بھورے اور لٹکے ہوئے تھے۔ انداز و لباس سے بے پروائی ظاہر ہوتی تھی، اس تصویر سے اس شخص کی باطنی کیفیت کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے، کہ اس میں کیسی طباعی، کیسی بےچینی، کیسی ہمہ گیر ذہانت، کیسی تیز و بےباک ذکاوت موجود تھی، اس کے پرلطف اور کسی قدر غم افزا مذاق سے کبھی ہنسی آتی تھی، اور کبھی آنسو نکل پڑتے تھے۔ یہ صفات اس کے پاک و عمیق باطن پر درحقیقت ایک طرح کا پردہ تھے۔ انگلستان میں "تعلیمات جدیدہ" کی مذہبی تحریک میں مور کا درجہ کالٹ سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ مور کی تحریر نسبتاً زیادہ شیریں اور محبت آمیز

ہوتی تھی۔قانون کا یہ نوجوان طالب علم جو اپنے وقت کے
راہبوں کی وہم پرستی اور مشقت زاہدانہ پر ہنسا کرتا تھا خود اپنے
خالی جسم میں کمل کی قمیص پہنتا اور برداشت شدائد کی عادت
ڈالتا تھا، تاکہ فرقۂ کارتھیوزین کے مساکن میں اسے جگہ ملجائے
اس امر کو اس شخص کے مخصوصات میں سمجھنا چاہئیے کہ اطالیہ
کی "نشاۃ جدیدہ" کے تمام خوش فکر اور عیاش مزاج علماء دین
میں اس نے ساوونرولا کے شاگرد پیکوڈی مِراندولا کو سب سے
زیادہ پسند کیا، اہل تعصب اس کے دلیرانہ خیالات کو سنکر اسے
آزاد خیال قرار دیتے تھے۔مگر جب وہ اپنے دوستوں سے بہشت
اور حیات مابعد کا ذکر کرتا تھا تو اس کی آنکھیں چمکنے لگتی تھیں،
اور اس کی زبان لڑکھڑا جاتی تھی، شاہی ملازمت کے قبول
کرتے وقت اس نے صاف طور پر یہ شرط کردی تھی، کہ "وہ
اول خدا کے حکم کو دیکھے گا، بعدہ بادشاہ کے حکم کو" مگر اس کے
ظاہری انداز میں رہبانیت یا گوشہ نشینی کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا
تھا۔اس نوجوان عالم کی خوش گفتاری، اس کے دلفریب اطوار،
اس کے لاابالیانہ اشعار، موسیقی کے ساتھ اس کے وجدانی شوق
اس کے اچھی بری کتابوں کے مطالعے، اس کے متضاد خیالات،
راہبوں پر آوازے کسنے اور مدرسہ کے لڑکوں کے سے جوش آزادی
سے یہ معلوم ہوتا تھا، کہ "تعلیمات جدیدہ" کی تمام شگفتگی و آزادی
مجسم ہوکر ظاہر ہوگئی ہے، مگر وہ واقعات بہت جلد پیش آنیوالے
تھے، جن سے یہ ثابت ہوگیا، کہ اس شگفتہ مزاجی کے نیچے

ایک مستقل عزم مخفی ہے، فلورنس کے جن علما نے خودسر بادشاہوں کے خلاف لعنت ملامت کا طوفان بپا کر دیا تھا، ان ہی نے خاندان میڈیچی کے ظلم و خودسری پر خوشامد و چاپلوسی کے پردے ڈالے تھے مگر مور کی کیفیت یہ تھی کہ پارلیمنٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے پر زور دلائل اور پاس انصاف کی قوت سے ایک گراں امداد کے شاہی مطالبے کو نامنظور کرادیا۔ مور کی عمر اس وقت صرف چھبیس برس کی تھی، اہل دربار کہتے تھے، کہ "ایک بے ریش و بروت لڑکے نے بادشاہ کو زک دیدی" اور اس نوجوان قانون پیشہ کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ ہنری ہفتم کے بقیہ عہد حکومت میں معاملات عامہ میں دخل دینے سے کنارہ کش رہے۔ مگر اس کنارہ کشی سے اس کی چلبلی طبیعت پر بہت کم اثر پڑا۔ طبقہ وکلا میں اسے فوراً ہی نمود حاصل ہوگئی۔ اس نے اِس اثنا میں "اڈورڈ پنجم کی سوانح عمری" لکھڈالی۔ جدید انگریزی نثر کی یہ پہلی کتاب ہے جس کی صفائی زبان اور روانی بیان، پرانے انداز تحریر، اور قدما کی علمی تصنعات سے پاک ہے۔ پہلے وہ زاہدانہ زندگی بسر کرنے کے خواب دیکھا کرتا تھا، مگر گھر کی محبت نے ان خیالات کی جگہ لے لی۔ ہم جب اسے اس کے مکان واقع چلسی کے اندر دیکھتے ہیں، اس وقت ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ ارسمس کیوں اس کی محبت آمیز ثنا و صفت میں اس درجہ رطب اللسان رہتا تھا، اس نوجوان شخص کی تمنا یہ تھی کہ جس عورت کو اس نے اپنی بیوی

بنایا تھا اُسے اپنے مذاق کے موافق علم و موسیقی کا ماہر کردے عمر کی وجہ سے جو خودداری والدین کے برتاؤ میں پیدا ہو جاتی ہے، مور اپنے بچوں کے معاملہ میں اس کی مطلق پروا نہیں کرتا تھا، وہ خود انہیں تعلیم دیتا تھا اور مشکل علوم پر متوجہ کرنے کی لئے وہ انہیں روپیہ سے اور اپنے ذخیرۂ عجائبات سے ترغیب دلاتا تھا، لڑکوں کے پالو جانوروں اور کھیلوں کا وہ اسی قدر شایق تھا جسقدر لڑکے خود ان چیزوں کے شایق تھے، بڑے بڑے باوقار علماء اور مدبرین کو وہ باغ میں لیجاکر اپنی لڑکیوں کے خرگوش کے پنجرے اور بندر کے کھیل دکھلایا کرتا تھا۔ جب وہ گھر سے بہت دور سیاسی کاموں میں مشغول تہا، تو اس نے اپنے بچوں کو دلچسپ اشعار میں لکھا تھا کہ "میں نے تمہیں پیار بہت کیا مگر مارا کبھی نہیں"۔ ہنری ہشتم کی تخت نشینی نے اسے پھر گرداب سیاسیات میں پھنسنا پڑا۔ ارسیمس نے اسی کے مکان پر پریزآف فالی (تعریف حماقت) لکہی تھی، اور ایک دوسری کتاب بھی لکھی تھی جس کا لاطینی نام موریئے ان کومیئم (Moriae Encomium) تھا، اس میں اس نے مزاح ہی مزاح میں یہ دکھایا تھا کہ مور کی حد سے بڑی ہوئی دلگی کا وہ کس قدر شیدا تھا۔ اس کے اخلاف میں ایک شخص نے لکھا ہے کہ "اکثر لوگ دربار میں پہنچنے کی جس قدر سخت کوشش کرتے ہیں، مور اسیقدر یہ کوشش کرتا تھا کہ وہ دربار سے علحدہ رہے" نوجوان بادشاہ کو اس کی دلچسپ گفتگو میں

اس قدر لطف آتا تھا کہ " اسے مہینے میں ایکبار بھی اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ گھر جاکر اپنے بیوی بچوں میں وقت گزار سکے حالانکہ گھر میں رہنے کا وہ بے انتہا شایق تھا۔ اس لئے اس نے اپنی اصلی طبیعت کو پوشیدہ کرنا شروع کیا اور اس طرح آہستہ آہستہ کرکے اس کی سابقہ خوش مذاقی بالکل بدل گئی۔" ہنری کی طبیعت میں یک بیک جنگ کے خیالات پیدا ہو جانے سے جس طرح مور کے اور دوستوں کو نا امیدی ہوی تھی اسی طرح وہ خود بھی نا امید ہو گیا تھا، مگر صلح ہو جانے پر وہ پھر ہنری کا جانب دار بن گیا، اور بہت جلد اس نے ایک مشیر و مدبر کی حیثیت سے بادشاہ کا اعتماد حاصل کرلیا۔

یوٹوپیا ۱۵۱۶

مور کا بیان ہے کہ سلطنت "لامقام" کی اطلاع اسے اپنے ایک سفارتی دورے میں حاصل ہوئی تھی، "ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ شہر اینٹورپ میں حضرت مریم کے گرجا میں نماز ادا کرکے میں اپنے قیامگاہ کو جانیکا قصد کر رہا تھا کہ میری نظر اپنے دوست پیٹر جائلز پر پڑ گئی۔ وہ کسی اجنبی سے گفتگو کر رہا تھا، جو ایک عمر رسیدہ اور گرم و سرد زمانہ چشیدہ شخص معلوم ہوتا تھا، اس کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی، اور ایک کھلا ہوا چغہ اس کے کندھے پر پڑا تھا، اس کے انداز و لباس سے میں نے یہ قیاس کیا کہ ضرور یہ شخص ملاح ہے۔ جس گرجا کا یہ واقعہ ہے وہ شہر میں سب سے خوبصورت سب سے زیادہ شاندار اور سب سے زیادہ عجیب و غریب گرجا ہے اور لوگ بھی عبادت کے لئے سب سے زیادہ یہیں آتے ہیں؛ اس لئے ہر قسم کے آدمیوں کا یہاں ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں تھا۔" یہ ملاح امیرالبحر ویسپچی کی ہمراہی میں "نئی دنیا" کے سفروں میں جا چکا تھا،

ان سفروں کی کیفیت اب چھپکر ہر شخص کے ہاتھ میں پہنچ جائے گی"۔
مور کے کہنے سے یہ شخص اس کے ساتھ ہو لیا، اور مکان پر پہنچکر یہ دونوں شخص باغ کی ایک بنچ پر بیٹھ گئے، جس پر سبز گھاس پڑی ہوئی تھی، اور باہم باتیں کرنے لگے"، اس شخص نے اپنے عجیب و غریب اتفاقات کا ذکر کیا کہ کیونکر وسپیچی نے اسے امریکہ میں چھوڑ دیا اور کیونکر وہ خط استوا کے برابر برابر ملک میں آگے بڑھتا چلا گیا، اور آخر کار سلطنت "لامقام" میں جا پہنچا۔ اسی "لامقام" یا یوٹوپیا کا قصہ تھا جسے مور نے اپنی حیرت انگیز کتاب میں درج کیا ہے، اور جس سے "تعلیمات جدیدہ" کی اصلی و باطنی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ اِس وقت تک یہ تحریک علما اور اہل مذہب کے اندر محدود تھی اور اس کی تجاویز اصلاح خالصتہً ذہنی و مذہبی تھے؛ مگر مور نے جن خیالات کے اثر سے تعلیم و مذہب کے قدیم صورتوں کو بیکار قرار دیا تھا، انہیں خیالات کی وجہ سے اِس نے معاشرت و سیاسیات کے قدیم دستور پر بھی اعتراضات کئے۔ پندرہ سو برس کی عیسوی تعلیم نے جس دنیا میں معاشرتی نا انصافی، مذہبی تعصب اور سیاسی ظلم و جور پیدا کر دیا تھا، اس دنیا کو ترک کرکے یہ با مذاق فلسفی "لامقام" کی طرف متوجہ ہوتا ہے؛ جہاں محض انسان کی طبعی نیک خوئی کی کوششوں سے امن، مساوات، اخوت، اور آزادی کے وہ مقاصد حاصل ہو گئے تھے، جو قیام و نظام معاشرت کے اغراض اصلی ہیں؛ اس خواب نما سیر میں مور، اجرت، جرائم، آزادی رائے، اور حکومت کے اِن مسائل پر بحث کرتا ہے جو ازمنہ جدیدہ میں بہت تیزی کے ساتھ پیش آ رہے تھے، اگر وہ اتنا ہی کرتا کہ ان مسائل کو پیش کرکے ان پر بحث کر دیتا تو بھی

اس کی رسائی ذہن کا کافی ثبوت ملجاتا، مگر اس نے ساتھ ہی ساتھ اِن مسائل کے حل کرنے کے تدابیر بھی بیان کر دئے ہیں، اور اسی سے اِس کی دور بینی اور جدت طبع کا پوری طرح اظہار ہو جاتا ہے، اس کتاب میں جو زیادہ پرواز خیال کا نتیجہ یا اگلے خیالی لوگوں کے خواب وخیال کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے بہت سی وہ باتیں نظر آ جاتی ہیں، جنہیں ازمنۂ مابعد کی سیاسی تحقیقات سمجھا جاتا ہے مگر فی الحقیقت مور کی بلند پرواز ذکاوت پہلے ہی وہاں تک پہنچ چکی تھی۔ بعض مسائل میں تو وہ اس زمانے کے خیالات سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے۔ مسئلہ اجرت کی بحث اس دعوی کی شاہد ہے۔ اس کے خیال میں تمام نظام معاشرت "اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ امیروں نے غریبوں کے خلاف ایک سازش قائم کر رکھی ہے،" اقتصادی قوانین جس قدر نافذ ہوتے ہیں، ان کی غرض صرف اتنی ہوتی ہے کہ اس سازش کو قانون کا جامہ پہنا دیا جائے۔ "دولتمند ہمیشہ اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ خاص دغا یا عام قانون کے ذریعہ سے غریبوں کی روزانہ مزدوری میں سے کچھ اور کم کر لیں، اور جو ظلم ہو رہا ہے اسے قانون سلطنت کی مدد سے اور بڑھا دیں کیونکہ اگر یہ ظلم نہیں تو کیا ہے، کہ جن لوگوں سے سلطنت کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہو، وہی سب سے کم نفع میں رہیں، دولتمندوں کی پہلی فکر تو یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے ظلم سے حاصل کی ہوئی دولت کو محفوظ رکھیں، اور دوسری فکر یہ ہوتی ہے کہ غریبوں کے کام اور ان کی محنت کو کم سے کم قیمت پر اپنے مصرف میں لائیں، اور

اس سے نفع اٹھائیں، جس وقت اہل دولت یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ان حیلوں کو عوام کے نام سے شایع کریں تو معاً وہ قانون کی صورت اختیار کر لیتے ہیں"۔ نتیجہ یہ تھا کہ اجرت پیشہ لوگ ایسی ابتر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اس کے مقابلہ میں جانوروں کی زندگی بھی قابل رشک معلوم ہوتی تھی"۔ پیرز قلبہ راں کے وقت سے غربائے بے رحم کی ایسی آواز اور زرعی وصنعتی طریق کے ظالمانہ قوانین کے خلاف ایسا اعتراض کبھی سننے میں نہیں آیا تھا، ان بیانات کے بعد مور مسکراتا ہوا ممالک عیسوی سے "لامقام" کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ "لامقام" میں قانون کی غرض یہ ہوتی ہے کہ عامتہ الناس کو معاشرتی، صنعتی، ذہنی، اور مذہبی بہبود حاصل ہو اور خاصکر طبقہ اجیر کے تواعد پر نظر رکھی جائے۔ کیونکہ یہی طبقہ ایک منتظم دولت عامہ کی اصلی بنیاد ہوتا ہے، وہاں کے قوانیں اجرت کی غرض محض یہ ہوتی ہے کہ مزدوروں کو فائدہ پہنچے۔ مال و اسباب سب کی مشترک ملکیت تھی، مگر کام بھی سب کو لازماً کرنا پڑتا تھا۔ نئے اہل حرفہ کی درخواست پر کام کا وقت نو گھنٹے تک گھٹا دیا گیا تھا تاکہ کام کرنے والوں کو دماغی ترقی کا بھی موقع مل سکے"۔ بہبود عامہ کے نظم و نسق میں یہ غرض خاص طور پر مدنظر و ملحوظ ہوتی ہے، کہ دولت عامہ کے ضروری مشاغل و معاملات سے جو وقت بچ سکے، اس میں باشندگاں ملک جسمانی کاموں کو ترک کر کے دماغ کی آزادانہ ترقی ونشونما میں مصروف ہو جائیں، کیونکہ اس طرح پر انہیں زندگی کے مراحل کا طے کرنا آسان ہو جاتا ہے، سلطنت کی جانب سے

تعلیم کے ایک خاص طریقے کی وجہ سے "اہل یوٹوپیا" کو اپنی فرصت کا وقت تعلیم میں صرف کرنے کا موقع ملجاتا تھا، انگلستان میں نصف آبادی انگریزی کے پڑھنے تک سے معذور تھی مگر "لامکان" کا ایک ایک بچہ پوری طرح پڑھا لکھا ہوتا تھا۔ اہل ملک کی جسمانی ضروریات پر بھی ویسی ہی توجہ کیجاتی تھی، جیسی ان کے اخلاقی ضروریات پر ہوتی تھی۔ "یوٹوپیا" کے مکانات پہلے زمانہ میں بہت ہی پست ہوتے تھے اور ان کی ہئیت غریب گڈریوں کے جھونپڑوں کی سی ہوتی تھی اور ساخت کی کیفیت یہ تھی کہ جس قسم کی اچھی بری لکڑی ہاتھ آ جاتی تھی اسی کو نصب کرکے مٹی کی دیواریں اٹھا دیتے اور چھت کو پاٹ کر اس پر گھر بچھا دیتے تھے۔" یہ ہو بہو وہی نقشہ ہے جو مور کے زمانے میں انگلستان کے مکانوں کا تھا، گویا وہ مصیبت و مرض کے مساکن تھے۔ لیکن "یوٹوپیا" میں لوگ رفتہ رفتہ یہ سمجھنے لگے کہ روشنی، ہوا، آسایش اور صفائی کا اثر صحت پر پڑتا ہے، اور صحت و اخلاق کے درمیان گہرا تعلق ہے۔ اس لئے اب سڑکیں بیس فٹ چوڑی ہوتی ہیں، مکان کی پشت پر وسیع باغات ہوتے ہیں، خود مکانات بھی نہایت ہی بلند و شاندار ہوتے ہیں، اور نیچے اوپر کئی منزلیں ہوتی ہیں دیوار کا بیرونی حصہ یا تو سخت چقماق کا ہوتا ہے یا ان پر استرکاری کردی جاتی ہے، یا یہ بھی نہ ہو تو اینٹ لگادی جاتی ہے، اور اندرونی حصے شہتیروں کے ذریعہ سے خوب مضبوط کردئے جاتے ہیں

چھت صاف و ہموار اور ایسی پختہ ہوتی ہے کہ آگ سے بھی خراب نہیں ہوسکتی اور موسم کا مقابلہ کرنے میں جست کی چھت سے ہر طرح پر بہتر ہوتی ہے۔ شیشوں کا استعمال بافراط ہوتا ہے، ہوا کے روکنے کے لئے کھڑکیوں میں شیشے لگائے جاتے ہیں۔ یا روغن و عنبر میں بھیگا ہوا باریک کپڑا لٹکادیا جاتا ہے، اس سے دو فائدے ہوتے ہیں اولاً تو روشنی زیادہ آتی ہے دوسرے تند ہوائیں رک جاتی ہیں"

مسئلہ اجرت اور صحت عامہ کے متعلق مورؔ نے جس دور اندیشی سے بحث کی ہے، جرائم کی بحث میں اس سے بھی زیادہ وسیع النظری کا اظہار کیا ہے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ارتکاب جرم کی صورت میں سزا دینا انسداد جرم کے لئے اِس درجہ موثر نہیں ہے جتنا پہلے ہی سے وقوع جرم کا روکنا موثر ہے۔" اہل ملک کو خراب تعلیم دیجائے ان کے اخلاق بچپن ہی سے تباہ کئے جائیں اور جب وہ بڑے ہو جائیں تو انہیں جرموں کے لئے سزا پائیں جو بچپن سے سکھائے گئے ہیں۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ پہلے لوگوں کو چور بناؤ اور پھر انہیں سزا دو" وہ پہلا شخص تھا جس نے اپنے وقت کی بیرحمانہ سزاؤں کی حماقت ظاہر کی اور اس امر پر زور دیا کہ جرم و سزا کے درمیان ایک توازن ہونا چاہیئے۔" معمولی چوری ایسا جرم نہیں ہے کہ اس کی سزا موت ہو" اس کا استدلال یہ ہے کہ اگر

"ایک چور اور ایک قاتل دونوں کو یہ یقین ہو کہ انہیں ایک ہی سزا دی جائیگی تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ چور کو رغبت یہ ہوتی ہے کہ" وہ چوری کے ساتھ قتل کا بھی مرتکب ہو۔ بظاہر ہم چوروں کو عبرت دلاتے ہیں مگر بباطن ہم انہیں آمادہ کر دیتے ہیں کہ وہ نیک لوگوں کو قتل کریں،" اس کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام "سزاؤں کی غرض اصلاح ہونا چاہئیے"۔ صرف خرابیوں کا دور کرنا اور انسان کا بچانا مدنظر ہونا چاہئیے"۔ اس کی صلاح ہے کہ "مجرمین کے ساتھ ایسا برتاؤ اور ایسا معاملہ کرنا چاہئیے کہ ان کو کوئی مفر سوا اس کے باقی نہ رہے کہ وہ خود نیک بن جائیں، اور اپنی بقیہ زندگی میں اپنے سابقہ نقصان رسانیوں کی خود تلافی کریں،، سب سے بڑھکر وہ اس امر پر زور دیتا ہے، کہ اصلاحی سزا محنت و امید کی بنا پر ہونا چاہئیے، "تاکہ کوئی شخص اس امر سے نا امید و مایوس نہ ہو کہ اگر وہ آئندہ اچھے چال وچلن اور نیک روش اختیار کرنے کا ثبوت دے گا تو اس کی سابقہ آزادی پھر بحال ہو جائے گی" یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ گزشتہ سو برس میں انسداد جرائم کے متعلق جس قدر ترقیاں ہوئی ہیں، وہ سب ان اصولوں میں شامل تھیں، جنہیں مورؔ نے اتنے زمانہ پیشتر بیان کیا تھا۔ مذہبی معاملات کی بحث میں وہ اپنے اہل زمانہ سے نسبتاً اور بھی زیادہ آگے بڑھا ہوا تھا، انگلستان کے بڑے بڑے کمروں میں ہر کھانے کے بعد ہڈیاں پیال بچھے ہوے فرش پر

پھینک دی جاتی تھیں اور وہیں پڑی سڑا کرتی تھیں، دھواں چھت کے نیچے چکر لگاتا رہتا تھا، اور بے شیشے کی کھڑکیوں سے ہوا کے سناٹے آتے رہتے تھے، مگر "یوٹوپیا" کے مکانات کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی، اسی طرح انگلستان میں ہر طرف پھانسیاں بلند رہتی تھیں، مگر "یوٹوپیا" کے قانون جرائم کو اس سے کوئی مناسبت نہ تھی، یہ عجیب و غریب تفاوت تو صرف معاشرت کے معاملات میں تھا، مذہب کے معاملہ میں "لامقام" اور ممالک عیسوی کے درمیان اس سے بھی زائد تباین تھا، لامقام کے مذہب کی بنیاد محض فطرت اور عقل پر تھی۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ خدا کا مقصود انسان کی خوشی و خرمی ہے، اور بغیر کسی نفع عام کی غرض کے راہبانہ طور پر حظوظ انسانی کا ترک کر دینا واہب عطایا کی ناسپاسی ہے۔ عیسائیت بھی اس وقت تک 'یوٹوپیا' میں پہنچ چکی تھی، مگر پادری وہاں بہت ہی کم تھے۔ مذہب کا مرکز جماعت علما کے بجائے خاندان ہوتا تھا، اور ہر خاندان کے ارکان اپنے قصوروں کا اعتراف اپنے بزرگ خاندان کے سامنے کرتے تھے۔ اس سے زیادہ عجیب خصوصیت یہ تھی کہ عیسائیت اور قدیم مذاہب ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو صلح و آشتی کے ساتھ بسر کرتے تھے، ولیم (آرنج) سے ایک صدی سے بھی قبل مورؔ نے مذہبی رواداری کے اصول کو سمجھا اور اسے بالاعلان ظاہر کیا۔ "لامقام" میں ہر شخص آزاد تھا کہ جس مذہب کی چاہے پیروی کرے۔ جو لوگ خدا اور بقائے روح تک کے

قائل نہ تھے، ان سے بھی کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاتا تھا، بجز اس کے کہ وہ سرکاری خدمات میں داخل نہیں کئے جاتے تھے۔ یہ اخراج اگرچہ "یوٹوپیا" کی کامل مذہبی آزادی کے خلاف تھا، مگر فی الحقیقت اس اخراج کی وجہ اعتقاد نہیں تھا، بلکہ اس قسم کا خیال نوع انسان کے لئے باعث ذلت سمجھا جاتا تھا، اور لامحالہ اس خیال کے لوگ حکمرانی کے اعلیٰ فرایض کے اہل متصور نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن ان لوگوں کو بھی کسی قسم کی سزا نہیں دی جاتی تھی۔ کیونکہ اہل "یوٹوپیا" کا خیال یہ تھا کہ "انسان اس امر پر قادر نہیں ہے کہ وہ جس بات کو چاہے اس کا یقین اپنے دل میں پیدا کرلے" ہر شخص دلائل کے ذریعے سے اپنے مذہب کی اشاعت کر سکتا تھا، مگر کوئی شخص اس معاملہ میں کسی قسم کی زیادتی یا دوسرے مذاہب کی ہتک نہیں کر سکتا تھا، ہر فرقہ اپنے اپنے رسومات خانگی طور پر انجام دیتا تھا مگر اس کے ساتھ ہی تمام لوگ عبادت عامہ کے لئے ایک وسیع معبد میں جمع ہوتے تھے۔ یہ سب لوگ سفید کپڑے پہنے ہوتے تھے۔ اور ایک مذہبی پیشوا کے گرد (جس کا لباس نہایت ہی عجیب و غریب طور پر چڑیوں کے پروں کا ہوتا تھا) حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے تھے، ان کے بھجن اور نغمے ایسے ہوتے تھے جو سب کو گوارا ہوں۔ یہ عبادت عامہ یہ ظاہر کرنے کے لئے تھی کہ آزادی رائے اور اتحاد مذہب ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں ؎

جزو پنجم

وولزی

۱۵۱۵ — ۱۵۳۱

[اسناد- ہال نے ایک وقائع اڈورڈ ششم کے وقت میں لکھا تھا، گریفٹن نے ہنری ہشتم کے عہد کے لئے اسی کے طرز تحریر کی نقل کی ہے اور اس کے بعد ہالنشڈ نے اسکی پیروی کی ہے، لیکن وولزی کے انتظامات سے صحیح واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہمیں پروفیسر برو ور کے ان بیش بہا دیباچوں کی طرف توجہ کرنا چاہئے جو انہوں نے اس عہد کے "کاغذات سلطنت کی جنتری" میں شامل کئے ہیں، اور خود ان کاغذات کو بھی دیکھنا چاہئے]

تعلیمات جدید[ہ] اور ... مذہب ...

"لامقام" کی دولت عامہ میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کی نسبت اگرچہ مجھے امید نہیں ہے مگر تمنا ہے کہ خود ہمارے وہاں بھی ان کا رواج ہو جائے"۔ یہ وہ طنزیہ الفاظ ہیں جن پر مور نے "تعلیمات جدیدہ" کے تخیلات کی جامع اور اپنے طرز کی اس پہلی کتاب کو ختم کیا ہے۔ اس کتاب کے معاشرتی، مذہبی، اور سیاسی، اصلاحات کے تجاویز اگرچہ اس زمانہ میں صدا بہ صحرا سے زیادہ نہیں ثابت ہوئے مگر ازمنۂ مابعد میں آہستہ آہستہ وہ سب پورے ہوکر رہے۔ جس زمانے میں مور امیر و غریب کے ساتھ یکساں انصاف کرنے پر زور دے رہا تھا، اسی زمانے میں غصب و تعدی کی وجہ سے ارباب معاشرت کے جرگوں میں بددلی کی آگ اور بھڑکتی جارہی تھی۔ ایک طرف وہ اس زور و شور سے شاہ پرستی کی ہجو کر رہا تھا،

اور دوسری طرف مطلق العنانی کو ایک مرتب ہیئت میں منتظم
کرنے کی کوششیں ہو رہی تھیں جس سال اس نے مذہبی رواداری
اور عیسوی وسعت نظر کے دو اصول پیش کئے ہیں اسی سال گروہ
مصلحین اور پوپ کے درمیان مناقشے کی ابتدا ہوئی ہے۔

1517 لیو دہم نے جب یہ سنا کہ ایک جرمن پروفیسر نے کلیسا کے
وٹنبرگ کے دروازے پر اس مطلب کے چند مسائل کیل سے جڑ دئے
ہیں کہ "مراعات" کا عطا کرنا اور پوپ کو گناہوں کے معاف
کر دینے کا اختیار ہونا بالکل لغو و مہمل عقیدہ ہے، تو اس نے ہنسکر
کہا کہ "لوتھر کی ذہانت بہت بڑھی ہوئی ہے" یہ اختلاف جو رومہ
میں بہ نظر حقارت "فرائرز کی تکرار" کہا جانے لگا بہت ہی جلد پھیل گیا
آغاز اختلاف میں لوتھر اقتدار پوپ کے سامنے سر بسجود ہو گیا" اور پوپ کی
آواز کو عیسیٰ کی آواز تسلیم کیا مگر لیو کا عقیدہ "مراعات" کی باضابطہ
تصدیق کرنا ہی تھا کہ اس نے کلیسا کی ایک دوسری مجلس کے
انعقاد کا مطالبہ پیش کر دیا۔ دو برس بعد تفرقہ مکمل ہو گیا۔ پوپ
1520 کے ایک فرمان نے مصلح کی غلطیوں کو باضابطہ باطل قرار دیا۔ لوتھر
نے اس حکم لبطلان کی مطلق پروا نہ کی اور علی الاعلان اسے آگ
میں ڈال دیا۔ ایک دوسرے فرمان کے رو سے وہ کلیسا سے خارج
کر دیا گیا۔ اور پوپ کے حکم کے بعد ہی "شہنشاہ" نے بھی اسکے
خلاف حکم جاری کر دیا۔ نوجوان شہنشاہ چارلس پنجم نے جب ورمز
کی مجلس اعلیٰ میں اس پر اپنے عقیدے سے باز آنے کے لئے
زور دیا تو لوتھر نے یہ جواب دیا کہ "میں اس سے زیادہ کچھ نہیں

کر سکتا کہ میں یہاں موجود ہوں"، سیکسنی کے الکٹر نے اسے تھورنگیا کے جنگل میں پناہ دی تھی، اس پوشیدہ مقام سے اس نے نہ صرف طریقہ پوپ کی خرابیوں پر بلکہ خود پوپ کے وجود پر اعتراضات کئے۔ گویا وکلف کے مرتدانہ خیالات پھر زندہ ہو گئے، لوتھر نے پوپ کی معصومیت و اقتدار، اس کے معتقدات کی صداقت، اس کی پرستش کی صحت، ان تمام امور سے انکار اور ان کا تمسخر کیا اور اپنی جائے پناہ سے ان مباحث کے متعلق نہایت ہی پر زور رسالے شایع کرتا رہا۔ نئے چھاپے خانے انہیں تمام دنیا میں پھیلا دیتے تھے۔ روما کی زیادتیوں کے خلاف جرمنی میں مدت سے سخت تنفر موجود تھا، جن لوگوں کے دلوں میں واقعی مذہب کا پاس تھا وہ کلیسا کی دنیا پرستی اور بدکاریوں کے باعث اخلاقی فرض سمجھ کر اس سے منحرف ہو چکے تھے، پوپ نے تو ہمات کی باضابطہ حمایت کر کے "تعلیمات جدیدہ" کے حامیوں کو بھی متنفر کر دیا تھا۔ ان تمام امور کا نتیجہ یہ ہوا، کہ لوتھر کو نہایت ہی وسیع ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی اور شہنشاہی کے ممالک شمالی کے شہزادوں نے اسے اپنی حفاظت میں لے لیا، لیکن انگلستان میں اس وقت تک ان خیالات کو قبولیت نہیں حاصل ہوئی تھی۔ محل و موقع کے سیاسی مشکلات کے باعث انگلستان اور روما میں ایک گہرا اتحاد پیدا ہو گیا تھا نوجوان شاہ انگلستان کو اپنی دینی تعلیم پر ناز تھا، وہ بذات خاص لوتھر کے مخالفین میں شامل ہو گیا اور ایک کتاب "اثبات ہفت عقائد" کے نام سے لکھی جس کے صلے میں لیو نے اسے "حامی دین"

کا خطاب دیا۔ اس کے جواب میں "مصلح" کی گستاخانہ بد زبانی سے
مور و فشر کو میدان میں آنا پڑا۔ لوتھر کی بے لگام زبان نے اگرچہ
"تعلیمات جدیدہ" کو ایک حد تک خائف کر دیا تھا، مگر اس جدوجہد
میں وہ برابر لوتھر کا ساتھ دے رہی تھی۔ ارسمس نے اس کے لئے
شہنشاہ سے گفتگو کی۔ الرخ فان ہوٹن نے فرائرز (درویشون) کو
ویسی ہی ہجو و ملامت کا نشانہ بنایا جیسا خود لوتھر نے کیا تھا، مگر
"نشاۃ جدیدہ" کا انداز و میلان جس قدر روما کے خلاف تھا
اس سے بدرجہ زیادہ خود لوتھر کی افتاد طبیعت کے مخالف واقع
ہوا تھا۔ "نشاۃ جدیدہ" یہ دل خوش کن خواب دیکھ رہی تھی،
کہ محض علم و عقل کی ترقی اور فضائل انسانی کے نشو و نما
سے امن و اماں کے ساتھ ایک نیا زمانہ پیدا ہو جائے گا مگر
وٹنبرگ کے 'مصلح' کو اس خیال ہی سے سخت وحشت ہوتی تھی۔ نئی
تعلیمات سے اسے کوئی ہمدردی نہ تھی اور تھی بھی تو محض برائے
نام۔ "استدلال" کا وہ اسی قدر دلی مخالف تھا جس قدر پوپ
کے کسی پیرو کا ہونا ممکن تھا۔ اسے رواداری اور آزادہ روی
کے خیال تک سے نفرت تھی۔ اخلاق و شعور نے اسے مجبور کر دیا
تھا جو رومن طریق مذہب کے خلاف اسے اظہار خیال کرنا پڑا مگر
اس کا ایسا کرنا صرف اس غرض سے تھا کہ وہ ان عقائد کے
بجائے ایک دوسرا طریقہ جاری کرے جو اسی قدر پیچیدہ اور
غلطی سے پاک ہونے کا ویسا ہی دعویدار ہو۔ فطرت انسانی کو
اس طرح مجبور کرنا درحقیقت "تعلیمات جدیدہ" کی بنیاد کو متزلزل

کر دینا تھا مگر جوں ہی ارسمس نے "تعلیمات جدیدہ" کی تائید میں قدم بڑھایا معاً لوتھر نے یہ اعلان کردیا کہ انسان اپنے ازلی گناہ کا محکوم ہے اور اس کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی ذاتی کوشش سے صداقت کو حاصل کر سکے یا کوئی نیک کام انجام دے سکے۔ اس قسم کا عقیدہ نہ صرف ازمنۂ قدیمہ کی اس نکوکاری و دانائی کا فنا کر دینے والا تھا جس سے "تعلیمات جدیدہ" نے زندگی انسانی اور معاملات دنیا کے متعلق وسعت نظر حاصل کی تھی، بلکہ اس نے خود اس طریق استدلال ہی کو خاک میں ملا دیا تھا، جس سے مور اور ارسمس کو یہ توقع تھی کہ علم و مذہب دونوں میں ازسر نو جان آجائے گی۔ مور اس کے آیندہ اثرات کو خصوصیت کے ساتھ محسوس کر رہا اور نفرت کے ساتھ دیکھ رہا تھا کہ کیونکر اس فوری مذہبی و اعتقادی جوش نے ممالک عیسوی کو متخاصم گروہوں میں تقسیم کردیا جس سے اتحاد و رواداری کی تمام امیدیں اور بھی خاک میں مل گئیں۔ اس وقت تک وہ نہایت ہی محبت آگین، نرم دل اور خوش و خرم" معلوم ہوتا تھا مگر یکایک اس کے مزاج میں تغیر پیدا ہوگیا، اور بادشاہ کے متعلق لوتھر کے اعتراضات کا اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ فشر نے زیادہ سنجیدہ اور مدلل طریقہ اختیار کیا، مگر "تعلیمات جدیدہ" اور "اصلاح" کے درمیان کامل تفرقہ پڑ گیا۔

فرانس کے ساتھ ہنری کی ابتدائی جنگ کے ختم ہونیکے وولزی

بعد جس وزیر کو فوری توسّط حاصل ہو گئی اس کے ہاتھ سے بھی "یوٹوپیا" کی سیاسی توقعات کا پورا ہونا مقدر میں نہیں تھا۔ ٹامس وولزی، شہر اپسوچ کے ایک دولتمند شخص کا لڑکا تھا، اس کی قابلیت کی وجہ سے عہد سابق کے اختتام کے قریب اس پر نظریں پڑنے لگی تھیں، اور اسقف فاکس نے اسے اپنے ساتھ لیجاکر بادشاہ کی ملازمت میں داخل کرادیا تھا، اس نے بہت جلد نوجوان بادشاہ کی توجہ اپنی طرف مائل کرلی۔ اس کے دشمن اسے یہ طعنہ دیتے تھے کہ ناچ رنگ اور شراب و کباب کے جلسوں نے اسے اس حالت پر پہنچا دیا ہے، مگر یہ غلط تھا۔ اس کی غیر معمولی طاقت کے لئے ان ترغیبات کی ضرورت نہ تھی۔ مصاحبت سے وہ بہت جلد وزارت کے درجہ پر پہنچ گیا۔ فرڈینینڈ کی دغابازی سے ہنری کے دل میں کینہ پیدا ہوگیا تھا، اور اس سے وولزی کو موقع ملا کہ وہ اپنے سابقین کے طرز عمل کو بدل کر ایک نئی طرز عمل اختیار کرے گزشتہ جنگ نے انگلستان کو فرانس کے دباؤ سے آزاد کردیا تھا مگر وولزی کا عزم یہ تھا کہ فرڈینینڈ کے تحکم سے بھی اسے ایسی ہی آزادی حاصل ہو جائے۔ اور انگلستان کی آزادی کے لئے اسے بہترین ضمانت اس میں نظر آئی کہ فرانس سے اتحاد پیدا کرلے چنانچہ ۱۵۱۴ء میں لیوئس سے ایک معاہدہ مکمل ہوگیا اور اسکے
۱۵۱۵ جانشین فرانسس اول سے بھی دوستی کا سلسلہ جاری رہا فرانسس نے جب لمبارڈی کے دوبارہ فتح کرنے کے لئے آلپس کے

پار کوچ کیا تو ہنری اور وولزی نے اس کے لئے ہر طرح کی
سہولتیں مہیا کیں، انہیں امید یہ تھی کہ جب تک یہ جنگ جاری
رہے گی، انگلستان ہر قسم کے حملے سے مامون رہیگا اور انجام کار
میں فرانسس خود تباہ ہو جائے گا، لیکن مقام ماریناینو میں فرانسس
کو فتح عظیم حاصل ہو جانے سے یہ تمام خیالات ہوا ہو گئے، مگر
عین فتح کے وقت فرانسس کو معلوم ہوا کہ اسے ایک نئے رقیب
سے مقابلہ پیش آنے والا ہے، اسپین کا نیا بادشاہ چارلس پنجم
کیسٹیل، آراگون نیپلز، اور نیدرلینڈ کا مالک تھا، اس نے شاہ
فرانس کے راستے میں ایسی رکاوٹیں ڈال دیں کہ ہنری اور وولزی
۱۵۱۶ کی حکمت عملی سے ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔ انگلستان کی رفاقت
کے لئے دونوں فریق بیتاب تھے، مگر باوجود مسلسل سفارتی
گفت وشنود کے وولزی نے ایسی روش اختیار کی کہ سات
برس تک انگلستان کو جنگ میں پڑنے سے بچا لے گیا۔ ہم
اوپر دیکھ چکے ہیں کہ امن کے قائم ہو جانے سے "تعلیمات
جدیدہ" کی امیدوں میں نئی جان پڑ گئی تھی۔ کالٹ کو موقع
ملا کہ وہ طریقۂ تعلیم کی اصلاح کر سکے، ارسمس کلیسا میں
نئی روح پھونکنے کا کام انجام دے سکے، مور سیاسیات کا ایک
نیا علم قائم کر دے۔ مگر وولزی نے اس امن سے جو کام
لیا وہ انگریزی آزادی کے لئے مہلک ثابت ہوا۔ "یوٹوپیا"
میں جابجا ایسے سیاسی اشارات ملتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے
کہ مور نے اس نئی مطلق العنانی کی ترقی کی سخت ہجو کی ہے۔ صرف

"لا انضام" ہی میں یہ ہو سکتا تھا کہ کسی بادشاہ پر اگر یہ شک ہو کہ وہ اپنی رعایا کو غلام بنانا چاہتا ہے تو وہ سلطنت سے معزول کردیا جائے"۔ اس مقنن اعظم نے کنایتہً یہ دکھایا ہے کہ انگلستان میں قانون کی پردے میں رعایا کو غلام بنانے کا کام کس خاموشی کے ساتھ انجام پا رہا ہے۔ بادشاہ کی جانب داری میں کسی نہ کسی حیلے کے ملجانے میں کبھی کوئی دقت نہیں ہوتی، کہیں قانون کے لفظ کی حجت پیش کی جاتی ہے، کہیں قانون میں زبردستی کی تاویل کی جاتی ہے، اور یہ بھی نہ ہو تو تقاضائے انصاف کی بنا پر اس کے حق میں فیصلہ کردیا جاتا ہے، جب یہ سب حیلے بیکار ہو جاتے ہیں تو اختیار شاہی کا واسطہ درمیان میں آجاتا ہے؛ اور ایماندار سے ایماندار جج کو بھی اپنی رائے کو، اس کے" سامنے مغلوب کر دینا پڑتا ہے"۔ ظلم وستم کے بڑھانے میں عدالتوں سے جس طرح کام لیا جاتا تھا "مقدمہ محصول جہاز" کے فیصلے میں اسکی انتہا ہوگئی، ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مور نے ان حالات کا کیسا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ ان عدالتی تدبیروں کے پس پشت مطلق العنانی کا اصول کام کر رہا تھا، کچھ تو ممالک غیر کے بادشاہوں کی تقلید میں، کچھ معاشرتی و سیاسی بے اطمینانی کے باعث اور سب سے زیادہ بادشاہ کے عام اثرات سے منقطع ہو جانیکے سبب سے آہستہ آہستہ عام رائے اس اصول کے قبول کرنے کی طرف مائل ہوتی جاتی تھی۔ مور نے آگے چل کر نہایت دلیری سے لکھا ہے کہ "اس کلیہ سے ان خیالات کو تقویت پہنچائی جاتی ہے، کہ بادشاہ

کتنا ہی چاہے مگر وہ خلاف قانون کوئی کام نہیں کر سکتا، رعایا سکا
نہ صرف مال و متاع بلکہ ان کی ذات تک بادشاہ کی ملک ہے، اور
کسی شخص کو اس سے زیادہ چیزوں کی ملکیت کا حق نہیں ہے،
جس قدر بادشاہ اپنی مہربانی سے اس کے پاس رہنے دے" وولزی کے
ہاتھ میں پڑ کر ان کلیات نے اصول سلطنت کی شکل اختیار کرلی مجلس
شاہی میں بڑے بڑے مقتدایان دین اور امرا کے موجود ہونے سے
بادشاہ کے افعال میں جو روک پیدا ہوتی تھی وہ عملاً برطرف ہوگئی
تھی۔ تمام اختیارات ایک وزیر کے ہاتھ میں جمع ہوگئے تھے، ہنری نے
وولزی کا نظم ونسق — وولزی کو ان خدمات کے صلے میں بیش بہا انعامات سے گرانبار
کردیا تھا، وہ اولاً لنکن کا اسقف مقرر ہوا، اور اس کے بعد ہی
اسے یارک کے منصب اسقف اعظم پر ترقی دیدی گئی۔ ہنری نے کوشش
کرکے اسے کارڈنل کا منصب دلایا اور خود چانسلر کے درجے پر اسے
۱۵۱۵ ممتاز کردیا، دو اسقف ممالک غیر کے رہنے والے تھے، ان کی جاگیروں
کی آمدنی بھی وولزی کے تحت تصرف میں آگئی۔ ونچسٹر کی اسقفی اور
خانقاہ سینٹ آلبنیز کی ریاست اس کے قبضے میں تھی۔ فرانس اور
اسپین سے اسے وظیفے ملتے تھے، اور اس کے عہدوں کی تنخواہیں بھی
بہت زیادہ تھیں، اس کی شان وشوکت بالکل بادشاہوں کی سی معلوم
ہوتی تھی۔ وہ جہاں کہیں جاتا مقتدایان دین اور امرا کا ایک گروہ کا
گروہ اس کے ساتھ رہتا تھا اس کے ملازمان خانگی میں امیر
گھرانوں کے پانسو افراد داخل تھے، اور خاص خاص جگہوں پر نائٹ
اور بیرن مقرر تھے۔ وہ اپنی بے شمار دولت کو شاہانہ فیاضی کے ساتھ

صرف کرتا تھا۔ قطع نظر اور عمارتوں کے اس کے صرف دو مکان ہیمپٹن کورٹ اور یارک ہاؤس، اتنے فراخ اور آراستہ تھے کہ اس کے زوال کے بعد وہ شاہی محل کے کام آئے، یارک ہاؤس وہی مکان ہے جو اب وہائٹ ہال کہلاتا ہے۔ اپسوچ میں اس نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا مگر جب آکسفورڈ میں اس نے کارڈنل کالج کی شاندار عمارت تیار کی تو یہ مدرسہ اس کے سامنے پست ہوگیا۔ بعد میں اسی کارڈنل کالج کا نام بدل کر کرائسٹ چرچ رکھا گیا۔ یہ شان و شوکت محض نمائشی نہیں تھی۔ سلطنت کے تمام اندرونی و بیرونی معاملات کا تنہا وولزی کی ذات پر دار و مدار تھا۔ چانسلر کی حیثیت سے وہ عدالت کا اعلیٰ ترین عہدہ دار تھا۔ پوپ کے وکیل ہوجانے سے کلیسا میں بھی وہ سب پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس نے جو کام اپنے ذمہ لے لئے تھے ان کی کوئی حد و غائت نہیں تھی، مگر پھر بھی تمام کام نہایت خوبی کے ساتھ انجام پاتے تھے، شاہی خزانے کے انتظام میں کفایت شعاری برتتا تھا، ہر مراسلت پر خود کافی توجہ کرتا تھا اور اس کے ساتھ ہی جب ان مراسلات کی تعداد کا خیال کیا جاتا ہے تو نہایت ہی تعجب معلوم ہوتا ہے۔ مور اس کا کھلا دشمن تھا مگر وہ بھی اس امر کا معترف تھا کہ بہ حیثیت چانسلر کے اس سے جس قدر امیدیں ہوسکتی تھیں اس نے اس سے زیادہ کر دکھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے انضباط و انتظام سے عدالت و خزانہ پر کام کا اتنا بار پڑگیا کہ اس کی تخفیف کے لئے ماتحت عدالتیں قائم کی گئیں۔ تمام دینی و دنیاوی اختیارات کے اس طرح ایک شخص واحد کے ہاتھ میں جمع ہو جانے سے اہل انگلستان اس شخصی حکومت کے عادی ہوگئے جو ہنری ہشتم کی ذات سے شروع

ہوئی تھی، اور اس سے زیادہ یہ ہوا کہ وولزی ایک مدت تک ملک کے اندر پوپ کے تمام اختیارات استعمال کرتا رہا اس باعث سے مرافعات کا روما کو بھیجنا بند ہوگیا تھا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ جب ہنری نے اپنے عہد کے آخر زمانے میں مذہبی سیادت کا دعویٰ کیا تو لوگ اس پر رضامند ہوگئے۔ وولزی کا انداز اگرچہ نہایت مغرورانہ تھا اور اس کی فطری قابلیتیں بھی نہایت اعلیٰ درجے کی تھیں مگر انگلستان میں لوگ یہی سمجھتے تھے کہ وہ جو کچھ بھی ہے بادشاہ کا بنایا ہوا ہے عظمت، و دولت، اختیار، و اقتدار، جو کچھ بھی تھا بادشاہ کی خوشنودی مزاج تک تھا، اور وہ خود بھی اس کا مقر تھا۔ اپنے اس کم اصل ندیم کو کلیسا و سلطنت دونوں کا اعلیٰ عہدہ دار بنا کر ہنری فی الحقیقت تمام ملکی و مذہبی اختیارات کو خود اپنے قابو میں لانے کی فکر کر رہا تھا۔ جو قوم وولزی سے کانپتی تھی وہ اس بادشاہ سے بدرجۂ اولیٰ کانپنے لگی جو ایک اشارے میں وولزی کو تباہ کر سکتا تھا۔

چارلس، شاہ آسٹریا کی ترقی سے وولزی کی حکمت عملی میں ایک وولزی
نیا دور شروع ہوگیا، نیدرلینڈ، فرانش کونٹے، اور اسپین پر وہ پہلے ہی اور
سے قابض تھا، اب اس کے دادا میکسیملین کے انتقال سے خاندان آسٹریا پارلیمنٹ
کے مقبوضات سویبیا، اور ممالک ڈینوب بھی وراثتًہ اسے مل گئے، اور ۱۵۱۹
اس کے شہنشاہ منتخب ہونے کا راستہ نکل گیا۔ فرانس نے دیکھ لیا کہ اسے ہر جانب سے ایک نہ ایک قوی تر دشمن گھیرے ہوئے ہے، اور وولزی اور اس کے مالک کے لئے وقت آگیا کہ وہ ایک دلیرانہ چال چلیں، ہنری کو امید تھی کہ میکسیملین کے

انتقال پر وہ شہنشاہی کے لئے منتخب ہو جائیگا، جب اس امید
میں اسے مایوسی ہوئی تو وہ پھر اپنے فرانس کے موروثی صوبجات
کے واپس لینے کا خواب دیکھنے لگا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس
نے اس خیال کو کسی وقت بھی ترک نہیں کیا تھا۔ اس کا بھانجا
چارلس بھی بہت ہوشیاری کے ساتھ اس کے اس خیال کو تقویت
دیتا رہتا تھا۔ وولزی کو بھی اس نے فراموش نہیں کیا تھا،
جس طرح فرانس پر ہنری کا دانت تھا اسی طرح پوپ کی
مسند پر وولزی کی نظر لگی ہوئی تھی، اور نوجوان شہنشاہ آئندہ
انتخاب میں اس کی تائید کرنے کی بیحد امیدیں دلا رہا تھا،
ان فریب کاریوں کا نتیجہ بہت جلد ظاہر ہوگیا، مئی سنہ ۱۵۲۰ء
میں چارلس، ہنری سے ملنے کے لئے ڈوور میں اترا اور
شاہ و شہنشاہ سوار ہوکر تنہا کینٹربری کو گئے۔ فرانسس نے
بھی ہنری سے بمقام گین ملاقات کرکے یہ کوشش کی کہ
اس سے دوستی قائم رکھے مگر اسے اس کوشش میں کامیابی
نہیں ہوئی، اس ملاقات کے موقع پر دونوں بادشاہوں نے
اس قدر بے دریغ خرچ کیا کہ اس مقام کا نام "دشت پارچہ
زرین" ہوگیا۔ فرانسس سے ملنے کے بعد ہنری نے چارلس ۱۵۲۰
سے پھر ملاقات کی، دونوں بادشاہوں میں ایک خفیہ معاہدہ
ہوگیا، اور شہنشاہ نے وعدہ کیا کہ وہ ہنری کی اکلوتی بیٹی
میری ٹیوڈر سے عقد کرلے گا۔ ایک قانون کے ذریعہ سے یہی
لڑکی تخت انگلستان کی وارث قرار دی گئی۔ اس سے ظاہر

ہوتا ہے کہ طبقۂ بیرن کس حد تک بادشاہ کی مرضی کا تابع ہوگیا تھا۔ ڈیوک بکنگھم سلسلۂ نسب اور نیز اپنے اقتدار کی وجہ سے انگلستان کے امرا میں سب سے مقدم تھا' وہ اڈورڈ سوم کے سب سے چھوٹے لڑکے کی اولاد میں تھا اور اگر میری کی جانشینی سے انکار کردیا جاتا تو وہی تخت کا وارث ہوتا۔ پیشینگوئی کرنے والوں اور منجموں کے اقوال نے اسکی امیدوں کو اور قوی کردیا تھا اور بیخودی میں جو الفاظ اس کی زبان سے نکلے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ ہنری کے انتقال کے بعد ہر ایک مخالف کے مقابلہ میں وہ بزور تاج پر قبضہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ بادشاہ دو برس تک اس کے اقوال و افعال پر خاموش رہا مگر ۱۵۲۱ء میں وہ گرفتار کرلیا گیا اور اس کے ہمسر امرا نے اسے غدار قرار دیا اور ٹاورہل پر وہ قتل کردیا گیا۔ فرانسیسی اتحاد کا خاتمہ ہوگیا اور اسپین و فرانس میں جنگ چھڑتے ہی بمقام کیلے' پوپ' شہنشاہ اور ہنری کے درمیان ایک خفیہ اتحاد ہوگیا۔ اس نئی جنگی حکمت عملی کا نتیجہ ملک میں فوراً ہی ظاہر ہوگیا۔ وولزی کی کفایت شعاری سے اس سے زیادہ کچھ نہ ہوسکا تھا کہ گزشتہ امن کے زمانے میں وہ تاج کو مالی مشکلات میں پڑنے سے بچالے گیا تھا۔ ہنری نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ مہم کے لئے چالیس ہزار آدمی مہیا کرے گا مگر معمولی حالت میں شاہی خزانہ اس خرچ کا کسی طرح

متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ وولسزی میں مطلق العنانی کا اثر سرایت
کر چکا تھا وہ اس غرض کے لئے پارلیمنٹ کے طلب کرنے
کے قدیم رواج پر کاربند ہونے سے جھجکتا تھا۔ ہنری کو جب
اولاً فرانس سے جنگ کا سابقہ پڑا تھا تو اس نے اخراجات کی
ضرورت سے تین بار پارلیمنٹ طلب کی تھی مگر وولزی نے سات
برس کے زمانے میں ایک بار بھی پارلیمنٹ کا اجلاس منعقد
نہیں کیا، مگر اب جنگ کی وجہ سے پارلیمنٹ کا طلب کرنا
ناگزیر ہو گیا تھا' اس پر بھی کارڈنل نے کچھ مدت تک یہ کوشش
کی کہ اڈورڈ چہارم کی طرح "جبری قرضہ" یا "پیشکش" وسیع پیمانے
پر اس شرط سے وصول کرے کہ آئندہ پارلیمنٹ سے جو پہلی مدد
ملے گی وہ اسی قرضے کے ادا کرنے میں صرف کی جائیگی۔ ہر ایک
صوبے کے لئے بہت بڑی بڑی رقمیں معین کی گئیں۔ لندن سے
بیس ہزار پاؤنڈ وصول کئے گئے اور اس کے زیادہ مرفہ الحال
باشندوں کو خود کارڈنل کے روبرو طلب کرکے ان سے اپنی اپنی جائدادوں
کے تخمینے پیش کرنیکے لئے کہا گیا۔ ہر ضلع میں تشخیص کے لئے محصل
روانہ کئے گئے اور ان کی اطلاع کے موافق احکام جاری کئے گئے،
کہیں سے شاہی خدمت کے لئے سپاہی مانگے گئے، کہیں سے
ہر شخص کی آمدنی کا دسواں حصہ طلب کیا گیا۔ لیکن اس کا
نتیجہ اس قدر کم نکلا کہ دوسرے سال وولزی کو مجبور ہوکر پارلیمنٹ
۱۵۲۳ طلب کرنا پڑی مگر اس نے جیسا گران مطالبہ پارلیمنٹ کے
سامنے پیش کیا اس کی کوئی نظیر سابق میں نہیں ملتی تھی' وہ چاہتا تھا

کہ ہر شخص کی آمدنی پر بیس فی صدی محصول لگایا جائے۔ کارڈنل نے بذات خاص اس مطالبے کو پیش کیا لیکن ارکان دارالعوام نے سوا چپ رہنے کے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ وولزی نے یکے بعد دیگرے اراکین سے جواب دینے کے لئے کہا مگر پھر بھی سب کے سب خاموش رہے۔ مور اس پارلیمنٹ کا صدر نشین تھا وولزی نے اس سے جواب کی درخواست کی مگر اس نے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوکر کہا کہ "جب تک خود دارالعوام اسے ہدایت نہ کرے وہ کسی طرح کا جواب دینے سے قاصر ہے" دارالعوام کو مرعوب کرنے کی کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی اور وولزی کے جاتے ہی زور شور کے ساتھ مباحثہ جاری ہوگیا۔ وہ پھر اعتراضات کے جواب دینے کے لئے واپس آیا مگر اراکین نے اس کے روبرو کسی قسم کی بحث کرنے سے انکار کردیا اور اس طرح مباحثات پر اثر ڈالنے میں اسے دوبارہ ناکام رکھا۔ یہ کشمکش دو ہفتے تک جاری رہی اور اگرچہ امداد کے حاصل کرنے میں کامیابی ہوگئی مگر درباری فریق کو وولزی کے مطالبے کے نصف سے کم پر قناعت کرنا پڑی۔ مذہبی مجلس نے بھی ایسی ہی آزادانہ روش کا اظہار کیا۔ اور دو برس بعد جب پھر روپیے کی ضرورت ہوئی تو کارڈنل کو پھر وہی "پیشکش" کا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ شاہی کمشنروں (محصلوں) نے ہر صوبے میں عام لوگوں سے ان کی آمدنی کا دسواں حصہ اور پادریوں سے چوتھا حصہ طلب کیا۔ دارہم نے

دربار کو لکھا کہ" لوگ نہایت ہی شاکی ونالاں ہیں" کنٹ کے اسکوائیروں کا یہ قول تھا کہ" لوگ اگر محصلوں کو اپنا مال و متاع دینے لگیں تو یہ فرانس کے محصولات سے بھی بدتر ہوگا اور انگلستان آزاد نہیں رہے گا بلکہ غلام بن جائے گا" اہل ملک نے ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی یہ سمجھ لیا تھا کہ آزادی کا قائم رہنا صرف اسی پر منحصر ہے کہ اجرائے محصول کا اختیار خود قوم کے اختیار میں ہو۔ اس مقاومت میں پادری سب پر سبقت لے گئے۔ اور ہر منبر پر یہی وعظ ہونے لگا کہ یہ طریقہ تحصیل وصول آزادی کے خلاف ہے اور بغیر قانونی کارروائی کے بادشاہ کو کسی کے مال کے لینے کا حق نہیں ہے۔ ملک میں اس قدر ہیجان پیدا ہوگیا کہ دولزی کو آخر اس طوفان عام کے سامنے دبنا پڑا اور اس نے یہ ظاہر کردیا کہ لوگ جو کچھ چاہیں اپنی خوشی سے قرض دیں وہ اس سے زائد کا خواستگار نہیں ہے۔ لوگوں نے رچرڈ سوم کا قانون نکالا کہ ہر قسم کا "پیشکش" خلاف ضابطہ ہے۔ لندن اس مطالبے سے پہلو بچالے گیا۔ کنٹ سے محصل خارج کردئے گئے۔ سفک میں شورش برپا ہوگئی، کیمبرج اور ناروچ کے لوگوں نے بھی بغاوت کی دھمکی دی، اور کام کرنے والوں میں فی الواقع عام ہڑتال ہوگئی۔ کپڑا بنانے والوں نے کاریگروں کو موقوف کردیا۔ کسانوں نے نوکروں کو برطرف کردیا۔ وہ یہ کہتے

تھے کہ بادشاہ کا مطالبہ اس قدر سخت ہے کہ جس طرح سے وہ کام چلا رہے تھے اب اس طرح سے کام نہیں چل سکتا۔ اگر شاہی مطالبہ غیر مشروط طور پر رُک نہ گیا ہوتا تو انگلستان میں بھی کسانوں نے ویسی ہی شورش کردی ہوتی جیسی جرمنی میں ہو رہی تھی۔

زرعی بے اطمینانی

دولزی کی شکست نے اس وقت انگلستان کی آزادی کو بچا لیا۔ مگر وہ جس خطرے سے ہراساں تھا وہ محض احساس آزادی کی مخالفت نہیں تھی، کنٹ کے اسکوائر (متوسط الحال طبقہ) کے شکایات نے عام بددلی کو اور بڑھا دیا تھا، مسئلہ اراضی کی صورت معاملات سے اگرچہ آخر میں بادشاہ کو یہ قوت حاصل ہوگئی کہ وہ اراضی ہی کو امن عام کی ضمانت قرار دے مگر اس کے ساتھ ہی بادشاہ اور زمینداروں میں جب کوئی مخالفت ہوتی تو زمین ہی اس میں سب سے زیادہ پریشان کن اور معرکہ کا نازک سبب بن جاتی۔ ڈیڑھ سو برس سے زائد سے یہ ہو رہا تھا کہ چھوٹی چھوٹی اراضیوں کو ملا کر بڑے بڑے قطعات بنائے جائیں اور بجائے زراعت کے نہایت وسیع پیمانے پر بھیڑیں پالی جائیں، چونکہ اون کی قیمت برابر بڑھتی جارہی تھی اس وجہ سے لوگ اس طرف اور بھی زیادہ راغب ہو گئے تھے، اس تغیر میں سوداگروں کی نو حصول دولت سے بھی بہت مدد ملی۔ اہل تجارت نہایت کثرت سے اپنی دولت زمین کے کاروبار میں لگانے لگے، لیٹیمر نے نہایت

ہی نفرت سے ان لوگوں کو کاشتکار "شرفا اور محرری کرنے والے رؤسا"، لکھا ہے۔ رواج اور دستور کا ان لوگوں پر مطلق اثر نہیں پڑتا تھا وہ بلا تامل چھوٹے چھوٹے کسانوں کو بیدخل کرتے جاتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ سابقاً زمین کا لگان بہت ہی کم مقرر ہوا تھا۔ اور جب زمین کی قیمت بڑھ گئی تو اس مروجہ لگان کے بڑھانے کی خواہش کا روکنا غیر ممکن ہو گیا۔ لیٹیمر ہی کا بیان ہے کہ "جو زمین پہلے بیس یا چالیس پاؤنڈ سالانہ پر ملتی تھی، اب وہ زمین پچاس یا سو پاؤنڈ پر ملتی ہے۔" مگر یہی کمی لگان نیچے طبقے کے آزاد اشخاص کی خوش حالی کا باعث تھی۔ لیٹیمر لکھتا ہے کہ "میرا باپ نیچے طبقے کا ایک آزاد شخص تھا اور اس کے پاس اپنی کوئی ذاتی زمین نہیں تھی، ایک کھیت زیادہ سے زیادہ تین یا چار پاؤنڈ سالانہ کا تھا، اور اسی پر وہ اس قدر زراعت کرتا تھا کہ نصف درجن آدمیوں کا گزرہ ہوتا تھا۔ اس کے پاس سو بھیڑیں تھیں اور میری ماں تیس گایوں کو دوہتی تھی۔ وہ جب بادشاہ کی ملازمت میں آیا ہے تو اس نے خود اپنے لئے ساز و یراق مہیا کیا۔ مجھے وہ وقت یاد ہے جب وہ میدان بلیکہتھ کو جانے والا تھا۔ اور میں نے اس کے گھوڑے پر ساز کسا تھا۔ اس نے مجھے مدرسہ میں تعلیم دلائی، میری ہر بہن کی شادی پر پانچ پاؤنڈ صرف کئے اور اس نے ان کی پرورش اس طرح

کی تھی کہ ان میں نکوکاری اور خدا کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے
غریب ہمسایوں کے ساتھ مہمان نوازی کا برتاؤ کرتا تھا، اور غریبوں
کو کچھ خیرات بھی دیتا تھا اور یہ سب کچھ وہ اسی کھیت کی آمدنی سے
کرتا تھا۔ اب یہ حال ہے کہ اس کھیت کے لئے اسے سولہ پاونڈ
یا کچھ اس سے زائد دینا پڑتا ہے۔ اور اب وہ اس قابل نہیں
رہا ہے کہ اپنے بادشاہ کے لئے یا خود اپنے لئے یا اپنے لڑکوں کیلئے
کچھ کر سکے، یا کسی غریب کو کھلا پلا سکے"۔ لگان کی زیادتی کا نتیجہ
یہ ہوا کہ اس قسم کے متاجرین نے اپنی اراضیات چھوڑ دیں مگر
کاشتکاروں کے خارج کرنے میں اکثر جس قسم کی ذلیل ناانصافی
سے کام لیا گیا اس سے اخراج کی مصیبت بہت بڑھ گئی۔ مور نے
۱۵۱۵ء میں جو کچھ کہا ہے اگر ہم اس پر یقین کریں تو معلوم
ہوتا ہے کہ" کسان فریب دہی اور زبردستی سے اپنی زمینوں سے
نکالے جاتے تھے اور جب یہ نہیں ہو سکتا تھا تو ان کے ساتھ
اسقدر زیادتیاں کی جاتی تھیں کہ وہ مجبور ہو کر اپنی جائداد کو چھوڑ دیتے
تھے اس طرح یہ فلاکت زدہ گروہ جن میں مرد، عورتیں، یتیم بچے،
بیوائیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کے ماں باپ، سب ہی قسم کے
لوگ ہوتے تھے۔ اپنے وطن کے کھیتوں کو چھوڑ چھوڑ کر روانہ ہو جاتے
تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ کہاں جائیں۔ ان لوگوں کے گھر والوں کی تعداد
ان کے روپیہ کی تعداد سے زیادہ ہوتی تھی کیونکہ کاشتکاری کے لئے
آدمیوں کی زیادہ ضرورت ہے برخلاف ازیں ایک گڈریا یا گوالا ایک چراگاہ
کے لئے کافی ہے"، اپنے مختصر سے اساس البیت کے فروخت ہو جانے

سے یہ لوگ بے خانماں ادھر اُدھر مارے پھرتے ۔ کبھی آوارہ گردوں کے زمرے میں قید خانے کے اندر پڑے رہتے کبھی بھیک مانگتے، اور کبھی چوری کرتے تھے ۔ لیکن اس حالت میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ مزدوری کی قلت کی وہی قدیم شکایت بدستور قائم ہے اور اس کا وہی قدیم قانونی چارہ کار ہے کہ مزدوری کی شرح معین کر دی جاوے ۔ فی الحقیقت اس معاشرتی ابتری نے انگریزی مدبرین کی عقلوں کو چکر میں ڈال دیا تھا اور انہیں اس کا علاج اس سے بہتر اور کچھ نظر نہ آیا کہ بھیڑ کے چراگاہوں کی آئندہ توسیع کو قانوناً روک دیں اور جرائم کے لئے کثرت کے ساتھ لوگوں کو پھانسی دینا شروع کریں ، مگر یہ دونو کی دونوں تدبیریں بیکار ثابت ہوئیں ۔ چراگاہوں کا بننا اور کاشتکاروں کا خارج ہونا جس طرح جاری تھا جاری رہا ۔ مور کا یہ کہنا اگرچہ تلخ معلوم ہوتا تھا مگر تھا بہت صحیح کہ " اگر تم ان خرابیوں کی اصلاح نہ کرو جن کی وجہ سے چوریاں وقوع میں آتی ہیں تو چوروں کو سخت سزائیں دینے سے کچھ حاصل نہوگا "، مگر مور نے اس کا جو علاج سوچا تھا اس کے کارآمد ہونے کے لئے ابھی ایک صدی کی ضرورت تھی ۔" ان کو کام میں لانے کی صنعت جاری ہونا چاہیئے تاکہ جو لوگ ضرورت سے مجبور ہو کر چوری کرنے لگے ہیں یا آئندہ ایسا کرنے لگیں گے انہیں ایمان داری کے ساتھ اپنے قوت بازو سے روٹی کمانے کا موقع

ملجائے "۔ عام طور پر معاشرتی بدنظمی برابر بڑھتی جارہی تھی۔
اس کے ساتھ ہی بڑے بڑے فوجی امرا کے خاندانوں کے
شکست ہو جانے سے (جس کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا)
اور لڑائیوں سے زخمی و بے کار سپاہیوں کے واپس
آنے سے زیادتی وجرم میں خطرناک اضافہ ہوگیا تھا

معاملہ طلاق

خزانے کے خالی ہو جانے اور عام بددلی کے پھیل
جانے کی وجہ سے جنگ کے مصیبت ناک نتیجے کی
سختی اور بڑھ گئی تھی، فرانس کو تو اس جنگ و جدل
نے بالکل ہی تباہ کر دیا کیونکہ ملان کے نکل جانے
اور ہزیمت پاویا میں فرانسس اول کے قید ہو جانے ۱۵۲۵
سے تمام فرانس شہنشاہ کے قدموں کے نیچے آگیا تھا۔
مگر چارلس نے جن وعدوں سے انگلستان کو اس جنگ
کی ترغیب دی تھی ان کے پورا کرنے کا وہ مطلق
ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وولزی نے دیکھ لیا کہ شہنشاہ
کے دو جانبدار یکے بعد دیگرے پوپ کی کرسی کو
رونق دے چکے ہیں، اور میراث فرانس،، کے ازسرنو
حاصل کرنے کی تدبیر قطعاً ناکامیاب ہو چکی ہے انگلستان کو مثل سابق
کے ان دونوں بیکار لڑائیوں سے کچھ حاصل نہوا
اور صاف ظاہر ہوگیا کہ چارلس کا منشا بھی یہی تھا
کہ انگلستان کو کچھ فائدہ نہ پہنچے۔ اس نے اپنے
قیدی (شاہ فرانس) سے عارضی صلح کر لی، متحدہ حملے

کے تمام تجویزوں کو معطل کردیا۔ میری ٹیوڈر سے عقد کے وعدے کو فراموش کرکے ایک پرتگالی شہزادی سے شادی کرلی۔ اس نے فرانس پر ایسی صلح کے لئے زور دیا جس سے برگنڈی اس کے قبضے میں آجائے۔
اب ہنری اور اس کے وزیر کے لئے وقت تھا کہ وہ اپنی روش بدلیں۔ انہوں نے یہ عزم کرلیا کہ ان دونوں سلطنتوں کی علانیہ مخالفت نہ کریں۔ فرانس سے ایک خفیہ معاہدہ بھی مکمل ہوگیا، مگر ہنری نے شہنشاہ سے مراسم قائم رکھے اور شاہ فرانس نے جن شرائط سے رہائی حاصل کی تھی جب اس نے ان کے پورا کرنے سے انکار کردیا اور دوبارہ جنگ جاری ہوگئی تو ہنری نے اس میں (شہنشاہ کے خلاف) کسی قسم کی شرکت نہیں کی۔ بہت سے اہم و نتیجہ خیز واقعات پیش آئے، مگر بادشاہ کو غیر ملکی معاملات میں دخل دینے کی رغبت نہوئی، وہ ہمہ تن سیر وشکار میں منہمک ہوگیا اس کے دربار میں اَین بُولین ایک نہایت حسین اور بڑی ہی زندہ دل عورت تھی، اس کی طرحداری و طراری نے بہت جلد ہنری کی توجہ اپنی طرف مائل کرلی اور اس کے باپ کو جو اعزاز عطا ہوئے اس سے اس کا اثر ظاہر ہوگیا سنہ ۱۵۲۷ء میں بادشاہ نے یہ ارادہ کیا کہ ملکہ سے قطع تعلق کرلے۔

اس سے اس گھرے تعلقات پر ایک نیا رنگ چڑھایا گیا۔
ایک میری کے سوا بادشاہ کے تمام بچے مر گئے تھے اور اس
سے لوگوں کے دلوں میں اس نفرت زدہ عقد کے جواز کے
نسبت تذبذب پیدا ہوگیا تھا۔ اور کسی مرد وارث کے نہونے
سے یہ خیال اور گھرا ہوگیا ہوگا۔ اسباب جو کچھ بھی ہوں مگر ہنری
نے اس وقت سے پوپ پر یہ زور دینا شروع کیا کہ وہ طلاق کی
منظوری دیدے۔ لیکن کلیمنٹ کے لئے اس منظوری کے معنی یہ
تھے کہ وہ کیتھرین کے بھانجے شہنشاہ چارلس سے بگاڑ کرلے۔ انگلستان
کا ایلچی مسئلہ طلاق کی بحث ہی کر رہا تھا کہ یکایک شہنشاہ کی
۱۵۲۶ جانب سے ایک فوج روما پر آپڑی اور کلیمنٹ کو اپنی بے بسی کا پورا
پورا احساس ہوگیا۔ دوسرے سال روما کی تسخیر و تباہی کے بعد
پوپ فی الحقیقت شہنشاہ کے ہاتھ میں ایک قیدی ہوگیا تھا۔
اس اثنا میں پوپ کے وکیل کی حیثیت سے وولزی کے سامنے
خفیہ طور پر ایک درخواست پیش کی گئی تھی مگر اسے دفعتہً خارج
کردیا گیا۔ کیونکہ ہنری نے جن واقعات کو بنا قرار دیا تھا کیتھرین
ان سے منکر تھی۔ اور اگر وہ پوپ کے دربار میں مرافعہ پیش
کرتی تو کسی طرح یہ توقع نہیں ہوسکتی تھی کہ کلیمنٹ ا ہنری
کے حق میں فیصلہ کرتا، اس صورت میں طلاق کے مشکلات
بہت عیاں تھے۔ اساقفہ انگلستان کے ایک نہایت ہی عالم
رکن فشر (اسقف روچیسٹر) نے علانیہ اس کے خلاف رائے
دی۔ جن انگریزی علمائے دین سے یہ دریافت کیا گیا تھا کہ پوپ

نے اولاً ہنری کے عقد کی جو اجازت دیدی تھی وہ جائز تھی یا نہیں انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ بادشاہ کو یہ معاملہ خود پوپ ہی کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔ طبقۂ تجار اس معاملہ سے اس وجہ سے گھبراتا تھا کہ طلاق کی صورت میں شہنشاہ سے تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور اس کی تلافی کا ہونا ممکن نہیں کیونکہ فلینڈرز ان تاجروں کی بڑی منڈی تھی اور شہنشاہ اس کا مالک تھا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اس نامنصفانہ تجویز نے عموماً طبائع کو بھڑکا دیا تھا مگر بادشاہ کی خود غرضی اور خواہش نفسانی کے سامنے شرم و اندیشہ کسی کی پیش نہ گئی این کی تائید میں ایک بہت بڑا فریق بھی مجتمع ہوگیا تھا، اس کے چچا ڈیوک نارفک اور اس کے باپ لارڈ راشفرڈ (جو بعد میں ارل ولٹشائر ہوگیا) نے طلاق کی کارروائی کو بہت زور کے ساتھ آگے بڑھایا۔ شوقین مزاج نوجوان درباریوں نے (جن میں این کا بھائی بھی شامل تھا) اس کی کامیابی کو اپنی ترقی کا زینہ سمجھا۔ ڈیوک سفک اور بیشتر حصہ امرا کو یہ امید تھی کہ این کے وسیلے سے وہ اس مدبر کو اکھاڑ دیں گے جس سے وہ سب کانپتے تھے۔ کارڈنل کے لئے یہ ضروری تھا کہ کسی نہ کسی تدبیر سے وہ بادشاہ کی مرضی کو پورا کرے مگر دربار پوپ کے مشکلات کے سامنے اس کی تمام تجاویز یکے بعد دیگرے ٹوٹتی گئیں۔ کلیمنٹ درحقیقت سخت شش و پنج میں پڑگیا تھا۔ وہ ہنری کی خواہش کو بھی پورا کرنا چاہتا تھا اور مجوزہ کارروائی کی بابت خود اپنے دل میں شک و شبہ بھی پاتا تھا شہنشاہ کا خوف بھی دامنگیر تھا کیونکہ وہ اب اطالیہ پر پوری طرح حاوی

ہوگیا تھا۔اس اضطراب میں اس نے دولزی پر یہ الزام تک لگا
دیا کہ اس نے اس معاملہ کو خود اپنی سلطنت کے اندر طے کرلینے
اور اپنی عدالتوں کے فیصلے کے موافق عقد کر لینے سے بادشاہ کو
کیوں روکا۔ ہنری اس بات پر جما ہوا تھا کہ اس طلاق کے متعلق
پوپ کی صریحی منظوری حاصل کرے۔ اور کلیمنٹ برابر اس سے
پہلو بچا رہا تھا۔ لیکن آخر میں وہ اس امر پر راضی ہوگیا کہ پوپ
عدالت وکلاء پوپ کے نائب کی حیثیت سے ایک کمیشن اس معاملے پر خود انگلستان
میں غور کرے۔ اس کمیشن میں، کارڈنل کومپیجیو، دولزی کے
۱۵۲۸ ساتھ شریک کیا گیا تھا، مہینوں بیکار مراسلت میں گزر گئے۔ اور
دونوں کارڈنل کیتھرین کو یہ سمجھاتے رہے کہ وہ کسی مذہبی
خانقاہ میں داخل ہو جائے، ہنری یہ زور دے رہا تھا کہ اس
جوازمناکحت کو باطل قرار دیکر باضابطہ طے کردیا جائے۔ آخر کار
۱۵۲۹ء میں پوپ کے دونوں وکیلوں نے بلیک فرائرز کے وسیع
ہال میں اجلاس شروع کیا۔ ہنری نے مختصر طور پر اپنا یہ ارادہ
ظاہر کردیا کہ وہ اب اس حالت گناہ میں رہنا نہیں چاہتا
ملکہ نے پوپ کے پاس معاملہ پیش کرنا چاہا، اور جب وکلاء
نے اسے منظور کرنے سے انکار کردیا تو وہ ہنری کے قدموں پر
گر پڑی۔ اور کہنے لگی کہ" اے میرے آقا! میں آپسے رحم کی خواستگار
ہوں، میں ایک عورت ذات اور اس ملک میں بالکل اجنبی
ہوں، نہ میرا کوئی سچا دوست اور نہ کوئی میرا اچھا برا صلاح
کار ہے۔میں خدا کو گواہ کرتی ہوں کہ میں نے ہمیشہ آپ کے

ساتھ سچائی و وفاداری کا معاملہ کیا، آپ کے خوش رکھنے کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھا جس سے آپ نے محبت کی میں نے بھی اس سے محبت کی بلا اس خیال کے کہ اس کی کوئی وجہ ہو یا نہ ہو یا وہ شخص میرا دوست ہے یا دشمن۔ میں برسوں آپ کی زوجیت میں رہی، اور آپ سے میرے کئی بچے ہوے، خدا اس بات کو جانتا ہے کہ جب میں آپ کی زوجیت میں آئی ہوں تو میں کنواری تھی، اور اس کا فیصلہ آپ ہی کے اوپر ہے، اگر میرے خلاف کوئی الزام ہو تو میں اس پر راضی ہوں کہ میں بدنامی کے ساتھ آپ سے علیحدہ ہو جاؤں، لیکن اگر کوئی الزام نہیں ہے تو میں آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ ہی میرا انصاف کیجئے،، مگر اس درد آمیز التجا نے بادشاہ پر کچھ اثر نہ کیا وہ پہلے ہی سے اپنے خاص محل میں شاہانہ تزک واحتشام سے ایَن بولین کی مہمانداری کر رہا تھا۔

کارروائی جاری رہی اور عدالت فیصلہ سنانے کے لئے جمع ہوی۔ ہنری کی امیدیں اپنی انتہائی بلندی پر پہنچ چکی تہیں کہ یکایک زمین پر گر کر پاش پاش ہو گئی۔ کارروائی کے شروع ہوتے ہی کوم پیجیو نے یہ اعلان کر دیا کہ عدالت ملتوی ہو گئی۔ یہ التوا محض ایک حیلہ تھا۔ حامیان شہنشاہ کے دباؤ سے مجبور ہو کر کلیمنٹ نے اس مقدمے کو خود اپنی عدالت روما میں طلب کر لیا تھا اور وکلا کے اختیار کو منسوخ کر دیا تھا۔

وولزی کا زوال ڈیوک سفک نے اپنا ہاتھ میز پر ٹپک کر کہا کہ "اب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ پرانی کہاوت بالکل سچ ہے کہ کسی وکیل پوپ

یا کارڈنل سے کبھی انگلستان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہے،، وولزی نے دلیرانہ جواب دیا کہ " اے میرے لارڈ ڈیوک! دنیا کے تمام لوگوں میں کارڈنلوں کی شکایت کا آپ کو سب سے کم حق ہے، اگر یہ غریب کارڈنل نہ ہوتا تو آج آپ کے جسم پر یہ سر بھی نہ ہوتا، اور نہ آپ ہم لوگوں کے خلاف اس طرح شکایت کرتے،، لیکن کارڈنل اور اس کے دشمن دونوں یہ جانتے تھے کہ وزیر کی قسمت کا فیصلہ ہوچکا ہے۔ اپنی بیس برس کی حکومت میں ہنری کو کبھی اپنی مرضی کے خلاف کوئی امر پیش نہیں آیا تھا اس کی تحکمانہ طبیعت اس صبر آزما مراسلت اور پوپ کی ریشہ دوانیوں اور عیاریوں سے بیزار تھی۔ وولزی اس کے غصے کا شکار ہوا کہ اسی نے اوّل اوّل اسے اس امر سے باز رکھا تھا، کہ وہ آزادانہ کارروائی کرے اور اپنی ہی عدالت میں اس معاملے کو پیش کرکے اس کے فیصلے کے موافق کار بند ہو۔ اسی نے یہ صلاح دی تھی کہ روما سے طلاق کی اجازت حاصل کرے اور اس معاملے میں اسے کامیابی کی اُمید دلائی تھی۔ وکلا پوپ کی عدالت کی بند ہونے کے بعد اس نے وولزی سے ملنا ترک کردیا۔ وولزی کا کچھ دنوں اور وزارت پر قائم رکھنا صرف اس وجہ سے تھا کہ ممالک غیر کے پیچیدہ مراسلت کا سلسلہ یک بیک ٹوٹ نہ جائے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی اس کی تاک میں تھی۔ فرانس اور شہنشاہ نے بمقام کیمبرے ایک نیا معاہدہ کرلیا اور اسے مغالطہ میں رکھکر بے وقوف بنایا۔ نہ صرف یہ کہ فرانس کے متعلق اس کی حکمت عملی پر کاربند ہونا اب ممکن ۱۵۲۹ء

نہیں رہا تھا، بلکہ چارلس کا راضی کرنا بھی قطعاً ضروری ہو گیا تھا، اور اس کی رضامندی وولزی کے زوال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی تھی - پس وولزی پر فوراً ہی یہ مقدمہ قائم کیا گیا کہ اس نے قانون پری میونی ری کے خلاف روما سے فرامین حاصل کئے تھے - چند روز بعد وہ اپنے عہدوں سے معزول کیا گیا - اس صدمے سے وولزی بالکل نیم جان ہو گیا - اس نے کہا کہ اگر بادشاہ اس سے خفگی ترک کر دے تو جو کچھ اس کے پاس ہے وہ سب حوالے کر دے گا - فرانسیسی سفیر نے لکھا تھا کہ " اس کا منہ سوکھ کر آدھا رہ گیا ہے - فی الحقیقت اس کی مصیبت ایسی ہے کہ اس کے دشمن بھی (اگرچہ وہ انگریز ہیں) اس پر رحم کئے بغیر نہیں رہ سکتے " - اس نے مایوس ہو کر اپنا عہدہ اور اپنی دولت سب ہنری کے قدموں پر ڈال دی، اور بعض وقت تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہنری نے اس کی اس ذلت کو کافی سمجھ لیا ہے - اہل لندن کی ایک ہزار کشتیاں دریائے ٹیمز میں یہ دیکھنے کو موجود نہیں کہ کارڈنل کی کشتی ٹاور کو روانہ ہو - مگر اسے بمقام ایشر چلے جانیکی اجازت دیدی گئی - اپنی وسیع املاک کے حوالہ کر دینے سے اسے معافی مل گئی اور یہ اجازت ہو گئی کہ وہ اپنی یارک کے مستقر اسقفی کو چلا جائے - یہی ایک عہدہ اس کے پاس اب باقی رہ گیا تھا، مگر ایک برس بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ بادشاہ کے اظہار افسوس سے وولزی کے سیاسی دشمنوں کا حسد بھڑک اٹھا اور جس شب میں اس کی مسند نشینی کی دعوت ہونے والی تھی اسی شام کو وہ بغاوت کے الزام پر گرفتار کر لیا گیا - اور ٹاور کا محافظ اسے لندن

لے گیا۔ وہ اپنی بے انتہا محنت، اندرونی بیماری، اور اپنے زوال کے باعث شکستہ خاطر ہو چکا تھا، اس نے اس گرفتاری کو قتل کا حکم سمجھ لیا اور پیچش کی شکایت سے مجبور ہو کر اسے خانقاہ لیسٹر میں ٹھیرنا پڑا اور جب وہ اس کے دروازے پر پہنچا تو اس نے برادران خانقاہ سے بہت پست آواز میں یہ کہا کہ "میں اپنی ہڈیاں تمہیں سپرد کرنے کے لئے آیا ہوں"۔ بستر مرگ پر بھی اس کا خیال اسی بادشاہ کی طرف لگا ہوا تھا، جس کی خدمت میں اس نے اپنی عمر گذار دی تھی۔ اس نے ٹاور کے لفٹنٹ سے کہا کہ "وہ نہایت ہی شاہانہ ہمت کا بادشاہ ہے۔ وہ اپنی نصف سلطنت کو خطرہ میں ڈال دے گا، مگر اپنی مرضی کے خلاف ایک کام بھی نہیں کرے گا۔ یقین جانو کہ میں تین تین گھنٹے تک اس کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑا رہا ہوں کہ اسے اس کی خواہش سے پھیر دوں، مگر اس پر کچھ اثر نہیں ہوا ہے ماسٹر ناگٹن! جس توجہ سے میں نے بادشاہ کی خدمت کی ہے اگر اس توجہ سے خدا کی طاعت کرتا تو وہ اس بڑھاپے میں مجھے اس طرح رائگاں نہ چھوڑتا، مگر درحقیقت میری محنت و مشقت کا یہی انعام ہونا چاہیے تھا کیونکہ میں نے خدا کی طاعت کی پروا نہ کر کے محض بادشاہ کی خدمت کو اپنا فرض سمجھ لیا تھا"۔ جس جدید مطلق العنانی کے مستحکم کرنے میں وولزی نے اپنے تمام پیشروؤں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ سعی

وولزی کا انتقال ۱۵۳۰

کی تھی، اس کی صحیح تصویر دولزی کے ان درد انگیز الفاظ سے بہتر نہیں کھینچی جا سکتی۔ انگلستان اس کی آزادی اور اس کے تنظیمات سے متعلق صداقت شعاری کے تمام خیالات دل سے محو ہو گئے تھے۔ کارکنان سلطنت کا صرف ایک فرض تھا کہ وہ بادشاہ کو خوش رکھیں، اور خود بادشاہ کی کیفیت یہ تھی کہ اس کی مرضی وخواہش سلطنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ اغراض پر غالب تھی، بہترین مشوروں کو وہ پامال کر دیتا اور ملازمان شاہی میں جو شخص ذرا بھی اس کی مخالفت کرتا اسے غائت ناشکرگزاری کے ساتھ آنکھ بند کر کے تباہ کر دیتا۔ دولزی اگر چہ اس بلائے بے درماں کے نمودار ہونے پر اس سے خائف ہو گیا تھا۔ مگر یہ اس کے بھی وہم و گمان میں نہیں تھا، کہ اس کے آقا کی شاہانہ ہمت بلکہ شاہانہ ہوس آئندہ کس حد تک تباہی برپا کرنے والی ہے۔

جزو ششم

ٹامس کرامول

۱۵۳۰ ۱۵۴۰

اسناد۔ کرامول کے ابتدائی حالات جس طرح فاکس نے بیان کئے ہیں وہ فرضی قصوں کا ایک مجموعہ ہے، اس بارے میں ہم

واقعی جو کچھ جانتے ہیں وہ اصل میں اسی قدر ہے جس قدر ڈین ہک نے سوانح اسقف اعظم کرنمیر Life of Archbishop Cranmer کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ اس کے عہد کار فرمائی کے صحیح اسناد صرف اس عہد کے سرکاری کاغذات ہیں جنہیں اب ماسٹر آف رولز کے لئے مرتب کیا جارہا ہے سرٹامس مور کی ایک پر تاثیر سوانح عمری اس کے داماد روپر نے لکھی ہے۔ اس زمانے کی مذہبی تاریخ کے لئے زیادہ اہم تحریرات برنٹ کی (تاریخ اصلاح History of the Reformation کے جدید اڈیشن مرتبہ مسٹر پوکاک میں ملیں گے۔ خانقاہوں کے تعطل کے متعلق تحریرات کیمڈن سوسائٹی کے ان خطوط کے مجموعہ میں ملیں گے جو اسی بحث پر شائع ہوا ہے اس قسم کے حالات سر ہنری الیس کے اصلی خطوط میں بھی دستیاب ہوں گے۔

اسٹرائپ نے اس زمانے کے اوائل سے ایک مجموعہ جمع کیا ہے، اس مجموعہ میں اس قسم کا مواد کثرت سے موجود ہے۔ مگر قدر و قیمت کے اعتبار سے یہ مجموعہ مختلف نوعیت کا ہے۔ مسٹر فراوڈ کی داستان [تاریخ انگلستان جلد اول، دوم، سوم History of England] اگرچہ ادبی حیثیت سے بہت ہی اعلیٰ کتاب ہے مگر تضاد بیان، عظمت ابطال پرستی، اور ظلم و جور کی بے باکانہ حمایت نے اسے خراب کردیا ہے۔ اس دور کے لئے اس کا مورخانہ اعتبار اس قدر کم ہے کہ مثل نہونے کے ہے)

وولزی کے زوال کے بعد کے دس برس کا زمانہ تاریخ انگلستان میں نہایت ہی نازک زمانہ شمار کیا جاتا ہے۔ شاہی جدید کی قوت آخرالامر ظاہر ہوئی اور وولزی نے جس کام کے لئے راستہ صاف کیا تھا وہ نہایت ہی خطرناک طریقے سے عمل میں آیا۔ صرف ایک ہی ذی اثر جماعت ایسی باقی رہ گئی تھی جو شاہی مرضی کی کچھ مقاومت کرسکتی تھی، لیکن اب اسے بھی خار راہ کی طرح الگ کردیا گیا۔ کلیسا مرکزی مطلق العنانی کا محض ایک آلہ ہوکر رہ گیا بغاوتوں کے آسانی سے فرو کردیئے جانے اور ظالمانہ سختی

سے ساتھ ان کا انتقام لئے جانے سے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ وہ کس قدر بے بس ہیں۔ خوب سمجھ بوجھ کر ایک ظالمانہ دور "تخویف"، قائم کردیا گیا تھا، جس سے انگلستان حالت اضطراب میں ہنری کے قدموں کے نیچے پامال ہورہا تھا۔ معزز ترین لوگوں کے سر قتل گاہ میں لنڈھکتے پھرتے تھے۔ علم و نکو کاری سر ٹامس مور سے شخص کو نہ بچا سکی، شاہی نسل میں ہونے کے باوجود بھی لیڈی سالسبری کو کچھ نفع نہ پہنچا۔ ایک ملکہ کے علٰحدہ کردینے اور دوسرے کے قتل کردینے سے انگلستان کو یہ تجربہ ہوگیا کہ کوئی شے اس قدر بلند نہیں ہے جہاں ہنری کی "ہمت" کی رسائی نہو سکے اور کوئی شے ایسی مقدس و متبرک نہیں ہے جو اس کی خواہش نفسانی سے بچ سکے، پارلیمنٹ صرف اسلئے جمع ہوتی تھی کہ بے خوف و خطر مظالم کے لئے قانونی منظوری عطا کرے یا اس مطلق العنان حکومت کی سر بفلک عمارت کے اور بلند کرنے کے لئے قوانین نافذ کرے انگریزی نظام حکومت کی تمام احتیاطیں ہوا ہوگئی تھیں بے قاعدہ اجرائے محصول بے قاعدہ نفاذ قانون بے قاعدہ قید وہ اختیارات تھے جو بلا بحث و حجت اور بے روک ٹوک محض بادشاہ کی ذاتی مرضی سے عمل میں آتے تھے۔

ٹامس کرامول اسے ایک عظیم الشان انقلاب سے کم نہیں سمجھنا چاہئے اور اس انقلاب کی تاریخ ایک شخص واحد کی تاریخ ہے۔ مدبران انگلستان کے تمام سلسلے میں کوئی مدبر ایسا نہیں ہے جسکے حالات

معلوم کرنے کا ہمیں ٹامس کرامول کے حالات سے زیادہ اشتیاق ہو اور جس کے حالات واقعتہً ہم اسقدر کم جانتے ہوں۔ ہنری کی ملازمت میں جب ہم ٹامس کرامول کو دیکھتے ہیں۔ اُس وقت وہ زمانۂ کہولت سے گزر چکا تھا اور اسکے اوائل عمر کے حالات کے بارے میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتے کہ قصوں کے ایک انبار سے چند چیدہ چیدہ صحیح حالات کا پتہ چلالیں۔ نوجوانی میں وہ گردش ایام کے ساتھ چکر کھاتا رہا۔ یہ محقق نہیں ہے کہ وہ پٹنی کے کسی غریب لہار کا لڑکا تھا یا نہیں، مگر اس میں شک نہیں کہ جب وہ مارشنس ڈارسٹ کی ملازمت میں داخل ہوا ہے تو وہ محض لڑکا تھا، اور جنگہائے اطالیہ میں ایک عام سپاہی کی حیثیت سے جب وہ شریک ہوا ہے اس وقت بھی وہ نوجوان تھا، اور جب اس نے کرنیمر سے زمانۂ مابعد میں اپنی اس زمانہ کی حالات کا ذکر کیا تو یہی کہا کہ اس درسگاہ جنگ میں بھی جو کہ دنیا کے تمام درسگاہوں سے سخت تھی مجھکو "شریر" ہی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اسی درسگاہ میں اسے وہ خطرناک سبق ملے جو کسی لشکرگاہ میں نہیں مل سکتے ہیں، وہ نہ صرف اطالوی زبان پر حاوی ہوگیا بلکہ اپنے گردو پیش کے بورجیون اور میدیچیون کے زمانے کے اطالوی انداز واطوار میں بھی ہمہ تن غرق ہوگیا جب وہ لشکرگاہ سے دفتر حساب میں آیا ہے تو اس میں اطالوی تلوّن کا پوری طرح اثر آچکا تھا وہ وینس کے کسی سوداگر کا تجارتی گماشتہ مقرر ہوگیا تھا یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اینٹورپ میں محرّر ہوگیا تھا۔ اور آخرکار سنہ ۱۵۱۲ء میں بہ صحیح مورخانہ طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مڈل برگ واقع زیلینڈ میں انکا ایک مرفہ الحال

تاجر تھا۔ انگلستان میں واپس آکر وہ ساہو کاری کے ذریعے
سے اپنی کثیر دولت کو اور بڑھاتا گیا۔ وہ ایک طرح پر ساہوکار
اور مختار کار دونوں تھا اور علاوہ اور کاموں کے بالتخصیص غریب
شرفا کو قرض دیا کرتا تھا۔ جب فرانس سے دوسری بار جنگ
شروع ہوئی ہے اس وقت وہ دارالعوام کا ایک مستعد اور باا ثر
رکن تھا۔ پانچ برس بعد وہ وولزی کی ملازمت میں داخل ہوگیا'
اور اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اس کا اصل مقصد و حوصلہ کیا
ہے۔ کارڈنل چاہتا تھا کہ اسے ایسا کوئی کارکن ملے جو اسکی
چند جاری کردہ خانقاہوں کو بند کرکے ان کی آمدنیاں اسکے
بنا کئے ہوئے مدارس آکسفورڈ اور اپسوچ میں منتقل کردے۔
یہ ایک ناپسندیدہ کام تھا۔ اس کام میں لوگوں کے احساس کی
مطلق پروا نہیں کی گئی، اور کرامول سے بھی لوگوں کو وہی
نفرت پیدا ہوئی جو اس کے مالک کے ساتھ پیدا ہورہی تھی
مگر دنیا کو اس کی حیرت انگیز خود اعتمادی اور احساس قوت
کا علم وولزی کے زوال کے بعد ہوا، دوران حکمرانی میں سیکڑوں
خدام کارڈنل کے اشارۂ چشم و ابرو کے منتظر رہتے تھے، مگر
اس کے زوال کے بعد جس شخص نے آخر تک اسکا وفادارانہ
ساتھ دیا وہ کرامول تھا۔ اپنے زوال کے بعد قیام ایشر کے
زمانے میں تنہائی کے اوقات میں وولزی، کرامول، سے اپنے
درد دل کا اظہار کرتا تھا اور کرامول جہانتک ہو سکتا تھا اسے
تسلّی دیتا تھا، اور یہ چاہتا تھا کہ وہ اسے لندن جانے کی

اجازت دیدے تاکہ "وہ بن جائے یا بگڑ جائے" ایک تجویز سے اس کی پختہ کاری و ہوشیاری کا ثبوت ملتا ہے۔ اس نے وولزی کو اس امر پر آمادہ کردیا کہ اس کے جو محاصل امرا کے درمیان تقسیم کردے گئے ہیں وہ انہیں منظور کرلے اور اس طرح ان کی دشمنی کو رفع کردے۔ ان معاملات میں درمیانی کی حیثیت سے اس نے دوسری طرف بھی عزت حاصل کرلی تھی۔ کرامول ہی کی کوششوں سے پارلیمنٹ میں یہ تجویز نامنظور ہوگئی کہ آئندہ وولزی کو ہر قسم کی خدمت کے ناقابل قرار دیا جائے اور اسی کے توسط سے نامہ و پیام ہوکر اس معزول وزیر کو اجازت مل گئی کہ وہ یارک کو چلا جائے۔ ایک تباہ شدہ مربی کے ساتھ اس قسم کی عدیم المثال وفا شعاری سے کرامول کی ایک عام وقعت دلوں میں پیدا ہوگئی تھی "وہ اپنے آقا کے معاملے میں اس ایمانداری کے طرز عمل سے وہ نہایت ہی وفادار خادم سمجھا جانے لگا تھا اور سب لوگوں میں اسکی وقعت ہوگئی تھی" مگر ہنری کی حمایت کے کچھ اور ہی اسباب تھے، لندن کی آمد و رفت میں وہ ایک بار خاص طور پر بادشاہ سے ملا اور اس نے دلیری کے ساتھ اسے یہ صلاح دی کہ وہ کلیسا پر خود اپنی فوقیت کے زور سے طلاق کے عقدۂ مشکل کو وا کردے۔ یہ صلاح آئندہ کی ان تمام کارروائیوں کی کنجی تھی جن کے ذریعے سے اس بے باک مشیر نے کلیسا اور سلطنت کی تمام صورت ہی بدل دی، مگر نئے وزرا نے جو امیدیں اسے دلائی تھیں ہنری نے ابھی تک

دامن نہیں چھوڑا تھا اور شاید اس وقت تک وہ اس درجہ کی بیباکانہ مطلق العنانی سے جھجکتا بھی تھا جس کی صلاح کرامول دے رہا تھا۔ لیکن بہر نوع یہ صلاح پوشیدہ رکھی گئی تھی اور اگرچہ بادشاہ کی نظر میں اُس کا مرتبہ بلند تھا مگر اس کا نیا خادم واقعات کی رفتار کو صبر کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

نارفک اور مور

وولزی کے زوال کے بعد ڈیوک نارفک کو تقدم حاصل ہوگیا تھا، وہ اجرائے طلاق کی کامیابی کے لئے نہ صرف شہنشاہ کے اتحاد و امداد پر اعتماد کرتا تھا بلکہ اسے یہ بھی توقع تھی کہ پارلیمنٹ بھی اس تجویز کی تائید کریگی۔ بعد مدت دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ کے جمع ہونے سے ظاہر ہوا کہ وولزی کے طریق عمل کا دور ختم ہوگیا ہے۔ بادشاہ کو اب اتنی قوت حاصل ہوگئی تھی کہ پارلیمنٹ کو ایک خطرناک شے سمجھنے کے بجائے وہ اسے اپنی کار برآری کا ایک آلہ بنالے اور ہنری کو بجا طور پر یہ توقع تھی کہ روما کے ساتھ مناقشے میں پارلیمنٹ گرمجوشی سے اس کی تائید کرے گی۔ "تعلیمات جدیدہ" کے اصحاب کا طرز عمل بھی اس سے کچھ کم اہم نہیں تھا۔ کارڈنل کے زوال سے جس طرح اس کے سیاسی دشمنوں کے لئے برتری کا راستہ کھل گیا، اسی طرح ان لوگوں کو بھی عروج کا موقع حاصل ہوگیا، مور کے مختصر زمانۂ وزارت کے کاموں کی بنا پر اگر رائے قائم کی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے چانسلر کا عہدہ اسی امید سے قبول کیا تھا کہ وہ اس ذریعے سے کالٹ اور

ارسیمس کے مطلوبہ مذہبی اصلاحات کو جاری کر سکے گا، اور اتحاد کلیسا کے خلاف میلان انحراف کو روک سکے گا، پروٹسٹنٹ کے خلاف میں اس کی سختیوں کو مخالفین نے عداوت کے باعث بہت مبالغے سے ظاہر کیا ہے، لیکن اس کی نیکنامی پر اگر کوئی دھبہ ہے تو صرف یہی ایک دھبہ ہے۔ مور کا خیال یہ تھا کہ کاؤنسل (مجلس شاہی) نے جو تجاویز پارلیمنٹ کے سامنے پیش کئے ہیں ان کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اصلاح کے کام کو انقلابی کیفیت سے بالکل ممیز رکھا جائے اور پروٹسٹنٹ کی کارروائیاں مور کے نزدیک انقلابی نوعیت کی تھیں۔ دارالعوام کی درخواست کالٹ کے مشہور خطبہ مجلس مذہبی کی آواز بازگشت معلوم ہوتی تھی۔ اس نے انگریزی زبان میں کیتھولک و عیسوی عقائد کے خلاف جن فتنہ انگیز کتابوں کی اشاعت ہوا کرتی تھی انہیں اسنے مختلف فرقوں کی حد سے گزری ہوئی اور ناپارسایانہ طرز زندگی کی طرف منسوب کیا تھا" بادشاہ یا رعایا کی منظوری کے بغیر پادریوں کی مجلس کی قانون سازی، کلیسائی عدالتوں کی تکلیف دہ کارروائی، کلیسا کی سرپرستی کی خرابیوں اور مذہبی تعطیلوں کے لاتعد ہونے پر اسی درخواست میں اعتراضات کئے گئے تھے۔ ہنری نے اس درخواست کو اساقفہ کے پاس بھیجدیا مگر وہ ان خرابیوں کے رفع کرنے کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے، اور وزارت نے اس امر پر زور دیا کہ اصلاح کلیسا کا مسودہ قانون ایوانہائے پارلیمنٹ میں پیش کیا جائے۔ مجلس مذہبی اور عدالتہائے اساقفہ

کے سوالات مزید غور کے لئے ملتوی کردیے گئے مگر ان عدالتوں کی فیس کم کردی گئی، پادریوں کا کاروبار دنیاوی میں پڑنا ممنوع قرار دیا گیا، ایک ہی شخص کا متعدد کلیسائی جائدادوں پر قابض ہونا روک دیا گیا، اور اپنے حلقے کے اندر رہنا ہر پادری پر لازم کیا گیا۔ اساقفہ کی سخت مخالفت کے باوجود ان مسودات کو دارالامرا کی منظوری حاصل ہوگئی۔ اس سے عام لوگوں کو بہت خوشی حاصل ہوئی اور مذہبی طبقہ حد درجہ ناراض ہوا۔ ان نئی کارروائیوں کی اصل اہمیت محض پارلیمنٹ کا فعل تھا۔ اس سے عموماً اس بات کا اعلان ہوگیا تھا کہ آئندہ کلیسا کی اصلاح پادریوں کے ذریعہ سے نہیں بلکہ عام قوم کے ذریعے سے عمل میں آئے گی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی عیاں ہوگیا کہ اس اصلاح میں کلیسا کی مخالفت نہیں بلکہ اس کی عین بہی خواہی مدنظر ہوگی۔ اسقف فشر نے کچھ الفاظ ایسے استعمال کئے تھے جن سے ارکان دارالعوام کے خوش عقیدہ ہونے میں شک آتا تھا مگر دارالعوام نے اسے ان الفاظ کے لئے معافی مانگنے پر مجبور کیا۔ ہنری نے ٹنڈیل کے ترجمہ کتاب مقدس کی اشاعت کی ممانعت کردی کیونکہ وہ پروٹسٹنٹ انداز میں لکھا گیا تھا اور یہ وعدہ کیا کہ اس کے بجائے ایک زیادہ صحیح ترجمہ تیار کیا جائیگا مگر معاملۂ طلاق کے نامہ و پیام میں وزارت کی ناکامی سے
۱۵۳۰ "تعلیمات جدیدہ" کے خانگی اغراض فوت ہوگئے۔ اتحاد فرانس کے شکست کردینے اور اس فریق کے برسرکار آجانے کے باوجود

جو شہنشاہ کے ساتھ اتحاد کا حامی تھا، چارلس نے اپنی خالہ کی جانب داری کو ترک نہیں کیا۔ وزرا نے کیمبرج کے ایک عالم ٹامس کرینمر کا یہ مشورہ پسند کیا کہ یورپ کے دارالعلوموں سے اس معاملے میں رائے طلب کرنا چاہیئے مگر ممالک عیسوی کی جماعت علما کے سامنے اس معاملے کے پیش کرنے کا انجام قطعی خلاف مقصد ہوا۔ انگریزی گماشتوں نے دارالعلوم پیرس کو بیدریغ رشوتیں دیں، مگر اس پر بھی اگر خود فرانسس نے مداخلت نہ کی ہوتی تو نتیجہ خلاف رہتا آکسفورڈ اور کیمبرج کی منظوری حاصل کرنے میں ہنری نے اپنے اقتدار سے ایسا ہی شرمناک کام لیا۔ جرمنی میں پروٹسٹنٹ تک نے اپنے تجدید اخلاقی کے جوش کے باوجود بادشاہ کی ایک نہ سُنی کرینمر نے جہانتک جانچا یہ معلوم ہوگیا کہ ممالک عیسوی کا ہر عالم بجز اس کے کہ وہ رشوت یا خوف سے مغلوب ہوجائے، ہنری کی خواہش کو ناجائز قرار دے گا۔

کرامول اور کلیسا

جب نارفک اور اس کے دوسرے شریک کار وزرا اپنی تمام تدبیریں ختم کرچکے تو کرامول پھر صف اول میں نمودار ہوا، وولزی کے زوال پر ہنری جس دلیرانہ تجویز کے اختیار کرنے سے گھبراتا تھا، دوسرے ذرائع سے ناامید ہوکر اب وہ اس کے اختیار کرنے پر مائل ہوتا جاتا تھا، کرامول نے پھر وہی تجویز پیش کی کہ بادشاہ کو چاہیئے کہ پوپ کے اقتدار کو برطرف کرکے خود اپنے ملک کے کلیسا کا سرتاج

بن جائے۔ اور اپنے ہی کلیسائی عدالت سے طلاق کی اجازت
حاصل کرلے۔ لیکن اس تجویز سے کرامول کا مقصود صرف طلاق
کی اجازت ہی حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ وہ نہایت وسیع
تغیرات کے عمل میں لانے پر تلا ہوا تھا۔ اس نئے وزیر
کے گونا گون حالات کے دوران میں ایک نہایت گہرا رنگ
ہمیشہ بر قرار رہا ہے اور وہ اطالیہ کا اثر تھا کرامول کے ساتھ
نہ صرف اطالوی فن سیاست کی عاجلانہ و ظالمانہ تدبیریں
بلکہ اطالیہ ہی کی سی وسعت نظر، وضوح اغراض اور قابل تعریف
اجتماع قوت کے صفات بھی انگریزی سیاسیات میں داخل
ہوگئے تھے، درحقیقت وہی پہلا وزیر ہے جس کی تمام زمانۂ
حکمرانی میں ایک عظیم و مخصوص غرض کے لئے مسلسل کوشش
کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی غرض یہ تھی کہ بادشاہ کو ایسا
علی الاطلاق اقتدار حاصل ہوجائے کہ ملک کی تمام دوسری
طاقتیں اس کے سامنے صفحہ ہستی سے مٹ جائیں۔ یہ صحیح
نہیں ہے کہ کارمول محض مطلق العنانی پر فدا تھا، ہم اس
قصے کا یقین کریں یا نہ کریں کہ وہ اپنے عنفوان شباب میں
فلورنس میں گیا تھا مگر اس میں شک نہیں ہے کہ اسکی
تدبیر ملکی فلورنس کے اسی صاحب فکر کے خیالات کے سانچے
میں ڈھلی ہوئی تھی جس کی کتاب ہمیشہ اس کے ہاتھ میں
رہتی تھی۔ جب وہ وولزی کی ملازمت میں تھا اس وقت بھی
اس نے ریجینلڈ پول کو (جو آگے جاکر کارڈنل ہوگیا) یہ کہکر

چونکہ ویا رہ وہ میکیاویلی کی کتاب "پرنس" کو سیاسیات میں اپنا دستور العمل بنائے میکیاویلی کو توقع تھی کہ سیزر بورجیا یا زمانۂ مابعد میں لارنزو ڈی میڈیسی، کے مانند کوئی ایسا مطلق العنان ملجائے گا جو تمام دوسرے خود مختاروں کو پامال کرکے اطالیہ کو متحد اور ازسر نو زندہ کردے گا۔ اسی طرح کرامول کی طرز عمل سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام اختیارات کو بادشاہ کی ذات میں مجتمع کرکے انگلستان میں روشن خیالی اور انتظام پیدا کرنا چاہتا تھا۔ وارز آف دی روزز (پھولوں والی لڑائی) کے بعد شاہی مطلق العنانی میں صرف ایک روک باقی رہ گئی تھی اور وہ کلیسا تھا۔ کلیسا اپنی دولت، اپنی آزادانہ مجالس کے اختیارات اور اپنے مذہبی دعاوی کی وجہ سے ایک طرح پر بادشاہ کا مدمقابل تھا۔ اب کلیسا کی اس عظیم الشان جماعت کو محض سلطنت کا ایک محکمہ بنادینا جس کے تمام اختیارات کا منبع صرف بادشاہ کی ذات ہو اور اسی کی مرضی قانون اور اسی کا فیصلہ صداقت کا معیار ہو، ایک ایسا تغیر تھا کہ بلا سخت کشمکش کے اس کا عمل میں آنا ممکن نہیں تھا اور کرامول صاف دیکھ رہا تھا کہ طلاق کے معاملے میں اسے اس جد و جہد کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ اس کے پہلے ہی وار سے ظاہر ہوگیا کہ کس شد و مد سے یہ مخاصمت شروع ہونے والی ہے قانون پریمونیری کے خلاف ورزی کے جرم میں وولزی کو سزا ہوئے، ایک برس گزر چکا تھا،

اب ججوں نے اس میں یہ موشگافی کی کہ اس کے احکام کے قبول کرنے سے حسب قاعدہ تمام قوم اس جرم کی مرتکب ہو چکی ہے۔ اس ناممکن العمل قانونی کارروائی کا تدارک یہ کیا گیا کہ تمام لوگوں کو عام معافی دیدی گئی لیکن پادریوں کا طبقہ اس معافی عام سے خارج رکھا گیا۔ ان سے یہ کہا گیا
۱۵۳۱ کہ اگر وہ معافی چاہتے ہیں تو اس کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ (اس زمانے کے اندازے کے موافق) دس لاکھ پونڈ کا تاوان دیں اور بادشاہ کو "انگلستان کے کلیسا اور پادریوں کا، حامی خاص و سرپرست اعلیٰ تسلیم کریں"۔ پہلے مطالبے پر تو وہ فوراً راضی ہوگئے البتہ دوسرے مطالبے کے خلاف انہوں نے سخت جد وجہد کی مگر ہنری اور کرامول نے ان کی تمام التجاؤں کا جواب یہی دیا کہ انہیں فوراً اطاعت کرنا چاہئے آخر ایک شرطیہ جملہ اضافہ کرکے باہم مصالحت ہوگئی کہ "جہانتک عیسیٰ کا قانون اجازت دے" اس اضافہ کے ساتھ اسے وارہم نے پھر مجلس مذہبی کے روبرو پیش کیا۔ سب لوگ خاموش رہے کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسقف اعظم نے کہا کہ "چپ رہنے والے کی نسبت یہ سمجھا جائے گا کہ وہ رضامند ہے" اس پر اس مجمع میں ایک آواز یہ آئی کہ "تو پھر ہم سب چپ رہیں گے"

اس اطاعت سے ہنری یہ چاہتا تھا کہ وہ کلیسا کا سرگروہ تسلیم کرلیا جائے مگر یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی

کہ اس سے پادریوں کو اِن کی روش پر متنبہ کردینے سے زائد کچھ اور منظور تھا۔ اس وقت تک اس کے وہ معنی پیدا نہیں ہوے تھے جو بعد کو پیدا کئے گئے۔ اس قدر یقینی تھا کہ اس سے روما سے آزاد ہوجانے کا مفہوم نہیں پیدا ہوتا تھا مگر اس سے پوپ کو صاف طور پر یہ بتا دینا مقصود تھا کہ اختلاف کی صورت میں انگلستان کے پادریوں کا گروہ بادشاہ کے اثر میں ہوگا۔ امرا اور بعض ارکان دارالعوام کی جانب سے اس معاملے کے طے کردینے کے لئے کلیمنٹ کے روبرو جو درخواست پیش ہوئی تھی اس سے اس شُبہ کو تقویت ہوتی تھی۔ امرا کی جانب سے یہ کہا گیا تھا کہ "بادشاہ کا معاملہ ہم میں سے ہر ایک کا معاملہ ہے"۔ طلاق کے حق میں دارالعلوموں کے فیصلے سے اگر کلیمنٹ اتفاق نہ کرے گا تو ہماری حالت بالکل نا قابل علاج نہیں ہوجائے گی۔ آخری چارہ کار ہمیشہ سخت ہوا کرتا ہے۔ مگر بیمار سے جس طور سے بھی ہوسکے گا وہ اپنی علالت کو دفع کرے گا"۔ کیتھرئن کے شاہی محل سے خارج کروئے جانے سے اس مطالبے میں اور زیادہ زور پیدا ہوگیا۔ پوپ کے ۱۵۳۲
پاس ایک اور سفارت بھیجی گئی تھی اور جب اسے بھی اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی تو کرامول کو آئندہ کارروائی کے لئے بالکل آزادی حاصل ہوگئی۔ جب کرامول کے اثر کو زیادہ ترقی ہوئی تو مور چانسلر کے عہدے سے

ہٹ گیا مگر جس انقلاب سے وہ جھجکتا تھا اِس کا ہونا لابد تھا۔ اڈورڈ کے وقت سے لوگ اسی خیال میں تھے کہ ملک کے مذہبی اور دنیاوی، تعلقات میں ہم آہنگی پیدا کریں۔ بیرون ملک میں پوپ کے اقتدار اور اندرون ملک میں پادریوں کے جداگانہ اختیار دونوں کے لئے پارلیمنٹ اول ہی سے قومی رقابت کا آلہ بن گئی تھی۔ یہ تحریک ایک مدّت تک مذہبی رجعت پسندی اور خانہ جنگی کی وجہ سے رکی رہی مگر اب قومی عظمت اور قومی اتحاد کے نئے احساس کے باعث پھر اس میں دوبارہ ترقی شروع ہی ہوئی تھی کہ طلاق کے معاملہ اور انگلستان کے اغراض کے ایک غیر ملکی عدالت میں پیش ہونے کے باعث اس میں یک بیک زور پیدا ہوگیا اور اس کی رفتار بہت ہی تیز ہوگئی۔ اب وقت آگیا تھا کہ انگلستان اپنے حدود کے اندر اپنے لئے مذہبی و ملکی دونوں اختیارات کے تمام و کمال عمل میں لانے کا دعویٰ کرے اور چونکہ اس وقت کے سیاسی خیال کے مطابق بادشاہ تمام اختیارات کا مرکز و مرجع تھا۔ اس لئے ان اختیارات کا بادشاہ کے لئے چاہنا گویا قوم کے لئے چاہنا تھا۔ ۱۵۳۲ء میں مذہبی مجلس کے روبرو جو تجاویز پیش ہوئے ان میں کی ایک تجویز سے صاف طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ سرگردگی مذہب (کلیسا) کا مفہوم کیا تھا۔ اس قابل یادگار دفعہ کے الفاظ یہ تھے کہ "بادشاہ جس طرح اپنی رعایا کے جسموں کا نگہبان ہے

اسی طرح ان کی روحوں کا بھی نگہبان ہے اور بموجب حکم خدا وہ اپنی پارلیمنٹ کے توسط سے جس طرح جسمانی امور کے لئے قانون بنا سکتا ہے اسی طرح روحانی امور کے لئے بھی قانون وضع کرسکتا ہے"۔ اس مجلس پر سخت زور ڈالا گیا اور اسنے مجبور ہوکر یہ درخواست کی) کہ کلیسا سے آزادانہ قانون بنانے کا اختیار سلب کرلیا جائے۔ روما بھی اس زد سے بچ نہ سکا پارلیمنٹ نے پوپ کی عدالت میں مرافعات کے بھیجنے کی قانوناً ممانعت کردی اور پادریوں کی ایک مجلس کی درخواست پر دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے بادشاہ کو یہ اختیار دئے دیا کہ اسقف اپنے انتخاب پر پہلے سال کی جو آمدنی پوپ کی نذر کرتا ہے بادشاہ اگر چاہے تو اسے بند کردے۔ ان دونوں کارروائیوں کے ذریعہ سے دربار پوپ سے ہر طرح کے عدالتی و مالی تعلقات منقطع کردئے گئے۔ کرامول اب وولزی کی حکمت عملی کی طرف پلٹا۔ چارلس سے امداد کی تمام امید ترک کردی گئی اور فرانس سے ایک نیا اتحاد کرکے اس نے دربار پوپ پر دباؤ ڈالنا چاہا۔ مگر یہ دباؤ بھی مثل سابق کے ناکامیاب رہا۔ کلیمنٹ نے بادشاہ کو یہ دھمکی دی کہ اگر وہ تحقیق وتصفیہ مقدمہ تک کیتھرین کو بدستور ملکہ کی حیثیت سے واپس نہیں بلالیگا اور این بولن سے ہر طرح کے تعلقات ترک نہ کردے گا تو وہ ملت سے خارج کردیا جائے گا۔ ہنری نے اپنے ملک سے باہر کی کسی عدالت کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا

قانون مرافعات

اور پوپ کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ ملک کے اندر اس مقدمہ کی تحقیقات کرے۔ ہنری نے بالآخر این بولن سے خفیہ عقد کرکے اس طویل بحث و مباحثہ کا خاتمہ کردیا وارہم کا انتقال ہوچکا تھا اور طلاق کا سرگرم جانب دار کرینمر کینٹربری کا اسقف اعظم بنادیا گیا تھا۔ اس کے اجلاس میں فوراً کارروائی شروع کردی گئی۔ نئے مقتدائے اعظم نے بہ مقام ڈنسٹیبل کیتھرین کے
طلاق عقد کو باضابطہ ناجائز قرار دے دیا اور ایک ہفتہ بعد کرینمر
۱۵۳۳ نے آئن بولن کے سر پر وہ تاج رکھا جس کی وہ اتنے دنوں سے تمنا کر رہی تھی۔

قانون سرگروہی کلیسا

اس وقت تک کراموِل کی مذہبی حکمت عملی طلاق کے معاملے میں پوشیدہ تھی اور اگرچہ روما و انگلستان کے درمیان باضابطہ مراسلات ہوتے رہے یہانتک کہ کلیمنٹ نے آخرالامر کیتھرین کے حق میں اپنا فیصلہ صادر کردیا مگر اب ان مراسلات کا کوئی اثر ان کارروائیوں پر باقی نہیں رہا تھا جو کلیسائے انگلستان میں پیہم جلد جلد تغیر پیدا کر رہی تھیں۔ پادریوں کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ ہنری کو کلیسا کے "محافظ اور سرگروہ" تسلیم کرلینے کا مطلب الفاظ ظاہری کے سوا کچھ اور بھی ہے۔ یہ اس حکمت عملی کا پہلا قدم تھا جس کے ذریعے سے کلیسا کو بادشاہ کے قدموں کے نیچے ڈال دینا مقصود تھا روما کے مناقشے میں پارلیمنٹ نے بادشاہ کی مرضی سے ہر طرح پر اتفاق کرلیا تھا۔ اسی طرح قدم بقدم اس قانون عظیم کے لئے

راستہ صاف کیا گیا۔ جس سے کلیسا کی نئی ترتیب قائم کی گئی
تھی۔ "قانون سرگروہی کلیسا" کے ذریعے سے یہ قرار پایا کہ "روئے
زمین پر صرف بادشاہ ہی کلیسائے انگلستان کا سرگروہ اعلیٰ ہے ۱۵۳۴
اور اس کی یہ حیثیت ہر طرح پر مسلّم و موقر ہوگی اور وہ علاوہ
اپنے شاہی اعزاز و القاب کے کلیسا کے سرگروہ کی حیثیت
سے کلیسا کے تمام اعزاز، اختیار، اقتدار، معافیات، منافع اور
املاک پر متصرف ہوگا، اور اسے کامل اختیار ہوگا کہ مذہبی
اقتدار و اختیار کے بموجب ہر قسم کی غلطی، ارتداد، تخریب
و استخفاف مذہب کو روکے اور ان کی اصلاح کرے" اسطرح
تمام مذہبی و ملکی معاملات کے اختیارات بادشاہ کی ذات میں
مجتمع کر دیے گئے تھے "مذہبی عدالتیں" اسی طرح کی شاہی
عدالتیں ہوگئیں جیسی وسٹ منسٹر کی عدالتیں تھیں۔ بلکہ اس قانون
سرگروہی کلیسا کا پورا زور دوسرے سال ظاہر ہوا جب ہنری
نے "سرگروہ اعلیٰ کلیسائے انگلستان بر روئے زمین" کا لقب اختیار کیا
اور چند ماہ بعد کرامول بادشاہ کی جانب سے مذہبی معاملات کا ۱۵۳۵
وکر جنرل (قائم مقام اعلیٰ) مقرر کیا گیا۔ اس کے عہدے کے
مانند اس کا خطاب بھی وولزی کے طریقے کو یاد دلاتا تھا
مگر شاہی طرز عمل کے نئے اختیار کا اظہار اس امر سے ہوتا
ہے کہ اب یہ تمام طاقتیں کسی مذہبی شخص کے ہاتھ میں نہیں بلکہ
ایک عام شخص کے ہاتھ میں جمع ہوگئی تھیں۔ اور کرامول کو
اپنے منصب کے لحاظ سے یہ موقع حاصل ہوگیا تھا کہ وہ

اس حکمت عملی کو کمال سختی کے ساتھ عمل میں لائے۔ اس
معاملے میں عملی طور پر پہلی عظیم الشان کارروائی تو یہ ہو چکی تھی کہ
از روئے قانون پارلیمنٹ، پادریوں کی مذہبی مجالس کو قانون بنانے
کے اختیارات سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک دوسرا
قانون نافذ ہوا جس کی رو سے اساقفہ کے آزادانہ انتخاب کے
بحال کرنے کے پردے میں ہر ایک مذہبی مقتدی کو بادشاہ
اساقفہ کی — کا نامزد شدہ بنا دیا گیا تھا۔ مدت سے خانقاہی گرجوں کے
ماتحتی — منتظمین کے ہاتھ میں اساقفہ کا انتخاب صرف ایک ضابطہ پیمائی
۱۵۳۶ — کی صورت میں رہ گیا تھا۔ در اصل اڈورڈ کے وقت سے ان
اساقفہ کا تقرر بادشاہ کی نامزدگی پر پوپ کی جانب سے عمل
میں آتا تھا۔ اب آزادانہ انتخاب کا حق پھر ان لوگوں کو
عطا کیا گیا مگر یہ محض ایک مذاق و مضحکہ تھا۔ درحقیقت
قانون پریمونیری[۵] کے خوف سے وہ مجبور تھے کہ اسی امیدوار کو
منتخب کریں جس کی بادشاہ سفارش کرے۔ یہ عجیب و غریب
طریقہ اس وقت تک بر قرار ہے مگر آئینی قواعد کی ترقی
سے اس کی ہیئت بالکل بدل گئی ہے۔ جارج اول کی تخت نشینی
کے وقت سے اساقفہ کا تقرر بادشاہ کی ذات سے نکل کر اس
وزیر کے ہاتھ میں آگیا ہے جو قوم کی مرضی کا نمائندہ ہوتا ہے

---

[۵] قانون پریمونیری (۱۳۹۲ء) کا منشا یہ تھا کہ اگر کوئی شخص پوپ کا کوئی حکم بلا منظوری بادشاہ کے انگلستان میں لائیگا تو مستوجب سزا ہوگا۔

اس لئے اب عملاً دنیا کے تمام مقتدایان دین میں انگلستان ہی کے مقتدایان دین اپنے اسقفی منصب پر اس قسم کے عام انتخاب کے ذریعہ سے فائز ہوتے ہیں جس طرح ایمبروس ملان کی اسقفی پر فائز ہوا تھا۔ لیکن جس وقت کا یہ ذکر ہے اس وقت کرامول کی کارروائی نے انگلستان کے اساقفہ کو بالکل ہی تاج کا تابع بنادیا تھا۔ اگراس کی حکمت علی پر پورا پورا عمل ہوتا اور تقرر کی طرح اساقفہ کی موقوفی پر بھی بادشاہ کا اختیار بتمامہ عمل میں آنے لگتا تو بادشاہ ان کے سیاہ و سفید کا بالکل ہی مالک ہوجاتا۔ لیکن حالت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ ہنری نے ڈبلن کے اسقف اعظم کو ان الفاظ میں متنبہ کیا تھا کہ " اگر تم اپنی مغرورانہ بیوقوفی پر مصر رہوگے تو ہمیں یہ قوت حاصل ہے کہ تمہیں علحدہ کرکے تمہاری جگہ تم سے زیادہ دیندار اور ایماندار شخص کو مقرر کردیں " ایلیزبیتھ تاک نے ایک مرتبہ بد مزاجی کی حالت میں اسقف ایلی کو یہ دھمکی دی تھی کہ وہ " اس کی عبا اُتروالے گی " اصلاح کے زیادہ پُرجوش حامی، اساقفہ کے اس طرح تاج کے تابع ہوجانے کو اچھی طرح سمجھتے تھے ہنری ہشتم کے انتقال پر کرنمیر نے اپنے منصب پر قائم رہنے کے لئے اڈورڈ سے ایک جدید فرمان حاصل کیا تھا۔ لیٹمر نے جب دیکھا کہ اس کے اعتقاد اور شاہی حکمت علی میں تصادم ہوگیا ہے تو خود کو اسقفی ورسسٹر سے کنارہ کشی پر مجبور سمجھا۔ زمانۂ مابعد میں برطرفی کا یہ اختیار خاموشی کے ساتھ ترک ہوگیا مگر

اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ قوم کے مذہبی حسیات کا پاس و لحاظ کیا گیا تھا بلکہ صرف اس وجہ سے کہ اساقفہ کا انقیاد اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ اس کے عمل میں لانے کی ضرورت ہی نہیں باقی رہی تھی۔

خانقاہوں کا تعطل

ہنری مجالس مذہبی پر حاوی ہوچکا تھا، اساقفہ بالکل اسکے دست قدرت میں تھے، اب "قانون سہ گروہی کلیسا" کی رو سے خانقاہوں کے معائنہ و نگرانی کا اختیار پوپ کے ہاتھ سے نکل کر ہنری کے ہاتھ میں آگیا تھا اور اس طرح خانقاہوں پر بھی اس کا تسلط قائم ہوگیا تھا۔ "تعلیمات جدیدہ" اور بادشاہ دونوں کے لئے ان امکنہ مذہبی سے نفرت کے اسباب خود انھیں کی طرف سے بہت جلد مہیا ہوگئے تھے۔ نشاۃ علوم کے ابتدائی زمانے میں تعلیم و تربیت کی اشاعت اور مذہبی اصلاح کی امیدوں کے خیر مقدم کرنے میں پوپ و اساقفہ بادشاہوں اور عالموں کے دوش بدوش تھے۔ لیکن خانقاہوں کا حال بالکل برعکس تھا۔ اگرچہ کہیں کہیں راہب یا رئیس خانقاہ اس تحریک کی تائید میں شامل ہوگئے تھے۔ مگر بہ حیثیت مجموعی خانقاہوں نے نہایت غیر متزلزل سختی کے ساتھ اس تحریک کی مخالفت کی۔ جس قدر وقت گزرتا گیا یہ مناقشہ زیادہ سخت ہوتا گیا "تاریکی اور حجروں کو پسند کرنے والوں" پر ارسمیس نے طعن و تشنیع اور ہٹن نے مضحکہ کی خوب ہی بھرمار کی۔ انگلستان میں کالٹ اور مور نے اپنے دوستوں کے مضحکہ اور بدکلامی

کی پیروی کی مگر ذرا ضابط اور متین طریقے سے۔ درحقیقت جوش مذہبی کا منبع ہونے کے لحاظ سے خانقاہیں عملاً مردہ ہوچکی تھیں زائروں کے جوش اتقا اور ذہنی قوت کا زمانہ بھی گذر گیا تھا۔ اور اب وہ محض گراگر ہوگئے تھے راہب بالکل زمیندار بن گئے تھے۔ اکثر ائمۂ مذہبی کی کوشش صرف یہ رہ گئی تھی کہ اپنی آمدنی کو بڑھائیں اور اس کے شرکا کی تعداد کو گھٹائیں۔ جس طرح وہ تمام اجتماعی تنظیمات جو اپنے مقصد کے پورے ہوجانے کے بعد خرابیوں میں مبتلا ہوجاتی ہیں وہی حال ان خانقاہوں کا ہوا، جن روحانی مقاصد کا ان پر اعتماد کیا گیا تھا ان کی طرف سے ان میں عام بے پروائی اور جائدادوں کے انتظام میں ابتری و فضول خرچی پیدا ہوگئی، کاہلی اور عیش پرستی راہبوں کے خمیر میں داخل ہوگئی۔ عام طور پر خانقاہوں کا یہی حال تھا مگر وہ اس سے زیادہ ناکارہ نہیں تھیں جیسی اسی قسم کے اجتماعی تنظیمات بالعموم ہوا کرتی ہیں۔ ان خانقاہوں کے مٹا دینے کے لئے فرقۂ لولارڈ کا شور و غل فنا ہوچکا تھا۔ شمال میں جہاں بعض بہت ہی بڑی خانقاہیں واقع تھیں، وہاں راہبوں کے تعلقات شرفائے قصبات سے اچھے تھے، خانقاہیں ان شرفا کے بچوں کے لئے مدرسہ کا کام دیتی تھیں، اس کا کچھ ثبوت نہیں کہ دوسرے مقامات کے خیالات اِس کے خلاف رہے ہوں مگر کرامول کے نظام عمل میں خانقاہی طریقے کے محاسن و معائب، کاہلی و وہم پرستی یا شاہی نگرانی سے

آزادی، کسی کی بھی گنجائش نہیں تھی۔ اس لئے شاہی کمشنر (منصرف) مقرر کئے گئے کہ وہ گشت کرکے تمام خانقاہوں کا معائنہ کریں۔ ان کی رپورٹوں (معروضات) سے ایک بلیک بک (کالی کتاب) تیار ہوگیا اور ان کی واپسی پر اسے پارلیمنٹ
کے روبرو پیش کیا گیا۔ اس امر کا اعتراف کیا گیا تھا کہ ۱۵۳۶
ایک ثلث کے قریب خانقاہیں جن میں زیادہ تر بڑی خانقاہیں شامل تھیں عمدگی و خوش اسلوبی سے چل رہی ہیں، باقی خانقاہوں پر شراب خوری، عہدوں کے فروخت کرنے، ناپاک ترین اور بدترین جرائم میں مبتلا ہونے کے الزامات عائد کئے گئے تھے۔ اس پر ایک طول طویل مباحثہ ہوا اور اس مباحثہ کی نوعیت سے اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہا کہ ان الزامات میں بہت بڑی طرح مبالغہ کیا گیا تھا۔ لیکن اس وجہ سے کہ خانقاہیں پوپ کی نگرانی کے سوا اور ہر طرح کی نگرانی سے مستثنیٰ تھیں ان پر کسی قسم کا ایسا دباؤ باقی نہیں رہا تھا جو موثر ہوسکتا اور عدم انضباط کے باعث ان کے اخلاق پر نہایت بُرا اثر پڑا تھا یہانتک کہ سنٹ آلبنز کی سی خانقاہیں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ وارہم کے اعتراف اور نیز ان خانقاہوں کے بند کرنے کے لئے وولزی کی جزوی کارروائی سے کافی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی خانقاہوں میں بے پروائی جرم کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ یہ رپورٹ جب دارالعوام میں پڑھی گئی تو ہر طرف سے

یہ شور بلند ہوا کہ خانقاہوں کو بند کرو۔ مگر باوجود اس کے ملک ابھی اس خواہش سے بہت دور تھا کہ خانقاہی طریقہ کلیتہً ناپید ہوجائے۔ ایک طول و تلخ مباحثے کا انجام اس مصالحت پر ہوا کہ دوسو پاونڈ سالانہ سے کم آمدنی کی خانقاہیں بند کردی جائیں، اور ان کی آمدنی بادشاہ کو دیدی جائے مگر بڑی بڑی خانقاہیں ابھی بدستور اپنی حالت پر قائم رہیں۔

پادریوں میں صرف وہی لوگ رہ گئے تھے جن میں دنیاداری پادریوں کی تھی، اور وکر جنرل کے متواتر احکامات امتناعی نے رکٹر (Rector) غلامانہ حالت اور وکر (Vicar) کے ذہن نشین کردیا تھا کہ وہ خود کو محض میں کردیں شاہی غرض کی بجا آوری کا آلہ سمجھیں۔ کرامول نے اپنی تیزفہمی سے یہ محسوس کرلیا تھا کہ آنے والی مذہبی و سیاسی کشمکش میں منبروں کے وعظ کا کیا اثر پڑنے والا ہے کیونکہ اس زمانے میں عوام کو مخاطب کرنے کا یہی ایک ذریعہ تھا، اور اس لئے اسنے یہ عزم کرلیا تھا کہ اس ذریعے کو بادشاہ کے حصول مقصد کی طرف پھیر دے، وعظ کہنے کا حق صرف ان پادریوں تک محدود ہوگیا تھا جنھیں بادشاہ کی طرف سے اجازت حاصل ہوتی تھی اور اس طرح مخالفت کی تمام آوازیں بند ہوگئی تھیں جن لوگوں کو اس قسم کی اجازت حاصل ہوتی تھی انھیں بھی مذہب کے اختلافی مباحث میں پڑنا ممنوع تھا۔ اس پربھی قناعت نکرکے دست تطاول اس حدتک دراز ہوا کہ وعظ کے لئے خاص مضامین اور خاص بیانات معین کئے جانے لگے اوراسوجہ

سے نازک موقع پر واعظین محض شاہی مرضی کے اظہار کا ذریعہ بن گئے۔ اس کارروائی کا پہلا قدم یہ تھا کہ ہر ایک اسقف راہب اور دیہاتی پادری کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ پوپ کے غاصب ہونے کا وعظ کہیں اور بادشاہ کو روئے زمین پر کلیسا (انگلستان) کا اعلیٰ سرپرست ظاہر کریں۔ وعظ کے مباحث تک نہایت احتیاط کے ساتھ معین کئے جاتے تھے۔ اساقفہ اس امر کے ذمہ وار قرار دیئے گئے تھے کہ سب پادری ان احکام کی تعمیل کریں اور شیرف (ناظمان صوبہ) کا یہ فرض تھا کہ دیکھیں کہ اساقفہ اس کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں۔ جب اس طرح مقاومت کا امکان تک باقی نہیں رہا۔ کلیسا کی آواز بند ہوگئی، منبروں کے وعظ صرف ہنری کی مرضی کی آواز بازگشت ہوگئے، اس وقت کرامول نے اپنی تجویز کی انتہائی حد کے عمل میں لانے کی جرأت کی اور یہ دعویٰ کیا کہ بادشاہ کو یہ حق حاصل ہے کہ مذہب و معتقدات کی جو صورت وہ مناسب سمجھے اسے تمام ملک میں رائج اور شائع کئے جانے کا حکم دے۔ ارسمس اور کالٹ جس قسم کے خالص کیتھولک مذہب کا خواب دیکھتے تھے، اب وہ تمام انگلستان کا مذہب ہونے والا تھا، لیکن "تعلیمات جدیدہ" کا یہ خواب تعلیم و پرہیزگاری کی ترقی سے نہیں بلکہ شاہی جبروت سے پورا ہونے والا تھا۔ "عقاید مذہب" المذہب ۱۵۳ جنھیں مجلس مذہبی نے بغیر کسی قسم کے اعتراض کے قبول ومنظور کرلیا تھا بذات خاص ہنری کے ترتیب دادہ تھیں کتاب مقدس

اور" تینوں عقائد" مذہب کی بنیاد قرار دئے گئے تھے۔ اصطباغ کے سات رسوم گھٹا کر صرف تین پر محدود کردئے گئے تھے مگر کفارہ، اصطباغ اور عشائے ربانی کو برابر درجے میں قائم رکھا گیا تھا۔ عشائے ربانی کی روٹی اور شراب کا حضرت عیسیٰ کے گوشت اور خون سے مبدل ہوجانے کا عقیدہ اور اعتراف گناہ کا دستور اسی طرح قائم رہا جس طرح لوتھر کے کلیسا میں یہ عقائد برقرار رکھے گئے تھے خیالاتِ مذکورۂ ذیل میں ارزمیس کی تعلیم کا اثر صاف نمایاں ہے مثلاً یہ عقیدہ تسلیم کرلیا گیا کہ ہر شخص کی نجات کا انحصار خود اس کے عقیدہ پر ہے جس کے تسلیم کئے جانے کے لئے تعلیمات جدیدہ کے موید پول اور کونتار نے خود روما میں کوشش کررہے تھے، اس کے ساتھ مسئلہ برزخ ناقابلِ قبول قرار دیا گیا اعلیٰ عہدہ دارانِ کلیسا کا گناہوں سے معافیاں دینا ناجائز قرار دیا گیا، مردوں کے لئے نمازوں کا پڑھنا بھی بے سود سمجھا گیا البتہ مردوں کے لئے دعا کرنا جائز رکھا گیا اور کلیسا کے رسومات بلا اہم تغیرات کے بحال خود برقرار رہے۔ اگرچہ اس طرح پر عقائد میں نہایت سخت انقلاب پیدا ہوگیا مگر مجلس مذہبی میں اس کی منظوری کے وقت ایک شخص کی زبان سے بھی حرف شکایت نہیں نکلا اور وکر جنرل نے ان عقائد کو ہر صوبے میں بھیجنا شروع کردیا تاکہ لوگ ان کی پیروی کریں اور بصورت خلاف ورزی انھیں سزا دی جائے۔ اس کے بعد متواتر شاہی احکامات سے۔

ذریعے سے اصلاح کی کارروائی برابر بڑھتی گئی۔ زیارتوں کے لئے جانا بند کردیا گیا، تہواروں کی غیر معمولی تعداد گھٹادی گئی۔ مجسمات اور آثار بزرگانِ سلف کی پرستش کی ایسے الفاظ میں مذمت کی گئی گویا وہ بالکل ہی ارسیمس کے اعتراضات کی نقل تھے۔ ارسیمس نے کتاب مقدس کے ایک ایسے ترجمے کے لئے پُرجوش تمنا ظاہر کی تھی جسے جولاہے اپنے کرگھے پر اور کسان ہل چلاتے وقت زبانی پڑھتے جائیں، یہ تمنا آخر پوری ہوئی۔ نارفک اور مور کی وزارت کے اوائل زمانے میں بادشاہ نے ٹنڈیل کے ترجمے کی (جو لوتھر کے اصول پر کیا گیا تھا) اشاعت کی ممانعت کرتے وقت یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ خود انجیلوں کے ایک انگریزی ترجمے کا انتظام کرے گا مگر یہ کام اساقفہ کے ہاتھوں تعویق میں پڑا رہا اور بعد مدت کے ابتدائی کارروائی کے طور پر عقائد، حضرت عیسیٰؑ کی مناجات، اور احکام عشرہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ ہر معلم مدرسہ اپنے طلبہ کو اور ہر باپ اپنے بچوں کو ان کی تعلیم دے مگر اساقفہ کا ترجمہ پھر بھی معلق رہا۔ یہانتک کہ اس کی تیاری سے ناامید ہوکر اسقف اعظم کرنمیر کا ایک دوست مائلز کورڈیل اس کام پر مقرر کیا گیا کہ ٹنڈیل کے ترجمے پر نظر ثانی کرکے اسے درست کرے، اس طرح پر اس نے جو ترجمہ مرتب کیا وہ ۱۵۳۵ء میں خود ہنری کی مسلمہ سرپرستی میں شائع ہوا۔ اور شاہی سرکردگی کلیسا کی داستان اس کے صفحۂ عنوان ہی میں مندرج تھی۔ تمام انگلستان

میں صداقت مذہبی کی جدید بنیاد کو بادشاہ نہ کہ کلیسا کا ایک عطیہ سمجھا جانا لازم قرار دیا گیا۔ اول ہنری نے اپنے تخت گاہ سے یہ مقدس کتاب کرینمر کو دی۔ اس کے بعد کرینمر اور کرامول اسے عام پادریوں اور عوام الناس میں تقسیم کر سکے۔

کرامول کو اولاً جس مخالفت سے سابقہ پڑا وہ خانقاہوں کے بند کئے جانے کا مباحثہ تھا، مگر ایک مدت تک اس کے سوا کوئی اور مخالفت پیش نہیں آئی۔ جس زمانے میں وہ عظیم انقلاب جس نے کلیسا کو پامال کر دیا تھا بڑھتا جا رہا تھا، تمام انگلستان خاموشی کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ کلیسا کے تمام ابتدائی تغیرات میں، پوپ کے اختیارات و تحصیل زر کی مخالفت میں، مذہبی عدالتوں کی اصلاح میں، یہانتک کہ پادریوں کی آزادی قانون سازی کے قطع برید میں قوم بہ حیثیت مجموعی بادشاہ کے ساتھ تھی، مگر پادریوں کو غلامانہ حالت میں لے آنے واعظوں پر قیود عائد کرنے، اور خانقاہوں کے بند کر دینے کے معاملے میں قوم کا بیشتر حصہ بادشاہ سے علیحدہ رہا۔ اس خاموشی کی تہ میں جس غصے اور نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی اس کا کچھ پتہ صرف شاہی جاسوسوں کے بعض منتشر بیانات سے چلتا ہے۔ یہ خاموشی درحقیقت ہول و ہیبت کے باعث تھی۔ کرامول کے عروج کے قبل اور اسکے زوال کے بعد دونوں زمانوں میں ہنری کے عہد میں اسی قسم کے مظالم و خونریزیاں ہوتی رہی تھیں جیسی اس زمانے میں

عام طور پر جاری تھیں مگر کرامول کی حکومت کا زمانہ تاریخ انگلستان کا وہ زمانہ ہے جسے روبس پی ایر کا عہد حکومت کہنا بجا ہوگا یہ انگلستان کے ہول و ہیبت کا زمانہ تھا۔ اِس تخویف کے ذریعے سے کرامول نے بادشاہ پر قابو حاصل کرلیا تھا۔ زمانۂ مابعد میں کرنمیر نے اس کے بارے میں ہنری کے سامنے یہ حجت پیش کی تھی کہ ''کرامول وہ شخص تھا جس کی ضامن خود حضور کی ذات تھی اور جہانتک میرا خیال ہے وہ حضور سے اس سے کم محبت نہیں کرتا تھا جس قدر وہ خدا سے محبت رکھتا تھا'' لیکن بادشاہ کے ساتھ کرامول کا انداز خالص فرماں بری اور بے عذر اطاعت ہی کا نہیں تھا اسقف اعظم ہی کا بیان ہے کہ ''وہ حضور کو ہر قسم کی غداری سے محفوظ رکھنے میں اس قدر خبر گیراں تھا کہ شاید ہی کوئی خفیہ سے خفیہ سازش ایسی ہوئی ہو جس کا اس نے اول ہی سے پتہ نہ چلا لیا ہو'' تمام خاندان ٹیوڈر کی طرح ہنری بھی علانیہ خطرات سے بے خوف رہتا تھا مگر خفیہ بے وفائی اور بغاوت کے خفیف سے خفیف احتمال سے بھی خوف زدہ ہوجاتا تھا۔ کرامول نے اپنی طاقت کی عمارت اسی اندرونی خوف کی بنیاد پر بلند کی تھی اس نے معتمد ہوتے ہی جاسوسوں کی ایک فوج کی فوج تمام ملک میں پھیلادی۔ خفیہ شکایتوں کیلئے اس کے کان ہر وقت کھلے رہتے تھے غداری اور سازش کے قصے ہی ہر طرف سُنائی دیتے تھے، اور ان کے پتہ چلانے

اور ان کے فرو کرنے سے کرامول ہر بار بادشاہ پر اپنی گرفت سخت کرتا جاتا تھا اور جس طرح تخویف سے اس نے بادشاہ پر قابو حاصل کرلیا تھا۔اسی طرح تخویف ہی سے اس نے رعایا پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ارسمیس نے اس وقت کی حالت کا بہت صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ "ہر پتھر کے نیچے بچھو بیٹھا ہوا ہے" لوگ پادریوں کے سامنے گناہوں کا جو خفیہ اعتراف کرتے تھے وہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں رہتا تھا لوگ اپنے خاص الخاص دوستوں سے جو باتیں کرتے تھے وہ بھی اس کے کانوں تک پہنچ جاتی تھیں، اسکے زوال کے وقت اُمرا نے بہت خوش ہوکر یہ کہا تھا کہ لوگ بے فکری میں جو باتیں کہہ جاتے تھے۔کسی غمگین راہب کی زبان سے کوئی شکایت نکل جاتی تھی، کوئی دیوانی راہبہ اگر کچھ بک دیتی تھی تو وہ ان سب باتوں کو کھینچ تان کر بغاوت قرار دیدیتا تھا۔ محفوظ رہنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا کہ آدمی بالکل خاموش رہے۔ارسمیس کہتا ہے کہ "میرے وہ احباب جو مجھے خط لکھا کرتے تھے اور تحفے بھیجا کرتے تھے۔اب نہ تو ان میں سے کوئی مجھے خط لکھتا ہے نہ تحفہ بھیجتا ہے، نہ کسی کے پاس کسی کا خط جاتا آتا ہے اور یہ سب محض خوف کی وجہ سے ہے، مگر اس خاموشی کی پناہ کا دروازہ بھی بند کردیا گیا اور اس کے لئے ایک ایسا شرمناک قانون بنایا گیا کہ انگلستان کے مجموعۂ قوانین میں اس سے زیادہ

مکروہ کوئی قانون نہیں ہوگا۔ نہ صرف خیال کو بغاوت قرار دیا گیا بلکہ لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ اپنے خیالات کو ظاہر کریں ورنہ خاموشی ہی کی وجہ سے ان کو بغاوت کی سزا دیجائیگی، آزادی کی جن قدیم بنیادوں پر اعتقاد تھا وہ اس بے باک و ناہنجار طرز عمل سے بالکل برباد کردی گئیں۔ اعلیٰ ترین تنظیمات تک کو تخویف کا ذریعہ بناکر انھیں ذلیل کیا گیا۔ وولزی نے اگرچہ قانون سے انتہائی حدتک اپنی غرض میں کام لیا مگر عدالتوں کی آزادی پر اس نے علانیہ حملہ نہیں کیا۔ اگر پارلیمنٹ کے جمع کرنے سے وہ جھجکتا تھا تو محض اس وجہ سے کہ وہ آزادی کا ملجا و ماویٰ تھیں مگر کرامول کے زمانے میں جوری پر دباؤ ڈالا گیا اور ججوں کو قابو میں کرلیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عدالتیں صرف شاہی غرض کے اظہار کا ذریعہ ہوگئیں۔ اور جن مواقع پر یہ برائے نام عدالت بھی خونریزی میں مانع ثابت ہوئیں۔ وہاں پارلیمنٹ کے ذریعہ سے پے درپے ضبطی کے قوانین نافذ کئے گئے۔ کرامول کے زوال کے وقت تمام مجلس شاہی نے ہم آواز ہوکر کہا کہ "خود اسی نے خونریزی کے جو قوانین بنائے ہیں انھیں قوانین سے اس کا انصاف کیا جائے گا" یہ بھی قسمت کا عجیب پھیر ہے کہ عرضی مواخذہ کے رواج میں اس نے جس حد کی ناانصافی پر عمل کرنا چاہا تھا یعنی جواب کی سماعت کے بغیر لوگوں کو مجرم قرار دیدیا جائے، خود اسی پر اس کا عملدرآمد ہوا۔ لیکن کرامول کی تخویف اگرچہ نہایت ظالمانہ تھی مگر فرانس کی تخویف کے

مقابلے میں وہ اعلیٰ و شریف تر قسم کی تھی۔ اس نے بے ضرورت اور حرص کی وجہ سے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا اور نہ ادنیٰ لوگوں کو پھانسیاں دیں۔ اس کی ضرب خاص کر اسی وجہ سے موثر ثابت ہوتی تھی کہ اس کے حملے کی زو بہترین افراد پر پڑتی تھی۔ اس نے جب کلیسا پر حملہ کیا تو کارتھوزی فرقہ کو اپنا شکار بنایا حالانکہ انگلستان کے اہل کلیسا میں یہ فرقہ سب سے زیادہ مقدس اور سب سے زیادہ نام آور سمجھا جاتا تھا۔ جب بیرنوں کی باری آئی تو خاندان کورٹنی اور پول کے اراکین اس کی زد میں آئے یہ وہ خاندان تھے جن کی رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا تھا۔ جب اس کی نگاہ غضب "تعلیمات جدیدہ" کی طرف پھری تو اس نے سرٹامس مور کے سے شخص کو قتل کرویا مگر اس کا جرم ذاتی انتقام کی آمیزش سے پاک تھا۔ اس کے دوستوں میں اس کی بابت جو چند قصے باقی رہ گئے تھے اگر ہم ان سے اس کے مزاج کا اندازہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک فیاض طبع اور رحمدل شخص تھا اور اس کے انداز و اطوار خوش گوار و دلفریب تھے جس سے اس کے جسمانی بھدے پن کی ایک گونہ تلافی ہوجاتی تھی، دوستی میں وہ مستقل تھا اور اسی وجہ سے ہوا خواہوں کا ایک گروہ اس کے گرد جمع ہوگیا تھا مگر اسکے کام پر محبت و نفرت کسی شے کا اثر نہیں پڑتا تھا۔ میکیاویلی کے شاگرد نے کتاب حکمراں (Principle) کا مطالعہ بے وجہ نہیں کیا تھا' سفے خونریزی کا ایک منتظم سلسلہ قائم کردیا تھا۔ اس کے

کاغذات کے اجزا سے اب بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے روزانہ کے معمولی یادداشتوں میں بالکل معمولی اختصار کے ساتھ لوگوں کی جانوں کے فیصلے درج کردیتا تھا۔ یادداشت "ریڈنگ کے رئیس خانقاہ پر ریڈنگ میں مقدمہ قائم کیا جائے اور وہ قتل کیا جائے" یادداشت "ماسٹر مور کے متعلق بادشاہ کی مرضی معلوم کرتا ہے" یادداشت "جب ماسٹر فشر اور دوسرے لوگ قتل کئے جائیں گے" درحقیقت ہر قسم کے جذبات اور شخصی احساس کا یہی قطعی فقدان ہے جس کے باعث کرامول کی شکل تاریخ انگلستان میں سب سے زیادہ مہیب و خوفناک نظر آتی ہے۔ جس مقصد کے وہ درپے تھا اس پر اسے نہایت اصرار تھا وہ ہاتھ میں تبر لئے ہوئے اپنا راستہ بالکل اسی طرح نکالتا جاتا تھا جس طرح کوئی لکڑہارا جنگل کے درختوں کو کاٹ کر راستہ صاف کر رہا ہو۔

مور کی موت کرامول کے پہلے ہی دار کے انتخاب سے ظاہر ہوگیا کہ کیسی جچی تلی بیرحمی کے ساتھ وہ حملہ کرنا چاہتا ہے۔ یورپ کی عام رائے میں مور اپنے وقت کے تمام انگریزوں میں سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا۔ جب طلاق کے معاملے کا انجام یہ ہوا کہ روما سے کھلم کھلا مخالفت ہوگئی تو وہ خاموشی کے ساتھ وزارت سے الگ ہوگیا مگر اس کا یہ خاموشی سے کنارہ کرنا اور لوگوں کی شدید مخالفت کی بہ نسبت بہت زیادہ موثر تھا۔ مور کے اس انداز سکوت سے بالضرور کرامول کو

ایک خاص قسم کی تکلیف وہ اثر محسوس ہوتا تھا۔ "تعلیمات جدیدہ" کے مذہبی اصلاحات جلد جلد ترقی کر رہے تھے مگر یہ امر پوشیدہ نہیں تھا کہ جو شخص "تعلیمات جدیدہ" کی جان تھا وہ یہ یقین رکھتا تھا کہ آزادی و انصاف کا خون کر کے مذہبی اصلاح حاصل کرنا ہرگز سودمند نہیں ہے۔ درحقیقت مور طلاق اور عقد ثانی کو مذہباً جائز نہیں سمجھتا تھا البتہ وہ اس امر کو تسلیم کرتا تھا کہ پارلیمنٹ کو جانشینی کے انتظام کا اختیار حاصل ہے اور اسوجہ سے وہ آئن بولن کے لڑکوں کو تاج کا قانونی وارث سمجھتا تھا مگر "قانون وراثت" کی رو سے ہر شخص پر حلف اُٹھانا لازم کیا گیا تھا اور اس حلف ۱۵۳۴
میں صرف جانشینی ہی کو تسلیم نہیں کرنا پڑتا تھا بلکہ یہ بھی اقرار کرنا پڑتا تھا کہ کیتھرین کا عقد اول ہی سے احکام انجیل کے خلاف اور ناجائز تھا۔ ہنری کو اس معاملے میں مور کا خیال بہت دنوں سے معلوم تھا اور اسے حلف اُٹھانے کے لئے بلانا گویا موت کے لئے بلانا تھا۔ مور اپنے مکان واقع چلسی مین مقیم تھا کہ اسے لیمبتھ میں طلب کیا گیا، یہ وہی مقام تھا جہاں وہ وارہم اور ارسمس سے خوش طبعی کیا کرتا، اور ہالبین کی تصویریں دیکھا کرتا تھا۔ کچھ دیر کے لئے اس کے دل میں یہ خیال آیا ہوگا کہ اسے تسلیم کرلینا چاہئے مگر یہ خیال بہت جلد رفع ہوگیا۔ جب علی الصباح اس کے باغ کے زینوں سے کشتی دریا میں اتری تو مور کی زبان سے یکایک یہ نکل گیا کہ "خدا کا شکر ہے کہ میدان میرے ہاتھ رہا" کرنیمر

اور اس کے رفقا نے جدید حلف اس کے سامنے پیش کیا مگر جیسا کہ وہ پہلے سے سمجھے ہوئے تھے مور نے اس کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ وہ کچھ دیر باغ میں چہل قدمی کرے اور اپنے جواب پر دوبارہ غور کرے۔ دن گرم تھا، مور ایک کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا جہاں سے وہ نیچے کے صحن کے مجمع کو دیکھ سکتا تھا۔ موت آنکھوں کے سامنے تھی پھر بھی وہ اپنی طبعی زندہ دلی کے باعث نیچے کے مجمع سے لطف اُٹھا رہا تھا، اس نے بعد کو کہا کہ "میں نے دیکھا کہ ماسٹر لیٹمر صحن میں بہت ہی خوش و خرّم پھر رہا ہے، وہ ہنس رہا تھا اور اس نے دو ایک آدمیوں کی گردنیں اس نزاکت سے پکڑیں گویا وہ عورتیں تھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ یوں ہی پھر رہا تھا" نیچے کے مجمع میں زیادہ تر پادری، رکٹر (Rectors) اور وکر (Vicars) تھے اور یہ لوگ مور پر اس حلف کے قبول کرلینے کے لئے زور دے رہے تھے جسے وہ موت سے زیادہ سخت سمجھتا تھا۔ اس نے اس امر میں انکی شکایت نہیں کی۔ اس نے جب ایک شخص کو جس نے کچھ ہی دیر پہلے حلف کے خلاف شش و پنج ظاہر کیا تھا خود نمائی کے ساتھ بلند آواز سے پانی مانگتے ہوئے سُنا تو وہ اس پر مزاح کرنے سے باز نہیں رہا۔ مور نے کہا کہ "اس نے یا تو پیاس کی وجہ سے پانی پیا ہے یا خوشی کی وجہ سے یا محض

ظاہر کرنے کے لئے کہ پوپ اس سے واقف ہے" آخر کار وہ دوبارہ بلایا گیا مگر اس نے پھر بھی انکار ہی کیا۔ کرنیمر نے اسے بہت سے ایسے نازک امتیازات بتائے جس سے اس سابق چانسلر کی عقل بھی چکر میں آگئی مگر اس کے عزم میں فرق نہیں آیا اور وہ ٹاور (لندن کے قلعہ) میں بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد ہی فشر (اسقف روچسٹر) بھی برج میں آیا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ ایک دیوانی عورت کی (جسے لوگ "راہبکنٹ" کہتے تھے) پیشین گوئیاں سُننے سے در پردہ اس نے غدّاری کو تقویت پہنچائی تھی۔کچھ دنوں تک کرامول بھی ان لوگوں کے قتل کرنے سے رکتا رہا، وہ قید میں پڑے رہے یہانتک کہ مذہبی تغیرات کے متعلق خاموش و عام مخالفت کے پامال کرنے کے لئے ایک نیا اور زیادہ خطرناک آلہ تجویز کیا گیا۔ ۱۵۳۴ء کے آخر میں ایک نیا قانون منظور ہوا اور اس کے رو سے بادشاہ کے خطابات سے انکار کرنا غدّاری قرار پایا۔ہم دیکھ چکے ہیں کہ شروع ۱۵۳۵ء میں ہنری نے "روئے زمین پر کلیسائے انگلستان کے سرگروہ اعلیٰ" کا خطاب اختیار کیا تھا۔مذہبی طرز زندگی کی طرف سے عام بے پروائی کے باوجود چارٹر ہاؤس کے رفقا کے ایثار و زہد کی وجہ سے وہ لوگ بھی ان کی عزت و حرمت کرتے تھے جو خانقاہی طریقے کے خلاف تھے۔ایک سخت مقاومت کے بعد ان لوگوں نے شاہی سرگروہی کو قبول کر لیا اور قانون کے مجوّزہ حلف اطاعت کو مان لیا تھا۔شاہی

کارتھوزی فرقہ

سرگروہی سے انکار کرنا تو بغاوت قرار ہی پا چکا تھا مگر قانون کی ایک نہایت ہی رکیک تاویل یہ کی گئی کہ اگر اس سرگروہی کے دلی اعتقاد کے متعلق عہدہ داروں کو شافی جواب نہیں ملے گا تو یہ بھی علانیہ انکار کے مثل سمجھا جائے گا۔ اس جدید کارروائی کا مقصد صاف ظاہر تھا۔ اس پر رفقائے چارٹرہاؤس مرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ اذیّت انتظار کے دوران میں جوش نے ان میں خیالی تسکین پیدا کردی "جب نان مقدس اٹھا لی گئی اور ہم گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے تو ہمارے کانوں میں ایک ایسی آواز آئی جس کا اثر ہمارے چہروں پر ظاہر ہوا اور اس کے ساتھ ہی موسیقی کی نرم و شیریں آواز سنائی دی" مگر انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ جواب سے انکار کرنا ان کے لئے موت کی علامت تھی۔ ان رفقا میں سے تین کو پھانسی دیدی گئی اور باقی نیوگیٹ کے قیدخانے میں بھیجدئے گئے جہاں وہ غلیظ کوٹھریوں میں ستونوں سے باندھ دئے گئے۔ وہ اس طرح بندھے ہوئے تھے کہ حرکت تک نہیں کرسکتے تھے اور اسی حال میں وہ بخار اور بھوک سے ہلاک ہونے کے لئے چھوڑ دئے گئے۔ دو ہفتے کے اندر ان میں سے پانچ مرگئے اور باقی بھی جاں بلب ہوگئے۔ کرامول کے قاصد نے اسے لکھا کہ "خدا ہی کے ہاتھ سے وہ ہلاک ہوئے اور ان کے اطوار پر نظر کرکے مجھے اس کا ملال بھی نہیں ہے" زمانۂ قید کی درازی سے مور کے عزم میں فرق نہیں آیا

اور نیا قانون اسے تختۂ قتل پر لیجانے کے لئے کافی تھا فشر
کے ساتھ اس پر بھی یہ الزام لگایا گیا کہ وہ بادشاہ کے کلیسائے
انگلستان کے سرگروہ اعلیٰ ہونے کا منکر ہے۔ بڈھا اسقف تختہ
قتل پر انجیل جدید ہاتھ میں لئے ہوئے آیا۔ جھکنے کے قبل
اس نے جرأت کرکے کتاب کھولی اور پڑھا کہ "ابدی زندگی
یہی ہے کہ سچے خدا کو پہچان لیا جائے"۔ فشر کے بعد ہی
بہت جلد مور کی باری آئی۔ گردن پر تلوار پڑنے کے خیال سے
اس نے احتیاط کے ساتھ اپنی ڈاڑھی تختۂ قتل سے ہٹائی
اور اپنے قدیم انداز میں رنج کے ساتھ یہ کہا کہ "افسوس ہوگا
کہ یہ ڈاڑھی جس نے کبھی بغاوت نہیں کی ہے کٹجائے"۔
مگر مجوّزہ تغیرات کے متعلق انگریزوں کی مستقل مقاومت کراموِل
کے توڑنے کے لئے اس سے سخت تر ضرب کی ضرورت اور اُمرا
تھی، کراموِل اسے اچھی طرح سمجھتا تھا اور شمال کی بغاوت
سے اس نے اس کام کا موقع نکال لیا۔ شمال میں راہب
ہردلعزیز تھے۔ باغیانہ خیال لوگوں میں پہلے ہی سے موجود
تھا، خانقاہوں کے بند کرنے میں جس قسم کی زیادتیاں عمل
میں آئیں ان سے اس خیال کو اور ترقی ہوگئی، امرا بھی
اس شخص کی حکومت سے پیچ و تاب کھارہے تھے، جسے
وہ ایک کم اصل نو دولت سمجھتے تھے۔ لارڈ ڈہسی کو لوگوں نے
یہ کہتے ہوئے سُنا کہ "جبتک ہم لڑیں گے نہیں حالات
درست نہیں ہوں گے"۔ لنکنشائر میں جو بغاوت برپا ہوئی

اس میں زراعت کی طرف سے بے اطمینانی اور پُرانے مذہب کی الفت دونوں شامل تھی۔ یہ شورش ابھی فرو بھی نہیں ہوئی تھی کہ یارکشائر نے تلوار کھینچ لی ہر ایک دیہات سے کاشتکار اپنے اپنے دیہات کے پادریوں کی سرکردگی میں یارک کی طرف بڑھے اور شہر کے مطیع ہوجانے سے مذبذبین بھی پختہ ہوگئے۔ چند ہی دنوں میں یہ حالت ہوئی کہ ہمبر کے پار صرف قصر اسکیلٹن بادشاہ کا جانب دار رہ گیا، اور وہاں بھی صرف ارل کمبرلینڈ ایک مٹھی بھر آدمیوں کو لئے ہوئے قلعے پر قابض تھا۔ لارڈ لیٹمر اور لارڈ ویسٹ مورلینڈ کی طلب پر ڈرہم نے بھی علم بغاوت بلند کردیا اور اگرچہ ارل نارتھمبرلینڈ نے بیماری کا بہانہ کیا مگر خاندان پرسی کے امرا بغاوت میں شریک ہوگئے یارکشائر کے امرا کے سرگروہ لارڈ ڈیکر نے پامفرٹ حوالہ کردیا، اور باغیوں نے فوراً ہی اسے اپنا سردار تسلیم کرلیا، سفر رحمت شمال کے تمام امرا اب لڑنے پر آمادہ ہوچکے تھے اور تیس ہزار ۱۵۳۶ تنومند سوار ساز و یراق سے آراستہ دریائے ڈان کی طرف بڑھے انہوں نے شاہی طرز عمل کے تغیر، روما سے دوبارہ اتحاد کیتھرین کی بیٹی میری کو جانشینی کے حق واپس ملنے، کلیسا کے نقصانات کی تلافی کرنے اور کم اصل مشیروں (بالفاظ دیگر کرامول) کے خارج کرنے کا مطالبہ کیا، اگرچہ باہمی نامہ و پیام کی وجہ سے ان کا آگے بڑھنا رُک گیا۔ مگر بغاوت کا انتظام جاڑے بھر برابر جاری رہا، شمال کی ایک پارلیمنٹ مقام پامفرٹ میں

جمع ہوئی اور اس نے باغیوں کے مطالبات باضابطہ منظور کرلئے نارفک کے تحت میں صرف چھ ہزار آدمی جنوب کی جانب ان کا راستہ روکے ہوئے تھے، اور یہ بھی معلوم تھا کہ مڈلینڈ کے صوبوں میں بد دلی پھیلی ہوئی ہے۔ مگر باایں ہمہ کرامول اس خطرے سے بالکل بے خوف نظر آتا تھا۔ وہ نارفک کے ان لوگوں سے نامہ و پیام کرنے میں مانع نہیں ہوا اور مجلس شاہی کے دباؤ کی وجہ سے ہنری کو یہ موقع دیا کہ ان لوگوں سے معافی کا وعدہ کرلے، اور یارک میں ایک آزاد پارلیمنٹ کو جائز قرار دے۔ نارفک اور ڈیکر دونوں نے اس وعدہ کا مطلب یہی سمجھا کہ باغیوں کے مطالبات منظور ہوگئے ہیں۔ ان کے سرگروہوں نے فوراً ہی "پانچ زخموں" کے نشانات جنھیں وہ پہنے ہوئے تھے الگ کردئے اور شور مچانے لگے کہ "ہم اپنے مالک و بادشاہ کے نشان کے سوا اور کوئی نشان نہیں لگائیں گے" امرا اور کسان سب شاداں و فرحاں اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ مگر جوں ہی شمال کے شہروں میں فوجیں متعین ہوگئیں اور نارفک کی فوج یارکشائر کے وسط میں پہنچ گئی معاً پردہ اٹھا دیا گیا، چند متفرق شورشوں کے بہانے سے تمام رعایتیں واپس لے لی گئیں اور "سفر رحمت"[۵] کے سرداروں کو ظالمانہ سختی کے ساتھ

---

[۵] اس بغاوت کو "سفر رحمت" (The Pilgrimage of Grace) کا لقب دیا گیا۔

گرفتار کیا گیا، پھانسیاں ملک میں ہرطرف برپا ہوگئیں، پورے شہر کے شہر قتل کے لئے فوجوں کے حوالے کردئے گئے، مگر شورش کے سرگروہ خصوصیت کے ساتھ کرامول کی سختی کا نشانہ بنے۔ اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر شمال کے امرا پر ایک مُہلک ضرب لگائی۔ ان میں سے ایک موقّر امیر نے مجلس شاہی کی میز پر غصّے سے چلاکر کہا کہ "کرامول، تم ہی اس تمام شورش و خرابی کے اصلی و خاص باعث ہو اور تم ہر وقت اِس فکر میں رہتے ہو کہ ہم لوگوں کا خاتمہ ہوجائے اور ہمارے سروں کو جسموں سے جدا کردو" مگر اس تنبیہ کا کچھ خیال نہیں کیا گیا۔ لارڈ ڈارسی جو امرائے یارکشائر میں سب سے مقدم تھا اور لارڈ ہسی جو امرائے لنکنشائر کا پیشرو تھا، دونوں قتل کردئے گئے، بارلنگز کا رئیس خانقاہ مع اپنے پادریوں کے جو مکمّل زرہ پہنے ہوئے تھے گھوڑے پر سوار لنکن میں داخل ہوا تھا، اس کو، وائی، وہبرن اور سالی کے روساء خانقاہ کے ساتھ پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ فاونٹنیز اور جرووکس کے روسائے کو معزز خاندان پرسی کے سرگروہ کے پہلو بہ پہلو ٹائبرن میں پھانسی دیدی گئی، لیڈی بلمر آگ میں جلادی گئی، سر رابرٹ کانسٹبل زنجیروں میں بندھا ہوا ہل کے دروازہ کے سامنے لٹکا دیا گیا۔

شمال پر ضرب لگائے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ کرامول کو مغرب کے معاملات سے سابقہ پڑا۔ اس کے طریق عمل کی مخالفت سب سے زیادہ کورٹنی اور پول کے دو خاندانوں کی طرف سے

ہورہی تھی، جن میں اہل یارک کے روایات ابتک باقی تھے۔ سالسبری کی کاؤنٹس مارگریٹ، ڈیوک کلیرنس، اور وارثہ ارل واروک کی بیٹی تھی۔ وہ خاندان نیول کی نشانی اور اس کے ساتھ ہی اڈورڈ چہارم کی بھتیجی تھی۔ اس کے تیسرے بیٹے رجنیلڈ پول نے طلاق سے اتفاق کرنے کے لئے ہنری کے بڑے سے بڑے معاوضے سے انکار کردیا تھا اور روما میں جاکر پناہ لی تھی۔ وہاں اسنے ایک کتاب "اتحاد کلیسا" لکھکر بادشاہ پر سخت حملہ کیا۔ کرامول نے اسے لکھا کہ "اطالیہ میں بہت سے ایسے ذرائع مل سکتے ہیں کہ ایک غدار رعایا سے خلاصی حاصل کی جاسکے، جب اندرون ملک میں قانونی کارروائی سے انصاف نہیں ہوسکتا تو بعض اوقات بیرون ملک میں انصاف کے نفاذ کے لئے نئے طریقے اختیار کرنا پڑتے ہیں" وہ اپنے ضامنوں کو ہنری کے ہاتھ میں چھوڑ گیا تھا اس کی طرف اشارہ کرکے کرامول لکھتا ہے کہ "افسوس ہے کہ ایک بے عقل بیوقوف کی حماقت سے ایک اتنا بڑا خاندان تباہ ہوجائے۔ وہ جس قدر چاہے اپنی بلند پروازیوں میں مشغول رہے۔ لیکن اگر بادشاہ کی مرحمت و شفقت شامل حال نہوتی تو جن لوگوں کا اس کے سوا کوئی قصور نہ تھا کہ وہ اس کے رشتہ دار ہیں، انہیں معلوم ہوجاتا کہ ایک باغی شخص کی قرابتداری کا کیا نتیجہ ہوتا ہے"۔ پول نے اس کا یہ جواب دیا کہ پوپ کے اخراج از ملت اور معزولیت کے فرمان کو نافذ کرنے کیلئے شہنشاہ پر زور دیا۔ کرامول نے بھی فوراً اس کا جواب دیا۔ کورٹنی

(مارکویس اکزٹر) خاندان پول سے قرابت رکھتا تھا، انہیں کے مانند وہ بھی شاہی نسل سے تھا اور اپنی ماں کے توسط سے اڈورڈ چہارم کا پوتا ہوتا تھا۔ اس نے نہایت سختی کے ساتھ ان بدمعاشوں پر لعنت کی تھی "جو بادشاہ کے گرد حکمراں تھے" مغرب میں اس کے وسیع و غالب اثر کو دیکھتے ہوئے اس کی یہ دھمکی کہ "ایک دن وہ ان سے سمجھ لے گا" بہت خطرناک معلوم ہوتی تھی۔ وہ فوراً ہی پول کے بڑے بھائی لارڈ مانٹیکیوٹ کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا اور دونوں ٹاور ہل پر قتل کردئے گئے۔ اس کے ساتھ کاونٹس سالسبری کی جائداد بھی ضبط کرلی گئی اور اسے ٹاور میں بھیجدیا گیا۔

کرامول کا زوال فی الحقیقت کرامول کی عظمت کا اظہار اس سے زیادہ کسی اور موقع پر نہیں ہوا تھا جس قدر "قسمت" کی آخری کشمکش کے موقع پر ہوا، بادشاہ نے جب مذہبی تغیرات کے اصلی معنی سمجھے تو کرامول کی نسبت اس کا اعتماد کم ہوتا گیا اور اس نے اسے ایک بدمعاش سمجھ لیا بادشاہ کی توجہ کی کمی کے ساتھ ساتھ مجلس شاہی میں بھی اس کی مخالفت بڑھتی گئی تاہم اس شخص کا مزاج بالکل غیر مغلوب رہا وہ بالکل تن تنہا رہ گیا کوئی اس کا حامی و مددگار نہیں تھا، وولزی سے اگر امرا کو نفرت تھی تو اہل کلیسا اس کے موئد تھے، مگر کرامول سے اہل

کلیسا امرا سے بھی زیادہ نفرت کرتے تھے۔ اس کے دوست صرف فرقۂ پروٹسٹنٹ کے لوگ تھے مگر ان کی دوستی دشمنوں کی نفرت سے زیادہ مُہلک تھی پھر بھی اس نے نہ تو کسی قسم کے خوف کا اظہار کیا اور نہ اپنے اختیارات میں کسی قسم کا خلل آنے دیا وہ بدستور بے انتہا مستعدی کے ساتھ اپنے کام میں منہمک نظر آتا تھا۔ وولزی کی طرح اس نے بھی سلطنت کا تمام نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، وہ وزیر خارجہ، وزیر داخلہ، کلیسا کا وِکر جنرل، ایک نئے بیڑے کا بانی، فوجوں کا منتظم، خوفناک عدالت اسٹار چیمبر کا صدر غرض سب ہی کچھ تھا مگر اطالیہ کی بود و باش کا انہیں یہ اثر تھا کہ کارڈنل کی شان و شوکت کے بر خلاف وہ اپنی قوت کے اظہار و نمائش کی پرواہ نہیں کرتا تھا اس کے عادات بہت ہی سادے اور بے تصنّع تھے روپیہ کی ضرور اسے حرص تھی مگر محض اس لئے کہ وہ جاسوسوں کی اس وسیع فوج کی ضروریات کو پورا کر سکے جنھیں اس نے اپنے خرچ پر قائم کیا تھا اور جن کے کام کی نگرانی میں وہ راتوں کا سونا تک ترک کر دیتا تھا۔ اس وقت تک اس کے بے پایاں مراسلات کی پچاس سے زیادہ جلدیں موجود ہیں، غریب دعا خانوں، ستم رسیدہ بیویوں، جور کشیدہ مزدوروں اور مظلوم مرتدوں کے ہزارہا خطوط اس ہمہ گیر وزیر کے پاس آتے رہتے تھے جس کی شخصی حکومت کے طریق

نے اس کی ذات کو ایک عام عدالت مرافعہ بنادیا تھا۔ کیسی ہی
بادل نخواستہ طور پر سہی مگر جب تک ہنری اس کی تائید
کرتا رہا وہ اپنے دشمنوں کے مقابلے کے لئے کافی سے زائد
تھا۔ وہ اس قدر قوت رکھتا تھا کہ اپنے خاص مخالف گارڈنر
اسقف ونچسٹر کو مجلس شاہی سے نکالدیا۔ امرا کی مخالفت کا
اس نے ایسی تہدید سے جواب دیا جس سے اس کی طاقت
کا ثبوت ملتا تھا "اگر امرا اس سے اس قسم کا برتاؤ کریں گے
تو وہ ان کو ایسا مزہ چکھائے گا جو انگلستان نے کبھی نہ چکھا
ہوگا، اور ان میں سے مغرور سے مغرور شخص کو بھی معلوم
ہوجائے گا کہ وہ کیا کرسکتا ہے" اس کی تنہا مرضی نے غیرملکی
حکمت عملی کی ایک ایسی تجویز منظور کرادی جس کا مقصد یہ تھا
کہ انگلستان اصلاح مذہب کے ساتھ وابستہ ہوجائے، اور بادشاہ ۱۵۳۹
اپنے وزیر کے ہاتھ میں بالکل بے بس ہوجائے۔ بعد میں اسکے
دشمنوں نے جس دلیرانہ لاف زنی کا اس پر الزام لگایا تھا،
وہ صحیح ہو یا نہ ہو مگر اس سے اس کے طریق عمل کا صاف اظہار
ہوجاتا ہے "وہ تھوڑے ہی دنوں میں وہ معاملات کی ایسی صورت
پیدا کردے گا کہ بادشاہ اپنی تمام طاقت کے باوجود اسے
مطلق جنبش نہ دے سکے گا" اس کی تجویز بھی وہی تھی جو
وولزی کے حق میں سم قاتل ثابت ہوچکی تھی یعنی بادشاہ کا
ایک نیا عقد کردینا۔ آین بولن کی مختصر شاہی کا انجام یہ ہوا
کہ اس پر عیاشی اور غداری کا الزام لگایا گیا اور مئی ۱۵۳۶ء

میں اس کا خاتمہ ہوگیا، اس کی رقیب و جانشین جین سیمور
جو اب ہنری کی منظور نظر تھی دوسرے سال زچہ خانے میں
انتقال کرگئی، اور کرامول نے اس کی جگہ پر این ساکنہ کلیوز کو ۱۵۴۰
جو ایک جرمن شہزادی تھی ملکہ بنادیا، یہ این سیکسنی کے الکٹر کی
(جو لوتھر کا پیرو تھا) سالی تھی۔ بادشاہ نے جب پہلی بار
اپنی نئی بیوی کی بد نما شکل اور بے ڈول جسم کو دیکھا تو
اسے وحشت سی ہوگئی مگر کرامول نے ہنری کی خواہش نفسانی
تک کے مقابلہ کرنے کی جرأت کی۔ کرامول نے اس وقت
معاملات کی ایسی صورت پیدا کردی تھی کہ اس عقد کے پیچ
سے نکلنا محال ہوگیا تھا، فی الحقیقت کلیوز کی آین کا عقد اس
حکمت عملی کا پہلا قدم تھا جس میں اگر اسے کامیابی ہوجاتی تو ریشلو کی فیروزمندیوں
پر وہ سبقت لیجاتا۔ صرف چارلس اور خاندان آسٹریا سے یہ ہوسکتا تھا کہ وہ
کیتھولک مذہب کو دوبارہ ایسی تقویت دیدیں کہ اصلاح مذہب کا نفوذ رک جائے
اور اس کا قدم پیچھے ہٹ جائے۔ کرامول نے شمال جرمنی کے شہزادوں سے
اتحاد پیدا کرتے ہی یہ کوشش شروع کردی کہ ان سب کو
متحد کرکے فرانس سے ملادے اور اس طرح شہنشاہ کو زیر کرے۔
اگر اسے اس مقصد میں کامیابی ہوجاتی تو یورپ کا سارا نقشہ
ہی بدل جاتا جنوبی جرمنی پروٹسٹنٹوں کے ہاتھ میں آجاتی اور

---

[۵] جرمن کے چھوٹے چھوٹے خودمختار حکمراں جنہیں شاہنشاہی انتخاب میں حق حاصل تھا وہ الکٹر
(انتخاب کنندہ) کہلاتے تھے۔

"جنگ سی سالہ" نہ پیش آئی ہوتی، مگر جس طرح تمام ایسے لوگوں کو ناکامی ہوتی ہے جو زمانے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں، اسی طرح کرامول کو بھی اس معاملے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جرمن شہزادے شہنشاہ سے مقابلہ کرنے سے جھجک گئے، اور فرانس نے ایک ایسی جنگ میں پڑنے سے پہلو تہی کی جو مذہب کیتھولک کے لئے مہلک ثابت ہوتی۔ پس ہنری اکیلا رہ گیا اور وہی خاندان آسٹریا کے بغض و کین کا نشانہ بنا، اور اس کے ساتھ ہی ایک ایسی بیوی اس کے گلے پڑگئی جس سے وہ سخت بیزار تھا، لازماً وہ وحشتناک ہوکر کرامول پر ٹوٹ پڑا، اُمرا کے دلوں میں کرامول کی طرف سے مدت سے بغض بھرا ہوا تھا، اب موقع پاکر انہوں نے بھی اس پر نہایت سختی سے حملہ کیا، ڈیوک نارفک کو وزیر کے
جون ۱۵۴۰ء گرفتاری کا حکم دیا گیا اور جب اس نے اس کے گلے سے نشان گارٹر اتارا تو شاہی مجلس کی میز کے گرد جس قدر اُمرا جمع تھے سب نے طعن و تشنیع و لعنت و ملامت کی بوچھار شروع کردی۔ غداری کے الزام پر کرامول نے ایک مایوسانہ جوش کے ساتھ اپنی ٹوپی زمین پر پھینکدی اور چلا کر کہا کہ "کیا میرے خدمات کا اب یہی انعام باقی رہگیا ہے۔ میں تمہارے ہی ایمان سے پوچھتا ہوں کہ آیا میں باغی ہوں؟" لیکن پھر وہ فوراً ہی سمجھ گیا کہ کار از دست رفتہ ہوچکا ہے، اور اسنے اپنے دشمنوں سے تحکمانہ طور پر یہ کہا کہ "جو تمہیں کرنا ہے

جلدی کرو مجھے قیدخانے میں گھلنے کے لئے نہ چھوڑو" اس کا خاتمہ جلد ہوگیا، اور اس کی گرفتاری پر جس عام خوشنودی کا اظہار کیا گیا تھا اس کے قتل کے وقت اس سے زیادہ جوش ظاہر کیا گیا۔ جولائی

باب ہفتم

"اصلاح"

جزو اول فرقہ پروٹسٹنٹ

۱۵۴۰—۱۵۵۳

اسناد۔ ہنری کے عہد کے اواخر اور اڈورڈ کے زمانے کے لئے وافر ذخیرہ موجود ہے، اسٹرائپ کی "یادداشتیں" اور اس کی کرنمر، چیک، اور اسمتہ کی سوانح عمریاں۔ برنٹ کی تاریخ اصلاح" مرتبہ مسٹر پوکاک، خود اڈورڈ کا روز نامچہ ہالنشڈ کا "وقائع" بیکن کا روز "نامچہ" (مرتبہ کیمڈن سوسائٹی)، یہ سب اس زمانے کے لئے کافی و وافی مواد ہیں۔ زمانہ تولیت کے لئے مسٹر ٹائلر کے شائع کردہ خطوط ان کی کتاب انگلینڈ انڈر اڈورڈ دی سکتھ اینڈ میری" انگلستان زیر حکومت اڈورڈ ششم و میری (England under Edward VII & Mary) ہیں

دیکھنا چاہیئے۔ اس زمانے کے اختتام پر مسٹر نکلس کی کتاب کرانیکل آف کوئین جین (وقائع ملکہ جین Chronicle of Quen Jane) شائع کردہ کیمڈن سوسائٹی سے بہت روشنی پڑتی ہے۔ بیرونی مبصّرین میں سورانزو باشندۂ وینس نے زمانہ تولیت کے حالات لکھے ہیں۔ اور جیووانی میکیئل کے مراسلات (شائع کردہ مسٹر فریڈمان) سے میری کے دور حکومت کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ فاکس کی بک آف مارٹیرز (حالات شہدا)(Book of Martyrs) میں اگرچہ بے انتہا غلطیاں پیوریٹنی تعصبات اور بالقصد اخفائے حق کی خرابیاں موجود ہیں، مگر اسکے کثیر واقعات اور دلفریب طرز بیان سے اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ اس کی بہت سی غلط بیانیوں کی مسٹر میٹلینڈ نے اپنے مضمون "اصلاح" میں تصحیح کردی ہے۔ ابتدائی زمانے کے پروٹسٹنٹون کی داستان مسٹر فراوڈ نے اپنی تاریخ انگلستان باب چہارم میں نہایت خوبی سے بیان کی ہے۔

کرامول اور شاہی

کرامول کے انتقال کے بعد اس کے طریق عمل کی کامیابی اپنے اوج کمال پر پہنچ گئی اور طاقت شاہی کو انتہائی عروج حاصل ہوگیا۔ انگلستان کی قدیم آزادی، بادشاہ کے قدموں کے نیچے پامال ہورہی تھی۔ امرا سب کے سب خائف و بے حوصلہ ہوگئے تھے، دارالعوام بادشاہ کے دست پرور لوگوں سے بھرا ہوا اور ظلم و تعدی کا آلہ بنا ہوا تھا۔ پارلیمنٹ کے قوانین کی جگہ شاہی فرامین نافذ ہوتے تھے۔ پارلیمنٹ کی جانب سے محصول عائد کئے جانے کے بجائے یوماً فیوماً نذرانے وصول کرنے کا دستور بڑھتا جاتا تھا، معمولی عدالتوں میں انصاف بادشاہ کی مرضی کے تابع ہوگیا تھا اور مجلس شاہی کے غیر محدود و مطلق العنان

اختیارات عام قانون سازی کے دیر طلب طریقے کو بتدریج معدوم کرتے جاتے تھے۔ نئے مذہبی تغیرات نے بادشاہ میں ایک طرح کی شان تقدس پیدا کردی تھی۔ ہنری کل کلیسا کا سرگروہ تھا۔ اسقف اعظم سے لیکر ادنیٰ پادری تک کو مذہبی اختیارات کے عمل کا حق خالصتہً بادشاہ کی طرف سے عطا ہوتا تھا، مذہب کے واعظین کی آواز اسی کی مرضی کی صدائے بازگشت ہوتی تھی۔ صرف وہی یہ فیصلہ کرسکتا تھا کہ کون امر ازروئے مذہب درست اور کون امر بدعت و ارتداد ہے۔ عبادت وعقائد کے طریقے بادشاہ کے وہم و تلّون کے موافق بار بار تغیر پذیر ہوتے رہتے تھے۔ مذہبی اوقاف وغیرہ کی نصف آمدنی شاہی خزانے میں داخل ہوتی تھی، اور دوسری نصف کو بھی بادشاہ جس طرح چاہتا صرف کرتا تھا۔ ایک شخص واحد کے ہاتھ میں تمام اختیارات کے اس طرح جمع ہوجانے کی کوئی سابقہ مثال نہیں ملتی اور اسی غیر معمولی اجتماع اختیارات نے ہنری کی رعایا کو اس درجہ خوف زدہ و ہراساں کردیا تھا۔ یہ خیال کیا جاتا کہ عام اشخاص جن قوانین کے تابع ہیں ہنری کی شخصیت ان قوانین سے بالاتر ہے۔ مدبّرین اور پادری اس کی مدح سرائی میں اس کی عقل وطاقت کو عام انسانی عقل و طاقت سے بڑھکر ظاہر کرتے تھے۔ جس وقت اس کا نام آتا تھا پارلیمنٹ کے اراکین کھڑے ہوکر خالی تخت کے

سامنے جھکتے تھے۔ اس کی ذات کے ساتھ کامل عقیدت نے قانونی وفاداری کی جگہ لے لی تھی، کلیسائے انگلستان کے مقتدائے اعظم نے کراموِل کی خاص خوبی یہی بیان کی تھی کہ "وہ بادشاہ سے اس سے کم محبت نہیں کرتا تھا جس قدر وہ خدا سے محبّت کرتا تھا"۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس شاہ پرستی کی عمارت کے بلند کراموِل کرنے میں کراموِل سے زیادہ کسی کا حصہ نہیں ہے مگر اسنے اور اس عمارت کو انجام کو پہنچایا ہی تھا کہ وہ گرنا شروع ہوگئی پارلیمنٹ اس کی کارروائیوں کی کامیابی ہی درحقیقت اس کے طرز عمل کی تباہی کا باعث ہوئی، اس کے طریق عمل کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس نے از سرِنو پارلیمنٹ کے اجلاس منعقد کرنا شروع کردئے تھے۔ جس بڑی مجلس سے اڈورڈ چہارم کے وقت سے وولزی کے وقت تک تمام بادشاہ خوف کرتے رہتے تھے، کراموِل نے پھر اسے سب سے آگے کردیا اور اسی کو مطلق العنانی کا سب سے زیادہ خطرناک آلہ بنایا۔ اسے ایک ایسے دارالامرا سے خوف کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی تھی جو بادشاہ کے سامنے بے بسی کے ساتھ کانپتا ہو اور جس کے مذہبی ارکان کو اس کی حکمت عملی نے محض بادشاہ کی مرضی کا آلہ بنا دیا ہو، نہ اسے ایک ایسے دارالعوام سے ہراساں ہونے کا کوئی سبب نظر آتا تھا، جس کے ارکان بالواسطہ یا بلا واسطہ شاہی مجلس کی طرف سے نامزد ہوتے ہوں۔ اِس

قسم کی پارلیمنٹ سے کرامول کو پورا اعتماد تھا کہ خود رعایا کے قائم مقاموں ہی کے ذریعے سے وہ انہیں اس مطلق العنانی کے کام میں اپنا شریک جرم کر لے گا۔ پارلیمنٹ ہی کے توانین کے ذریعے سے یہ ہوا کہ کلیسا بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا۔ پارلیمنٹ ہی کے توانین ضبطی کے حکم سے بڑے بڑے امرا قتل کئے گئے۔ انہیں آئینی طریقوں سے نئے اقسام غداری حلف، اور جرح کے قائم ہوئے اور آزادی کا مُنہ بند کیا گیا لیکن اِس طریق عمل کی کامیابی تمامتر اس پر منحصر تھی کہ پارلیمنٹ ہمہ تن تاج کی فرمان پذیر لونڈی بن جائے، مگر خود کرامول کے عمل نے اس طریق کار کا جاری رہنا ناممکن کر دیا۔ زمانۂ مابعد میں ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ سے جو کام لینا منظور تھا اس کے لئے لازمی تھا کہ اگرچہ اس کی روح بالکل فنا ہو چکی تھی مگر آئینی آزادی کے اشکال ظاہری کی پوری پابندی کی جائے، اس مطلق العنانی کے خلاف رجعت قہقری کا ہونا لازمی تھا اور اس میں پارلیمنٹ ہی رعایا کی قوت جدید کے مرکز کا کام دینے والی تھی اور پارلیمنٹ ہی کے بحال خود برقرار رہنے کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ سیلِ آزادی خاموشی کے ساتھ اپنی طبعی رو سے اپنے قدیمی چشموں میں واپس آجائے۔ خود کرامول کے دوران حکمرانی میں چھوٹی چھوٹی خانقاہوں کے بند کر دینے کے ایک "عظیم الشان مباحثہ" کے موقع پر ظاہر ہو گیا کہ مقاومت کے عناصر ابھی تک باقی ہیں اور

جب اڈورڈ کی صغر سنی اور میری کی غیر ہردلعزیزی کے دوران میں تاج کی طاقت کم ہوگئی تو یہ عناصر بہت تیزی کے ساتھ ترقی کرگئے۔ روح آزادی کی اس تجدید میں کلیسا کی لوٹ نے بہت کچھ مدد دی۔ کلیسا کی لوٹ سے خزانے میں نہایت کثیر دولت جمع ہوگئی تھی اور کرامول اور بادشاہ دونوں نے کچھ تو ضرورت سے اور کچھ اس خیال سے کہ ایک ایسا گروہ پیدا ہوجائے جو ان کی مذہبی حکمت عملی کا موٗید ہو اس دولت کو بے دریغ لٹانا شروع کردیا۔ اس طرح پر تمام اراضی سلطنت کا پانچواں حصہ کلیسا کے قبضہ سے نکل کر امرا ورؤسا کے قبضے میں آگیا تھا۔ نہ صرف پرانے خاندان دولتمند ہوگئے بلکہ متوسلین دربار کا ایک نیا طبقہ امرا کا قائم ہوگیا ہنری نے اراضی کلیسا سے جیسے وسیع عطیات اپنے درباریوں کو دئے اس کی صریحی مثال خاندانہائے رسل و کونڈش ہیں انہیں عطیات کی وجہ سے یہ خاندان گمنامی سے نکل کر مدارج اعلیٰ پر پہنچ گئے۔ قدیم طبقہ پیرن ابھی پوری طرح مٹا بھی نہیں تھا کہ ایک نیا طبقہ امرا اسکی جگہ پر قائم ہوگیا۔ مسٹر ہیلم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ”اس زمانے میں جو خاندان بہت زیادہ قابل وقعت سمجھے جاتے ہیں خواہ وہ امرائے ملک میں شامل ہوں یا نہوں مگر ان میں سے معدودے چند کے سوا سب کو شاہان ٹیوڈر ہی کے زمانوں میں یہ بلند منزلت حاصل ہوئی ہے اور اگر ہم انکی جائداد کے اسناد کا پتہ چلائیں تو معلوم ہوجائے گا کہ ان کا بیشتر حصہ خانقاہوں اور

دوسرے مذہبی وقفوں کی ضبطی سے حاصل ہوا ہے "ہنری کے انتقال کے بعد جو واقعات پیش آئے اور ان میں ان نئے امرا نے جو نمایاں حصہ لیا اس سے ان کے تمام طبقے میں ایک نئی قوت و جان آ گئی۔ مگر صاحبان جائداد کے اس عام تموّل و ثروت میں چھوٹے چھوٹے رئیسوں کو بھی حصہ ملا تھا اور امرا کے جدید اظہار قوت کے بعد ہی دارالعوام نے بھی ازسرنو اپنی سیاسی اہمیت کا اظہار شروع کردیا۔

فرقۂ پروٹسٹنٹ

کرامول کے مذہبی تغیرات کی وجہ سے رعایا کے جوش مذہبی میں نئی قوت پیدا ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے کرامول کی یہ حکمت عملی شاہی کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ ایک وسیع معاشرتی و عام پسند تحریک یعنی لولارڈی کا خاتمہ ہو چکا تھا اور وکلف کے پیدا کردہ مذہبی جوش کا بھی اس سے زیادہ کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا کہ کلیسا کے نظم و نسق سے ایک مبہم طرح کی بے اطمینانی و بے دلی قائم تھی تاہم لولارڈی کی روح اگرچہ کمزور ہو گئی تھی اور اس پر سکتہ کا عالم طاری تھا مگر وہ بالکل مردہ نہیں ہوئی تھی اساقفہ کے رجسٹروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقے کے لوگوں پر جابجا مقدمات قائم ہوتے رہتے تھے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ جابجا جمع ہو کر "وارتداد کی ایک بڑی کتاب سے تمام رات فرقۂ اوینجلسٹ کے حالات انگریزی میں پڑھتے رہتے ہیں" اور وکلف کے رسالوں کی نقلیں ہاتوں ہاتھ گشت کرتی رہتی تھیں

اس دبی ہوئی آگ کے بھڑک اُٹھنے کے لئے صرف ایک
پھونک کی ضرورت تھی اور اس کام کو ولیم ٹنڈیل نے انجام دیا
وہ آکسفورڈ سے کیمبرج چلا گیا تھا تاکہ ایرسمس کے "عہدنامہ جدید"
کی اشاعت کے اثر کو اچھی طرح سمجھ لے۔ اس نے ایک ذی علم
مناظر سے یہ کہا تھا کہ "اگر خدا نے مجھے زندہ رکھا تو چند ہی
برس کے اندر اندر میں یہ کر دکھاؤں گا کہ ایک ہل چلانے والا لڑکا
انجیل آپ سے زیادہ جانتا ہوگا" اس کی عمر چالیس برس کی
بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا یہ خواب پورا ہوگیا۔ مقام
وٹمبرگ میں لوتھر کے عقائد مروجہ پر اعتراض کرنے کی خبر سن کر
وہ اپنی عزلت گاہ گلوسٹر شایر سے نکلا، کچھ دنوں لندن میں پناہ لیکر
ہیمبرگ پہنچا اور وہاں سے اس چھوٹے سے قصبے کو روانہ ہوگیا
جو یک بیک "اصلاح" کا شہر مقدس بن گیا تھا۔ ہر قوم کے
طلبہ وہاں اس جوش کے ساتھ جمع ہو رہے تھے گویا وہ جنگ
مقدس کے لئے آرہے ہیں۔ ایک ہمعصر کا قول ہے کہ "جب
اس قصبے پر ان طلبہ کی نظر پڑتی تھی تو وہ ہاتھ اُٹھا کر خدا
کا شکر بجا لاتے تھے کیونکہ یروشلم ہی کی طرح سے اب وٹمبرگ
سے انجیل کی صداقت روئے زمین پر دور دور تک
پھیلنے والی تھی" ۱۵۲۵ء میں اس کا ترجمہ "عہدنامہ جدید" مکمل ۱۵۲۵
ہوگیا، کولون سے جب وہ نکالا گیا تو وہ یہ صفحات لئے ہوئے
وَرمز کو بھاگا اور وہاں سے اس "عہدنامہ جدید" کے چھ ہزار
نسخے انگلستان کو روانہ کئے گئے مگر ٹنڈیل کی کتاب محض ترجمے

کی حیثیت سے انگلستان میں نہیں پہنچی بلکہ وہ لوتھر کی تحریک کے ایک جزو کی حیثیت سے آئی۔ اس ترجمے کے مذہبی الفاظ میں لوتھر کی اصطلاحات کی پیروی کی گئی تھی۔ اور اس کے ساتھ لوتھر کی سخت کلامیاں اور وکلف کے طبع ثانی کے رسائل بھی شامل تھے۔ اس کتاب کو خلاف مذہب قرار دیا گیا اور وولزی نے اپنے سامنے سنٹ پال کے صحن میں ان کتابوں کا انبار لگواکر انہیں جلوادیا۔ لیکن کتاب مقدس اور رسالے خفیہ طور پر انگلستان میں آتے اور "اخوان مسیحی" کی ایک انجمن کے توسط سے زیادہ غریب اور تجارت پیشہ لوگوں میں تقسیم ہوتے رہے۔ اس انجمن میں زیادہ تر لندن کے تاجر اور اہل شہر شامل تھے۔ مگر ان کے گماشتے تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ کتابیں بہت جلد دارالعلوموں میں پہنچ گئیں جہاں "تعلیمات جدیدہ" کی ذہنی تشویش کی وجہ سے مذہبی تحقیقات کا خیال پہلے ہی سے تیز ہو رہا تھا اور ارتداد کے لئے کیمبرج کا نام روشن ہوچکا تھا، کیمبرج کے جن طلبہ کو وولزی نے اپنے کارڈنل کالج میں رکھا تھا، انہیں نے اس مرض متعدی کو آکسفورڈ پہنچایا۔ رسولوں کے مراسلات کے خفیہ طور پر پڑھنے اور ان پر بحث کرنے کے لئے کارڈنل کالج میں "اخوان مسیحی" کا ایک مختصر سا گروہ قائم ہوا تھا اور بہت جلد دارالعلوم کے زیادہ ذہین اور ذی علم طلبہ اس میں شامل ہوگئے۔ کلارک اس گروہ کا گویا مرکز تھا، اس نے نئے شامل ہونے والوں کو خطرات کا اندیشہ دلاکر

ڈرایا مگر اس کا یہ انتباہ بے سود ثابت ہوا، ان میں سے ایک طالب علم اینتھونی ڈیلیبر کہتا ہے کہ "میں اس کے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑا اور رو رو کر چلا چلا کر اس سے یہ التجا کی کہ خدا کے واسطے مجھ پر رحم کر اور میری شمولیت سے انکار نہ کر۔ میں نے یہ بھی کہا کہ مجھے یقین ہے کہ جس نے مجھے توفیق عطا کی ہے وہ آخر وقت میں مجھے چھوڑ نہیں دے گا بلکہ اپنی رحمت مجھ پر نازل کرے گا۔ جب اس نے مجھے اس طرح کہتے سُنا تو میرے قریب آکر اس نے مجھے بغل میں لے لیا۔ اور بوسہ دیکر کہنے لگا خدائے عزوجل تمہیں اس کام کی قوت دے اور اس وقت سے یسوع مسیحؑ کے واسطے سے تم مجھے اپنا باپ سمجھو اور میں تمہیں اپنا بیٹا سمجھوں گا۔" ٹنڈیل کے تصانیف کی اس فوری اشاعت نے ایک ہیجان عام پیدا کردیا اور وولزی زیادہ سخت کارروائی کرنے پر مجبور ہوا۔ آکسفورڈ کے بہت سے "اخوان مسیحی" ۱۵۲۸
قیدخانوں میں ڈال دئے گئے۔ اور ان کی کتابیں ضبط کرلی گئیں باوجودیکہ اس سے فرقہ پروٹسٹنٹ میں اضطراب پیدا ہوگیا اور ان میں سے بعض لوگ سمندر پار بھاگ گئے مگر فی الحقیقت ان کے ساتھ کچھ زیادہ سختی نہیں کی گئی۔ وولزی سیاسی معاملات کے سوا دوسرے اعتبارات سے ہمیشہ ان سے چشم پوشی کرتا رہا۔

درحقیقت ہنری کو خاص فکر یہ تھی کہ ایسا نہو کہ ارتداد کے جوش مخالفت میں "تعلیمات جدیدہ" کو نقصان پہنچ جائے لیٹیمر پیدائش ۱۴۹۰ء

اس کے اس خیال کا ایک بدیہی ثبوت یہ ہے کہ اس نے ایک ایسے شخص کو اپنی حفاظت میں لے لیا تھا جسکے عام پسند وعظ سے کارلٹ کی شہرت بھی ماند پڑجانے والی تھی۔ ہیولیٹمر لیسٹرشائر کے ایک سپاہی پیشہ شخص کا لڑکا تھا۔ اس کے بچپن کے زمانے میں جب اس کا باپ کارنوال کے باغیوں کے خلاف بلیک ہیتھ کے میدان جنگ میں جانے والا تھا تو اسی لڑکے نے اسے زرہ پہنائی تھی۔ بچپن میں اسے جس قسم کی سپہ گری کی تعلیم ملی تھی اس کا ذکر اس نے خود کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ "میرا باپ نہایت خوشی کے ساتھ مجھے تیر کا نشانہ لگانا سکھاتا تھا۔ اس نے مجھے کمان کا کھینچنا اور کمان پر جسم کا زور دینا سکھایا تھا تاکہ میں دوسری قوموں کی طرح اپنے بازو کے زور سے نہیں بلکہ اپنے جسم کے پورے زور کے ساتھ کمان پر چلّہ چڑھا سکوں"۔ چودہ برس کی عمر کے بعد وہ کیمبرج گیا۔ وہاں "تعلیمات جدیدہ" کا زور شروع ہوچکا تھا لیٹمر ہمہ تن اس میں غرق ہوگیا اور اس کا اثر اسکی جسمانی طاقت پر پڑا۔ دماغی محنت کی کثرت نے اس کی صحت کو کمزور کردیا اور اسے بیماریوں کا شکار بنادیا۔ وہ ایک قوی الجثہ شخص تھا مگر بیماری و کمزوری صحت کا اثر اس سے زائل نہیں ہوا، حصول علم میں اس نے اگرچہ اس درجہ محنت کی لیکن اس کی قسمت میں یہ تھا کہ اس کی شہرت

ایک عالم کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک واعظ کی حیثیت سے ہو۔ اس نے اپنے مذاق سلیم کے سبب سے اپنے واعظوں میں مدرسوں کا سا اظہار علم اور فقیہوں کی سی دقیقہ سنجی دونوں کو ترک کردیا۔ وہ تخیلات کا بندہ نہیں تھا اور اس زمانے کے مذہبی تغیرات میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوسرے مصلحین سے پیچھے رہا کیا ہے۔ مگر اس میں مذہب یہود کے نبیوں کی سی اخلاقی صداقت پائی جاتی تھی اور جب وہ غلطیوں پر ملامت کرتا تھا تو اس سے انبیا کا سا تحکم و جوش ظاہر ہوتا تھا۔ اس نے ایک بار ہنری سے مخاطب ہوکر زور کے ساتھ یہ کہا کہ ”اپنی روح کو نیکی سے فائدہ پہنچاؤ اور اس دن کو آیا سمجھو جب تمہیں اپنے فرائض کا اور اپنی تلوار کی خونریزیوں کا حساب دینا ہوگا“ ملامت سے زیادہ اس کے طنزیہ کلام کا اثر پڑتا تھا۔ بمقام پالس کراس اس نے اساقفہ کے حلقے میں ایک بار یہ کہا کہ ”میں آپ لوگوں سے ایک عجیب سوال کرتا ہوں۔ تمام انگلستان میں کون مقتدا اپنے فرائض کی بجا آوری میں سب سے زیادہ آمادہ و مستعد رہتا ہے؟۔ میں بتاتا ہوں۔ وہ مقتدا شیطان ہے۔ اس تمام گروہ میں جو نفع رسانی کے مدعی ہیں شیطان کو ہر وقت میرے سرمایہ کی فکر رہتی ہے کیونکہ وہ کسی وقت اپنے کام سے غافل نہیں ہوتا ہے۔ پس آپ جیسے پند و نصیحت سے گریز کرنے والے مقتدایان دین کو اپنے ادائے فرائض میں

مستقدی شیطان سے سیکھنا چاہئے۔ اگر آپ لوگ خدا سے
نہیں سیکھتے تو بڑے خدا شیطان ہی سے سیکھیں گے مگر اس سے
یہ بہت بعید تھا کہ وہ صرف ملامت کرنے پر بس کرتا۔ وہ
اپنے عام فہم مذاق کے ساتھ بیچ بیچ میں قصے اور اخلاقی تمثیلیں بھی
بیان کرتا جاتا تھا۔ اس کے جوش صداقت میں ہمیشہ خوش فہمی
کا عنصر شامل ہوتا تھا۔ عام اور سادے طرز بیان میں اسکے
چبھتے ہوئے مذاق سے جان پڑ جاتی تھی۔ وہ اپنے سامعین سے
اس طرح مخاطب ہوتا تھا جیسے کوئی شخص اپنے دوستوں سے
باتیں کرتا ہو۔ کبھی وہ اپنے گھر کی زندگی کے اس قسم کے
قصے بیان کرتا تھا جیسے اوپر مذکور ہو چکے ہیں، کبھی اس سادگی
و صفائی کے ساتھ حوادث و تغیرات کا ذکر کرتا تھا کہ یہ سادگی
ہی اس کے معمولی بیان میں ایک شان پیدا کردیتی تھی۔ وہ
ہمیشہ دنیا کے حالات واقعی سے بحث کرتا تھا۔ اور وفاداری،
جفاکشی، غریبوں پر ترحم کے عام بیانات میں وہ ہل سے
لیکر تخت تک کی کیفیتیں بیان کرڈالتا تھا۔ اس کے قبل اس
قسم کا وعظ انگلستان میں کبھی سننے میں نہیں آیا تھا اور
اس کی شہرت کے ساتھ اس کی گرفتاری کا خطرہ بھی بڑھتا
جاتا تھا۔ وہ اگرچہ ایک قوی دل شخص تھا مگر بعض وقت
اس کا دل بھی بیٹھ جاتا تھا اس نے ایک بار لکھا تھا کہ "اگر
مجھے یہ یقین نہوتا کہ خدا میری مدد کرے گا تو میں سمجھتا ہوں
کہ آج میرے اور میرے لندن والے آقا کے درمیان سمندر

حائل ہوتا، ارتداد کے ایک مقدمہ نے آخر خطرے کو اس سے قریب کردیا۔ اس نے اپنے مذاق اور درد دل کے مخصوص امتزاج کے ساتھ لکھا تھا کہ" باوجود ہر طرح کے رنج کے میرا ارادہ ہے کہ اس سال اپنے اہل قصبہ کے ساتھ کرسمس کی خوشی مناؤں کیونکہ ممکن ہے کہ میں پھر ان میں واپس نہ آؤں" مگر دربار نے ہمیشہ اس کی پشت پناہی کی اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ ان خطرات سے بچا رہا۔ اسقف ایلی کی تہدید کے خلاف وولزی نے اس کی حمایت کی۔ ہنری نے اسے خود اپنا چیپلین (پیش نماز) مقرر کیا اور اس نازک موقع پر بادشاہ کی مداخلت نے لیٹمر کے ججوں کو مجبور کردیا کہ چند مبہم الفاظ میں اطاعت کی ہدایت کرنے پر اکتفا کریں۔

کرامول اور پروٹسٹنٹ

وولزی کے زوال کے بعد پروٹسٹنٹوں کو جو دشواریاں پیش آئیں ان میں وہ زیادہ جور و ستم کا شکار ہونے سے اس وجہ سے بچ گئے کہ ہنری، روما، کے جھگڑے میں پھنس گیا تھا۔ طلاق، پوپ کے اقتدار کا انکار، پادریوں کی ذلت، خانقاہوں کا بند کیا جانا، اور دوسرے مذہبی تغیرات، یہ تمام مصائب یکے بعد دیگرے طبقۂ مذہبی کو بے دم کررہے تھے، اور دفعتہً انکی حالت یہ ہوگئی تھی کہ دوسروں کے عقائد پر بازپرس کے بجائے انکو اپنی ہی جانوں کے لالے پڑگئے تھے۔ جن لوگوں کو وہ دہمکیاں دیا کرتے تھے، وہی ان کے سروں پر مسلط کردئے گئے تھے کرنمر اسقف اعظم ہوگیا۔ تغیرات جدیدہ کا ایک مؤید شیکسٹن،

سالسبری کا اسقف بنا دیا گیا۔ ہارلو ان تغیرات کی جانبداری
میں انتہا کو پہنچا ہوا تھا، وہ سنٹ ڈیوڈ کے منصب اسقفی پر
فائز کردیا گیا۔ علیٰ ہذا، ہلسی، گڈرچ، اور فاکس، علی الترتیب
روچسٹر، ایلی، اور ہیرلفرڈ کے اسقف بنا دئے گئے خود لیٹیمر، ورسٹر
۱۵۳۶ کا اسقف ہوگیا، اور مجلس مذہبی میں ایک پُر زور تقریر کے
دوران میں اس نے پادریوں کو یہ طعنہ دیا کہ وہ اس سے
قبل حرص و توہمات میں مبتلا تھے اور جب بادشاہ اور
پارلیمنٹ کی طرف سے تجدید مذہبی کی کوششیں ہورہی تھیں
اس وقت وہ ایک عضو معطل کی طرح بیکار پڑے ہوئے تھے
ہم دیکھ چکے ہیں کہ کرامول کا مقصد بالکل وہی تھا جو "تعلیمات جدیدہ"
کا تھا۔ وہ مذہب کی اصلاح چاہتا تھا، انقلاب نہیں چاہتا تھا،
وہ عقائد میں سادگی کا خواہاں تھا نہ کہ کسی تغیر و تبدل کا،
عبادت کا کوئی نیا طریقہ جاری کرنا اس کا مقصود نہیں تھا بلکہ وہ
صرف طرق مروّجہ کو زیادتیوں سے پاک کردینے کا خواہاں تھا
مگر یہ ممکن نہیں تھا کہ کلیسا پر اس طرح ضرب پر ضرب لگائی جائے اور
بالارادہ نہیں تو بلا ارادہ اس گروہ کی طرف میلان پیدا نہ ہوجائے
جو جرمن اصلاح سے ہمدردی رکھتا تھا اور اپنے ملک میں
بھی زیادہ قطعی تغیرات کرنا چاہتا تھا۔ یہ پیروان لوتھر یعنی پروٹسٹنٹ
اگرچہ اس وقت تک صرف معدودے چند تھے مگر نئی امیدوں
نے انہیں ایک خطرناک دشمن بنا دیا تھا۔ ظلم و ستم سہتے سہتے
وہ تکالیف کے خوگر ہوگئے تھے اور اس لئے وہ نہایت

بے باکی سے اس مذہب پر حملہ کرنے لگے تھے جس نے
۱۵۳۸ ابتک انہیں پامال کر رکھا تھا۔ کراموَل کے تغیرات کے شروع
ہوتے ہی، صوبہ سفک کے چار نوجوان ڈوورکورٹ کے کلیسا
میں گھس گئے، اور ایک کراماتی صلیب کو توڑ ڈالا اور اسے
میدان میں لیجاکر جلادیا، چھوٹی چھوٹی خانقاہوں کا بند کیا جانا،
پُرانے مذہب کی دلیرانہ بے حرمتی کے لئے ایک نیا اشارہ
ہوگیا۔ اس کام کے لئے جو کمشنر (متصرف) بھیجے گئے تھے
ان کی درشتی، رعونت، اور غضب نے تمام خانقاہی گروہ
کو ناامید کردیا تھا۔ ان کے ملازمین چھوٹے کوٹ کے بجائے
پادریوں کے لمبے لمبے چغے اور زین پوشوں کے بجائے پادریوں
کی صدریاں بچھائے سڑکوں پر سوار ہوکر پھرتے اور جو بڑی بڑی
خانقاہیں بچ رہی تھیں ان میں بھی اضطراب پھیلاتے تھے
بعض خانقاہوں نے آنے والی مصیبت کے خیال سے اپنے
جواہرات اور باقیات سلف سب فروخت کر ڈالے تھے۔ بعضوں
نے بطور خود شکست ہوجانے کی درخواست کی تھی۔ وکرجنرل
کے نئے قواعد میں جب یہ حکم دیا گیا کہ توہم پرستی کی وجہ
سے جن چیزوں کی تعظیم کی جاتی ہے وہ ہٹالی جائیں تو
حالت اور بھی بدتر ہوگئی۔ جو لوگ انہیں تصویروں اور باقیات سلف
کو اپنا مذہب سمجھتے تھے ان کے لئے ان چیزوں کا ہٹادینا ہی
کیا کم ناگواری کا باعث تھا کہ ان چیزوں کی اہانت کرنے سے
اس ناگواری کو اور تلخ کردیا گیا باکسلے کے گرجا میں ایک

"کراباتی" صلیب تھی جو اپنا سر جھکاتی اور اپنی آنکھوں کو گردش دیتی تھی۔ اس صلیب کو تمام بازاروں میں پھرایا گیا اور پھر صحن دربار کے سامنے ایک تماشے کے طور پر نصب کردیا گیا۔ حضرت مریم[۴] کے مجسمات کے قیمتی لباس اتار لئے گئے اور انہیں مجمع عام کے سامنے جلانے کے لئے لندن بھیجا گیا لیٹمر نے اپنے ورسٹر کے گرجے سے حضرت مریمؑ کے جس بت کو نکال باہر کیا تھا اسے ان حقارت آمیز الفاظ کے ساتھ پائے تخت کو روانہ کیا کہ "یہ اپنی والسنگھم کی بڈھی اور البسوج کی نوعمر بہنوں اور ڈانگیسٹر اور پنزنس کی دونوں بہنوں کے ساتھ ملکر اسمتھ فیلڈ میں دل لگی کا اچھا سامان مہیا کردے گی"۔ جدید احکام یہ جاری ہوئے کہ صندوقوں میں سے تمام باقیات سلف نکال کر پھینکدئے جائیں اور تمام زیارت گاہیں مسمار کردی جائیں کینٹربری میں سنٹ ٹامس کا مزار مذہبی صدر مقام کے کلیسا کی زینت تھا مگر اس جلیل الشان مزار سے سنٹ ٹامس کی ہڈیاں نکال کر پھینکدی گئیں اور دعا کی کتاب سے اس کا نام اس طرح مٹا دیا گیا گویا وہ ایک باغی شخص تھا۔ گرجاؤں میں کتب مقدس کے انگریزی ترجموں کے رواج سے پروٹسٹنٹوں کے اظہار جوش کے لئے ایک نیا راستہ کھل گیا۔ باوجودیکہ بادشاہ کا حکم تھا کہ یہ ترجمہ آہستہ آہستہ بغیر کسی قسم کی تشریح و توضیح کے پڑھا جائے مگر اس گروہ کے جوشیلے نوجوان نماز کے دوران میں فخریہ طور پر خوب چلا چلا کر اسے اپنے گرد کے پُر جوش مجمع کو سناتے

اور پڑھنے کے ساتھ ہی زور و شور کے ساتھ اس کی تشریح بھی کرتے جاتے تھے۔ پروٹسٹنٹ کنواری لڑکیاں انگریزی کی ابتدائی کتابیں گرجے میں لیجاتیں اور صبح کی نماز کے بعد طمطراق کے ساتھ ان کی تعلیم حاصل کرتیں، آخر حالت اس حد کو پہنچ گئی کہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے عوام نے اساقفہ کی عدالتوں پر حملے کرکے انھیں توڑ ڈالا اور اس طرح اہانت سے گزر کر علانیہ زیادتی کی نوبت آگئی اور جب ان نئے معتقدات کے پیرو پادریوں نے شادیاں کرنا شروع کردیں تو قانون اور رائے عامہ دونوں کی توہین ہوئی۔ اگرچہ اس بارے میں مذہبی حکام کی طرف سے خاموشی برتی گئی مگر عام مباحثہ کا ایک سخت ہیجان پیدا ہوگیا۔ ہنری نے نہایت سخت شکایت کی کہ "نئی انجیل پر لوگ بحثیں کرتے اسے اشعار کی طرح پڑھتے اور گاتے پھرتے ہیں اور ہر ایک سرائے اور شراب خانے میں اس کی تانیں سنی جاتی ہیں"، ان قواعد کی وجہ سے جن میں کلیسائے انگلستان کے عقائد بیان کئے گئے تھے ایک پر غیظ مناظرہ برپا ہوگیا۔ عشاء ربانی کا عقیدہ رومن کیتھولک عقائد و عبادت کی جان تھا، اور انگریزوں کا بیشتر حصہ ابتک اسے مقدس سمجھتا تھا مگر جس اہانت و بے حرمتی کے ساتھ اس کے خلاف کارروائی کی گئی اس وقت اس کا یقین بھی نہیں آتا۔ روٹی اور شراب کا حضرت عیسیٰؑ کے گوشت و خون سے بدل جانے کا عقیدہ ابتک قانوناً مسلم تھا، اب نظموں اور کھیلوں میں اس کا مضحکہ اڑایا جانے لگا۔ ایک

گرجا میں جب پادری نے نان مقدس کو بلند کیا تو اس کے مقابلے میں ایک پروٹسٹنٹ قانون پیشہ شخص نے ایک کتے کو ہاتھ میں لیکر اُٹھایا۔ قدیم عبادت کے سب سے زیادہ مقدس الفاظ ہاک اسٹ کارپس (Hoc est Corpus) جو تقدیس کے موقع پر کہے جاتے تھے اسے لوگوں نے تمسخر سے ہوکس پوکس بنالیا تھا جسے مداری اپنے کھیل کے موقعوں پر کہا کرتے ہیں۔ تمام زیادتیوں سے بڑھکر قداس (ماس) کے اس حملے سے ہنری اور تمام قوم کو سخت رنج پہنچا، اور اس کا پہلا اثر یہ ظاہر ہوا

عقائد ستہ کہ پارلیمنٹ نے عام اتفاق کے ساتھ عقائد ستہ نافذ کئے۔ ان عقائد میں

۱۵۳۹ سب سے پہلے وہی روٹی اور شراب کے تبدل کا عقیدہ دوبارہ قائم کیا گیا تھا۔ اور اس معاملے میں "تعلیمات جدیدہ" اور قدیم کیتھولک گرجے کے عقیدے میں کوئی فرق نہیں تھا، لیکن بقیہ پانچ عقائد کی روسے آئندہ معتدل اصلاح کا راستہ بھی بند کردیا گیا، ان عقائد کے بموجب عبادت کے لئے جماعت، پادریوں کا تجرد، خانقاہی حلف، خانگی جماعت اور خفیہ اعتراف گناہ، داخل مذہب و اعتقاد قرار دیئے گئے۔ اس رجعت قہقری کے ساتھ ایک زیادہ ہولناک صورت یہ پیش آئی کہ عقائد مذہبی کے لئے عقوبت کا طریقہ پھر جاری ہوگیا۔ روٹی اور گوشت کے تبدل کے عقیدے کے انکار کی سزا میں جلا دینا ترک کردیا گیا تھا بقیہ پانچ عقائد کے متعلق ایک بار سے زائد جرم عائد ہونے کی صورت میں یہی سزا مقرر تھی۔ گناہوں کے اعتراف سے یا عام عبادت

میں شامل ہونے سے انکار کرنا سخت جرم قرار دیا گیا تھا۔ کرنمیر اور اس کے ساتھ ان پانچ اساقفہ نے جو کسی قدر فرقہ پروٹسٹنٹ سے ہمدردی رکھتے تھے۔ اس قانون کے خلاف دارالامرا میں کوشش کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اس معاملے میں دارالعوام کے تمام اراکین یکدل و یک رائے تھے، اور ان عقائد کی طرفداری میں خود ہنری ان کی زبان بنا ہوا تھا اس نئے قانون کے بموجب صرف لندن میں پانچسو پروٹسٹنٹوں پر الزام لگایا گیا۔ لیٹمر اور شیکسٹن قید کردئے گئے۔ لیٹمر مجبور کیا گیا کہ اپنی اسقفی سے استعفا دیدے۔ خود کرنمیر محض ہنری کے ذاتی رسوخ کی وجہ سے بچ سکا لیکن اس فتحیابی کے پہلے زور و شور کے ختم ہوتے ہی کرامول کا زبردست ہاتھ پھر اپنا کام کرنے لگا۔ اگرچہ اس کے خیالات وہی تھے جو "تعلیمات جدیدہ" کے تھے اور قانون مذکورۂ بالا کے عام مفہوم سے اسے بہت کم اختلاف تھا مگر بالطبع وہ اسی فریق کی جانب مائل تھا جو اس کے زوال کا خواہاں نہیں تھا وہ پروٹسٹنٹوں کی زیادتیوں کو روکنا چاہتا تھا، ان کو نیست و نابود کرنے کا خواہاں نہیں تھا۔ لندن کے پروٹسٹنٹوں پر جو الزامات لگائے گئے تھے وہ برطرف کردئے گئے۔ قانون نافذہ کے عمل میں لانے سے حکام کو روک دیا گیا اور ان قوانین کے بموجب جو لوگ بجرم ارتداد قید تھے انہیں عام معافی دیدی گئی۔ عقائد ستہ کے اجرا کے چند ہی ماہ بعد

ایک پروٹسٹنٹ نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ "گرفتاری کی کارروائیاں بالکل بند ہوگئی ہیں، کلام مقدس کا وعظ پوری قوت کے ساتھ ہوسکتا ہے اور ہر قسم کی کتابیں علانیہ فروخت ہوسکتی ہیں۔"

ہنری ہشتم کا انتقال

کراموِل کے زوال کے بعد یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے منصوبے بالکل ترک کردئے گئے ہیں۔ اینؔ (کلیوس) کا عقد منسوخ کردیا گیا اور ڈیوک نارفک کی بھتیجی کیتھرین ہاورڈ نئی ملکہ بنا لی گئی۔ نارفک کو دوبارہ غلبہ حاصل ہوگیا اور اس نے پھر وہی روش اختیار کی جس میں کراموِل کی وجہ سے خلل پڑ گیا تھا، فرنیس اور پیروان لوتھر کے بجائے شہنشاہ سے اتحاد کرنے میں وہ بھی بادشاہ کا ہمخیال تھا۔ وہ ابتک تعلیمات جدیدہ کے خواب دیکھ رہا تھا، کلیسا کی خرابیوں کو وہ ایک عام مجلس کے ذریعے سے رفع کرنا اور مذہب کیتھولک کے نئے فرقے سے انگلستان کی مصالحت رکھنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے بسا ضروری تھا کہ انگلستان میں مذہب قدیم کی حمایت کی جائے۔ اور شہنشاہ سے اتحاد پیدا کیا جائے کیونکہ صرف شہنشاہ ہی کے اثر سے اس قسم کی مجلس عام کا اجتماع ہوسکتا تھا۔ کراموِل کے زوال کے بعد زیادہ جوشیلے پروٹسٹنٹوں کی طرح زیادہ سخت کیتھولک بھی یہ سمجھتے تھے کہ مذہب کیتھولک بتدریج واپس آجائے گا۔ پروٹسٹنٹوں کے خلاف کارروائیوں میں کسی قدر سختی بڑھادی گئی اور انگریزی "کتاب مقدس" کے پڑھنے پر قیود عائد کردئے گئے مگر نارفک یا بادشاہ کی ہرگز یہ خواہش نہیں تھی کہ بازگشت مذہب کیلئے

زیادہ سخت کارروائیاں کی جائیں۔ قدیم توہمات کے زندہ کرنے
یا تکمیل شدہ کاموں کے بدلنے کا مطلق خیال نہیں تھا بلکہ
صرف یہ خواہش تھی کہ صاف شدہ عقائد کو لوتھر کے ارتداد
سے بچایا جائے۔ لوگوں کے لئے خود ان کی زبان میں عبادت
کا سامان مہیا کرنے کا کام اب بھی جاری تھا اور نماز و دعا
کی ایک کتاب انگریزی میں شائع کی گئی تھی۔ یہی کتاب
بعد میں قومی "کتاب ادعیہ" کی بنیاد ثابت ہوئی۔ جو بڑی
خانقاہیں ۱۵۳۶ء میں پارلیمنٹ کی سخت مخالفت کی وجہ
سے بچ گئی تھیں وہ بھی ۱۵۳۹ء میں چھوٹی خانقاہوں کی
طرح تباہی میں آگئیں، مگر ان ضبطیوں کے باوجود بھی خزانہ
خالی ہی رہا، اور ۱۵۴۵ء میں ایک قانون کی رو سے دو ہزار
سے زائد اوقاف و عبادت خانے اور ایک سو دس شفاخانے
بادشاہ کے نفع کے لئے بند کردئے گئے۔ فرانس اور
خاندان آسٹریا کے درمیان جب پھر کچھ دنوں کے لئے شعلہ
مخاصمت بلند ہوا اس وقت انگلستان نے چارلس کی رفاقت ۱۵۴۴
پر صرف اس وجہ سے آمادگی ظاہر کی کہ شہنشاہی اتحاد سے
ہنری کو کلیسا کی اصلاح اور تمام فرقہائے مذہب میں دوبارہ
اتحاد کے قائم ہوجانے کی نہایت قوی امید تھی، مگر (جیساکہ
کرامول نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا) اب "امن" "اصلاح" اور
ممالک عیسوی کے مابین دوبارہ عام اتحاد کا زمانہ گزر گیا تھا۔
جس مجلس کی ایسی شوق سے تمنا تھی وہ بالاخر ٹرنٹ میں ۱۵۴۵

۱۵۴۵ جمع ہوئی مگر اس کا انداز مصالحت کا نہیں تھا، بلکہ اس نے انہیں توہمات اور ہفوات کی تصدیق کی جن کے خلاف "تعلیمات جدیدہ" نے اعتراض کئے تھے۔ اور جنہیں انگلستان و جرمنی نے برطرف کردیا تھا۔ فرانس اور خاندان آسٹریا کی طویل مخاصمت نے اب مذہب کیتھولک اور "اصلاح" کے درمیان ایک زیادہ وسیع کشمکش کا دروازہ کھول دیا شہنشاہ قطعی طور پر پوپ کے ساتھ متحد ہو گیا۔

جب ایک درمیانی طریقے کی امیدیں بالکل باطل ہوگئیں تو مذہب کیتھولک کے امرا بھی اس گرداب بازگشت میں بہ گئے آین اُسکیو مع اپنی تین ساتھیوں کے روٹی اور شراب کے تبدل کے عقیدے کے انکار کی وجہ سے جلادی گئی۔ مجلس کے روبرو لٹیمر سے استفسارات کئے گئے اور خود کرنمیر بھی ایک دفعہ خطرے میں پڑ گیا کیونکہ معتدل فریق کے عام انتشار میں جس طرح نارفک روما کی طرف مائل ہوتا جاتا تھا۔ اسی طرح کرنمیر فرقہ پروٹسٹنٹ کی طرف جھکتا تھا مگر ہنری نے جو کام شروع کیا تھا انہیں اس نے اپنی زندگی کے آخر وقت میں اپنے کو سچا ثابت کر دکھایا۔ پوپ کی اطاعت کے متعلق مجلس ٹرنٹ کے دعووں کی اس نے نہایت استقلال کے ساتھ مخالفت کی اور اس لئے طوعاً و کرہاً اسے اپنے اسی عالی مرتبت وزیر کی حکمت عملی اختیار کرنا پڑی جسے اس عجلت کے ساتھ اس نے قتل کرادیا تھا۔ اس نے جرمن شہزادوں کے ساتھ

ایک "اتحاد عیسوی" میں شریک ہونے کی خواہش ظاہر کی، کرنمیر کے مجوزہ انتخاب کو منظور کرلیا کہ ماس قداس کے بجائے عشاء ربانی ادا ہوا کرے ڈیوک نارفک کو باغی قرار دیکر ٹاور میں بھیجدیا اور اس کے بیٹے ارل سرے کو قتل کرادیا۔ "اشخاص جدید" کے سرگروہ ارل ہارٹفرڈ کو اب سب پر تقدم حاصل ہوگیا اور ہنری نے اپنے انتقال کے وقت اسے ہنری کا ... "مجلس تولیت" کا ایک رکن مقرر کردیا۔ جنوری

ملکہ کیتھرین ہاورڈ کو بھی اپنی ناپارسائی کے لئے این بولن کی طرح غداری کے الزام میں موت کی سزا بھگتنا پڑی، اس کی جانشین ملکہ کیتھرین پار کی زندگی نے خوش قسمتی سے بادشاہ کے انتقال تک وفا کی لیکن ہنری کے متعدد نکاحوں کے باوجود اسکے صرف تین بچے اس کے بعد تک زندہ رہے، میری، کیتھرین (آراگون) کی اور الزبتھ این بولن، کی بیٹیاں تھیں، اور اڈورڈ، جین سیمور کا بیٹا تھا۔ یہی لڑکا اب اڈورڈ ششم کے نام سے تخت نشین ہوا۔ چونکہ اڈورڈ کی عمر صرف نو برس کی تھی اس لئے ہنری نے نہایت توازن کے ساتھ ایک "مجلس تولیت" مقرر کردی تھی۔ اس وصیت نامے کی حفاظت جین کے بھائی کو تفویض ہوئی جسے ہنری نے لارڈ ہارٹفرڈ کا خطاب دیکر امرا میں شامل کردیا تھا اور جس نے بعد کو خود ڈیوک سمرسٹ کا خطاب اختیار کرلیا۔ جب متولیوں کی فہرست کے ظاہر کرنے کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ

سمرسٹ

گارڈنر کا نام اس میں شامل نہیں ہے حالانکہ اس وقت تک سب وزرا میں وہی پیش پیش تھا، ہارٹفرڈ نے پروٹکٹر (محافظ سلطنت) کے لقب کے ساتھ کل شاہی اختیارات پر قبضہ کرلیا مگر اس کی شخصی کمزوری نے اسے عام تائید حاصل کرنے کے لئے معاً ایسی کارروائیاں اختیار کرنے پر مجبور کردیا جس سے اول بادشاہی کو اس خالص مطلق العنانی کی حد سے پیچھے ہٹنا پڑا جس پر وہ ہنری کے وقت میں پہنچ گئی تھی۔ جس قانون کی رو سے شاہی اعلانات کو قانون کا رتبہ عطا کیا گیا تھا اس کی ترمیم کی گئی اور کرامول کے ایجاد کردہ بہت سے نئے جرائم و غداریاں (جن پر وہ اس قدر سختی سے کاربند تھا) کتاب قانون سے محو کردئے گئے ہارٹفرڈ کو فرقہ پروٹسٹنٹ سے تائید کی امید تھی اور اس کے شخصی خیالات بھی اسی طرف مائل تھے اس وجہ سے وہ ان بدعتوں کی سرپرستی کرنے لگا جن کے خلاف ہنری آخر تک لڑتا رہا تھا۔ کرنمر نے اب بالکل پروٹسٹنٹ رنگ اختیار کرلیا اور ہارٹفرڈ کے عروج کے بعد ہی وہ قدیم نظام مذہبی سے علانیہ طور پر علیحدہ ہوگیا۔ ایک ہمعصر لکھتا ہے کہ "اس سال لنٹ کے موقع پر اسقف اعظم، کنٹربری نے ایوان لیمبتھ میں علانیہ کھانا کھایا، حالانکہ جب سے انگلستان نے عیسائیت قبول کی ہے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا"۔ اس انگشت نما کام کے بعد پے در پے نہایت تیزی کے ساتھ بیخ کن تغیرات عمل میں آنے لگے۔ عقائد ستہ منسوخ کردئے گئے

شاہی حکم سے گرجوں میں سے تمام تصویریں اور مجسّمے اُٹھادے گئے
پادریوں کو شادی کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ ماس (قداس)
کے بجائے جو کیمونین (جماعت) قائم کی گئی، اس میں دونوں
طریق عبادت کی اجازت دی گئی اور اس عبادت کا انگریزی
زبان میں ہونا قرار پایا مسل (رومن کیتھولک کی تمام سال
کی کتاب عبادت) بریویری (رومن کیتھولک کی روزانہ فرائض
مذہبی کی کتاب) کے بجائے انگریزی زبان میں عام دعاؤں کی "در عام دعا"
سنہ ۱۵۴۸ء ایک کتاب شائع کی گئی، جس کے مطالب زیادہ تر انہیں
دونوں مذکورہ کتابوں سے اخذ کئے گئے تھے اور خفیف
تغیرات کے ساتھ لٹرجی کے نام سے ابتک کلیسائے انگلستان
میں رائج ہے۔ ان بیخ کن مذہبی تغیرات کو اگرچہ کرامول
کی سی قوت کے ساتھ نہیں مگر اسی کی سی مطلق العنانی کے ساتھ
عمل میں لایا گیا۔ گارڈنر نے بادشاہ کی شخصی فوقیت مذہبی
کو تسلیم کرتے ہوے اس کی صغر سنی تک مذہبی تغیرات
کو خلاف قانون اور ناجائز قرار دیا مگر وہ ٹاور میں بھیجدیا گیا۔
اجازت ناموں کے ذریعے سے وعظ کہنے کا حق صرف
اسقف اعظم کے دوستوں تک محدود کردیا گیا تھا۔ تمام مخالف
دلائل سختی کے ساتھ دبائے جاتے تھے مگر پروٹسٹنٹ رسالہ
نویسوں کا ایک غول کا غول تمام ملک میں اپنے موافق
مطلب رسائل کا سیلاب بہارہا تھا اور ان رسائل میں "ماس"
اور توہمات متعلقہ کے متعلق نہایت درشت و نا ملائم الفاظ

استعمال کئے جاتے تھے امراء اور زمینداروں کی امداد حاصل کرنیکی
یہ صورت نکالی گئی کہ مذہبی اوقاف اور مذہبی انجمنیں منسوخ
کردی گئیں اور کلیسا کی آخری لوٹ سے ان کی طمع وحرص
پوری کی گئی۔ مشرقی، مغربی اور وسطی صوبجات کی وسیع بددلی
کو مٹانے کے لئے جرمنی اور اٹلی کے کرائے کے سپاہیوں
سے کام لیا گیا۔ اہل کارنوال نے نئے طریق عبادت کے
قبول کرنے سے انکار کردیا کیونکہ وہ انہیں "کرسمس کا کھیل تماشہ
۱۵۴۹ معلوم ہوتا تھا"۔ ڈیونشائر نے کھلم کھلا شورش برپا کرکے
"دماس" اور عقائد ستہ کے دوبارہ جاری کئے جانے کا
مطالبہ کیا۔ اقتصادی تغیرات کے باعث زرعی بددلی میں
۱۵۴۹ بھی ترقی ہوگئی تھی اور اسی سے دوبارہ ایک عام بدنظمی
پیدا ہوگئی، بیس ہزار اشخاص "بلوط اصلاح" کے گرد جمع ہوئے
اور ایک جانبازانہ مقابلہ میں شاہی رسالوں کو پسپا کردیا
اور وہی پرانی صدا پھر بلند ہوئی کہ نااہل مشیروں کو خارج
کیا جائے، کھیتوں کے احاطے نہ قائم کئے جائیں اور
غریبوں کی شکایات رفع کئے جائیں۔

پروٹسٹنٹ کی بدنظمیاں اس شورش کا خونریزی کے ساتھ خاتمہ کیا گیا، مگر
پروٹکٹر (محافظ سلطنت) نے اس خطرے کے وقت نہایت
کمزوری کا اظہار کیا، اس نے عام مطالبات کو برباد کیا،
اور اس کے ساتھ احاطوں و بیدخلیوں کے خلاف قانون
کے عملدرآمد پر زور دینے سے امرا کو بھی غضبناک کردیا

نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا زوال ہوگیا، مجلس شاہی نے اسے استعفا دینے پر مجبور کیا، اور اس کے اختیارات ارل وارک کو حاصل ہوگئے، درحقیقت ارل ہی کی جابرانہ سختی کی وجہ سے بغاوت کا خاتمہ ہوا تھا، مگر حکمرانوں کے تغیر سے طریق حکمرانی میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ مجلس تولیت کے ارکان سب کے سب نو دولت اُمرا تھے۔ اور ان کی حکمرانی محض تخویف و دہشت کی حکمرانی ہوگئی۔ انہیں کے دست پرور سسل نے یہ اعتراف کیا ہے کہ "رعایا کا زیادہ حصہ انکے موافق نہیں بلکہ ان کے مخالف ہے، دربار سے غیر حاضر رہنے والے امرا کا بھی بیشتر حصہ اسی جانب ہے۔ علیٰ ہذا تین چار کے سوا تمام اساقفہ، تقریباً تمام جج و منتقن، قریب قریب تمام جسٹس آف دی پیس، (ناظمان امن) اور تمام پادری سب اسی طرف ہیں۔ یہ پادری، لوگوں کو جس طرف چاہیں پھیر دیں کیونکہ عوام میں اس وقت ایسی بےچینی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ ہر تغیر کے ساتھ منقلب ہوجانے کو تیار ہیں" مگر کرنمر اور اس کے رفقا نے اندرونی و بیرونی کسی خطرے کی پروا نہیں کی اور پیشتر سے بھی زیادہ دلیری کے ساتھ اپنے بدعات کے شائع کرنے میں مشغول ہوگئے۔ چار اساقفہ جو قدیم طریق پر قائم رہے، انہیں انکے عہدوں سے خارج کردیا گیا اور لغو الزامات لگاکر انہیں ٹاور میں بھیجدیا گیا۔ مصلحین کے عقائد ایک نئے کیٹیکزم (سوال و جواب)

ارل وارک کا زمانۂ تولیت

میں جمع کئے گئے اور پروٹسٹنٹ عقائد کے موافق "مواعظ" کی
ایک کتاب تیار کرکے اسے تمام گرجوں میں پڑھنے کا حکم
دیا گیا۔ عقیدہ "ماس" کی انتہائی ہتک یہ کی گئی کہ پتھر کے
منبر مسمار کردئے گئے اور ان کے بجائے لکڑی کے منبر
بنائے گئے اور وہ بھی زیادہ تر گرجا کے وسط میں رکھے
گئے، ایک اصلاح شدہ کتاب ادعیہ شائع کی گئی اور جس قدر
تغیرات کئے گئے وہ سب انتہائی پروٹسٹنٹ خیال کے موافق
تھے جس کا مرکز اس وقت جینوا تھا۔ مذہب کے بیالیس
عقائد شائع کئے گئے مگر بعد کو کم ہوکر اُنتالیس رہ گئے عقاید مذہب
اور یہی اُنتالیس عقیدے اس وقت تک کلیسائے انگلستان ۱۵۵۲
کے عقائد کا باضابطہ معیار ہیں۔ پروٹسٹنٹوں کو اگرچہ خود اس قدر
مصائب برداشت کرنا پڑے تھے مگر اس سے انہوں نے
مذہبی آزادی کی قدر کرنا نہ سیکھا۔ فرقہ کیتھولک کے قوانین کے
بجائے اب ایک مجلس کو قوانین مذہب کا ایک نیا ضابطہ
مرتب کرنے کا حکم دیا گیا، اور اگرچہ اس میں سزائے موت
کی نوبت نہیں آئی تھی مگر ارتداد، توہین مذہب، اور زناکاری
کے لئے قید مادام الحیات یا جلاء وطنی کی سزا تجویز ہوئی تھی
اور یہ اعلان کردیا گیا تھا کہ جو شخص ملت سے خارج کیا جائیگا
وہ خدا کی رحمت سے نکل کر شیطان کے پنجۂ ظلم میں پھنس
جائے گا یعنے وہ کسی قسم کے رحم کا مستحق نہیں رہے گا۔
اس ضابطہ کی تدوین میں ایسی تاخیریں ہوئیں کہ اڈورڈ کے

عہد میں اسے قانونی حیثیت حاصل نہ ہوسکی تاہم نئی کتاب ادعیہ کا استعمال اور نئے طریق عبادت کی شرکت لازمی قرار پاچکی تھی اور بصورت خلاف ورزی قید کی سزا ہونے لگی تھی نیز شاہی فرمان کے بموجب تمام پادریوں، گرجوں کے محافظوں اور مدرسوں کے معلموں کو انہیں عقائد کی تصدیق کا حکم دیا گیا تھا۔ ایسے عاجلانہ تغیرات اور پھر اس سختی کے ساتھ انکے نفاذ سے جو تنفر پیدا ہوگیا تھا اس میں بعض زیادہ انتہاپسند پروٹسٹنٹ کے آیندہ کے دلیرانہ منصوبوں کی وجہ سے اور بھی زیادتی ہوگئی۔ نوع انسان کے لئے سولھویں صدی کے مذہبی انقلاب کا اصلی فائدہ یہ نہیں ہے کہ ایک عقیدے کے بجائے دوسرا عقیدہ قائم ہوگیا، بلکہ وہ یہ ہے کہ اس تغیر کے دوران میں تحقیقات کا ایک نیا جوش اور خیال و بحث کی ایک نئی آزادی پیدا ہوگئی، یہ حقیقت ہمیں اس زمانے میں کیسی ہی صاف و عیاں کیوں نہ معلوم ہوتی ہو مگر اس زمانے کے اہل انگلستان کی آنکھوں سے یہ حقیقت بالکل پوشیدہ تھی۔ لوگ خوف و دہشت کے ساتھ سنتے تھے کہ عقائد و اخلاق کے بنیادی اصولوں پر اعتراض کئے جاتے ہیں تعدد ازدواج کی تائید کی جاتی ہے، قسم کھانا خلاف قانون قرار دیا جاتا ہے، اشتراک دولت کے مسئلہ کو تقدس کا جامہ پہنایا جاتا ہے تاآنکہ خود بانئ مذہب کی الوہیت سے انکار کیا جاتا ہے۔ قانون ارتداد کی تنسیخ سے عام قانون کے

اختیارات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور کرنمر نے اس سے فائدہ اُٹھاکر بلا کسی طرح کے رحم کے انتہائی درجے کے مرتدوں کو آگ کی نذر کرنا شروع کردیا۔ لیکن خود کلیسا کے اندر مقتدائے اعظم کی خواہش اتحاد کی اسی فریق کے بعض پُر جوش ارکان نے سخت مخالفت کی۔ ہوپر گلوسٹر کا اسقف نامزد ہوا تھا مگر اس نے مذہبی لباس پہننے سے انکار کردیا اور اسے "بابل کے بدمعاش" کی وردی قرار دی۔ (عام خیال یہ تھا کہ یوحنا کی انجیل" (Apocalypse) میں پوپ کو "بابل کا بدمعاش" کہا گیا ہے۔) مذہبی انضباط تقریباً مفقود ہوگیا تھا" پادریوں نے مذہبی لباس کو نشان توہم سمجھکر اُتار پھینکا تھا۔ وظیفوں کے مربی اپنے شکاریوں اور محافظوں کو اوقاف کا متولی بنادیتے اور آمدنی خود رکھ لیتے تھے۔ دارالعلوموں میں نہ صرف الٰہیات کی تعلیم بالکل بند ہوگئی تھی، بلکہ طلبہ کی تعداد بھی کم ہوگئی تھی کتب خانوں کے کچھ حصے منتشر ہوگئے، کچھ جلا ڈالے گئے اور "تعلیمات جدیدہ" کا مذہبی جوش بالکل فنا ہوگیا۔ البتہ ایک مفید کام اڈورڈ کے وقت میں یہ ہوا کہ اٹھارہ گرامر اسکول (مدارس ابتدائی) قائم کئے گئے۔ مگر اس کے عہد حکومت تک اس کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ لوگوں نے جو کچھ دیکھا وہ یہ تھا کہ مذہب و سیاست کا شیرازہ بالکل منتشر اور مذہبی انضباط کلیۃً تباہ ہوگیا تھا۔ سیاسیات

کے معنی صرف یہ رہ گئے تھے کہ امرا کا ایک گروہ کلیسا اور تاج کی لوٹ کی تقسیم کے لئے آپس میں دست و گریباں ہو۔ جب اوقاف اور مذہبی مجلسوں کی مال غنیمت نے ان لیٹروں کی شکم سیری نہیں ہوئی تو ہر اسقفی کی نصف اراضی پر انھوں نے قبضہ کرلیا، پھر بھی "ہل من مزید" کی صدا کم نہ ہوئی۔ آخر ان کی آتش حرص کے بجھانے کے لئے ڈرہم کی متمول اسقفی توڑ دی گئی اور اندیشہ یہ پیدا ہو چلا کہ کلیسا کے تمام اوقاف ضبط نہ ہو جائیں۔ لیکن ایک طرف یہ درباری علاقے لے لیکر دولتمند بنتے جاتے تھے دوسری طرف شاہی خزانہ خالی ہوتا جاتا تھا۔ سکے میں پھر آمیزش کی گئی۔ اس وقت کے حساب سے پچاس لاکھ پونڈ کی اراضی شاہی سمرسٹ اور وارک کے دوستوں کو عطا کردی گئی۔ شاہی اخراجات سترہ برس کے اندر چہار چند زیادہ ہو گئے تھے اگر خود اپنے اندرونی اختلافات کی وجہ سے ان غارتگروں کی تولیت کا خاتمہ نہ ہوگیا ہوتا تو یقین ہے کہ اس بدنظمی کے خلاف تمام انگلستان میں ایک عام بغاوت ہو جاتی۔

جزو دوم

شہیدان اختلاف

۱۵۵۸-۱۵۵۳

(اسناد۔ مثل سابق)

اڈورڈ کی زوال پذیر صحت نے وارک کو جس نے اب

میری

ڈیوک نارتھمبرلینڈ کا خطاب اختیار کرلیا تھا) ایک خبر مترقب خطرے سے خبردار کردیا۔ قانون وراثت کے بموجب کیتھرین آراگون کی بیٹی میری، اڈورڈ کے بعد وارث قرار دی گئی تھی۔ وہ اپنے زمانے کے تمام تغیرات کے باوجود قدیم عقیدے پر نہایت استقلال کے ساتھ قائم تھی اور اس کی تخت نشینی سے قدیم عقائد کے دوبارہ رائج ہوجانے کا خوف درجۂ یقین تک پہنچ گیا تھا۔ اس لئے نوعمر بادشاہ کے تعصب کو غنیمت سمجھ کر آسانی کے ساتھ بڑی دلیری سے یہ تجویز کی گئی کہ میری کے حقوق وراثت کو باطل کردیا جائے۔ بالفاظ نارتھمبرلینڈ اڈورڈ کی "تجویز" نے قانون وراثت اور اپنے باپ کی وصیت دونوں کو کالعدم کردیا۔ حالانکہ ہنری کو پارلیمنٹ نے یہ اختیار دیدیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کے انتقال کرجانے کی صورت میں جسے چاہے تاج کا وارث قرار دیدے۔ قانون مذکور نے اڈورڈ کے بعد میری کو اور میری کے بعد الزبتھ کو وارث تخت قرار دیا تھا بہرحال اس سلسلہ وراثت کو کالعدم کردیا گیا، اب اگر ہنری ہشتم کی اولاد خاص وراثت سے محروم کردی جائے اور وراثت خاندانی قواعد ہی کے موافق جاری رہے تو بادشاہت کو ہنری کی بڑی بہن مارگیرٹ کی اولاد کی طرف منتقل ہوجانا چاہئے تھا۔ مارگیرٹ کے پہلے شوہر جیمس چہارم شاہ اسکاٹلینڈ کی پوتی میری اسٹوارٹ اس وقت اسکاٹلینڈ کی ملکہ تھی اور دوسرے شوہر لارڈ ڈارنلی

سے ان کا پوتا ہنری اسٹوارٹ موجود تھا، لیکن ہنری نے اپنی وصیت میں اپنی بڑی بہن کی اولاد کو خارج کردیا تھا، اور الزبتھ کے بعد اپنی چھوٹی بہن میری کی اولاد کو وارث تاج و تخت قرار دیا تھا۔ میری کا عقد چارلس برنیڈن (ڈیوک سفک) سے ہوا تھا۔ اس عقد سے میری کی بیٹی فرینسیس اس وقت تک زندہ تھی اور گرے (لارڈ وارسٹ) سے اس کی تین لڑکیاں موجود تھیں۔ لارڈ وارسٹ مذہبی تغیرات کے جاری کرنے میں بہت ہی سرگرم تھا اور زمانہ تولیت وارک ہی میں وہ ڈیوک سفک بنایا گیا تھا۔ لیکن اڈورڈ کی "تجویز" میں خود فرینسیس کو چھوڑ کر اُس کی سب سے بڑی لڑکی جین کو وارث قرار دیا گیا تھا۔

"تجویز" وراثت

اس ناعاقبت اندیشانہ تجویز کی تکمیل میں اب صرف اتنی کسر رہ گئی تھی کہ نارتھمبرلینڈ کے چھوٹے بیٹے گلڈفرڈ ڈڈلی سے جین گرے کا عقد ہوجائے۔ جان بلب بادشاہ کے اثر سے مجلس شاہی اور ججوں سے اس جانشینی کی منظوری حاصل کی گئی اور اڈورڈ کے انتقال کے بعد ہی اس نئے حکمراں کا اعلان کردیا گیا مگر ایسے خلافِ قانون اغتصاب پر ساری قوم برانگیختہ ہوگئی۔ مشرقی صوبے ایک شخص واحد کی طرح میری کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جب اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے نارتھمبرلینڈ دس ہزار آدمیوں کو لیکر لندن سے چلا تو اہل لندن نے (اگرچہ وہ پروٹسٹنٹ تھے) اپنی خاموشی

سے اپنی سخت ناراضی کا اظہار کیا۔ ڈیوک یہ دیکھکر رنجیدہ ہوا کہ "لوگ انہیں دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں مگر ان میں سے ایک شخص کی زبان سے بھی خدا حافظ نہیں نکلتا"۔مجلس شاہی نے عام خیال کے اندازہ کرتے ہی میری کے ملکہ ہونے کا اعلان کردیا۔ اضلاع کی بری و بحری فوجیں بھی اس کی جانب داری پر آمادہ ہوگئیں نارتھمبرلینڈ کی ہمت یکایک پست ہوگئی اور اس کا کیمبرج کی طرف پلٹنا اس کے آدمیوں کے لئے عام فرار کا اشارہ ہوگیا۔ یہ حالت دیکھکر ڈیوک نے خود اپنی ٹوپی اچھال کر اپنے سپاہیوں کے ساتھ ملکہ میری کیلئے نعرۂ مسرت بلند کیا لیکن اس کی اطاعت اس کے مقدر کو پلٹنے میں ناکام رہی اور نارتھمبرلینڈ کی موت کی ساتھ ہی وہ غریب لڑکی بھی ٹاور میں بھیجدی گئی، جسے اس نے اپنی حرص کا آلہ بنانا چاہا تھا، اڈورڈ کے دوران حکومت کا نظام عمل یک بیک درہم برہم ہوگیا۔ لندن میں البتہ پروٹسٹنٹ کی ہمدردی ایک حد تک باقی رہ گئی تھی ورنہ تمام ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک رجعت پسندی کی ہوا چل گئی۔ جن پادریوں نے شادیاں کرلی تھیں وہ کلیساؤں سے نکال دئے گئے اور تصویریں پھر اپنی جگہ پر رکھدی گئیں۔ اکثر دیہاتی گرجوں میں نئی "کتاب ادعیہ" کے بجائے ماس، جاری ہوگیا۔ پارلیمنٹ جب اکتوبر میں جمع ہوئی تو اس نے عہد سابق کے تمام مذہبی قوانین کو کالعدم کردیا۔ گارڈنر ٹاور سے نکالا گیا۔ باتر اور دوسرے

اساقفہ جو نکال دئے گئے تھے اپنی اپنی جگہوں پر بحال کردئے گئے رِڈلے اور دوسرے اشخاص جو ان کی جگہوں پر مقرر ہوے تھے وہ پھر خارج کردئے گئے، لیٹمر اور کرنمیر ٹاور میں بھیجدئے گئے لیکن ہنری کے نظام عمل کے بحال ہوجانے سے عام خواہشات پوری ہوگئیں، رعایا کو جس طرح پروٹسٹنٹ کی زیادتیوں سے ہمدردی نہیں تھی اسیطرح اسے میری کے روما کی طرف مائل ہونے سے بھی ہمدردی نہیں تھی۔ بہت مشکل سے پارلیمنٹ کو اس امر پہ راضی کیا گیا کہ نئی کتاب ادعیہ اُٹھادی جائے لیکن اراضی کلیسا اور شاہی تفوق کے معاملے میں پارلیمنٹ اپنے اصرار پہ قائم رہی۔

اسپینی عقد

میری نے حکمت علی اور مذہبی جوش کی وجہ سے جس عقد کو دل میں ٹھان لیا تھا، اہل انگلستان کو اس سے بھی کچھ ایسی مواقفت نہیں تھی۔ شہنشاہ کی نسبت اب یہ خیال و اعتماد نہیں رہا تھا کہ وہ دخل دے گا اور کلیسا کو خرابیوں سے پاک کرکے ممالک عیسوی میں اتحاد پیدا کردے گا۔ اس نے پوپ اور مجلس ٹرنٹ کی قطعی طرفداری اختیار کرلی تھی اور فلینڈرز میں اس کی ایجاد کردہ عدالت استیصال اختلافات نے جس قسم کے مظالم کئے تھے ان سے یہ خطرناک حقیقت صاف عیاں ہوگئی تھی کہ وہ اپنے خاندان میں کس قسم کا تعصب وراثتہً چھوڑ جانا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کے بیٹے فلپ سے اس کی بھانجی میری کا عقد ہوجائے۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ کامل طور پر

پوپ کی اطاعت اختیار کرلی جائے اور نہ صرف پروٹسٹنٹ اصلاحات فنا کردی جائیں بلکہ "تعلیمات جدیدہ" کی نسبتہً معتدل اصلاحات بھی غارت ہوجائیں۔ لیکن دوسری جانب سیاسی نظر سے اس عقد میں یہ فائدہ تھا کہ اس طرح پر میری اسٹوارٹ (ملکہ اسکاٹلینڈ) کے دعوی کے خلاف میری (انگلستان) کا تخت مامون ہوجائے گا، ولیعہد فرانس کے ساتھ عقد کرلینے سے میری ملکہ اسکاٹلینڈ ایک خطرناک رقیب بن گئی تھی اور اس کے طرفداروں کا یہ دعوی تھا کہ میری و الزبیتھ کی ماؤں کے نکاحوں کے منسوخ ہوجانے کی وجہ سے دونوں کی پیدائش ناجائز تعلق سے قرار پائے گی اور اس لئے انہیں وراثت کا کوئی حق نہیں ہے۔ چارلس نے یہہ وعدہ کیا تھا کہ مجوزہ بالا عقد سے جو اولاد ہوگی وہ ندرلینڈز کی وارث ہوگی۔ اور میری کے وزیر گارڈنر (اسقف ونچسٹر) کی خواہش کے موافق اس نے یہ منظور کرلیا تھا کہ اس اتحاد کی صورت میں انگلستان اپنی حکمت عملی اور اپنی کارروائیوں میں بالکل آزاد ہوگا۔ یہ طمع بہت بڑھی ہوئی تھی اور میری کا عزم تمام موانعات پر غالب آگیا تھا مگر باوجود اسکے کہ اس نے مذہبی رواداری کا وعدہ کیا اور ابتک اسے ملحوظ رکھا تھا اس کے اس ارادے کے اعلان سے فرقۂ پروٹسٹنٹ میں ایک مضطربانہ مایوسی پیدا ہوگئی۔ مغربی اور وسطی حصص میں بغاوتیں برپا ہوگئیں مگر وہ بہت جلد فرو

کردی گئیں اور ڈیوک سفک جس نے لیسٹر میں تلوار کھینچ لی
تھی ٹاور میں بھیجدیا گیا لیکن جب اس خوف سے کہ "اہل اسپین
ملک کے فتح کرنے کے لئے آرہے ہیں" کنٹ سر ٹامس وایٹ
کی سرگردگی میں آمادہ فساد ہوا تو صورت معاملات اندیشناک
ہوگئی۔ ٹیمز کے جہازات ازخود باغیوں کے قبضے میں چلے گئے۔
لندن کی جو قواعد داں جماعت ڈیوک نارفک کے تحت میں
ان کے خلاف روانہ کی گئی تھی وہ سب کی سب "وائٹ
وائٹ" چلاتی ہوئی اور یہ کہتی ہوئی کہ "ہم سب کے سب
انگریز ہیں" باغیوں سے جاملی۔ اگر باغی اسی وقت عجلت
کے ساتھ پایۂ تخت کی طرف بڑھ گئے ہوتے تو اس کے
دروازے فوراً کھول دئے جاتے اور کامیابی یقینی ہوجاتی مگر
اس نازک موقع پر میری کی شاہانہ ہمت نے اسے
بچالیا۔ وہ سوار ہوکر دلیرانہ گلڈ ہال میں پہنچی اور "مردانہ آواز
میں" اہل شہر کو ان کی وفاداری پر توجہ دلائی چنانچہ وائٹ
کے ساوتھ وارک کے کنارے تک پہنچتے پہنچتے پل محفوظ کرلیا گیا۔
نتیجے کا انحصار اس پر تھا کہ لندن کس جانب مائل ہوتا ہے
باغیوں کا سردار جانبازانہ ہمت کرکے ٹیمز تک بڑھ آیا کنگسٹن
کے ایک پل پر قبضہ کرلیا، اپنی فوجیں دریا پار اُتار دیں اور
فوراً پایۂ تخت کی طرف بڑھا لیکن کیچڑ بھری ہوئی سڑکوں
پر رات کے سفر نے اس کے آدمیوں کو درماندہ اور بے ترتیب
کردیا، اودھر ایک شاہی فوج ان میدانوں میں جمع ہوچکی تھی

جہاں اب ہائڈ پارک کارنر واقع ہے، اس فوج نے باغیوں کے بیشتر حصے کو ان کے سردار سے جدا کردیا مگر پھر بھی وائٹ معدودے چند آدمیوں کو لئے ہوئے جان پر کھیل کر ٹمپل بار تک بڑھ گیا۔ اور شہر کے دروازے پر پہنچکر تھک کر گر پڑا اور چلاکر کہا کہ "میں نے اپنا وعدہ پورا کردیا" مگر دروازہ بند تھا اور وائٹ کے اندرون شہر کے ہوا خواہ بالکل بے قابو ہوچکے تھے اور حسب وعدہ اُس کی کچھ کمک نہیں کرسکتے تھے آخر یہ دلیر سردار گرفتار ہوا اور ٹاور میں بھیجدیا گیا۔

روما کی اطاعت

جس وقت باغی محل شاہی کی دیواروں کے نیچے سے گزر رہے تھے، اس وقت بھی بھاگنے سے انکار کر کے ملکہ نے جیسی ہمت دکھائی، موقع آنے پر اس نے ویسا ہی سخت انتقام بھی لیا۔ وہ وقت بھی آگیا کہ پروٹسٹنٹ اس کے قابو میں آگئے اور اسنے بڑی بیرحمی سے اُنہیں اچھی طرح پامال کیا۔ خاندان سفک کی اولوالعزمی کے سبب سے لیڈی جین، اس کا باپ، اس کا شوہر اس کا چچا سب باغی قرار پائے اور سب کو موت کی سزا دی گئی۔ انکے بعد وائٹ اور اس کے خاص رفیقوں کی نوبت آئی۔ غریب باغیوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے، ان کی قطار کی قطار لندن کے قرب و جوار میں پھانسیوں پر لٹکی ہوئی تھی۔ الزبتھ پر بھی ایک گونہ شک تھا کہ وہ بھی اس سازش میں شریک ہے، چنانچہ وہ بھی ٹاور میں بھیجدی گئی اور

صرف مجلس شاہی کی مداخلت کرنے سے وہ قتل ہونے سے
بچ سکی۔ اس شورش کی ناکامی صرف فرقہ پروٹسٹنٹ کی تباہی کا
باعث نہیں ہوئی بلکہ میری جس عقد پر مصر تھی اسکی بھی تکمیل ہو گئی۔
شورش سے اس نے یہ فائدہ اُٹھایا کہ پارلیمنٹ سے جبراً قہراً
اپنی تجویز کی منظوری لے لی اور دوسرے سال موسم گرما میں
۱۵۵۴ فلپ سے بمقام ونچیسٹر مل کر اس کی زوجیت میں داخل ہو گئی۔
اپنی حکومت کی ابتدائی مشکلات کی وجہ سے ملکہ کو مجبوراً
دفع الوقتی کی جو کارروائیاں کرنی پڑی تھیں اب ان کی ضرورت
نہیں رہی تھی۔ وہ یہ عزم کر چکی تھی کہ روما کی اطاعت اختیار
کر لے اور جب ہنری ہشتم کے طریق عمل کے تائید کرنے والے
معتدل فریق کی امیدیں بالکل منقطع ہو گئیں تو میری کے وزیر
گارڈینر نے بھی قدیم نظام مذہبی کی طرف پلٹا کھایا۔ اور
قطعی طور پر اتحاد کے جانبداروں میں شریک ہو گیا۔ اتحاد
کی اب صرف یہی صورت رہ گئی تھی کہ پوپ سے مصالحت
کر لی جائے۔ اسپینی عقد کے انجام پاتے ہی روما کی گفت و شنود
بھی آخری حد پر پہنچ گئی۔ ریجنیالڈ پول کے خلاف احکام
جیسے پوپ نے اپنی طرف سے ملک کی اطاعت حاصل
کرنے کے لئے متعین کیا تھا منسوخ کروئے گئے۔ پوپ کا
یہ وکیل دریا کی طرف سے اس شان کے ساتھ لندن میں
اُترا کہ اس کی کشتی کے سرے پر اس کی صلیب چمک رہی تھی
اور مطیع و منقاد پارلیمنٹ نے نہایت اعزاز کے ساتھ اس کا

استقبال کیا۔ ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ نے باضابطہ طور پر یہ منظور کیا کہ پوپ کی اطاعت دوبارہ اختیار کی جائے اور گزشتہ انفراق و ارتداد کے گناہ سے مُلک کے معاف کیے جانے کے حکم کو گھٹنوں کے بل جُھک کر قبول کیا۔ مگر عین اس فیروزمندی کے وقت میں بھی پارلیمنٹ اور قوم کے انداز طبیعت نے ملکہ کو اس امر سے متنبہ کر دیا کہ وہ انگلستان کو خالص کیتھولک حکمت علی کے تابع کر دینے کی امید باطل میں نہ پڑے۔ تاج کی تجاویز کے پے درپے مسترد ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ کی آزادی کس قدر ترقی کر رہی تھی۔ الزبتھ کو سلسلۂ جانشینی سے خارج کرنیکی تجویز کا پیش ہونا تو درکنار اُسے فلپ سے موخر کرنے پر بھی پارلیمنٹ کو رضامند نہ کیا جاسکا۔ اگرچہ انگلستان میں پوپ کے اقتدار کو مٹانے والے قوانین منسوخ کردیئے گئے تھے مگر اراضی کلیسا جو ضبط کرلی گئی تھیں پھر پادریوں کو اُن کے واپس دیئے جانے کی تجویز منظور نہ ہوئی۔ وائیٹ کی شورش میں ناکامیابی ہونیکے بعد بھی ارتداد کے خلاف میں از سرنو قوانین نافذ کرنے کا مسودۂ قانون دارالامرا سے مسترد کردیا گیا۔ محض فلپ کے ذاتی اثر سے اتنا ہوسکا کہ بعد کی پارلیمنٹ میں ہنری پنجم کے قوانین کی تجدید ہوگئی۔ عام قوم کا انداز طبیعت بھی کچھ کم ظاہر نہیں تھا۔ لندن کی پرسکوت

بد دلی نے اس کے اسقف بانر کو مجبور کردیا کہ "عدالت استیصال اختلافات کے قواعد کو جن کی مدد سے وہ اپنی اسقفی سے ارتداد کے خارج کردینے کی توقع رکھتا تھا، واپس لے لئے۔ مجلس شاہی تک دار وگیر مذہبی کے معاملہ میں مختلف الرائے تھی اور خود مذہب کیتھولک کے فوائد کے خیال سے شہنشاہ نے بھی دور اندیشی اور تاخیر کی صلاح دی مگر ملکہ کے سخت تعصب کے مقابلہ میں اپنوں اور غیروں سب تنبہات بیکار ثابت ہوئے۔

یہ وہ وقت تھا کہ ہوا خواہان اصلاح کی سرسبزی کی طرف سے قطعی مایوسی ہوگئی تھی، اسپین نے علی روس الاشہاد کیتھولک رو لینڈ ٹیلر تحریک کی سرگروہی اختیار کرلی تھی اور اسپینی عقد کی وجہ سے انگلستان بھی چار و ناچار اسی سیل بازگشت کی رو میں بہا جارہا تھا۔ اس رجعت قہقری کے مخالفین اپنی شورش کے ناکامیاب ہوجانے سے منتشر اور اپنے اگلے ظلم و حرص کی وجہ سے عموماً نظروں سے گرگئے تھے۔ اب ارتداد کے خلاف قانون بن جانے کے بعد میری نے ان کے قتل پر زور دینا شروع کیا اور بالآخر ۱۵۵۵ء میں وہ اپنے مشیروں کی مخالفت پر غالب آگئی اور قتل کا بازار گرم ہو گیا مگر خوشی نے جس کام کو مردہ کردیا تھا وہ اس دار وگیر کے تاریک وقت میں پھر زندہ ہوگیا۔ پروٹسٹنٹوں کو حکومت کرنا نہیں آتا تھا مگر مرنا آتا تھا۔ اب جو کام شروع ہوا تھا

اور باغلب وجہ اس کا جو اثر پڑنے والا تھا اسکی کیفیت
تصانیف تاریخی کے سیکڑوں صفحات کی بہ نسبت رولینڈٹیلر
(وِگرمیڈلے) کے قصے سے زیادہ خوبی کے ساتھ معلوم ہوجاتی ہے۔
ممتاز لوگوں میں ٹیلر ان اشخاص میں تھا جنہیں سب سے پہلے
قتل کے لئے منتخب کیا گیا۔ وہ لندن میں گرفتار ہوا اور
اسی کے مستقر مذہبی میں اسے سزا دی گئی۔ اس کی بیوی
کو "یہ گمان تھا کہ اسی شب کو اس کا شوہر روانہ
کیا جائے گا" اسلئے وہ آلڈگیٹ کے قریب سنٹ بوٹلف
کے گرجا کے دروازے میں تاریکی کے اندر اس کے انتظار
میں بچوں کو لئے ہوئے کھڑی رہی۔ جب شیرف اسے
لئے ہوئے سنٹ بوٹلف کے گرجا کے قریب آیا تو الزبتھ
چلّا اٹھی کہ "میرا پیارا باپ، امّاں! امّاں! لوگ میرے باپ
کو لئے جا رہے ہیں" اس پر اس کی بیوی نے بلند آواز
سے کہا کہ "رولینڈ۔ رولینڈ۔ تم کہاں ہو" کیونکہ اس روز
صبح کو اس قدر تاریکی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکے
ڈاکٹر ٹیلر نے جواب دیا کہ "پیاری بیوی۔ میں یہیں ہوں"
اور یہ کہکر ٹھہر گیا۔ شیرف کے آدمیوں نے اسے آگے
بڑھا لیجانا چاہا مگر خود شیرف نے انہیں یہ کہکر روک دیا
کہ ذرا ٹھہر جاؤ اسے اپنی بیوی سے باتیں کر لینے دو،
اِس کی بیوی اس کے قریب آئی اور ٹیلر نے اپنی لڑکی
میری کو اپنی گود میں اُٹھا لیا۔ پھر وہ اپنی بیوی اور اپنی

لڑکی الزبتھ کے ساتھ گھٹنوں کے بل جھک گیا اور خدا کی حمد و ثنا کی۔ شیرف یہ دیکھکر رونے لگا اور اس کے ساتھ بعض دوسرے آدمیوں کا بھی یہی حال ہوا۔ دعا کرنے کے بعد وہ کھڑا ہوا اور اپنی بیوی سے ملکر اسے رخصت کیا اور کہا کہ "اب رخصت ہو اور خوش و خرم رہو کیونکہ میں اپنے ایمان پر ثابت قدم ہوں اور میرا دل بالکل مطمئن ہے۔ خدا اب بھی میرے بچوں کو پالے گا۔" اس کی بیوی نے جواب دیا کہ پیارے رولینڈ خدا تمہارا نگہبان رہے۔ مجھے خدا کے فضل سے امید ہے کہ میں ہیڈلے میں تم سے ملوں گی" ڈاکٹر ٹیلر راستہ بھر ایسا خوش و مسرور رہا گویا وہ کسی نہایت دلچسپ دعوت یا محفل شادی میں جارہا ہے جب ہیڈلے دو میل رہ گیا تو اس نے گھوڑے سے اُترنا چاہا، اور اُتر کر کچھ اس طرح سے کودا اور دو ایک چکر لگائے کہ یہ معلوم ہوا گویا وہ ناچ رہا ہے۔ شیرف نے پوچھا کہ "ڈاکٹر صاحب یہ آپ کا کیا حال ہے؟" ڈاکٹر نے جواب دیا کہ "خدا کا شکر ہے کہ میں اسوقت ایسی اچھی حالت میں ہوں کہ کبھی اس سے پہلے ایسی اچھی حالت میں نہیں تھا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اب میں بالکل گھر کے قریب آگیا ہوں۔ دو قدم میں میں اپنے "باپ" (خدا) کے گھر پر پہنچ جاؤں گا" ہیڈلے کی سڑک کے دونوں جانب قصبے اور دیہات کے مرد اور عورت اس کے انتظار میں جمع تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ "وہ اس حالت کے ساتھ

قتلگاہ کی طرف جارہا ہے تو بہ چشم پُرنم، غمگین آواز سے وہ چلاّنے لگے کہ "اے خدائے کریم۔ ہمارا راعی ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہا ہے" آخرکار سفر ختم ہوا۔ اس نے پوچھا کہ یہ کون مقام ہے اور اس قدر لوگوں کے جمع ہونے کی کیا غرض ہے۔ جواب ملا کہ "یہ مقام اولڈہیم کامن ہے اور یہیں تمہیں اپنی سزا بھگتنا پڑے گی۔ یہ لوگ تمہیں کو دیکھنے آئے ہیں، اس پر اس نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں اب گھر آگیا" لوگوں نے جب اس معزز شخص کا مقدس چہرہ اور اس کی سفید لمبی ڈاڑھی دیکھی تو وہ رو رو کر چلاّنے لگے کہ "اے نیک دل ڈاکٹر ٹیلر خدا تمہیں بچائے خدا تمہیں طاقت دے اور تمہاری مدد کرے۔ اور روح القدس تمہاری تسلّی و تسکین کا باعث ہو"۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اسے اجازت نہ ملی۔ دعا کرنے کے بعد وہ ٹال پر گیا اور اسے بوسہ دیکر اُس پیپے میں جو اس کے لئے رکھدیا گیا تھا۔ کھڑا ہوگیا اس کی پیٹھ ٹال سے ملی ہوئی تھی، ہاتھ ایک دوسرے پر رکھے ہوئے اور آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ اسی صورت سے وہ حوالہ آتش کیا گیا۔ جلادوں میں ایک شخص نے نہایت بیرحمی سے لکڑیوں کا ایک گٹھہ اس پر پھینک مارا۔ یہ گٹھہ اس کے سر پر لگا اور اس کا چہرہ پھٹ کر خون بہنے لگا۔ ڈاکٹر ٹیلر نے کہا کہ "اے دوست مجھے پہلے ہی سے کافی تکلیف ہے

اس سے کیا فائدہ ہوا ستمگاری کی ایک دوسری حرکت سے اسکی مصیبتوں کا خاتمہ ہوگیا وہ بغیر کسی قسم کی جنبش یا آواز کے بدستور اپنا ہاتھ باندھے کھڑا ہوا تھا کہ ایک شخص مسمی سائس نے ایک ٹنگاری اسکے سر پر ماری جس سے اسکا بھیجا نکل پڑا اور اس کا مردہ جسم آگ میں گر گیا۔

شہیدان اختلاف

اس قسم کے لوگوں کے سامنے موت کا خوف بے حقیقت محض تھا۔ چونکہ مجلس کا اجلاس لندن میں ہوا کرتا تھا اس وجہ سے مستوجب عقوبت اشخاص بالعموم بونر (اسقف لندن) کے سپرد کردئے جاتے تھے۔ قتل و خونریزی کے اس فرض منصبی کی انجام دہی کی وجہ سے یہ شخص بہت بدنام ہوگیا تھا اور لوگوں کو اس سے نفرت ہوگئی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ بالطبع وہ ایک خوش مذاق اور رحمدل آدمی تھا۔ ایک نوخیز لڑکا جب اس کے روبرو حاضر کیا گیا تو اس نے اس سے پوچھا کہ "آیا تم آگ کی تکلیف برداشت کرنیکی ہمت رکھتے ہو" لڑکے نے بے تامل اپنا ہاتھ قریب کی ایک جلتی ہوئی قندیل پر رکھدیا۔ راجرز جس نے ٹنڈیل کے ساتھ کتاب مقدس کے ترجمے میں شرکت کی تھی اور پروٹسٹنٹ واعظین میں بہت پیش پیش تھا، اس نے شعلے کے اندر اس طرح ہاتھ دھوتے ہوے جان دی گویا وہ سرد پانی تھا اس وقت یہ حالت ہوگئی تھی کہ معمولی سے معمولی شخصوں نے بھی انبار ہیزم پر اپنا نام روشن کردیا۔ ایک لڑکا ولیم ہنٹر سزا بھگتنے کے لئے اپنے وطن برنٹوڈ

میں لایا گیا تھا، اس نے اپنے گرد کے لوگوں سے اپنے لئے دعا کرنے کی خواہش کی تو ایک شخص نے جواب دیا کہ میں تمہیں ایک کتے سے زیادہ دعا کا مستحق نہیں سمجھتا۔ یہ سُنکر ولیم نے کہا کہ "بس اب اے فرزند خداوند[عہ] توہی مجھے اپنے نور سے منور کر"۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ آفتاب عالمتاب تاریک بدلیوں سے نکل کر اس آب وتاب سے چمکا کہ اسے دوسری طرف منہ پھیر لینا پڑا۔ اور لوگ حیرت زدہ رہگئے کیونکہ اس وقت نہایت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ لندن، کنٹ سِکس اور مشرقی صوبجات سب سے زیادہ اس ظلم کے شکار ہوئے، یہی مقامات کان کنی اور ہر قسم کی صنعت کے مرکز تھے۔ فرقہ پروٹسٹنٹ کے ایک گروہ کے گروہ کو بھاگ کر اسٹراسبرگ اور جینوا میں پناہ لینا پڑی مگر اس تمام ظلم و ستم کا جو مقصد تھا اسی میں اسے ناکامیابی ہوئی۔ اس دار و گیر کے مقابلہ میں متمردانہ مقاومت اور بیباکانہ زیادتیوں کا پُرانا جوش پھر تازہ ہوگیا۔ تسبیح کا مضحکہ کرنے کے لئے ایک پروٹسٹنٹ نے پُڈنگ کی ایک مالا بناکر ایک پادری کے گلے میں ڈال دی، جوبت اپنی جگہوں پر دوبارہ رکھدئے گئے تھے ان کی اچھی طرح توہین و تذلیل کی جاتی تھی۔ قدیم تمسخر آمیز نظموں کی آواز پھر سڑکوں پر

[عہ] اپنے عقیدے کے موافق اس نے حضرت مسیح کو اس لفظ سے مخاطب کیا ہے۔

سُنی جانے لگی ایک پریشاں حال بدنصیب شخص نے جوش جنوں میں سنٹ مارگیرٹ کے پادری کو جبکہ وہ پیالہ ہاتھ میں لئے کھڑا تھا، خنجر بھونک دیا۔ زمانے کی یہ ایک خوف دلانے والی علامت تھی کہ مثل سابق کے اب اس قسم کی زیادتیوں سے عام لوگوں میں کسی قسم کا اشتعال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اہل جور کے مظالم کی وجہ سے اس کے سوا اور توقع ہی کیا ہوسکتی تھی۔ ایک شخص کا آگ میں جل کر جان دینا سیکڑوں کو اس مظلوم کا ہمخیال بنادیتا تھا۔ ایک پروٹسٹنٹ نے بونر کو لکھا تھا کہ "تم نے اس بارہ مہینے میں بیس ہزار طرفداران پوپ کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا ہے" بونر درحقیقت کسی وقت بھی اس ظلم و زیادتی کا پُر جوش مؤید نہیں تھا، وہ اپنے کام سے بیزار ہوگیا تھا۔ اساقفہ کا زور شور بھی بہت جلد ٹوٹ گیا مگر میری نے جو کام شروع کیا تھا اس میں وہ کسی طرح کے تساہل کو راہ نہیں دینا چاہتی تھی مقتدایان دین کچھ سُست ہوگئے تھے۔ مجلس شاہی کے "زور دار خطوں" نے ان میں پھر نئی مستعدی پیدا کردی اور قتل و خونریزی کا زور بدستور قائم رہا۔ دو مقتدایان دین اس کے قبل ہی نذر اجل ہوچکے تھے یعنی ہوپر (اسقف گلوسٹر) اپنے خاص مستقر میں، فیرار اسقف سنٹ ڈیوڈس، مقام کرمارتھن میں جلائے جاچکے تھے، اب لٹیمر اور رڈلی (اسقف لندن) کی باری آئی اور وہ آکسفورڈ کے قیدخانے سے نکالے گئے۔ جب رڈلی

لیٹمر کی موت اکتوبر ۱۵۵۵ء

شعلوں میں گھر گیا اس وقت "اصلاح" کے اس بڈھے واعظ لیٹمر نے چلاکر کہا کہ "رڈلی یہی وقت ہمت مردانہ کا ہے۔ آج ہم خدا کے فضل سے انگلستان میں وہ شمع روشن کرنیوالے ہیں جس کی نسبت مجھے یقین ہے کہ کبھی گُل نہوگی" اب صرف ایک شکار رہگیا تھا۔ اخلاق کے لحاظ سے تو وہ اپنے بہت سے پیش روؤں سے پیچھے تھا مگر کلیسائے انگلستان میں اپنے رتبے کے اعتبار سے سب پر فائق تھا۔

کرینمر کی موت

جن مقتدایان دین کو ابتک سزائیں دی گئیں تھیں وہ روما سے علیحدگی کے بعد مقرر ہوئے تھے اور اس لئے مخالفین ان کو اسقف تسلیم ہی نہیں کرتے تھے مگر کرینمر کی حالت بالکل دوسری تھی۔ روما سے علیحدگی میں اس نے جو کچھ بھی حصہ لیا ہو لیکن منصب اسقفی اسے خاص پوپ ہی کے ہاتھ سے حاصل ہوا تھا۔ وہ مسلمہ طور پر کینٹربری کا اسقف اعظم تھا، کینٹربری کا تقدس ممالک مغربی میں صرف روما سے دوسرے درجہ پر تھا اور وہاں کا اسقف اعظم سنٹ آگسٹین اور سنٹ ٹامس کا جانشین سمجھا جاتا تھا کلیسائے انگلستان کے مقتدائے اعظم کا ارتداد کے الزام پر جلایا جانا یہ معنی رکھتا تھا کہ نیچے درجہ کے لوگوں کو اپنی جانبری کا خیال تک ترک کردینا چاہئے۔ کرینمر کو آگ میں ڈالنے کے لئے میری کے مذہبی جوش کے ساتھ خیال انتقام بھی شامل تھا۔ اسقف اعظم نے اپنے جن فیصلوں کی وجہ سے انصاف کو

ہنری کی مرضی کے تابع کردیا تھا ان میں سب سے پہلا فیصلہ یہی تھا کہ اس نے کیتھرین کے عقد کو منسوخ اور میری کو ناجائز اولاد قراردیدیا تھا۔ اس کا آخری سیاسی فعل یہ تھا کہ وہ طوعاً خواہ کرہاً میری کو وراثت سے خارج کرنے، کی سازش میں شریک ہوگیا تھا، وہ اپنے اعلیٰ منصب کی وجہ سے بھی ملک کے مذہبی انقلاب میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا تھا۔ انگریزی کتاب مقدس کے صفحہ اول پر ہنری اور کرامول کی تصویروں کے ساتھ ساتھ اس کی تصویر بھی شامل تھی۔ اڈورڈ کے عہد حکومت میں اس انقلاب کی قطعی فوقیت کا باعث بھی کرنمیر ہی ہوا تھا۔ انگریزی کی کتبِ ادعیہ میں لوگوں نے اسی کے الفاظ سُنے تھے اور ابتک سنتے ہیں۔ اسقف اعظم ہونے کے لحاظ سے اس پر حکم صادر کرنے کے لئے روما سے کم درجہ کی عدالت کی ضرورت نہیں تھی اور اس لئے لازماً اس کا قتل اس وقت تک ملتوی رہا جب تک کہ روما سے حکم نہ حاصل ہوگیا۔ میری کی تخت نشینی کے بعد سے کرنمیر نے جس ہمت کا اظہار کیا تھا اس میں اپنی قسمت کا آخری فیصلہ سننے کے بعد تزلزل آگیا۔ اپنی جس قسم کی اخلاقی کمزوری کی وجہ سے وہ ہنری کی حرص و مطلق العنانی کی کوششوں میں مبتذل طور پر شریک ہوگیا تھا، اسی قسم کی کمزوری اس نے اس وقت بھی دکھائی۔ معافی حاصل

۱۵۵۶ کرنے کی امید میں اس نے مسلسل چھ بار اپنے سابقہ اقوال و عقائد سے رجوع کیا مگر اب معافی کا ملنا غیر ممکن تھا۔ کرنمیر میں متضاد خصائل عجب طرح سے جمع ہو گئے تھے۔ اس آخری وقت میں اس کی کمزوری ہی اس کی قوت بن گئی وہ بمقام آکسفورڈ سنٹ میری کے گرجا کے اندر لایا گیا تاکہ آگ میں ڈالے جانے کے قبل وہ اپنے عقائد سے رجوع کرنے کا دوبارہ اعلان کرے مگر اس نے خاموش مجمع کے روبرو اپنے خطبہ کو اس طرح ختم کیا کہ "اب میں اس امر کی طرف رجوع کرتا ہوں جس نے سب سے زیادہ میرے دل کو پریشان کر رکھا ہے۔ ایسی پریشانی مجھے زندگی بھر کبھی پیش نہیں آئی تھی۔ یہ پریشانی اس امر کی ہے کہ میں نے صداقت کے خلاف تحریریں لکھیں۔ اور اب اس موقع پر میں ان تحریروں پر لعنت بھیجتا اور ان سے انکار کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ یہ باتیں میرے ہاتھ نے میرے دل کے خلاف لکھی ہیں اور یہ سب کچھ محض موت کے خوف سے ہوا کہ شاید اس طرح پر میری جان بچ جائے اور چونکہ میرے ہاتھ نے میرے خلاف مقصد اس تحریر کی وجہ سے خاص جرم کیا ہے اس لئے میرا ہاتھ ہی سب سے پہلے سزا بھگتے گا کیونکہ اگر مجھے آگ میں ڈالا گیا تو پہلے میرا ہاتھ ہی جلے گا" آگ پر پہنچ کر اس نے پھر یہ کہا کہ "ہاتھ ہی ہے جس نے وہ تحریر لکھی تھی اور اسی کو سب سے پہلے

سزا بھگتنا چاہیے" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ آگ میں ڈالدیا اور "نہ چلایا اور نہ جنبش کی" یہانتک کہ اس کی جان نکل گئی ۔

میری کا انتقال

ان مصائب کے برداشت کرنے میں بہت سے دوسرے لوگوں نے کرنمیر سے بدرجہا زیادہ جانبازیاں دکھائی تھیں بلکہ کرنمیر نے اپنے خیالات سے رجوع بھی کرلیا تھا مگر زبان خلق نقارۂ خدا ہے۔ پروٹسٹنٹوں نے کرنمیر کی موت کی ساتھ ہی یہ حکم لگا دیا کہ اب انگلستان میں مذہب کیتھولک کا خاتمہ ہے۔ آگ میں ڈالے جانے کے تیقن سے اگر ایک رولینڈ ٹیلر نے مسرت کا اظہار کیا تو ہزار ہا ایسے تھے جن پر کرنمیر کاسا خوف غالب تھا۔ لیٹمر کی شاندار آواز صرف انہیں لوگوں تک پہنچی جن کے دل اسی کے مانند قوی تھے مگر اسقف اعظم کی اس ناگوار ذلت اور اس کے استغفار سے سب کے دلوں میں ہمدردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اسی وقت سے ہمیں یہ پتہ ملتا ہے کہ روما کی طرفداری میں اس طرح کی خونریزی سے سخت تنفر پیدا ہوگیا تھا۔ ایک مورخ جس قدر چاہے اسے طرفدارانہ اور نامنصفانہ قرار دے مگر انگریزوں کے دل پر ابتک اس کا گہرا اثر قائم ہے۔ انگلستان کو مستقلاً ۱۵۵۵ خاندان آسٹریا کے تابع کردینے کے منصوبوں میں ناکامی سے فلپ کو اب اس ملک سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی اور

اولاد کی طرف سے تمام امیدوں کے منقطع ہوجانے کے باعث اس نے میریؔ کی پرجوش التجاؤں کے باوجود ملک کو چھوڑ دیا مگر پھر بھی ملکہ کے مظالم جاری رہے اور جہانتک ہوسکا مغرور پوپ کو راضی کرنے میں کوشاں رہی پارلیمنٹ نے تمراول تک کلیسا کو دینے سے صاف طور پر اپنی نارضامندی ظاہر کردی تھی اس پر بھی میریؔ سے جہانتک ہوسکا اس نے بند پڑی ہوئی خانقاہوں کو ازسرنو جاری کیا ان میں سب سے بڑی خانقاہ ویسٹ منسٹر کی تھی' یہ خانقاہ ۱۵۵۶ء میں دوبارہ جاری کی گئی۔ سب سے بڑھکر یہ کہ وہ پروٹسٹنٹوں کے خلاف کارروائی پر زور دیتی رہی۔ اب اساقفہ اور قسیسوں سے گزر کر خود رعایا کی نوبت آگئی تھی۔ لوگوں کی ٹولیاں بنابنا کر جلانے کے لئے روانہ کی جاتی تھیں۔ ایک دن کے اندر تیرہ شخص جن میں دو عورتیں تھیں مقام اسٹریٹفرڈ لےبو میں جلادیے گئے۔ کولچسٹر کے تہتر پروٹسٹنٹ ایک رسی میں بندھے ہوئے لندنؔ کی سڑکوں پر کھینچے گئے۔ ارتداد کے دبانے کے لئے ایک نیا کمیشن مقرر ہوا اور شاہی اختیار سے وہ ان تمام قوانین وقیود سے آزاد کردیا گیا جن سے اس کے کاموں میں رکاوٹ پیش آتی تھی۔ اس کمیشن نے دارالعلوموں کا معائنہ کیا اور اڈورڈ کے وقت میں جس قدر غیر ملکی معلمین وہاں دفن ہوئے تھے ان کی لاشوں کو قبروں سے نکلواکر جلوادیا

جنیوا کی شائع کی ہوئی مرتدانہ کتابوں کے رکھنے والوں کو مارشل لا (قانون فوجی) کی سزاؤں کی دھمکی دی گئی اور فی الحقیقت ان کتابوں کے باغیانہ خیالات اور شورش و خانہ جنگی پر ان کا مسلسل زور دینا اسی کا مقتضی تھا کہ انہیں سختی سے دبایا جائے۔ مگر اس تخویف کی تمام کارروائیاں ساری قوم کے خاموشانہ انحراف کے مقابلہ میں بیکار ہوگئیں۔ اختلاف عقائد کی وجہ سے جن لوگوں کو سزائیں دی جاتی تھیں اب ان کے ساتھ علانیہ ہمدردی ہونے لگی۔ اس ساڑھے تین برس کے زمانے میں تقریباً تین سو آدمی آگ کی نذر ہوئے تھے۔ لوگ اس قتل کے کام سے تنگ آگئے تھے۔ بونر نے ایک بار سات شخصوں کو سزا دی تھی۔ یہ لوگ جب آگ میں ڈالے گئے تو اُن کی دعا پر گرد کے مجمع نے آمین کہی اور سب نے یہ دعا کی کہ خدا انہیں قوت دے شہنشاہ کے علحدہ ہوجانے کے باعث فلپ، اپنی مملکت، اسپین، فلینڈرز اور نئی دنیا کا مالک ہوگیا تھا اور فرانس سے برسر جنگ تھا۔ میری نے اپنے عقد کے وعدوں کے خلاف جب جنگ میں فلپ کی جانبداری میں انگلستان کو پھنسانا چاہا تو ایک عام بد دلی پیدا ہوگئی۔ اس جنگ
۱۵۵۷ کا خاتمہ تباہی پر ہوا، ڈیوک گیزر نے اپنی مخصوص رازداری اور قوت کے ساتھ کیلے پر حملہ کردیا اور قبل اس کے
۱۵۵۸ کہ مدد پہنچ سکے اسے حوالگی پر مجبور کردیا۔ میری خود اسے

"تاج کا گوہر درخشاں کہتی تھی" مگر یہ گوہر یکایک تاج سے الگ کرلیا گیا۔ اس کے بعد ہی گینز بھی مطیع ہوگیا اور برّاعظم پر انگلستان کی ایک چپہ بھر زمین بھی باقی نہیں رہی۔ یہ نقصان اگرچہ نہایت سخت تھا مگر باوجود ملکہ کے شدید دباؤ کے بھی مجلس شاہی کو اس شہر کے واپس لینے کی کوشش کے لئے نہ روپیہ مل سکا اور نہ آدمی۔ ملکہ نے جبری قرضے سے روپیہ حاصل کرنا چاہا مگر اس کی رفتار بہت سست رہی۔ فوجیں باغی ہوکر منتشر ہوگئیں اور محض میری کی موت سے عام بغاوت ہوتے ہوتے رہ گئی۔ میری کے انتقال پر الزبتھ کی تخت نشینی کا عام جوش مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔

جزو سوم

الزبتھ

۱۵۵۸ — ۱۶۰۳

[اسناد۔ کیمڈن کی سوانح عمری الزبتھ (Life of Elizabeth) کلیسا کے معاملات کے لئے اسٹرائپ کا "اخبار" (Annals) اور اس کی لکھی ہوئی پارکر گرنڈل، اور وہٹ گفٹ کی سوانح عمریاں، نیز خطوط زیوریچ (Zurich Letters)، خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ کتابیں پارکر سوسائٹی کی طرف سے شائع ہوئی ہیں۔ سرکاری کاغذات ماسٹر آف رولز کے لئے مرتب ہو رہے ہیں اور سمینکس کے

فرامین و اسناد اور سیسل کے کاغذات سے جدید اطلاعات کی توقع کیجاسکتی ہے۔ مقدم الذکر کے حصے مسٹر فراوڈ کی تاریخ جلد ہفتم تا جلد دوازدہم میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ برلے کے کاغذات، سڈنی کے کاغذات، سیڈلر کے سرکاری کاغذات، ہارڈوک کے سرکاری کاغذات، مسٹر رائٹ کی کتاب "الزبتھ اور اس کے زمانہ" (Elizabeth & her Times) کے شائع شدہ خطوط، مرڈن کے جمع کئے ہوئے مضامین، اجرٹن کے کاغذات اور مسٹر بروس کے شائع کردہ خطوط الزبتھ و جیمز ششم (Letters of Elizabeth & James VI) یہ سب مفید و کارآمد ہیں۔ کارڈنل گرنویل کے کاغذات سرکاری "(Papiers D'Etat) اور فرانسیسی مراسلات شائع کردہ ایم ٹولے قابل قدر ہیں۔)

الزبتھ الزبتھ نے جس وقت تخت پر قدم رکھا ہے اس وقت انگلستان کا ستارۂ اقبال جس قدر پست تھا ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ ہزیمت و شکست نے ملک کو ذلیل کردیا تھا اور میری کے عہد کی خونریزی و بدنظمی کی وجہ سے قریب تھا کہ بغاوت برپا ہوجائے۔ پرانی تمدنی بے اطمینانی کو سمرسٹ کے سواروں نے ایک وقت کے لئے دبا دیا تھا مگر امن عامہ کو ہر وقت اس سے خطرہ لگا ہوا تھا۔ اسمتھ فیلڈ کی آگ نے مذہبی مخالفین کے درمیان ایسا تفرقہ ڈال دیا کہ اب امید مصالحت کا وہم و گمان بھی باقی نہیں رہگیا تھا اور "تعلیمات جدیدہ" کا گروہ بھی تقریبًا شکست ہوگیا تھا۔ مذہب کیتھولک کے زیادہ سچے پیرو مایوسی کے ساتھ روما سے اپنا تعلق قائم کئے ہوئے تھے۔ جلائے جانے اور ملک سے خارج

کئے جانے کے باعث پروٹسٹنٹوں میں سخت برہمی پیدا ہوگئی
تھی اور کیلون کے پیرو مفروریں جنیوا سے یہ سودا سر میں
لئے ہوئے غول کے غول واپس آرہے تھے کہ کلیسا و
سلطنت میں انقلاب پیدا کردیں گے۔ فلپ کی بیکار کی
جنگ میں پھنس کر سوا اسپین کے انگلستان کا کوئی
رفیق باقی نہیں رہا تھا۔ فرانس کیلے پر قابض ہوجانے سے
رودبار پر بھی حاوی ہوگیا تھا۔ اسکاٹلینڈ کی ملکہ میری اسٹوارٹ
کے فرانس میں عقد ہوجانے سے ملک اسکاٹلینڈ فرانسیسی
اغراض کے تابع ہوگیا تھا شمال کی
۱۵۵۸ طرف سے پہلے ہی خطرہ موجود تھا، اب اس پر یہ اور
اضافہ ہوا کہ میری اور اس کے شوہر نے انگلستان کے
شاہی خطابات ونشانات اختیار کرلئے اور انگلستان کے
اندر ہر ایک کیتھولک کو الزبتھ کے حق کے خلاف برانگیختہ
کردینے کی دھمکی دی۔ ان بے شمار خطروں کے مقابلے میں
ملک بالکل بےبس تھا، نہ اس کے پاس کوئی فوج تھی،
نہ کوئی بیڑا تھا، اور نہ ان کی فراہمی اور تیاری کا سامان
مہیا تھا کیونکہ اڈورڈ کے وقت کی فضول خرچیوں سے خزانہ
پہلے ہی خالی ہوچکا تھا، میری نے کلیسا کی وہ تمام زمینیں
واپس کردیں جو تاج کے قبضے میں تھیں اور اس کے ساتھ
ہی فرانس سے ایک گراں خرچ جنگ بھی مول لے لی
اس طرح جو کچھ تھا وہ بھی صاف ہوگیا۔

انگلستان کو اب جو کچھ امید تھی اپنی ملکہ کے انداز مزاج سے تھی۔ الزبتھ کی عمر اس وقت پچیس برس کی تھی۔ خوبصورتی میں وہ اپنی ماں سے بڑھی ہوئی تھی۔ اسکا انداز تحکمانہ تھا، اس کا چہرہ لیا تھا مگر اس سے شاہانہ سطوت اور ذہانت ظاہر ہوتی تھی۔ اس کی نگاہ میں تیزی اور چمک تھی ہنری کے دربار کی آزادانہ تربیت میں اس نے پرورش پائی تھی۔ سواری میں مشاق اور قدر اندازی میں طاق۔ ناچنے میں خوش ادا، گانے میں ماہر، علوم میں کامل تھی۔ وہ ہر صبح کو یونانی زبان کی انجیل پڑھا کرتی اور اس کے بعد سوفوکلس کے غم انگیز افسانے یا ڈماستھینس کے خطبات دیکھا کرتی تھی، اور اپنی "فرسودہ یونانی" میں کسی ذی علم وائس چانسلر کے ساتھ ضلع بھی بول سکتی تھی مگر وہ محض پرانی کتابوں کا کیڑا نہیں تھی۔ اس کے زمانے میں جو نیا علم ادب پیدا ہورہا تھا وہ اس کے دربار میں ہمیشہ مقبول رہا، وہ اطالوی و فرانسیسی اپنی مادری زبان کی سی روانی کے ساتھ بولتی تھی، وہ اری اوسٹو اور تاسو کی تصانیف کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اُس کا آخری زمانہ تصنع اور لفاظی و خفیف الحرکاتی کے شوق کی وجہ سے بدنام ہے مگر اس زمانے میں بھی وہ "فیری کوین" کو شوق کے ساتھ سنتی اور ماسٹر اسپنسر کے پیش ہونے پر مسکراتی تھی۔ اس کی رگوں میں جس قسم کا مختلف خون ملا ہوا تھا اس سے اس کی اخلاقی حالت میں بھی عجیب تضاد پیدا ہوگیا تھا۔

وہ جس طرح ہنری کی بیٹی تھی اسی طرح این بولن کی بھی بیٹی تھی۔ بے تکلفانہ و دلی برتاؤ، ہر دلعزیزی اور لوگوں سے آزادانہ ملنے جُلنے کا شوق، بے باکانہ جرأت اور حیرت انگیز خود اعتمادی کے اوصاف اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملے تھے۔ اس کی کرخت مردانہ آواز، بیچین طبیعت، غرور و نخوت، اور پر اشتعال غیظ و غضب اس کے ٹیوڈر نسب کا اثر تھا۔ وہ بڑے بڑے امرا کو مدرسے کے بچوں کی طرح جھڑک دیتی تھی۔ اسکس کی کسی گستاخی پر اس نے اس کے کان پر ایک گھونسہ رسید کردیا، کبھی کبھی وہ نہایت اہم مباحث کے درمیان میں ایک مچھلی بیچنے والی عورت کی طرح اپنے وزرا کو بُرا بھلا کہنے لگتی تھی مگر ٹیوڈرون کے بالکل خلاف اس کی اس ظاہری غضبناکی کے اندر شہوت رانی اور عیش پرستی موجود تھی اور یہ این بولن کا ورثہ تھا۔ شان و شوکت اور عیش و عشرت الزبتھ کی بات بات سے ظاہر تھی۔ اس کی خاص مسرت یہ تھی کہ وہ نمائشی طمطراق کے ساتھ (جس کا تکلف و اسراف ایک مشرقی بادشاہ کو بھی شرما دے) ہمیشہ ایک قصر سے دوسرے قصر میں پھرا کرے، وہ بانکپن، ہنسی، مذاق اور خوش طبعی کی دلدادہ تھی۔ دلچسپ حاضر جوابی اور نفیس مدح سرائی اس کی نظر عنایت سے کبھی محروم نہیں رہتی تھی۔ اس نے اپنے پاس جواہرات کا ایک ذخیرہ جمع کرلیا تھا۔ اس کے کپڑوں کی تعداد کا کوئی شمار ہی

نہیں تھا۔ بڑھاپے تک میں اس کے ناز و انداز پندرہ سولہ برس کی ایک طرحدار لڑکی کے سے تھے۔ خوشامد سے وہ کبھی پریشان نہیں ہوتی تھی۔ اپنے حسن کی تعریف اُسے کبھی ناگوار نہیں گزرتی تھی۔ ہیٹن نے اس سے کہا تھا کہ "وہ اس کا قرب بہشت اور اس کا فراق دوزخ ہے" وہ بالقصد اپنی انگوٹھیوں سے کھیلنے لگتی تھی تاکہ اس کے درباری اسکے ہاتھوں کی نزاکت کو مشاہدہ کریں۔ کبھی ناچ کا چکر لگاتی تاکہ فرانسیسی سفیر (جو بالارادہ پردے کے پیچھے چھپا دیا جاتا) اپنے آقا سے اس کے پھرتیلے پن کی تعریف کرے۔ اسکی سُبک سری اس کے خندۂ رندانہ، اس کے بیباکانہ مذاق نے اس کی نسبت ہزاروں لغو خیالات پیدا کردئے تھے۔ فی الحقیقت اس کی تصویروں کی طرح اس کے اخلاق کا بھی کوئی خاص رنگ نہیں تھا۔ عورتوں کی سی شرم و حیاداری کا اس میں پتہ تک نہیں تھا۔ اس کی کم عمری کی ہرزہ سرائی سے جس قسم کے عیاشانہ مزاج کا اظہار ہوتا تھا وہ بعد کے زمانے میں بھی خصوصیت سے نمایاں رہا، اور ناز و نزاکت سے کسی طرح بھی اس کی پردہ پوشی نہ ہوسکی۔ کسی شخص کا حسین ہونا اس کی پسندیدگی کے لئے پروانہ راہداری تھا۔ صورت دار نوجوان اسکوائر (متوسط الحال اشخاص) جب اسکے ہاتھ کا بوسہ دینے کے لئے جھکتے تھے تو وہ ان کی گردن پر تھپکی دیتی تھی۔ اور عین دربار میں اپنے "دلنواز رابن"

(یعنی لارڈ لیسٹر) سے عشوہ بازی کرتی تھی۔

اس پر متعجب نہونا چاہیئے کہ الزبتھ نے جن مدبرین کی عقلوں کو دنگ کردیا تھا وہ قریب قریب سب کے سب اسے آخر تک ایک ہرزہ سرا عورت سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے اور فلپ کو بڑی حیرت تھی کہ ایک "اوباش عورت" اسکیوریل کی حکمت عملیوں کو کس طرح زک دیدیتی ہے، مگر یہ لوگ الزبتھ کو جس رنگ میں دیکھتے تھے وہ وہیں تک نہیں تھی۔ اس کی اندرونی طبیعت لوہے کی طرح سخت تھی، اس کی طبیعت محض عالمانہ و حکیمانہ تھی اس کی عقل پر تخیلات و جذبات کا مطلق اثر نہیں پڑتا تھا، ہنری کی سی ضد اور این بولن کی سی سبک سری اس کی اصلی طبیعت پر ایک نقاب تھی، دیکھنے میں الیزبتھ کی زندگی مسرفانہ اور عیاشانہ معلوم ہوتی تھی مگر درحقیقت وہ بہت ہی سادگی اور کفایت کے ساتھ رہتی تھی اور بہت محنت سے کام کرتی تھی، سلطنت کے معاملات میں اس کے ناز و انداز اور حرص و ہوس کو مطلق دخل نہیں تھا۔ دربار عام کی یہ عشوہ باز، مجلس مشاورت کی منیر پر پہنچکر نہایت ہی پرسکون اور سخت دل مدبر بن جاتی تھی تھی۔ درباریوں کی خوشامدیں سننے کے بعد ہی وہ دیوان خاص میں داخل ہوتی اور وہاں خوشامد کا گزر بھی نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے مشیروں سے صاف اور قطعی الفاظ میں گفتگو کرتی تھی اور ان سے بھی ایسی ہی صاف بات سننا چاہتی

تھی۔ اگر تدبیر مملکت میں اس کی جنسیت کا کوئی اثر محسوس ہوتا تھا تو یہی کہ عورتوں کی تلون مزاجی میں، جس قسم کی سادگی و ضد پوشیدہ ہوتی ہے وہ اس میں موجود تھی اور اس وقت کے مدبّرین پر اس کی نمایاں فوقیت کی ایک حد تک یہی وجہ تھی۔ الیزبتھ کی مجلس مشورت میں وزرا کا جیسا قابل و اعلیٰ گروہ جمع ہوگیا تھا ایسا کسی مجلس مشورت میں کبھی جمع نہیں ہوا، مگر وہ کسی کے اثر میں نہیں تھی۔ باری باری سے وہ ہر شخص کی سنتی، اور ہر ایک کی بات کو جانچتی، اس سے کام لیتی مگر فی الجملہ اس کی حکمت علی اسی کی تھی۔ اس کے مقاصد نہایت سادے اور واضح تھے، وہ اپنی حکومت کے قیام، انگلستان کو لڑائیوں سے الگ رکھنے اور ملکی و مذہبی نظم کی بحالی کی خواہاں تھی۔ اولوالعزمی کی بعض وسیع تجاویز اس کی نظروں کے سامنے تھیں مگر وہ بے پروائی کے ساتھ انہیں ٹالتی رہی، شاید اس میں ان عورتوں کی سی احتیاط اور کمزوری کا بھی کچھ شائبہ شامل ہو۔ ہالینڈ میں مداخلت سے اس نے ہمیشہ انکار کیا۔ پروٹسٹنٹوں نے جب یہ درخواست کی کہ وہ لوگ اسے "مذہب کا سرپرست" اور "سمندروں کی ملکہ" بنانا چاہتے ہیں، تو اس نے اس درخواست کو ہنسی میں اڑا دیا۔ مگر انجام کار میں اس کی حیرت انگیز کامیابی مقاصد کے اسی دانشمندانہ بے توجہی کا نتیجہ تھی۔ وہ اپنے اصلی وسائل کو اپنے تمام مشیروں سے بہتر سمجھتی تھی۔ وہ قطعاً یہ جانتی تھی کہ وہ کس حد تک قدم آگے بڑھا سکتی اور کیا کر سکتی ہے

اس کا یہ پرسکون اور ناقدانہ ادراک جوش یا اضطراب سے مغلوب نہیں ہوتا تھا اور اس لئے وہ اپنے خطرات اور اپنی طاقت کے اندازے میں غلطی نہیں کرتی تھی۔

عموماً الیزبتھ میں سیاسی دانشمندی بہت ہی کم بلکہ بالکل نہ تھی مگر اس کی سیاسی تدبیروں میں غلطی نہیں ہوتی تھی۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ وہ ایک نظر میں اپنی روش معین کرے مگر جس طرح ایک مطرب تاروں پر انگلیاں پھیرتے پھیرتے صحیح سُر پر پہنچ جاتا ہے اسی طرح وہ سیماب وار ایک نہیں سیکڑوں روشوں پر چلتی تھی یہاں تک کہ وہ یکایک صحیح روش پر آجاتی تھی۔ اس کی طبیعت عمل کو دیکھنے والی اور حالت موجودہ پر نظر کرنے والی تھی۔ جو تجویز جس قدر زیادہ خیالی اور آئندہ کی توقعات سے وابستہ ہوتی تھی اسی قدر وہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ تدبیر جہانداری کی نسبت اس کا خیال یہ تھا کہ گرد و پیش کے حالات پر نظر رکھی جائے اور جب اپنا موقع آئے اس سے بیش از بیش فائدہ حاصل کیا جائے۔ اس قسم کی محدود، عملی اور تغیر پذیر روش نہ صرف اس وقت کے انگلستان کے قلیل ذرائع اور اس کے مذہبی و سیاسی اعتقاد کی تغیر پذیر حالت کے موافق تھی بلکہ خود الیزبتھ کی مخصوص طاقت کے لئے بھی ہر طرح پر موزوں و مناسب تھی۔ یہ روش بہت وسعت رکھتی تھی اور الیزبتھ اپنی قابل حیرت مستعدی و طباعی سے کوئی نہ کوئی صورت

اپنے موافق مطلب نکال لیتی تھی۔ اس نے اپنی مجلس مشورت میں تحکمانہ طور پر یہ کہا کہ "صاحبو! جنگ نہیں ہوسکتی نہیں ہوسکتی" خونریزی اور اخراجات کو اگرچہ وہ طبعاً ناپسند کرتی تھی مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے جنگ سے بچنے کے یہی وجوہ تھے بلکہ زیادہ تر اس کا باعث یہ تھا کہ امن کی حالت میں اسے اپنی شاطرانہ سیاسی چالوں اور سازشوں سے کام لینے کا اچھا موقع ملتا تھا۔ اپنی ذہانت وطباعی کے اظہار سے اسے ایسی مسرت ہوتی تھی کہ وہ بے ضرورت بھی ہزاروں شرارت آمیز حرکتیں کیا کرتی تھی جن کی غرض صرف اتنی ہوتی تھی کہ لوگوں میں ایک استعجاب پیدا ہوجائے۔ "پیچدار طریقوں" کے اختیار کرنے سے وہ نہایت ہی خوش ہوتی تھی۔ وہ باوقار وزرا کو اس طرح چکر میں ڈال دیتی تھی جس طرح بلّی چوہے کے ساتھ کھیلتی ہے۔ اور جس طرح بلی چوہے کو پکڑ کر وجد میں آجاتی ہے، اسی طرح وہ اپنے شکار کو پریشان کرکے خوش ہوتی تھی۔ جب وہ غیر ملکی مدبرین کو حیران کرنے سے خود تھک جاتی تھی تو اپنے ہی وزرا کو پریشان کرنے لگتی تھی۔ اگر الزبتھ خود اپنے زمانۂ حکمرانی کی تاریخ لکھتی تو وہ انگلستان کی ظفرمندی یا اسپین کی تباہی پر نازاں نہوتی بلکہ وہ اس پر فخر کرتی کہ اس پچاس برس کے زمانے میں اس نے یورپ کے ایک ایک مدبر کو انگلیوں پر نچایا ہے۔ اس کی یہ چالیں

سیاسی اہمیت سے خالی بھی نہیں تھیں۔ ہزارہا مراسلات کے ذریعہ سے جب ہم اس کی سیاسی چالوں کا پتہ لگاتے ہیں تو اسکی تدبیریں ہمیں ذلیل اور ناگوار معلوم ہوتی ہیں مگر وہ اپنی اصلی غرض میں کامیاب رہی۔ ان تدبیروں سے الزبتھ کو وقت ملتا گیا اور ہر برس اس کی طاقت دونی ہوتی گئی۔ ایک ملکہ کے لئے بے شرمی سے دروغ گوئی کرنا اس سے زیادہ ذلت کسی بات میں نہیں ہوسکتی مگر یہی خصلت اس کے عادات میں سب سے زیادہ راسخ ہوگئی تھی۔ سیاسی معاملات میں جھوٹ بولنا اس زمانے کی عام روش تھی مگر با ایں ہمہ تمام ممالک عیسوی میں اس معاملہ میں الزبتھ کی برابری کا کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ جھوٹ کو صرف یہ سمجھتی تھی کہ مشکل سے بچنے کے لئے رسائی ذہن کا اظہار ہے۔ بوقت ضرورت وہ نہایت آسانی سے کسی امرکا اقرار یا انکار کردیتی تھی اور جب کام نکل جاتا تو ویسی ہی بے شرمی و بے پروائی سے اپنے جھوٹ کو ظاہر بھی کردیتی تھی۔ اس نے اپنے معائب سے بھی جس ہوشیاری سے کام لیا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز کو ذہنی نظر سے دیکھتی تھی۔ جن باتوں کے ظاہر ہوجانے اور جن دقتوں کے پیش آنے پر شریف عورتیں شرم سے جان دیدیتیں ان کی بھی وہ ناحفاظ ہونے کی وجہ سے کچھ پروا نہیں کرتی تھی بلکہ اُلٹے اور خوش ہوتی تھی۔ وہ اپنی متلون اور مذبذب تدبیر ملکی کو اپنی جنس کی خلقی کمزوری اور

طبعی تردد کے پردے میں چھپائے تھی۔ وہ اپنی عیش پرستی اور سیر و شکار سے کچھ نہ کچھ کام نکال لیتی تھی۔ اس کے عہد میں بہت سے خطرناک مواقع پیش آئے اور ملک کو ان خطرات کا پتہ بھی نہ لگا کیونکہ لوگ دیکھتے تھے کہ ان کی ملکہ دن کو سیرو شکار اور رات کو ناچ رنگ میں مشغول ہے۔ جن لوگوں نے یکے بعد دیگرے اس سے عقد کی خواہش کی اُن سب سے اُس نے سیاسی کھیل کھیلے اور اس کھیل میں اس نے اپنے ناز و ادا، بناوٹ، کمزوری اور حرص سب سے کام لیا۔ سیاسی ضروریات نے اگر اسے تنہا زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا تو اسے کم از کم یہ اطمینان تھا کہ اس نے اپنی محبت کے راگ اور اپنی عاشق نواز ملاقاتوں سے جنگ اور سازشوں کو روک دیا ہے اور ہوشیاری کے ساتھ محبت کے ڈورے ڈال کر ملک کے لئے امن حاصل کرلیا ہے۔

جب ہم الزبتھ کے حالات کو اس تکلیف دہ دروغ بیانی اور سازش کی بھول بھلیاں میں دیکھتے ہیں تو اس کی عظمت کا خیال گونہ حقارت سے بدل جاتا ہے، لیکن اس کی حکمت عملی کے مقاصد اگرچہ اسرار کے ابر میں پوشیدہ تھے تاہم ان میں اعتدال و سادگی موجود تھی اور وہ خاص استقلال کے ساتھ جاری رہی۔ اس کے عادتی تذبذب کے دوران میں کبھی کبھی فوری مستعدی بھی پیدا ہوجاتی تھی اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا تذبذب کمزوری کی وجہ سے نہیں تھا،

بلکہ وہ بالقصد تاخیر اور مغالطے سے کام لیتی اور جب وقت آجاتا تو پورا وار کرتی تھی۔ درحقیقت اس کی طبیعت فطرۃً عدم اعتماد کے بجائے خود اعتمادی کی طرف بڑی بیباکی سے مائل تھی۔ عام طور پر قوی طبیعت آدمیوں کو اپنی اقبالمندی پر بے انتہا اعتماد ہوتا ہے۔ یہی حال الزبتھ کا تھا والسنگھم نے کراہیت کے ساتھ لکھا ہے کہ "ملکۂ معظمہ اقبال مندی پر زیادہ بھروسہ کرتی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ حضور خدا پر زیادہ اعتماد کریں۔" جن مدبرین نے کسی وقت میں اسکے عدم استقلال، تاخیر اور تغیر مقاصد پر ملامت کی تھی وہی دوسرے وقت میں اس کی "ضد" اس کی عزیمت اور ایسے امور سے لاپروائی کی شکایت کرتے ہیں جس میں انہیں قطعی تباہی نظر آتی تھی۔ فلپ کے سفیر نے بیکار جھتوں کے بعد لکھا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت پر لاکھوں شیطان سوار ہیں۔" خود اس کی رعایا اس کی اُن چالوں اور ان پیچیدگیوں سے بالکل ناواقف تھی۔ وہ اسے استقلال مجسم سمجھتی تھی۔ جن لوگوں نے اسپینی سمندروں میں چکر لگائے اور خلیج ہڈسن کے تودہائے برف کے درمیان ہوکر جہاز لے گئے، ان کی جرأت اور بے خوفی میں اگرچہ کوئی شک نہیں ہوسکتا مگر وہ بھی بلاشک وشبہ یہ سمجھتے تھے کہ دلیری کا سہرا ملکہ ہی کے سر ہے۔ جس طرح وہ اپنے حصول اغراض میں پراستقلال اور باہمت تھی اسی طرح وہ ان اغراض کی تکمیل کے لیے

آدمیوں کے انتخاب میں بھی صحیح النظر تھی۔ وہ انسان کی ہر طرح کی خوبیوں کو ایک نظر میں بھانپ لیتی تھی اور ایک حیرت انگیز قوت کے ساتھ ان کی تمام طاقت اپنے کام میں لگا لیتی تھی۔ اس نے جس ہوشیاری اور دور بینی سے سیسل اور والسنگھم کا انتخاب کیا ویسی ہی کاوش سے وہ اپنے ادنیٰ ترین کارکنوں کو منتخب کرتی تھی۔ ایک لیسٹر کو مستثنیٰ کرکے اس نے اپنے عہد میں اول سے آخر تک جتنے آدمیوں کو منتخب کیا سب اپنے اپنے کام کے لئے نہایت ہی موزوں تھے۔ اس کی یہ کامیابی ایک بڑی حد تک اس کی اعلیٰ ذہنی قابلیت کا نتیجہ تھی۔ اپنے زمانے کے بہت سے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں اگر وہ اپنے مقاصد کے لحاظ سے پست تھی تو اپنی طبیعت کی وسعت اور ہمہ گیر ہمدردی کے لحاظ سے سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ الزبتھ اسپنسر سے شاعری کے متعلق اور برونو سے فلسفہ کے متعلق گفتگو کرسکتی تھی۔ وہ لِلی سے مقفےٰ عبارت پر بحث کرتی اور اسکس کی سپہگری کی داد دیتی تھی اور پھر دفعتہً اس قسم کی باتوں کو چھوڑ کر سیسل کے ساتھ مراسلات کے انبار کو دیکھنے اور خزانے کی کتابوں کے جانچنے میں مشغول ہوجاتی تھی۔ والسنگھم کے ساتھ غداروں کا تعاقب کرتے کرتے وہ پارکر سے عقائد کے نکات طے کرنے لگتی یا فرابشر کے ساتھ شمال مغرب کی طرف سے ہندوستان کا راستہ نکالنے کے امکانات پر غور کرنے لگتی۔ اپنی طبیعت کی تغیر پذیری اور ہمہ گیری کی وجہ سے وہ اپنے

زمانے کی ذہنی تحریک کی ہر ایک نوعیت کو سمجھتی تھی اور اس کی مفید صورتوں کو اخذ کر لیتی تھی مگر ملکہ کی عظمت کا سب سے زیادہ دار مدار اس پر ہے کہ اس نے اپنی رعایا پر قابو حاصل کر لیا تھا۔ انگلستان میں الزبتھ سے زیادہ باشان و شکوہ اور اس سے زیادہ بلند طبیعت حکمراں ہوئے ہیں مگر ان میں سے کسی کو اس کی سی ہر دلعزیزی نہیں حاصل ہوئی۔ محبت، وفاداری اور قدرشناسی کا جو جذبہ نہایت خوبی سے "فیری کوین" میں ظاہر کیا گیا ہے وہی جذبہ اس کی ادنیٰ سی ادنیٰ رعایا کے دلوں میں بھڑک رہا تھا۔ اپنے نصف صدی کے عہد حکومت میں وہ انگلستان کے لئے ایک ناکتخدا اور پروٹسٹنٹ ملکہ رہی اور اس کی بدکرداری اور مذہبی جوش کے فقدان نے بھی قوم کی نظروں میں اس کی چمک دمک کو ماند نہیں کیا۔ عام خوش اعتقادی پر اس کے بدترین افعال کا بھی کوئی اثر نہیں پڑا۔ ایک مرتبہ اپنی ستم ظریفی میں اسنے ایک پیورٹین کا ہاتھ کاٹ ڈالا مگر اس شخص نے اپنے دوسرے ہاتھ سے ٹوپی اٹھا کر کہا کہ "خدا ملکہ الزبتھ کو سلامت رکھے" درحقیقت اس کے درباریوں کے حلقے سے باہر انگلستان اس کے عیوب کے متعلق مطلق کچھ نہیں جانتا تھا یا جانتا تھا تو بہت ہی کم۔ اس کی سیاسی چالوں کے تغیرات کا شاہی کمرے سے باہر کسی قسم کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ قوم کے لوگ اس کی غیر ملکی حکمت عملی کا صرف اس کی ظاہری حالت،

اس کے اعتدال، اس کی خوش فہمی اور سب سے زیادہ اس کی کامیابی سے اندازہ کرسکتے تھے۔ مگر خود ملک کی حکومت کے متعلق ہر ایک انگریز الزبتھ کی کارروائیوں کا پورا اندازہ کرسکتا تھا۔ اس کی صلح پسندی، اس کی قوت انتظام، اس کی حکومت کی مضبوطی اور اعتدال اور متخاصم فرقوں کے درمیان منصفانہ آشتی و مصالحت سب کے پیش نظر تھی۔ اس آخری خوبی سے انگلستان کو ایک ایسے وقت میں بے نظیر سکون حاصل ہوگیا جب یورپ کے قریب قریب تمام ممالک خانہ جنگیوں سے پاش پاش ہو رہے تھے، خوش حالی ہر طرف بڑھتی جاتی تھی، لندن تمام دنیا کا بازار بنتا جاتا تھا، ہر علاقے میں عالی شان محلات تعمیر ہو رہے تھے، ان میں سے ایک ایک شئے سے الزبتھ کی تعریف اور سچی تعریف پیدا ہوتی تھی۔ اپنے ملکی انتظامات کے ایک فعل کی دلیرانہ جدت سے اس نے ایک اعلیٰ حکمران ہونے کا ثبوت دیدیا۔ جس معاشرتی پیچیدگی کی وجہ سے انگریزوں کی ترقی مین دشواری پیدا ہورہی تھی، اس نے اپنی حکومت کے شروع ہوتے ہی اس کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیااور بالآخر قانون امداد غربا کے طریقے سے اس مشکل کا حل ہوگیا۔ نئی تجارت کی سرپرستی کے لئے وہ ہمیشہ آمادہ رہتی تھی۔ تجارت کی وسعت وحفاظت کو وہ مفاد عامہ کا ایک جزو سمجھتی تھی چنانچہ لندن اکسچینج (ایوان تبادلہ) کے وسط میں

اس کے بت کے نصب کئے جانے سے ثابت ہوتا ہے
کہ وہ طبقۂ تجار کے مفاد کی حفاظت اور اُن کے کاموں
میں شخصی دلچسپی کی وجہ سے ان لوگوں میں نہایت ہی ممدوح
ہوگئی تھی۔ اس کی کفایت شعاری نے عام استحسان کا خیال
پیدا کر دیا تھا۔ سابق عہد میں جس قسم کی خونریزیاں ہورہی
تھیں اور جن کا سلسلہ آخر تک جاری رہا اور جن کی وجہ سے
وہ زمانہ "تخویف و شہادت" کا زمانہ قرار دیا گیا وہ سب باتیں
لوگوں کو یاد تھیں، پس الزبتھ کا خونریزیوں سے مجتنب رہنا
بسا غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ عام اعتقاد
یہ پیدا ہوگیا تھا کہ وہ قوم کی نبض شناس ہے اور ہمیشہ
اس کی انگلی قوم کی نبض ہی پر رہتی ہے۔ وہ اچھی طرح
جانتی تھی کہ کس موقع پر اسے اپنی قوم کے خیالات کی
مخالفت کرنا چاہیئے اور کس موقع پر آزادی کے نئے جذبات
کے مقابلے میں (جو اسی کی طرز حکومت سے از خود پیدا ہورہے
تھے) اسے دب جانا چاہیئے مگر اس کی یہ پسپائی بھی فتح کی پوری
شان لئے ہوئے ہوتی تھی اور جس صفائی اور فراخ دلی سے
وہ اپنی ہار کو مان لیتی تھی اس سے کھوئی ہوئی محبت
فوراً ہی پھر حاصل کرلیتی تھی۔ فی الحقیقت اپنے ملک کے معاملے
میں اس کا یہ حال تھا کہ اپنی رعایا کی بہتری کے فخر اور
ان کی مدح کی خواہش سے اس کی سرد طبیعت ذرا گرم
ہوجاتی تھی۔ اسے کسی شے سے واقعی محبت تھی تو انگلستان

سے تھی۔ اس نے نہایت ہی جوش کے ساتھ اپنی پہلی پارلیمنٹ
میں یہ کہا تھا کہ "آسمان کے نیچے کوئی دنیاوی چیز ایسی
نہیں ہے جو مجھے اپنی رعایا کی محبت اور ان کی رضامندی
سے زیادہ عزیز ہو" اور رعایا کی جس محبت و رضامندی کو
وہ اس درجہ عزیز رکھتی تھی وہ اسے پوری طرح حاصل ہوگئی
تھی، شاید وہ اپنی ہردلعزیزی کے لئے اس وجہ سے اور بھی
زیادہ بیتاب رہتی تھی کہ اس سے ایک حدتک اس کی زندگی
کی تکلیف دہ تنہائی کا بدل ہوجاتا تھا۔ وہ خاندان ٹیوڈر اور
ہنری کی اولاد میں سب سے آخری فرد تھی۔ اور اس کے
قریب ترین رشتہ دار میری اسٹوارٹ اور خاندان سفک کے لوگ
تھے۔ ان میں سے ایک تو علانیہ تخت کا دعویدار اور دوسرا
بھی درپردہ اس فکر سے خالی نہیں تھا۔ اپنی ماں کے
عزیزوں میں اس کا صرف ایک رشتہ کا بھائی تھا۔
اس کی دلبستگی جو کچھ تھی وہ لیسٹر تک ختم ہوجاتی تھی
مگر لیسٹر سے عقد کرلینا ممکن نہ تھا اور دوسرے کسی سے
اگر وہ عقد کرنا چاہتی تھی تو سیاسی مشکلات اس کی سدراہ
ہوتی تھیں۔ الزبتھ کی ایک نہایت تلخ شکایت سے ظاہر ہوتا
ہے کہ اس کی زندگی کی یہ تنہائی اسے کس قدر تکلیف
دے رہی تھی۔ جیمز کے پیدا ہونے پر وہ بے ساختہ
چلّا اُٹھی کہ "اسکاٹلینڈ کی ملکہ کے خوبصورت بیٹا ہو اور
میں بالکل عقیم رہوں"۔ مگر اس کی اس ظاہری تنہائی میں

اس کی باطنی تنہائی پسندی کا عکس نمایاں تھا۔ وہ اپنے گرد و پیش کی دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہتی تھی کبھی اس سے بالاتر کبھی اس سے فروتر مگر اس کے ساتھ ایک سطح پر کبھی نہیں آتی تھی۔ صرف ذہنی حیثیت سے وہ اپنے وقت کے انگلستان سے ارتباط رکھتی تھی، اخلاقی اعتبار سے اسے اپنے گرد و پیش کا کچھ بھی حس نہیں تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ لوگوں میں ایک نئی اخلاقی قوت یک بیک پیدا ہوگئی تھی۔ خیال عزت اور جوش طبیعت نے اغراق شاعرانہ کا رنگ اختیار کرلیا تھا، اور مذہب جانبازی کا مرادف بن گیا تھا، اس سے لوگوں کے خیلات مین بلندی آگئی تھی مگر لوگوں کے اس لطیف احساس کا اثر الزبیتھ پر صرف اتنا ہی پڑتا تھا جتنا اس پر کسی تصویر کے نازک رنگ کا اثر پڑتا ہو۔ وہ ولیم (آرینج) کی بہادری اور فلپ کے تعصب دونوں سے یکساں طور پر اپنا بازار گرم رکھتی تھی۔ شریف ترین ہستیاں اور اعلیٰ ترین اشخاص اس کے نزدیک محض شطرنج کے مہرے تھے۔ ملک بھر میں اسی کی ایک طبیعت تھی جو سنٹ بارتھولومیو کی خبر سُن کر جوش انتقام سے مشتعل نہیں ہوئی اور جس وقت کہ تمام انگلستان، آرمیڈا پر فتح پانے سے پھولا نہیں سماتا تھا، انگلستان کی ملکہ اس مُہم کے اخراجات کی شکایت کر رہی تھی اور جس بیڑے نے اسے بچایا تھا اسکے لئے

جس سامان خوراک کا حکم دیا گیا تھا اس سے وہ اپنے نفع کی صورت نکال رہی تھی۔ درحقیقت احسانمندی کے اظہار کی طرف سے اس نے اپنے کان بالکل بند کرلئے تھے جس قسم کی خدمت کبھی انگلستان کے کسی بادشاہ کی نہ کی گئی ہو وہ اسے قبول کرلیتی تھی اور اسے اس کے معاوضے کا خیال تک نہیں آتا تھا۔ والسنگھم نے اپنی ساری دولت اس کی جان اور اس کے تخت کے بچانے میں صرف کردی اور فقیر ہوکر مرگیا مگر ملکہ نے اسے پوچھا تک نہیں۔ یہ بھی قسمت کا عجیب پھیر ہے کہ یہی بیدردی اس کے بعض عظیم اخلاقی صفات کا سبب بن گئی۔ اگر اس میں ہمدردی نہیں تھی تو اس میں نفرت بھی نہیں تھی۔ وہ خفیف باتوں پر ناگواری کو قائم نہیں رکھتی تھی۔ اپنے خدمت گزاروں سے نہ وہ بغض رکھتی تھی نہ ان پر شک کرتی تھی۔ بدزبانی کو بھی وہ بے پروائی سے ٹال دیتی تھی اس کے متعلق فرقہ جیزوٹ کے لوگ جس قسم کی اوباشی اور ستمگری کے الزامات یورپ کے تمام درباروں میں پھیلا رہے تھے، اس سے اس کی خوش طبعی میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ خوف کا اسے مطلق احساس نہیں ہوتا تھا۔ جس وقت کہ کیتھولک سازشیں ایک ایک گھر سے ظاہر ہورہی تھیں، اس وقت بھی اس نے اپنے دربار کے کیتھلکوں کے نکالنے کی تجاویز پر مطلق اعتنا نہ کی۔ الزبیتھ کی یہی اخلاقی نیرنگی تھی جس کا اچھا یا بُرا اثر

الیزبتھ عجیب و غریب طرح سے اس کے کلیسا کی طرز عمل پہ پڑا۔
اور یہ صحیح نہیں کہ اس نوجوان ملکہ کو مذہب کا خیال
کلیسا نہیں تھا مگر روحانی احساس سے وہ بالکل معرا تھی اور علوم
دینی جن وسیع مسائل پر بحث کرنا چاہتے تھے، ان کا کبھی اسے کچھ حس نہیں تھا۔ اس کے گرد و پیش ساری دنیا یوماً فیوماً مذہبی معتقدات اور مباحث کے چکر میں پڑتی جاتی تھی مگر الیزبتھ پر ان کا مطلق اثر نہیں پڑتا تھا۔ وہ کالٹ اور اریسمس کی "تعلیمات جدیدہ" کے زیر اثر ہونے کے بجائے اطالوی نشأۃ جدیدہ کی معتقد تھی اور اپنے زمانے کے جوش و خروش کی بابت اس کا انداز وہی تھا جو لارنزو ڈی میڈیچی کا ساوونارولا کی نسبت تھا۔ جن روحانی مباحث نے اس کے گرد و پیش کے لوگوں کی طبیعتوں کو مضطرب کردیا تھا ان سے اس کی طبیعت میں کسی قسم کی حرکت نہیں پیدا ہوئی۔ وہ نہ صرف ان کے سمجھنے سے قاصر تھی بلکہ وہ انہیں ایک گونہ لغو خیال کرتی تھی۔ وہ کیتھولک توہّمات سے اس قدر متنفر تھی جسقدر پروٹسٹنٹ تعصبات سے۔ جہاں اس نے یہ حکم دیا تھا کہ کیتھولکوں کے تصاویر اور مجسمے آگ میں ڈال دئے جائیں، وہیں اس نے پیوریٹنوں کو "برادران مذہب عیسیٰ" کہکر خوب ہی جھکایا تھا۔ مگر اسے پیوریٹن یا کیتھولک کسی سے بھی مذہبی تنفر نہیں تھا۔ پروٹسٹنٹ ان کیتھولک امرا کے شاکی تھے جنھیں وہ اپنی حضور میں باریاب کرتی تھی اور کیتھولکوں کو ان پروٹسٹنٹ مدبرین

کی بابت گلہ تھا جنہیں وہ اپنی مجلس مشورت میں طلب کرلتی
تھی مگر الیزبتھ کے نزدیک یہی انتظام دنیا کے تمام انتظامات
میں سب سے زیادہ طبعی انتظام تھا۔ وہ مذہبی اختلافات کو
خالص سیاسی نظر سے دیکھتی تھی۔ وہ ہنری چہارم کے اس خیال
سے متفق تھی کہ "سلطنت ایک وقت کی نماز سے کم قیمت
نہیں ہے" اس کے نزدیک یہ کوئی بات نہ تھی کہ فلپ کو
دھوکہ دینے کے لئے اسے اپنے تبدیل مذہب کی امید دلائے
یا اپنے معبد میں صلیب نصب کرکے کسی زیر بحث معاملہ میں
نفع حاصل کرے۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال امن عامہ کا تھا
اور کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر شخص کے ذہن میں
یہی خیال کیوں نہیں بس جاتا۔ اس نے اپنی طبّاعی ان امر پر
صرف کرنا شروع کی کہ اتحاد مذہبی کا کوئی ایسا طریقہ نکالے
جس میں آزادی ضمیر کا حق باقی رہے۔ یہ ایک طرح کا سمجھوتا ہوتا
جس کا مقصود صرف اتنا تھا کہ عبادت میں ایک ظاہری اتفاق
پیدا ہوجائے اور اس کے ساتھ ہی ہر شخص کی آزادی رائے
برقرار رہے" وہ اسی خیال کو ہمیشہ شدّ ومد سے ظاہر کیا کرتی تھی۔
اسنے اول ہی سے ہنری ششم کے طریق پر کاربند ہونا چاہا۔ اسپین
کے سفیر سے اس نے یہ کہا تھا کہ " میں وہی کروں گی جو میرے
باپ نے کیا تھا" اس نے پوپ کے دربار سے مراسلت
شروع کی مگر جب پوپ نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے حق
جانشینی کے معاملہ کو روما کے فیصلے پر چھوڑ دے تو پھر مصالحت

کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔ الزبتھ کی پارلیمنٹ کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ اس کے ہنری ہشتم کی جائز اولاد میں ہونے اور اس کے استحقاق تاج کا اعلان کرے، مذہبی معاملات میں شاہی حقوق کو ازسرنو قائم کرے اور تمام غیر ملکی اقتدار و اختیار کو ساقط کردے۔ لندن میں داخل ہونے پر اہل شہر نے اس کے روبرو انگریزی زبان کی "کتاب مقدس" پیش کی اور الزبتھ نے اسے بوسہ دیکر یہ کہا کہ "وہ بہت توجہ سے اسے پڑھا کرے گی"۔ اس کی شخصی خواہش اس سے آگے بڑھنے کی نہیں تھی۔ ارکان مجلس میں ایک ثلث اور رعایا میں کم از کم دو ثلث لوگ ایسے تھے جو مذہب میں ملکہ کی بہ نسبت زیادہ اصولی تغیرات کے خواہاں تھے۔ طبقۂ امرا میں معمر اور دولتمند امرا کنسرویٹو (مستحفظین) تھے اور صرف نو عمر اور متبذل لوگ دوسری جانب تھے مگر بہت جلد آگے قدم بڑھانے کی ضرورت پیش آگئی۔ پروٹسٹنٹ تعداد میں کم تھے تو قابلیت اور مستعدی میں بڑھے ہوئے تھے، اور جنیوا سے جو جلا وطن واپس آتے تھے وہ مذہب کیتھولک کی نسبت سخت نفرت اپنے ساتھ لاتے تھے۔ ماس (قداس) کو دیکھکر اسمتھ فیلڈ کی آگ کا نقشہ ہر ایک پروٹسٹنٹ کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا تھا، اور اڈورڈ کی کتاب ادعیہ مقدس شہیدوں کی یاد دلاتی تھی۔ لیکن اگر الزبتھ نے اپنے قانون "اتفاق مذہبی" کی رو سے انگریزی کی کتاب ادعیہ کو ازسرنو رائج کرکے

قانون اتفاق مذہبی ۱۵۵۹

پروٹسٹنٹوں کو خوش کردیا تھا تو اس کے ساتھ ہی اس نے اس کی زبان میں ایسے تغیرات کردئے تھے جس سے تاامکان کیتھولک بھی راضی ہوجائیں۔ اس کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ وہ زمانۂ تولیت کے طریق کو بعینہٖ جاری کردے۔ اس نے شاہی القاب سے "سرگروہ کلیسا" کا لفظ نکال دیا تھا۔ کرنمیر کے ترتیب دادہ بیالیس عقائد نسیاً منسیا ہوگئے۔ اگر الزبتھ کو اپنی مرضی پر چلنے کا موقع ملتا تو پادریوں کے لئے تجرّد کی شرط قائم رکھتی اور گرجوں میں صلیبیں پھر نصب کردیتی۔ فی الحقیقت وہ اپنی کوشش میں ایک حد تک مصلحین کی نرالی سختی سے بھی اُلجھکر رہ گئی تھی۔ لندن کے عوام نے صلیبوں کو سڑکوں پر توڑ ڈالا۔ صلیب کو قائم رکھنے یا پادریوں کو تجرد پر مجبور کرنے کی کوشش، پروٹسٹنٹ پادریوں کی مخالفت کے سامنے بیکار ہوگئی۔ دوسری طرف میری کے عہد کے تمام اساقفہ نے باستثناء ایک شخص کے، اس کے تغیرات کے پروٹسٹنٹ انداز کو سمجھکر قید ہونا اور اپنی جگہوں سے علحدہ کیا جانا منظور کیا مگر "قانون سرگروہی کلیسا" کا حلف نہیں اُٹھایا۔ لیکن قوم کے اکثر افراد کے نزدیک الزبتھ کا یہ سمجھوتا بخوبی قابل پسند تھا۔ پادریوں میں سے اکثر نے اگرچہ حلف نہیں اٹھائے مگر عملاً انہوں نے "قانون سرگروہی کلیسا" کو مان لیا اور کتاب ادعیہ کو قبول کرلیا۔ جن لوگوں نے اس سے علانیہ انکار کیا ان میں سے صرف دو سو شخص اپنی جگہ سے ہٹائے گئے

اور باقی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ عام لوگوں میں اس نئی طرز عبادت سے کوئی خاص بھڑک نہیں پیدا ہوئی اور الزبیتھ کو موقع مل گیا کہ وہ عقائد کے مرحلے سے نکل کر انتظام مملکت کے مرحلے میں داخل ہو۔

پارکر

پول کے انتقال کی وجہ سے الزبیتھ کو موقع مل گیا کہ میتھو پارکر کو کنٹربری کا اسقف اعظم مقرر کر دے، اس شخص کا ضبط و اعتدال خود الزبیتھ ہی کا سا تھا، اور کلیسا کی تربیت جدید کے لئے اسے یہ ایک اچھا کارکن مل گیا۔ واقفیت علوم دینی کے لحاظ سے وہ ایک اوسط درجہ کا شخص تھا مگر کلیسا میں نظم و نسق اور طریق عبادت کے منضبط کرنے میں وہ پوری طرح مستحکم تھا۔ گزشتہ دو عہدوں کے عاجلانہ و بیخ کن تغیرات کی وجہ سے انگریزی مذہب کی ساری کل بگڑ گئی تھی۔ مفصلات کے پادریوں کا بڑا فرقہ اب بھی دل سے کیتھولک تھا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ زیادہ سخت کیتھولک لوگوں کے لئے صلیب نصب کی جاتی تھی اور زیادہ سخت پروٹسٹنٹ کے لئے نئے طریق عبادت کو اختیار کرنا پڑتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ دونوں ایک ہی قربان گاہ کے سامنے سربسجود ہوتے تھے اور کیتھولک تو وہ روٹیاں لیتے تھے جنکی قدیم دستور کے موافق پادری نے اپنے گھر پر تبریک کی تھی اور پروٹسٹنٹ وہ ٹکڑے لے لیتے تھے جنہیں جدید طرز کے موافق کلیسا ہی کے اندر برکت دیگئی

تھی۔ شمال کے بہت سے دیہاتوں میں مطلق کسی قسم کا تغیر نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہاں نئے پروٹسٹنٹ پادری اکثر ناپسند کئے جاتے اور ان کی زیادتی وحرص کے باعث لوگ ان سے متنفر ہو جاتے تھے۔ جائدادوں کے منتظم پادری لوگوں کو زمینوں کے پٹے وغیرہ جریانے کر کے اور نہریں کاٹ کر خود اپنے زیر انتظام جائداد کو لوٹتے تھے۔ پادریوں کا عقد کرنا بد اطواری سمجھا جاتا تھا۔ اور جب یہ نوبت پہنچی کہ جن مجسموں کی قدیم سے پرستش ہوا کرتی تھی اُن کے نفیس نفیس لباس کاٹ کاٹ کر پادریوں کی بی بیاں اپنے کپڑے بناکر پہننے لگیں تو اس نفرت میں اور بھی زیادتی ہوگئی، پادری جس قسم کا لباس چاہتے پہنتے تھے، دوران نماز میں لوگ چاہے کھڑے رہتے چاہے بیٹھ جاتے۔ پُرانی قربانگاہ توڑ ڈالی گئی اور نئی عبادت کی میزیں محض تین پایوں پر ایک تختہ رکھکر بنادی جانے لگیں۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بعض وقت اس نئے طرز کی عبادت میں نہایت ابتری پیدا ہو جاتی تھی۔ لامحالہ اس کا اثر یہ تھا کہ لوگوں میں مذہب کا خیال مطلق نہیں رہا تھا اور کلیسا میں گویا محض تفریح کے لئے موسم بہار کی خوشی منانے آتے تھے۔" مصلحین اور ان کے مخالفین کے مزاج سے پارکر کو جس قسم کی مشکلات پیش آرہی تھیں ان میں ملکہ کی تلون مزاجی سے اور نئی دشواریاں پیدا ہوگئیں۔ ملکہ اگرچہ عقائد میں راسخ نہیں تھی مگر اپنے خاص احساسات رکھتی تھی اور پروٹسٹنٹ کی عبادت کی سادگی

اور پادریوں کی مناکحت کی وجہ سے اس کی طبیعت کو ایک وحشت سی ہوگئی تھی۔ ڈین نوئل نے جب مجسمات کے استعمال کو لغو قرار دیا تو ملکہ اپنی نشست گاہ سے چلا اٹھی کہ "ڈین صاحب اس بحث کو چھوڑئے اور اپنی کتاب پر توجہ کیجئے" صلیب کے نصب کئے جانے اور پادریوں کے تجرد کی مخالفت پر جب پارکر نے زور دیا تو الیزبیتھ نے اس کی بیوی کی توہین کر کے اس کے اس استقلال پر اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ اس زمانے میں کتخدا عورتیں "میڈم" اور ناکتخدا مسٹرس کہلاتی تھیں۔ لیمبتھ میں ایک شاندار دعوت کے ختم ہونے پر جب پارکر کی بیوی ملکہ سے رخصت ہونے کے لئے آگے بڑھی تو الیزبیتھ بناوٹ سے جھجک سی گئی اور یہ کہا کہ میں آپ کو "میڈم" کہنے سے رہی، اور مسٹرس کہنا مجھے برا معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال میں آپ کی مہربانی کا شکریہ ادا کرتی ہوں" اپنے آخر عہد تک الیزبیتھ بھی اپنے دو پیشروں کی طرح اساقفہ کی دولت لوٹنے پر آمادہ رہی اور حقوق ملکیت کو بالکل نظر انداز کر کے اپنے وزرا کو کلیسا کی اراضی سے انعامات دیتی رہی۔ لارڈ برلے نے خاندان سیسل کی امارت اسقفی پٹربرا کی جائدادوں ہی سے قائم کی ملکہ کے طرحدار چانسلر کے لئے ایک دوسری اسقفی غارت ہوئی اور ہیٹن گارڈن سے ایلی پلیس تک کے نواحی سے ابتک اس کی شہادت ملتی ہے اس غارتگری پر اسقف کے

اعتراض کا الیزبتھ نے جو جواب دیا اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ کلیسا پر اپنی سرگروہی کے کیا معنی سمجھتی تھی۔ اُس نے لکھا
کہ "اے پُر غرور مقتدائے دین تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہیں
اب جو کچھ بنا دیا ہے اس کے قبل تم کیا تھے۔ اگر تم معاً میری
مرضی کو پورا نہ کرو گے تو قسم خدا کی کہ میں تمہاری عبا اتروالوں گی"
مگر مقتدائے اعظم کے نظم و ترتیب کے کام میں ملکہ جس طرح
مسلسل اعانت کر رہی تھی اس کے مقابلے میں اس قسم کی ستم
ظریفیوں کا اثر حقیقت میں بہت کم پڑتا تھا۔ اس نے اپنے
سوا کسی کو کلیسا کے لوٹنے کی اجازت نہیں دی اور اس نے
دل سے یہ کوشش کی کہ کلیسا کے خارجی انتظامات میں
نظم و خوبی پیدا ہوجائے۔ اسقفی کی خالی جگہوں پر اکثر ذی علم
اور قابل ہی اشخاص مقرر کئے جاتے تھے اور معلوم ہوتا ہے
کہ انگلستان میں بلا زحمت مذہبی امن و امان قائم ہوگیا تھا۔ ۱۵۵۹
الیزبتھ نے جس وقت تخت پر قدم رکھا ہے اسوقت اسکاٹلی...
صرف ایک مذہب کے ہی معاملات اس کی توجہ کے محتاج
نہیں تھے بلکہ جنگ کی وجہ سے ملک کا روپیہ کھنچا چلا جارہا
تھا اور اس جنگ اور اس کے ساتھ اسپین کے اثر سے
خلاص پانے کے لئے کیلے کے ہاتھ سے دیدینے پر اسے
راضی ہونا پڑا۔ اگرچہ ایسا سخت نقصان برداشت کر کے
صلح قبول کی گئی مگر پھر بھی فرانس علانیہ مخالفت پر قائم
رہا۔ ولیعہد فرانس اور اس کی بیوی میری اسٹوارٹ نے

انگلستان کے بادشاہ اور ملکہ کے القاب اور نشانات اختیار کر لئے تھے اور اسکاٹلینڈ میں ایک فرانسیسی فوج کے موجود ہونے سے اُن کے دعویٰ نے فوری خطرے کی صورت پیدا کر دی تھی۔ اسکاٹلینڈ میں کیا حالات پیش آئے اس کے سمجھنے کے لئے ہمیں اس شمالی سلطنت کی گزشتہ تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ جس وقت سے کہ انگلستان نے اس ملک کو مطیع کرنے کی بے کار کوشش قطعی طور پر چھوڑ دی اس وقت سے اس ملک کا قصہ ایک دردناک داستان بنگیا۔ کیسی ہی صلح کیوں نہ قائم کی جائے مگر جنوب کے پُرانے خطرے سے اس ملک کے لوگوں کو نیند نہیں آتی تھی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنے ملک کو فرانس سے متحد کئے رہیں اسی وجہ سے انہیں "جنگ صدسالہ" کے گرداب میں پھنسنا پڑا۔ لیکن جب
۱۳۴۶ انجام کار میدان نیولس کراس میں شکست کھاکر ڈیوڈ قید ہوگیا تو جنگ کا خاتمہ ہوگیا، مگر دونوں طرف سے لوٹ مار اور اوٹربرن اور ہوملڈن ہل کی سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں جاری رہیں جن میں کبھی میدان اسکاٹلینڈ کے امرا کے اور کبھی انگلستان کے امرا کے ہاتھ رہتا تھا "چیوی چیز" کی نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معرکہ آرائی کا انداز کیا تھا اور وہ جرات و ہنگامہ آرائی کس قسم کی تھی "جس سے "سڈنی کے دل میں بگل کی آواز سے زیادہ جوش پیدا ہوجاتا تھا" مگر اسکاٹلینڈ کی ترقی پر اس جوش و خروش کا اثر نہایت ہی بُرا پڑا۔ اس

جد و جہد میں خاندانہائے ڈگلس اور مارچ کو خاص عروج حاصل ہوگیا، یہ لوگ برابر انگریزوں سے لڑتے رہتے تھے اور جب ادھر سے مہلت ملتی تھی تو خود آپس ہی میں لڑنے لگتے یا اپنے بادشاہ کے اوپر دباؤ ڈالتے تھے۔ خاندان بروس کے
ورثائے ذکور کے ختم ہوجانے سے خاندان اسٹوارٹ ان کا جانشین ۱۳۷۱
ہوا تھا مگر اس خاندان کے پہلے بادشاہ محض بے حقیقت تھے۔ حملوں اور اندرونی مناقشات نے نہ صرف قومی صنعت وحرفت اور خوش حالی کو روک دیا تھا بلکہ انہیں اور پیچھے ہٹا دیا تھا۔ تمام ملک ابتری و بدنظمی سے تباہ ہورہا تھا، اور اس شہر آشوب میں کسان اور تاجر جاگیرداروں کے ظلم و جور کا شکار ہورہے تھے۔ سرحد پر کسی قسم کا قانون ہی نہیں جاری تھا اور بے روک ٹوک قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ سلطنت کی حالت اس قدر قابل افسوس ہوگئی تھی کہ ہائی لینڈز کے قبائل نے اسے ایک یقینی شکار سمجھ لیا اور اس کی تاخت وتاراج کے لئے سب متحد ہوگئے لیکن اس عام خطرے نے امرا کے مختلف فرقوں کو متحد کردیا اور ہارلا کی فتح نے لولینڈز کو کلٹ کے ہاتھ میں پڑجانے سے بچالیا۔ آخر ایک نامور
بادشاہ نے اسکاٹلینڈ کو اس گمنامی سے نکالا یہ بادشاہ جیمز اول ۱۴۱۱
تھا۔ ایک مدت تک انگلستان میں قید رہنے کے باعث دنیا کے نشیب و فراز سے وہ اچھی طرح آگاہ ہوگیا تھا جب وہ اپنی مملکت کو واپس آیا تو اسکاٹلینڈ کا بہترین حکمران ثابت

ہوا۔ قابل ترین بادشاہ ہونے کے ساتھ ہی ملک میں وہ سب سے
اچھا شاعر بھی تھا۔ اس کے تیرہ برس کے مختصر مگر حیرت افزا
۱۴۲۴ دورانِ حکومت میں امن و امان پھر قائم ہوگیا۔ اسکاٹلینڈ کی
پارلیمنٹ مرتب کی گئی۔ ہائی لینڈز کے قبائل پر انہیں کے قلعوں
کے اندر حملے کیے گئے اور انہیں زیر کرکے "وسیکسن" بادشاہ کی اطاعت
کا حلف اُٹھانے پر مجبور کیا گیا۔ جیمز نے بڑے بڑے خاندانوں
کو راہ راست پر لانے کی طرف توجہ کی مگر ابھی نظام جاگیرات
کی زیادتیوں کا قانون کی گرفت میں آنا مشکل تھا۔ بدمعاشوں کا
ایک غول بادشاہ کے کمرے میں گھس گیا اور اسے قتل کرڈالا۔
بادشاہ کے جسم پر خنجر کے سولہ زخم پائے گئے۔ اس کا قتل خاندان
ڈگلس اور تاج کے درمیان جنگ وجدال کا اعلان تھا جس کا
سلسلہ نصف صدی تک جاری رہا۔ لیکن آہستہ آہستہ
انتظام پھر قائم ہوگیا۔ خاندان ڈگلس کے لوگوں کے ملک بدر
کردینے سے اسکاٹلینڈ کے بادشاہوں کو پھر لولینڈز میں غلبہ حاصل
ہوگیا۔ اس کے ساتھ امرائے جزائر کی تباہی سے ہائلینڈز میں بھی
ان کی قوت محفوظ ہوگئی۔ لیکن اپنی بیرونی حکمت عملی میں ملک
ابھی تک فرانس کے نقش قدم پر چل رہا تھا شاہان فرانس
اور شاہان انگلستان کے درمیان جس وقت بھی کوئی جھگڑا
ہوتا تھا فوراً ہی اسکاٹلینڈ کی سرحد پر بھی خطرہ پیدا ہوجاتا تھا۔ ۱۵۰۲ء
۱۵۰ میں ہنری ہفتم نے اپنی بیٹی مارگریٹ کو شاہ اسکاٹلینڈ کی زوجیت
میں دیکر ایک وقت کے لئے انگلستان اور اسکاٹلینڈ کو باہم

وابستہ کردیا۔ لیکن ہنری ہشتم کی تخت نشینی پر جب فرانس سے مخاصمت شروع ہوگئی تو یہ اتحاد کالعدم ہوگیا۔ جنگ پھر جاری ہوگئی اور فلاڈن فیلڈ کی ہولناک شکست اور جیمز چہارم کے انتقال نے ایک نابالغ کو بادشاہ بنادیا۔ ملک میں بدامنی و بدانتظامی کا دور دورہ ہوگیا۔ یہ نیا بادشاہ جیمز پنجم اگرچہ شاہ انگلستان کا بھانجا تھا مگر اس نے اپنے ابتدائے حکومت ہی سے انگلستان کے مخالف انداز اختیار کرلیا تھا۔ اور اہل کلیسا و رعایا ان دونوں ملکوں کو جنگ میں مبتلا کردینے کے لئے پہلے ہی سے آمادہ تھے سالوے ماس میں شکست کھاکر اس نوجوان بادشاہ کا دل ٹوٹ گیا اور وہ مرگیا۔ اس کے بستر مرگ پر جب اسے
۱۵۴۲ میری اسٹوارٹ کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی تو وہ چلا اٹھا کہ "اس سلطنت کی ابتدا ایک لڑکی سے ہوئی ہے اور اس کا اختتام بھی ایک لڑکی ہی پر ہوگا" اس کے اس جانشین بچے کے عقد کا معاملہ انگلستان اور فرانس کی کشمکش باہمی کا باعث بن گیا۔ اگر ہنری ہشتم کی خواہش کے موافق میری کا عقد اڈورڈ ششم سے ہوگیا ہوتا تو ان دونوں ملکوں کے اتحاد سے یورپ کی تاریخ بدل گئی ہوتی۔ لیکن حال کی خونریزی نے اسکاٹلینڈ کو سخت متنفر کردیا تھا اور سمرسٹ نے جس زبردستی سے اس عقد کے معاملہ کو طے کرنا چاہا اس سے تفرقہ انتہا کو پہنچ گیا۔ سمرسٹ کے حملے اور پنکی کلیوک کی فتح کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ جیمز پنجم کی فرانسیسی بیوی میری دگیز) کو (جو اپنے شوہر کے انتقال کے بعد

ملک کی متولّی ہوگئی تھی) موقع مِل گیا کہ وہ اسکاٹلینڈ کے
طبقوں کو ترغیب دیکر اس امر پر آمادہ کردے کہ وہ فرینسس
ولیعہد فرانس کے ساتھ اس لڑکی کے عقد کو منظور کریں۔ ہم
دیکھ چکے ہیں کہ اس وقت سے تخت انگلستان کے متعلق ملکہ
اسکاٹلینڈ کے دعوے نے ایسی خطرناک صورت اختیار کرلی ۱۵۵۸
تھی کہ میری ٹیوڈر کو مجبور ہوکر فلپ شاہ اسپین) سے عقد کرلینا پڑا
لیکن الیزبیتھ کی تخت نشینی کے بعد اس دعوے نے اور بھی
خطرناک صورت اختیار کی کیونکہ کوئی کیتھولک اسے جائز
اولاد نہیں سمجھتا تھا اور اس کے مذہبی انداز نے فرقہ کیتھولک
کو اس کے رقیب کے ہاتھ میں دیدیا تھا۔

الیزبیتھ اور اسکاٹلینڈ

بس فرانس سے صلح ہوجانے کے باوجود بھی فرینسس اور
میری اپنے دعوے پر مصر رہے اور میری گیز کے اشارے
سے ایک فرانسیسی فوج لیتھ میں آکر اُتری۔ سرحد پر اس فوج
کے آنے کا مقصد یہ تھا کہ کیتھولک شورش برپا کردیں مگر
فرانس و اسپین کی عداوت کی وجہ سے فلپ کو اس وقت
مجبوراً الیزبیتھ کی تائید کرنا پڑی اور اس کے اثر کی وجہ سے
کیتھولک کچھ دنوں کے لئے خاموش ہوگئے ملکہ نے بھی انہیں ۱۵۵۹
باتوں میں لگائے رکھا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ پوپ سے
مصالحت کرلینا اور پوپ کے ایک وکیل کو ملک میں بلانا چاہتی
ہے اور آسٹریا کے ایک کیتھولک شاہزادے سے عقد کی تجویز
کررہی ہے۔ ان باتوں سے انہیں پھر مذہب کے فروغ پانیکی

امید پیدا ہوگئی۔ ادھر ملکہ نے خود اسکاٹلینڈ میں اس کا توڑ
کیا۔ اسکاٹلینڈ میں بہت جلد جلد اصلاح کا زور بڑھتا جاتا تھا
اور الیزبیتھ نے پروٹسٹنٹ فریق کے سرگروہ امرا کو جو لارڈز آف دی
کانگریگیشن (امرائے اجتماع) کہلاتے تھے، والی سلطنت کے خلاف
بغاوت کرنے کی خفیہ ہمت دلائی۔ تخت نشینی کے بعد الیزبیتھ کو
اپنی ان تدابیر سے ایک برس سکون کا موقع مل گیا تھا اور
اس نے اس ایک برس سے خوب ہی کام لیا۔ تمام انگلستان
میں امن قائم ہوگیا، کلیسا کی از سرنو ترتیب ہوگئی، تاج کے قرضہ
کا ایک حصہ ادا کردیا گیا۔ خزانہ معمور ہو گیا۔ ایک بیڑا تیار
ہوگیا۔ اور شمال پر حملہ کرنے کے لئے ایک فوج جمع ہوگئی
جب اس کے اسکاٹلینڈ کے حامیوں کو شکست ہوگئی تو پھر
اسے پردہ اٹھا دینا پڑا۔ ابتک اس کی خود رائی میں کوئی
اس کا شریک نہیں تھا۔ اسپین نے اس کی تباہی کو قطعی
سمجھ لیا تھا، فرانس کو اس کی کامیابی کا بہت کم یقین تھا،
خود اس کی مجلس شوری کو بھی ناامیدی تھی۔ جس ایک وزیر پر
وہ اعتماد کرنے کی جرأت کرسکتی تھی وہ اگرچہ اس کے تمام
مشیروں میں نو عمر اور سب میں قوی دل شخص سیسل تھا مگر
سیسل کو بھی اس کی کامیابی کی طرف سے شک تھا۔ ملکہ نے
اب تذبذب اور دروغ بافی کو چھوڑ کر اپنی قوت و استقلال
سے علانیہ کام لینا شروع کیا۔ قریب تھا کہ فرانسیسی سپہ سالار
ڈوازیل "امرائے اجتماع" کو کچل ڈالے، مگر عین اسی وقت ۱۵۶۰

۱۵۶۰ ایک انگریزی بیڑا یکایک فورتھ میں داخل ہوگیا اور متولی ملک کی فوج کو لیتھ کی طرف پلٹنا پڑا۔ ملکہ نے ان امرا سے ایک باضابطہ معاہدہ کیا اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ ان غیر ملکیوں کے خارج کرنے میں ان کی مدد کرے گی۔ فرانس اپنے اندرونی جھگڑوں سے پارہ پارہ ہورہا تھا اور وہ اسکاٹلینڈ کو نہ روپیہ بھیج سکتا تھا نہ آدمی۔ ماہ مارچ میں لارڈگرے سرحد کے پار ہوا تاکہ لیتھ کے محاصرے میں امرائے اجتماع کا شریک ہوجائے۔ درحقیقت اہل اسکاٹلینڈ نے کچھ بھی مدد نہ کی اور شہر پر حملہ کرنے میں گرے کو سخت ناکامی ہوئی۔ الیزبیتھ کی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے فلپ کو بھی یکایک حسد پیدا ہوگیا اور اس نے اس مہم کے ترک کردینے کا مطالبہ کیا۔ لیکن الیزبیتھ پر اسکا کچھ اثر نہیں پڑا جو کام تلوار سے نہوسکا تھا قحط نے اسے پورا کردیا۔ انگریزوں اور اہل اسکاٹلینڈ کے درمیان دو معاہدے ہوگئے جن میں فرینسس اور میری کے وکلا نے یہ وعدہ کیا کہ فرانسیسی واپس چلے جائیں گے اور حکومت ملک امرا کی ایک مجلس کے ہاتھ میں رہے گی۔ انہوں نے انگلستان کے تخت پر الزبیتھ کا حق بھی تسلیم کیا۔ اسکاٹلینڈ کی ایک پارلیمنٹ نے فوراً ہی طریق کالون کو قومی مذہب قرار دے دیا۔ اگرچہ فرینسس اور میری نے اس قانون اور معاہدہ دونوں کو بالائے طاق رکھدیا مگر فی الحقیقت الیزبیتھ کی حکمت عملی نے فرانس سے اسکاٹلینڈ کے تعلق کو توڑ دیا تھا اور اس کے امرا کی سب سے

کار آزمودہ و قوی جماعت کو اپنا شریک بنا لیا تھا۔

جزو چہارم

انگلستان اور میری اسٹوارٹ

۱۵۶۰ — ۱۵۷۲

[اسناد۔ مثل سابق رینک کی تاریخ انگلشیہ (English History)
اور ناکس کی تاریخ اصلاح (History of the Reformation) بھی
دیکھنا چاہئے۔ میری اسٹوارٹ کے متعلق بکینین اور لزلی کے تصانیف طویل کا تذکرہ اور کیتھ
اور اینڈرسن کے تالیفات کے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اہل ہالینڈ کی شورش کے متعلق مٹلی کی
عروج جمہوریہ ہالینڈ (Rise of the Dutch Republic) اور تاریخ
ندرلینڈ متحدہ (History of the United Netherland) کار آمد ہیں]

جنگ اسکاٹلینڈ کے نتیجے سے یورپ پر یک بیک الزبتھ کی طاقت اور اس کے تخت کی اصل قوت کا اظہار ہوگیا۔ اس نے فلپ کی مداخلت سے آزادی حاصل کرلی۔ فرانس سے مقابلہ پیش آئی، شمال کی بساط کو خود امرانے اسکاٹلینڈ میں ایک انگریزی فریق پیدا کرکے الٹ دیا۔ اسی طرح مذہبی تفرقہ اندازی سے اس نے فرانس کی چنگاری کو بھی دبا دیا۔ فرانس کے پروٹسٹنٹ یعنی ہیوگیناٹ امیرالبحر کولی نی ای کے تحت میں

میری اس

ایک خطرناک فریق بنگئے تھے۔ خاندان گیز کے لوگ فرانسیسی کیتھلکوں کے سرگروہ تھے اور فرینسس اور میری کے دربار میں بھی انہیں کو غلبہ حاصل تھا۔ ہیوگیناٹ نے اس خاندان کے خلاف شورش کی مگر انہیں شکست ہوگئی اور اس وجہ سے انہیں الیزبتھ کی تائید اور اتفاق کے بغیر چارہ کار نہ رہا۔ قدیم و جدید عقائد کی کشمکش میں اس قسم کی علانیہ مخالفت ہونے کا مدت سے اندیشہ تھا۔ اور اس مخالفت نے اگر غیر ممالک میں الیزبتھ کو
۱۵۶۰ تقویت پہنچائی تو خود اپنے ملک میں اسے کمزور کردیا۔ اسکی کیتھولک رعایا نے جب دیکھا کہ وہ اسکاٹلینڈ کے پیروان کالون اور فرانس کے ہیوگیناٹ سے اتحاد پیدا کررہی ہے تو اس کے تبدیل عقیدہ کی طرف سے انہیں بالکل مایوسی ہوگئی۔ پوپ نے انگریزی عبادت کی شرکت کے خلاف ایک حکم جاری کردیا اور اس طرح ارکان ظاہری کے اعتبار سے الیزبتھ کو جس مذہبی مصالحت کی امید تھی وہ بھی ٹوٹ گئی اور چونکہ فرانس کے مذہبی تفرقہ کے باعث الیزبتھ کی طرح فلپ کو بھی آزادی حاصل ہوگئی تھی اس وجہ سے اب کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ انگلستان کے کیتھولکوں کو روکے رکھے بلکہ وہ تو درحقیقت اسی فکر میں تھا کہ تمام دنیا کے کیتھولکوں کا سرپرست بنکر ایک نیا سیاسی منصب حاصل کرلے فرینسس ثانی کے انتقال کے بعد جب فرانس میں خانہ جنگی شروع ہوگئی تو اس نے اپنی فوجوں کو حکم دیدیا کہ خاندان گیز کی حمایت کریں

اور مرتد جہاں ملیں وہیں اُن پر حملہ کریں۔ اس نے الزبیتھ سے
کہا کہ "طوائف الملوکی اور انقلاب کے لئے مذہب کو آڑ
بنایا جارہا ہے"۔ جس زمانے میں مجلس ٹرنٹ میں شرکت
سے انکار کردینے پر الزبتھ کی کیتھولک رعایا کی آخری
امیدوں پر پانی پھر گیا تھا اسی زمانے میں میری اسٹوارٹ ۱۵۶۱
اپنے شوہر کے انتقال اور فرانس میں بیگانہ ہوجانے کے باعث
لیتھ میں آکر اُتری۔ وہ بالکل لڑکی تھی اور اس کی عمر اس
وقت صرف اُنیس برس کی تھی مگر وہ دماغی قابلیت میں کسی طرح
الزبیتھ سے کم نہ تھی اور جوش طبیعت، حسن و انداز، اور
شانداری میں الزبیتھ سے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ وہ فرانس
سے "نشأۃ جدیدہ" کی مسرت آگین نفاست و نزاکت اپنے ساتھ
لائی تھی۔ اس سے یہ ممکن تھا کہ دن بھر بستر پر پڑی رہے
اور صرف رات کو ناچنے اور گانے کے لئے اٹھے۔ مگر اسکا
جسم لوہے کا سا سخت تھا اور وہ تھکنا جانتی ہی نہ تھی
وہ اپنی آخری شکست کے بعد اُنیس میل یک لخت گھوڑے
کو سرپٹ دوڑاتی ہوئی چلی گئی۔ صرف گھوڑا بدلنے کے لئے
رُکتی تھی۔ اُسے خطرات و مہاورات میں پڑنے اور ہتیار چلانے
سے خاص رغبت تھی۔ جب وہ شمال کی ایک یورش میں
جارہی تھی تو اس کے قریب کے پُر ہیبت شمشیر بازوں نے
اسے یہ کہتے سُنا کہ "کاش میں مرد ہوتی تو مجھے یہ معلوم
ہوتا کہ تمام رات میدانوں میں پڑا رہنا اور گلاسگو کی بنی ہوئی

چھاگل اور ایک چوڑی تلوار لیکر راستہ طے کرنا کیا ہوتا ہے"
لیکن کمرے میں جاکر وہ الیزبیتھ ہی کی سی پُرسکون اور سخت
مدبر بن جاتی تھی۔ اس کے تجویزات بھی ویسے ہی عاقلانہ
ہوتے تھے مگر وسعت و عظمت میں وہ الیزبیتھ کی تجویزوں سے
بڑھے ہوئے ہوتے تھے۔ ایک انگریزی سفیر نے لکھا تھا کہ
"فرانس کے اعلیٰ ترین و بہترین کار آزمودہ لوگوں کے دماغ میں
جو تدبیر ورائے آسکتی ہے اور جس قدر چالاکی، دروغگوئی، مکاری،
ایک عیار باشندۂ اسکاٹلینڈ کے دماغ میں پائی جاسکتی ہے
وہ سب اس ایک عورت کے حافظے میں ہر وقت موجود رہتی ہے
اور نہ موجود ہو تو وہ ایک چشم زدن میں اسکو پیدا کرسکتی
ہے"۔ اس کا حُسن اس کے دلپذیر انداز و اطوار، اسکی فیاضانہ
طبیعت، اس کا جوش محبت، اس کی صاف گوئی، اس کی
زود حسی، اس کی طرحداری، اس کی عورتوں کی سی اشکباری،
اس کی مردوں کی سی ہمت و جرأت۔ اس کی طبیعت کی روانی
و آزادی، زندگی کے نازک موقعوں پر اس کی شعر خوانی، یہ وہ
خوبیاں تھیں جن سے دوست و دشمن دونوں پر ایک سحر کا
عالم طاری ہوجاتا تھا۔ اس کی یہ خوبیاں عمر کے ساتھ اور
بڑھتی جاتی تھیں نولیز اپنے زمانے کا زاہد خشک پیوریٹن
تھا، اس نے جب زمانۂ قید میں اسے دیکھا تو اس نے بھی
اس کے ایک بلند مرتبہ عورت ہونے کا اقرار کیا وہ لکھتا ہے
کہ "وہ اپنے شاہی منصب کے سوا اور کسی رسمی عزت کی خواہاں

نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی طبیعت پرگوئی، اظہار جرأت، خوش مزاجی، اور کثرت اختلاط کی طرف مائل ہے۔ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کی وہ بہت ہی خواہش ظاہر کرتی ہے۔ فتح کی امید سے وہ ہر ایک خطرے میں پڑنے کے لئے تیار معلوم ہوتی ہے وہ پر صعوبت و پر جرأت کارناموں کے سننے کی بہت مشتاق رہتی ہے اور اپنے ملک کے مسلم دلیروں کی نام بنام تعریف کرتی ہے خواہ وہ اس کے دشمن ہی کیوں نہ ہوں اور پست ہمتی اگر اس کے دوستوں میں بھی ہو تو اسے پوشیدہ نہیں کرتی“۔ اس وقت تک لوگ اس سخت تعصب اور زبردست جذبے سے واقف نہیں ہوئے تھے جو میری کے اس دلنواز زمانہ انداز کے اندر پوشیدہ تھا مگر ان لوگوں نے اس کی سیاسی قابلیت کو فوراً تسلیم کرلیا تھا۔ اپنے شوہر کے انتقال کی وجہ سے اسے جو نئی قوت حاصل ہوگئی تھی اس سے اس نے بہت زور کے ساتھ کام لیا۔ اس کے معاملے میں اسکاٹلینڈ اور نیز انگلستان میں فرانسیسی مداخلت کے رشک و حسد کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی تھی۔ میری اس منصوبہ کو پختہ کرکے لیتھ میں اتری کہ وہ الیزبتھ اور اسکاٹلینڈ کے پروٹسٹنٹوں کے اتفاق باہمی کو توڑ دیگی، اپنے تمام ملک کو خود اپنے ساتھ متفق کرلے گی اور اس طرح انگلستان کے کیتھولکیوں سے سازش کرنے کی ایک مستحکم بنا قائم ہوجائے گی۔ اس کے آجانے کا اثر نہایت حیرت انگیز ہوا، اس کی شخصی دلنوازی نے قومی وفاداری میں پھر

جان ڈال دی اور تمام اسکاٹلینڈ اس کے قدموں پر گر پڑا۔
صرف ایک ناکس پر اس کا جادو نہیں چلا (یہ شخص طریقہ
کالونی کے واعظین میں سب سے بلند مرتبہ اور بہت ہی سخت
طبیعت کا آدمی تھا) مگر اسکاٹلینڈ کے وحشت خو امرا تک
اس امر کا اعتراف کرتے تھے کہ "میری میں کوئی ایسا
جادو ہے کہ ہر شخص اس سے مسحور ہوجاتا ہے" مذہبی رواداری
کے وعدے سے اس کی تمام رعایا اس دعوے کی تائید میں
متفق ہوگئی کہ وہ الیزبیتھ کی جانشین نامزد کی جائے۔ لیکن عقد کے
معاملے کی طرح جانشینی کا معاملہ بھی الیزبیتھ کے لئے زندگی و
موت کا معاملہ تھا۔ وہ کسی کیتھولک سے عقد کرتی یا کسی
پروٹسٹنٹ سے، دونوں صورتوں میں اس کے توازن و اتحاد قومی
کے نظام کا خاتمہ ہوجاتا۔ جس فریق کو وہ ناامید کرتی وہ بغاوت
پر اُٹھ کھڑا ہوتا اور دوسرا فریق فاتحانہ انداز سے اقتدار مطلق
پیدا کر لینے کا ساعی ہوتا۔ اسپین کے ایک سفیر نے (جس زمانہ
میں کہ وہ الیزبیتھ پر یہ زور دے رہا تھا کہ آسٹریا کے کسی شہزادے
سے عقد کرلے) یہ لکھا تھا کہ "اگر کوئی کیتھولک شہزادہ یہاں
آوے گا تو اس کا پہلے ہی بار کیتھولک عبادت میں شریک
ہونا، بغاوت کا اعلان سمجھا جائے گا" یہی حال مسئلہ جانشینی کا
تھا۔ اگر خاندان سفک سے کوئی پروٹسٹنٹ جانشین نامزد کیا جاتا
تو ایک ایک کیتھولک بغاوت پر آمادہ ہوجاتا۔ اگر میری کو
جانشین قرار دیا جاتا تو پروٹسٹنٹ ناامید ہوکر غدر کردیتے اور

ہر ایک ایسے مذہبی مجنون کو جو کسی کیتھولک حکمراں کے لئے راستہ صاف کرنا چاہتا الیزبتھ کو قتل کردینے کا موقع مل جاتا ملکہ نے میری کو لکھا تھا کہ" میں اتنی بیوقوف نہیں ہوں کہ اس طرح اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لوں"۔

ٹسٹ ایکٹ (قانون اختبار)

مگر الیزبتھ پر دباؤ سخت پڑ رہا تھا اور فرانس میں فرقہ کیتھولک کو غلبہ حاصل ہوجانے سے اس دباؤ کے اور سخت ہوجانے کا اندیشہ تھا یہی باعث تھا کہ ہیوگیناٹ جب خاندان گیز کی قوت سے مغلوب ہوئے جارہے تھے اس وقت الیزبتھ نے ان کی فریاد کو گوشِ قبول سے سُنا۔ جنگ سے اسے کیسی ہی نفرت کیوں نہو مگر اپنی حفاظتِ ذاتی کے خیال نے اسے اس عظیم کشمکش میں پڑنے پر مجبور کردیا اور فلپ کی دھمکیوں کے باوجود کانڈے کے تابع پروٹسٹنٹوں سے اس نے روپئے اور چھ ہزار آدمیوں کا وعدہ کرلیا مگر مقام ڈرو میں ہیوگیناٹ کی فوج کو مہلک شکست ہوجانے سے خاندان گیز فرانس پر چھا گیا اور خطرہِ انگلستان کے دروازے تک پہنچ گیا۔ انگلستان کے کیتھولکوں کی امیدیں بہت بلند ہوگئیں۔ پوپ نے اگرچہ معزولی کے فرمان صادر کرنے میں تاخیر کی مگر ایک حکم کے ذریعہ سے عبادت میں شرکتِ عام کو تفرقہ اندازی قرار دیا اور کیتھولکوں کو گرجوں

۱۵۶۲ میں جانے سے منع کردیا۔ اس حکم کے شائع ہونے سے عبادت کا وہ اتفاق ختم ہوگیا جسے الیزبتھ قائم کرنا چاہتی تھی۔ زیادہ پُرجوش کیتھولک گرجا سے الگ ہوگئے۔ عدول حکمی

کے جرم میں ان پر سخت جرمانے کئے گئے اور جب ان کی تعداد بڑھی تو یہ جرمانہ خزانہ کے لئے ایک اچھی آمدنی کا ذریعہ ہوگیا مگر ان کی اس علٰحدگی سے اخلاق کو جو نقصان پہنچا اس کی تلافی مال سے نہیں ہوسکتی تھی۔ اسی وقت سے اس کشمکش کی ابتدا ہوئی جسے الیزبیتھ نے تین برس تک ٹالا تھا۔ کیتھولکوں کے اس مذہبی جنون کا جواب پروٹسٹنٹوں نے بھی جنون سے دیا۔ ڈرو کی خبر سے تمام ملک میں ایک اضطراب پیدا ہوگیا۔ پارلیمنٹ نے سخت قوانین جاری کرکے اپنے خوف کا اظہار کیا، ملکہ کے وزیر سرفرنسس نولیز نے کہا کہ "باتیں بہت ہوچکیں، اب تلوار نکالنے کا وقت ہے"۔ ٹسٹ ایکٹ (قانون اختبار) سے تلوار کا کام لیا گیا۔ جن تعزیری قوانین نے دوسو برس تک انگلستان کے کیتھولکوں کو پریشان رکھا اس سلسلے میں یہ پہلا قانون تھا اس قانون کی رو سے باستثنائے امرا تمام دینی و دنیوی عہدہ داروں سے ملکہ کی وفاداری اور دنیادی معاملات میں پوپ کے عدم اقتدار کا حلف لیا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے تمام اختیارات یا تو پروٹسٹنٹوں کے ہاتھ میں آگئے یا ایسے کیتھولکوں کے پاس رہے جو پوپ کے علی الرغم الیزبیتھ کے اولاد جائز ہونے اور اس کی مذہبی ریاست کو تسلیم کرتے تھے۔ یہ احتیاط ضرور کی گئی کہ عام لوگوں پر اس قانون کا اثر نہ پڑے مگر پادریوں پر بہت سختی کے ساتھ دباؤ ڈالا گیا۔ دیہات کے بہت سے پادری ایسے تھے کہ انھوں نے کتاب ادعیہ

کو قبول کرلیا تھا مگر "قانون اتفاق" کا حلف نہیں اُٹھایا تھا۔ اس وقت تک الیزبتھ نے یہ دانشمندی کی تھی کہ سختی کے ساتھ ان کی رائے دریافت کرنے سے احتراز کرتی رہی تھی مگر اب اس کے حکم سے بصدارت مقتدائے اعظم ایک کمیشن مقرر ہوا کہ وہ پوری طرح اس قانون کو جاری کرے اور اس کے ساتھ ہی اڈورڈ کے وقت کے مرتب کئے ہوئے انتالیس ارکان مذہب کو اعتقاد کا معیار ٹھہرا کر ان کے قبول کرنے کا پادریوں سے مطالبہ کیا گیا۔

الیزبتھ اگر اپنی پیش بینی سے یہ سمجھ لیتی کہ جس خطرے سے وہ ڈر رہی تھی وہ اس طرح یکایک گزر جائے گا تو ممکن تھا وہ اپنے رفق و مدارات کی قدیم روش پر قائم رہتی مگر اس نے حسب عادت اس نازک موقع پر بھی بخت و اتفاق پر بھروسہ کیا۔ ڈیوک گیز کے قتل سے اس کا گروہ منتشر ہوگیا فرانسیسی دربار میں اعتدال و توازن کی روش اختیار کی گئی کیتھرین ڈمیڈسیس، کو غلبہ حاصل ہوگیا تھا اور وہ برابر یہی چاہتی تھی کہ صلح قائم رہے۔ ایک خاص ذلت کی وجہ سے ملکہ کی اقبالمندی میں فرق آگیا۔ اس نے اس شرط سے ہیوگوناٹ کی مدد کی تھی کہ اس مدد کے عوض میں ہاور اس کے حوالہ کردیا جائے گا لیکن فرانس کے فریقوں میں دوبارہ اتفاق پیدا ہوجانے سے ہاور پھر اس کے ہاتھ سے نکال لیا گیا۔ دوسرے سال موسم بہار میں فرانس کے ساتھ صلح قائم ہوجانے سے اسے ایک برس کیلئے

ترددات سے امن مِل گیا اور میری کو اپنی اس تجویز میں سخت دقت پیش آگئی کہ وہ اپنے رقیب پر فرانس اور اسکاٹلینڈ دونوں کا دباؤ ساتھ ہی ڈال سکے۔ اس ناکامی نے میری کو ایک زیادہ پُرخطر تجویز اختیار کرنے پر آمادہ کردیا۔ اپنی رعایا کی عام تائید حاصل کرنے کی ضرورت نے اسے مجبور کردیا تھا کہ بناوٹ کے طور پر مذہب سے بے پروائی کا اظہار کرے مگر اب وہ اس تصنع سے اُکتا گئی تھی۔ اس نے اب یہ عزم کرلیا کہ انگلستان کے کیتھولکوں سے مذہب کی بنا پر اپنی امداد کی درخواست کرے۔ سلسلہ نسب کے اعتبار سے ملکہ اسکاٹلینڈ کے بعد ہنری اسٹوارٹ (لارڈ ڈارنلے) کا درجہ تھا، وہ کاؤنٹس لینا کس کا بیٹا تھا اور جس طرح مارگیرٹ ٹیوڈر کے پہلے شوہر جیمز چہارم سے ملکہ اس کی پوتی تھی اسی طرح اس کے دوسرے شوہر ارل انگس سے ہنری اس کا نواسا تھا۔ خاندانِ لیناکس نے اگرچہ انگلستان کے نئے طریق عبادت سے اتفاق کرلیا تھا مگر یہ معلوم تھا کہ ان کی ہمدردی کیتھولکوں کے ساتھ ہے۔

کیتھولکوں کی امیدیں اس خاندان سے وابستہ تھیں میری نے اب یہ ارادہ کیا کہ ہنری سے عقد کرکے کیتھولکوں کی تمام طاقتوں کو متحد کرلے۔ اس تعلق سے ہر طرف یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ پروٹسٹنٹ کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ میری کی رواداری اور فرانس سے اس کے امید رکھنے کی وجہ سے فلپ بھی ابتک اسے شک کی نظر سے دیکھتا تھا مگر اب وہ آہستہ آہستہ

اس کی جانبداری کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے یہ اعتراف کیا کہ "اب بھی ایک دروازہ رہ گیا ہے جس سے مذہب انگلستان میں دوبارہ داخل ہوسکتا ہے ورنہ باقی تمام دروازے بند ہوگئے ہیں" الیزبتھ نے تہدید جنگ اور میری کو گرفتار کر لینے اور ڈارنلے کو سرحد پار بھگا دینے کی خفیہ سازشوں کے ذریعے سے اس عقد کو روکنا چاہا مگر اس کا کچھ اثر نہ پڑا۔ امرائے اجتماع یکایک چونک پڑے اور ملکہ پر انہیں جو اعتماد تھا وہ جاتا رہا ملکہ کے برادر علاتی لارڈ جیمز اسٹوارٹ (یعنی ارل مرے) نے اپنے پروٹسٹنٹ رفقا کو جمع کیا مگر ابھی انکی بغاوت کا اعلان ہوا ہی تھا کہ میری کمر میں قرابین لگائے ہوئے خود ان کے مقابلے پر روانہ ہوگئی اور ان کے سرگروہ کو بے یار و مددگار سرحد پار بھگا دیا۔ ایک افواہ یہ شائع ہوئی کہ اس نے اسپین و فرانس سے اتحاد کرلیا ہے، اور فرانس میں گائس کا اثر بھی قوی ہوگیا ہے الیزبتھ نے اس موقع پر ذلیل ترین ریاکاری اختیار کی۔ ادھر میری کو اپنے حاملہ ہوجانے کے باعث اور بھی قوت حاصل ہوگئی اور اس نے فلپ کے احتیاط و تاخیر کے مشورے کو پس پشت ڈالدیا۔ میری نے پوپ کو لکھا کہ "خدا اور حضور اقدس کی مدد سے میں اس دیوار کو پھاند جاؤں گی"۔ رتسیو ایک اطالوی تھا اور اسی نے اس عقد کی صلاح دی تھی وہ بدستور میری کا مشیر بنا ہوا تھا۔ اس کا دلیرانہ مشورہ عین میری کی طبیعت کے

موافق تھا۔ اس نے تخت انگلستان پر اپنی جانشینی کے تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کیا اور یہ عزم کرلیا کہ آئندہ پارلیمنٹ میں وہ مذہب کیتھولک کو اسکاٹلینڈ میں رائج کردے گی اور مرے اور اس کے ساتھیوں کو ملک سے خارج کردے گی۔ شمال انگلستان کے کیتھولک اس امر پر آمادہ تھے کہ جس وقت وہ انہیں مدد دے گی اسی وقت وہ بغاوت کردیں گے۔ الزبیتھ کو کبھی ایسے خطرے سے سابقہ نہیں پڑا تھا مگر وہ اب بھی بخت و اتفاق" پر اعتماد کئے ہوئے تھی۔ میری نے ڈارنلے سے عقد کرنے پر سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا مگر چند ہی مہینے گزرے تھے کہ لوگوں نے دیکھ لیا کہ اسے بادشاہ سے نفرت ہے" یہ لڑکا ایک عیاش طبع اور گستاخ شوہر ثابت ہوا اور جب میری نے اس کے دعوائے تاج کو حقارت کے ساتھ مسترد کردیا تو اس انکار کو اس نے رسیو کے مشورے کی طرف منسوب کیا اور اس کا حسد دیوانگی کی حد کو پہنچ گیا۔ عین اس وقت کہ ملکہ نے سفیر انگلستان کو خارج کرکے اپنی چھپی ہوئی تدبیروں پر سے پردہ اٹھادیا تھا۔ یہ نوجوان بادشاہ اپنے خاندان ڈگلس کے رشتہ داروں کو ساتھ لئے ہوئے اس کے کمرے میں گھس گیا اور رسیو کو اسکے سامنے سے کھینچ کر لے گیا اور دوسرے کمرے میں نہایت بیرحمی سے ایک ہی خنجر میں اس کا کام تمام کیا۔ میری کی طبیعت کے تاریک پہلو نے اب ترقی کرنا شروع کیا ڈارنلے سے انتقام لینے کے لئے ملکہ کا جوش بہت بڑھا ہوا تھا مگر سیاسی اغراض

کی کامیابی کے لئے اسے ڈرانلے کی ضرورت تھی۔ اس نے اپنی نفرت کو ظاہری محبت کے نقاب میں چھپایا اور آخر اس بدنصیب لڑکے کو اسکے دوسرے شرکا سے الگ کرکے اسی کی مدد سے ڈنبار کو بھاگنے میں کامیاب ہوگئی۔ ایک بار آزاد ہوکر ارل باتھول کے تحت میں آٹھ ہزار سپاہ کو لئے ہوئے وہ شان و شکوہ کے ساتھ اڈنبرا کی طرف بڑھی اور مارٹن، رتھوین لنڈزے سرحد پار بھاگ گئے۔ میری نے دانشمندی یہ کی کہ ریاکارانہ طور پر پھر وہی مذہبی رواداری کا طریقہ اختیار کرلیا مگر اس سے انگلستان کے کیتھولکوں کے ساتھ اس کے ساز باز میں کوئی خلل نہیں آیا اور اس کا دربار شمالی صوبجات کے فراریوں سے بدستور بھرا رہا۔ الزبیتھ نے ایکبار غصے میں آکر صاف طور پر یہ لکھدیا کہ "جیسے تمہارے الفاظ چرب و شیریں ہیں ویسے ہی تمہارے کام تلخ و زہریلے ہیں" لڑکا پیدا ہوجانے سے میری کی قوت اور دونی ہوگئی تھی۔ یہی لڑکا اسکاٹلینڈ کا جیمز ششم اور انگلستان کا جیمز اول ہوا میری کے سفیر نے انگلستان سے اسے لکھا تھا کہ "حضور کے ہوا خواہ اتنے بڑھ گئے ہیں کہ بہت سے پورے ضلع کے ضلع بغاوت کے لئے تیار ہیں اور امرا کی رائے سے انکے سردار بھی نامزد ہوچکے ہیں" اس نازک موقع پر انگلستان میں جو پارلیمنٹ جمع ہوئی اس کے اضطراب سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خطرہ اہمیت سے خالی نہیں تھا پارلیمنٹ کے

دونوں ایوانوں کو اس اندیشہ کے رفع کرنے کے لئے بس یہی ایک صورت نظر آئی کہ انہوں نے ملکہ سے یہ التجا کی کہ وہ عقد کرلے اور جانشینی کے مسئلہ کو طے کردے۔ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ یہ تجویز خود ان خطرات سے بڑھی ہوئی تھی جنہیں وہ ٹالنا چاہتی تھی مگر اس کی مخالفت کرنے میں الیزبیتھ کا کوئی شریک نہیں تھا، وہی تنہا اس رائے پر قائم تھی۔ جانشینی کے طے کرنے کے یہی معنی تھے کہ فوراً تلواریں کھنچ جائیں۔ اس لئے اس معاملے میں ملکہ اپنی رائے پر مستقل رہی البتہ بہت ہی غصہ میں اس نے وعدہ تو کرلیا کہ وہ شادی کرلے گی مگر اس میں شک نہیں کہ اس کا عزم مصمم یہی تھا کہ مثل سابق اسے پھر لیت ولعل میں ڈال دے گی۔ جانشینی کے معاملہ میں اس نے دارالعوام کو بحث سے روک دیا۔ اس سے کچھ ناچاقی پیدا ہوگئی اور الیزبیتھ پر اس کا سخت اثر پڑا۔ اس ناچاقی کی تفصیل بعد کو بیان ہوگی اس وقت صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ اس ناچاقی کے رفع ہوجانے کے بعد اس نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ مصالحت کے طور پر ارکان دارالعوام سے کہا کہ خود ملک کے خفیہ دشمنوں نے یہ چاہا کہ میں دارالعوام سے بغض رکھکر ملک کو وہ نقصان پہنچاؤں جو غیر ملکی دشمنوں سے بھی نہ پہنچ سکے۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جانشینی کے معاملہ میں مجھے تمہاری طمانیت کی کچھ پروا نہیں ہے حالانکہ

میں ہمہ تن اسی فکر میں ہوں یا یہ کہ میں تمہاری آزادی کو مٹانا چاہتی تھی۔ ہرگز ہرگز یہ میرا منشا نہیں تھا میں صرف یہ چاہتی تھی کہ تمہیں خندق میں گرنے سے پہلے بچا لوں“ لیکن اپنی اس روش کی صحیح وجہ بیان کرنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا پارلیمنٹ کے برطرف ہوتے ہی اسے قومی بد اطمینانی سے سابقہ پڑا اور بیرونِ ملک کے بڑھتے ہوے خطرات سے اس میں اور اضافہ ہوگیا۔

ڈرا
کا قتل

جو گھٹائیں مدت سے چھا رہی تھیں ان میں ایک خوفناک واقعہ سے یکایک ایک چمک پیدا ہوگئی میری نے اپنی حکمت عملی کے ترقی دینے اور ڈرانلے کے شرکاے کار کو تباہ کرنے کے لئے اسی کو ایک آلہ بنایا تھا اور جب سے ڈارنلے نے رتسیو کو قتل کیا۔ میری کو اس سے نفرت ہوگئی تھی اور وہ اس سے کنارہ کش رہنے لگی تھی وقتاً فوقتاً اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے جس سے اس کے دل کی بُرائی کا پتہ چلتا تھا۔ ایک بار اس کے منہ سے نکل گیا کہ ”جب تک اسے کسی نہ کسی طرح اس شخص سے آزادی نہ مل جائے گی، اسے زندگی کا کوئی لطف نہیں حاصل ہوسکتا“ ارل باتھول کی طرف اس کی طبیعت کے مائل ہوجانے سے اس خیال انتقام میں اور بھی قوت پیدا ہوگئی ارل باتھول امرائے سرحد میں نہایت دلیر و بیباک شخص تھا اس کی مبادرت پسند طبیعت ملکہ سے

عقد کرلینے کے لئے کسی مشکل کو خاطر میں نہیں لاتی تھی
اپنی بیوی کو وہ طلاق دے سکتا تھا۔ ڈارنلے نے جن امرا
کو چھوڑ دیا اور انکا بھید کھولدیا تھا وہ ابتک اس کے سخت
دشمن تھے، ان سے سازش کرکے ڈارنلے کا خاتمہ کیا جاسکتا
تھا۔ جلا وطن امرا واپس بلا لئے گئے تھے اور ان میں اندرہی اندر
کچھ سرگوشیاں ہورہی تھیں۔ کچھ دنوں بعد جو ہولناک واقعہ پیش
آیا اس کی اصلیت پر ابتک شک و شبہ کی نقاب پڑی
ہوئی ہے اور شاید یہ راز کبھی ظاہر نہو مگر ملکہ کا انداز دفعتہً
بدل گیا تھا۔ نفرت کے بجائے وہ ڈارنلے سے یکایک محبت
کا اظہار کرنے لگی تھی ڈارنلے اپنی بدکاریوں اور پریشانیوں
کی وجہ سے بیمار ہوگیا تھا، ملکہ اسی حال میں اس سے جاکر
ملی اور اسے اپنے ساتھ اڈنبرا چلنے پر راضی کرلیا وہاں وہ
ملکہ کے حکم سے ایک خراب سنسان مکان میں ٹھہرایا گیا
ملکہ اس مکان میں اس سے ملنے گئی اور رخصت ہوتے
وقت اسے بوسہ دیا، وہاں سے وہ نکل کر خوش خوش ہولی روڈ
میں ایک شادی کے جلسہ میں چلی گئی آدھی رات گزرنے
سے دو گھنٹے بعد ایک ہولناک دھماکے نے سارے شہر کو ہلادیا ۱۵۶۷
لوگ اپنے گھروں سے نکل پڑے اور دیکھا کہ کرک او فیلڈ
کا مکان تباہ ہوگیا ہے اور ڈارنلے کی لاش اسی خرابے میں
پڑی ہوئی ہے۔ اس میں مطلق شک نہیں کہ یہ کام باتھول
کا تھا بہت جلد یہ معلوم ہوگیا کہ اسی کے نوکرنے بادشاہ کی

خوابگاہ کے نیچے بارود بچھائی تھی اور ارل اس کام کے ختم ہونے تک دیوار کے باہر سے دیکھتا رہا تھا۔ مگر باوجودیکہ اسقدر شک کی گنجائش تھی اور لارڈلیناکس نے باتھول پر باقاعدہ قتل کا الزام بھی لگادیا تھا پھر بھی اس جرم کی تحقیقات کی پوری طرح کوشش نہیں کی گئی اور جب یہ افواہ پھیلی کہ میری اسی قاتل سے عقد کرنا چاہتی ہے تو اس کے دوست تک ناامید ہوکر اس سے الگ ہو گئے اس کے انگلستان کے وکیل نے اسے لکھا کہ "اگر وہ اس شخص سے عقد کرے گی، تو وہ خدا کی رحمت، اپنی شہرت اور انگلستان، آئرلینڈ اور اسکاٹلینڈ کے لوگوں کی دلی محبت سے محروم ہوجائے گی" مگر بہت جلد ملک کے تمام قلعے باتھول کے سپرد کروئے گئے۔ اس کے بعد اس پر مقدمہ قائم کیا گیا اور وہ بری کردیا گیا فی الحقیقت اس کے ماتحتوں کے جتھے نے اس مقدمہ اور اس کی تمام کارروائی کو ایک مذاق بنادیا تھا۔ اس کے بعد اس کی طرف سے بیباکانہ طور پر اپنی بیوی کو طلاق دیدینے کا مسئلہ پیش ہوا اور یہ آخری رکاوٹ بھی رفع کردی گئی لنلتھگو کو جاتے ہوئے ملکہ پکڑلی گئی اور باتھول سے اس کا عقد ہوگیا۔ ایک مہینہ بعد ان سب باتوں کا خاتمہ ہوگیا۔ جس شخص کے ہاتھوں سے ابھی اس کے شوہر کا خون بھی خشک نہ ہوا ہو اس کے ساتھ عقد کرلینے سے ایک دہشت پیدا ہوگئی اور تمام قوم نے بغاوت کردی۔ ملک کے پروٹسٹنٹ دکیتھولک دونوں عقائد کے

امرا مسلح ہوکر اسٹرلنگ میں جمع ہوئے۔ ان کا اڈنبرا میں داخل ہونا تھا کہ شہر میں بھی شورش برپا ہوگئی میری اور ارل ایک کافی جمعیت لیکر امرا کے مقابلہ کے لئے سیٹن کو بڑھے مگر اہل فوج نے لڑنے سے انکار کردیا۔ باتھول نے تو اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور ہمیشہ کے لئے جلا وطن ہوگیا اور ملکہ ایک مجنونانہ مایوسی کی حالت میں اڈنبرا کو واپس لائی گئی۔ لوگ اس پر لعنت کرتے تھے اور وہ بھی اس کا ویسا ہی سخت جواب دیتی جاتی تھی۔ اڈنبرا سے ایک قیدی کے طور پر وہ لاخ لیون کو بھیجدی گئی۔ اسے قتل کی دھمکی سے مجبور کیا گیا کہ اپنے لڑکے کو تاج پہنا کر خود دستکش ہوجائے اور اپنے بھائی ارل مرے کو (جو فرانس سے واپس آرہا تھا) ولی مقرر کردئے۔ ماہ جولائی میں جیمز ششم کے نام
۱۵۶۷ سے اس بچے کی تاجپوشی عمل میں آئی۔

میری اور انگلستان انگلستان اس وقت تو بچ گیا مگر میری کی یہ بربادی ایک منٹ بھی وقت سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک فرقوں کے درمیان فرانس میں جو کشمکش شروع ہوگئی تھی وہ آہستہ آہستہ ایک عام کشمکش کی صورت میں تمام یورپ میں پھیلتی جاتی تھی۔ کیتھرین (میڈیچی) کی متوازن حکمت عملی نے چار برس تک کیتھولک اور ہیوگوناٹ دونوں کو صلح پر مجبور کیا مگر فلینڈرز میں نئے مشکلات کے پیدا ہوجانے سے کانڈے اور خاندان گیز کے لوگوں نے پھر

ہتیار سنبھالے اور ہر فریق ان مشکلات سے اپنے مفید مطلب
اغراض حاصل کرنے میں کوشاں ہوگیا۔ فلینڈرز کے پروٹسٹنٹ پر
ایک مدت سے ظلم و ستم ہو رہے تھے، اور فلپ (شاہ اسپین)
نے ان کی آئینی آزادی کو بے باکانہ درہم برہم کردیا تھا اسکا
نتیجہ یہ ہوا کہ آخرالامر اہل فلینڈرز نے بغاوت کردی فلپ
خود ایک مدت سے اپنی سلطنت کے اس حصّے کی بے دینی و
ارتداد پر ایک کاری ضرب لگانے کا موقع تاک رہا تھا۔اس
بغاوت سے اسے یہ موقع ہاتھ آگیا۔جس وقت میری، لاخ لیون
میں داخل ہوئی ہے اسی وقت ڈیوک الوا، دس ہزار سپاہ
لیکر فلینڈرز کی طرف روانہ ہورہا تھا۔ اس نے باغی فوجوں
پر نہایت آسانی کے ساتھ فتح حاصل کرلی اور اس کے بعد
اس نے وہ ہولناک ظلم و خونریزی شروع کی جس نے اسے
تاریخ میں اس قدر بدنام کردیا ہے الیزبیتھ کے لئے ڈیوک الوا
کے فلینڈرز میں آنے سے زیادہ کوئی امر پریشان کرنے والا
۱۵۶۷ نہیں ہوسکتا تھا۔وہاں کے ارتداد کی بیخ کنی اس امر کی تمہید تھی کہ اسکے
بعد وہ فرانس کے ارتداد کی بیخ کنی کے لئے گیز کے ساتھ ہوجائیگا
اس آئندہ خطرے کا خیال نہ بھی کیا جائے تو بھی مذہب کیتھولک کی یہ فتح اور
ایک کیتھولک فوج کا ایسے ملک میں موجود ہونا جو انگلستان سے اسقدر قریبی تعلق
رکھتا ہو بجائے خود اس امر کے لئے کافی تھا کہ الیزبیتھ کی
حکومت کے خلاف کیتھولک کی بغاوت کا خواب فوراً تازہ
ہوجائے اس کے ساتھ الوا کے قتل عام کی خبروں سے اس کی

رعایا انگلستان کے ہر ایک پروٹسٹنٹ کے دل میں جوشِ انتقام اس شدت سے بھڑک اُٹھا تھا کہ اسکا روکنا مشکل ہوگیا تھا۔ بایں ہمہ الوا کے خلاف جنگ جاری کردینا غیر ممکن تھا۔ کیونکہ انیٹورپ انگریزی تجارت کی بہت بڑی منڈی تھی اور جنگ کی وجہ سے فلینڈرز سے تجارت کے بند ہوجانے کے باعث لندن کے نصف تاجر بیکار ہوجاتے الیزبتھ کی حیرانی یوماً فیوماً بڑھتی جارہی تھی کہ اس اثنا میں میری لاخ لیون سے بھاگ نکلی لینگ سائڈ میں مرے کی مستعدی سے اسکے موئید کیتھولک امرا کی شورش فوراً پامال کردی گئی اور خود اسے بھی شکست ہوگئی۔ اس نے اب اسکاٹلینڈ سے تمام امیدیں ترک کردیں اور پرواز خیال کی تیزی کی طرح اپنے ارادوں کو بدل کر وہ ایک ہلکی کشتی میں سالوے کے پار اُتر گئی اور شام ہونے سے پہلے ہی قلعہ کارلائل میں پہنچکر محفوظ ہوگئی۔ الوا کا فلینڈرز میں موجود ہونا اس درجہ پر خطر نہیں تھا جس قدر میری کا کارلائل میں موجود ہونا۔ اسے انگلستان میں رکھنا بغاوت کا مرکز تیار کردینا تھا۔ میری نے خود یہ دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اسے قید رکھیں گے تو انہیں بڑی مشکلوں کا سامنا ہوگا،، اس نے صاف طور پر یہ درخواست کی کہ انگریزی مدد سے اسکا تخت اسے واپس دلایا جائے یا اسے فرانس جانے کا راستہ دیدیا جائے۔ اس آخری درخواست کے منظور کرنے کے یہ معنی تھے کہ الیزبتھ کے خلاف گیز کے ہاتھ میں ایک خطرناک آلہ آجائے اور اسکاٹلینڈ میں فرانس کی مداخلت کا نیا سامان پیدا ہوجائے میری کے کھوئے ہوئے تخت پر اسے بزور متمکن کرنا غیر ممکن تھا جبتک میری جرم سے بری نہ ہوجائے مرے اسکی واپسی کے متعلق کچھ سننا ہی نہیں چاہتا تھا اور میری کو اس قسم کی جوابدہی سے انکار تھا۔ لیکن الیزبتھ اسکے

انگلستان سے نکل جانے کے لئے اسقدر بیتاب تھی کہ جب میری نے جواب دہی سے بالکل انکار کردیا تو وہ اسے دوبارہ تخت نشین کرنیکے لئے نئی نئی تجویزیں سوچنے لگی۔ اسنے مرے پر یہ زور دیا کہ وہ سخت الزامات کو دبادے اور میری سے یہ اصرار کیا کہ اپنے واپسی کے معاوضے کے طور پر شاہی اختیارات عملاً مرے کے ہاتھ میں رہنے دے۔ لیکن دونوں میں سے کوئی بھی ان شرائط پر رضامند نہیں ہوتا تھا جو دونوں کو الزبتھ کی خود غرضی پر نثار کردینا چاہتے تھے ولی سلطنت کو یہ اصرار تھا کہ وہ ملکہ پر قتل وزنا کا الزام لگائے گا اور میری کو یہ ضد تھی کہ نہ وہ جواب دیگی اور نہ اپنے لڑکے کو تخت دیکر خود کنارہ کش ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے اپنی دوربینی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کی اس دلیرانہ روش کی کامیابی محض تعویق سے بھی بڑھتی جائیگی اور ایساہی ہوا۔ اس کی مصیبتوں اور اس کے مستحکم انکار سے آہستہ آہستہ اس کے جرم کا دھبہ مٹتا جاتا تھا اور انگلستان کے کیتھولک پھر اسکی تائید پر آمادہ ہوتے جاتے تھے الزبتھ نے درحقیقت بھیڑیئے کے کان پکڑ لئے تھے اور اسکے ساتھ ہی الوا کی موجودگی سے ہالینڈ اور فرانس میں جیسا سخت جدال و قتال ہورہا تھا اس سے انگلستان کے دونوں فریقوں کی طبیعتیں مشتعل ہوتی جاتی تھیں۔

اہل ملک کی طرح اہل دربار میں بھی چھوٹے بڑے بالا علان نہایت شدت کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابلہ پر تلے ہوئے تھے۔ پروٹسٹنٹ کے سرگروہ ہونے کے لحاظ سے سیسل کا مطالبہ یہ تھا کہ تمام یورپ کے پروٹسٹنٹ کلیسا سے عام اتحاد پیدا کرلیا جائے

ہالینڈ میں الوا کے خلاف جنگ جاری کردی جائے۔ اور یہ میری کو بلا شرط اس کی رعایا کے حوالے کردیا جائے کہ وہ اسے جس سزا کی مستوجب سمجھیں وہ سزا اسے دیں برخلاف اس کے کیتھولکوں کا پُر زور مطالبہ یہ تھا کہ سیسل کو برطرف کردیا جائے، مجلس شوریٰ سے پروٹسٹنٹ خارج کردئے جائیں، اسپین سے مستقل صلح کرلی جائے اور دبی زبان سے وہ یہ بھی کہتے تھے کہ میری کی جانشینی تسلیم کرلی جائے ڈیوک نارفک کی سرکردگی میں کنسرویٹو (محافظ) فریق کا کثیر حصہ ان کی پشت پناہی کر رہا تھا اور زیادہ دولتمند تاجر بھی انکی تائید میں تھے کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ ہالینڈ سے جنگ ہونے کی صورت میں ان کی تجارت تباہ ہوجائے گی الیزبتھ کو مجبور ہوکر ہمیشہ کی طرح دفع الوقتی سے کام لینا پڑا اس نے سیسل کی مشورت کو نامنظور کردیا مگر وہ کانڈے کے پاس روپیہ اور ہتیار بھی بھیجتی رہی اور راستے میں الوا کے خزانے پر قبضہ کرلینے سے اسے وقت میں ڈالدیا بلکہ یہانتک کیا کہ عارضی طور پر سمندر کی دونوں طرف جہاز رانی بند کردی نارفک کے مشورت کو بھی نامنظور کیا مگر اعلان جنگ کے متعلق وہ کچھ سننا ہی نہیں چاہتی تھی، نہ وہ ملکہ اسکاٹلینڈ کے الزامات کے متعلق کوئی رائے دینا چاہتی تھی، نہ اس کے بجائے جیمز کی تخت نشینی کو تسلیم کرنا چاہتی تھی۔ انگلستان میں میری کی موجودگی کا اثر

اثر یہ ہوا کہ نارفک نے اسپین اور شمال کے امرا سے سازشیں شروع کردیں، الیزبتھ نے فتنہ اٹھتے دیکھکر فوراً ہی اسکا سخت تدارک کیا میری اسٹوارٹ، لارڈ ہنٹنگڈن کے سپرد کردی گئی، ارنڈل، پمبروک اور لملی گرفتار کرائے گئے نارفک ٹاور میں بھیجدیا گیا۔ مگر فرانس میں ہیوگوناٹ کی تباہی اور اس خبر نے کہ "الیزبتھ کی معزولی کا فرمان روما میں تیار ہوچکا ہے"، بڑے بڑے کیتھولک امرا کو خلاف کارروائیوں کی طرف مائل اور خاندانہائے نیول اور پرسی کو بغاوت پر آمادہ کردیا نارتھمبرلینڈ اور ویسٹ مورلینڈ کے ارلوں کا ڈرہم میں داخل ہونا بغاوت کا اشارہ ہوگیا، قبل اس کے یہ دونوں ارل اپنی فوجوں کو لیکر (جن کی تعداد بہت جلد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی) ڈانکیسٹر کی طرف بڑھیں، انگریزی کی کتاب مقدس اور کتاب ادعیہ پھاڑکر پھینک دی گئی اور ڈرہم کے بڑے گرجا میں پھر کیتھولک طریق پر عبادت ہونے لگی۔ لوگ یہ شور مچاتے تھے کہ "مذہب کے تمام رسم و رواج پھر قدیم طریق پر کردیے جائیں"، اور ملکہ کے سپہ سالار ارل سسکس نے جو شمال میں متعین تھا صاف طور پر اسے لکھدیا تھا کہ "یہاں یارکشائر میں دس روادار اشخاص بھی ایسے نہیں ہیں جو مذہب کے متعلق اس کی کارروائیوں کو پسند کرتے ہوں"، مگر ارل سسکس جیسا صاف گو تھا ویسا ہی وفادار بھی تھا، اس نے مضبوطی کے ساتھ یارک پر اپنا قبضہ جمائے رکھا اور ملکہ نے بعجلت تمام میری کو کاونٹری کے

فرمان معزولی ۱۵۶۹

نئے قیدخانے میں بھیجدیا یہ ابر جس تیزی و تندی سے اٹھا تھا اسی طرح چھنٹ بھی گیا۔ ملک میں عام طور پر کیتھولکوں کی طرف سے بغاوت کا کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا اور اس غیر متوقع بے حسی کو دیکھکر دونوں ارلوں کا تذبذب کی وجہ سے رکنا ہی تھا کہ انکی فوج میں اضطراب پھیل گیا اور وہ منتشر ہوگئی۔ نارتھمبرلینڈ اور وسٹمورلینڈ بھاگ گئے اور انکے پیچھے پیچھے لیونارڈو ڈکریس (نیوریتھ) بھی نکل گیا اور اس غداری کی پاداش میں انکے بدنصیب ہمراہی قتل و غارت ہوے۔ اس بغاوت کے فرو کرنے میں جیسی ظالمانہ کارروائیاں اختیار کی گئیں وہ الیزبیتھ کے دور حکومت میں پہلی ہی کارروائی تھی مگر یہ کارروائی بیکار نہیں گئی اسکے مخالفین پر ہیبت طاری ہوگئی۔ کیتھولکوں کی اس عام بے حسی کی وجہ سے شمالی ارلوں کی امیدوں پر اوس پڑگئی تھی مگر روما نے الیزبیتھ کے اخراج از ملت و معزولی کا فرمان صادر کرکے کیتھولکوں میں مستعدی و آمادگی پیدا کرنے کی ہر طرح پر کوششیں کیں۔ یہ فرمان خفیہ طور پر ایک سال پیشتر ہی جاری ہوچکا تھا اور کسی نے اسکی لغویت کے ثبوت میں مذاقاً اسے اسقف لندن کے دروازے پر کیل سے جڑ دیا تھا۔ شمال کے کیتھولک بہت شدت کے ساتھ قومی عبادت سے الگ ہوگئے۔ ان علیحدگی اختیار کرنے والوں کی تعداد ہر جگہ بڑھتی جارہی تھی۔ اور سازشیں ہمیشہ سے زیادہ زور کے ساتھ ہورہی تھیں۔ متولی سلطنت مرے قتل کردیا گیا اور اسکاٹلینڈ میری اور اسکے بیٹے کے طرفداروں کی جنگ میں مبتلا ہوگیا شکست خوردہ کیتھولک کو چھوڑ کر میری اب ڈیوک نارفک کی طرف متوجہ ہوئی۔ ڈیوک کنسرویٹو (محافظ) امرا کا سرگروہ۔ تھا نارفک نے

نارفک کی غداری

ملکہ کی مذہبی مصالحت سے اتفاق کر لیا تھا اور اپنے کو پروٹسٹنٹ ظاہر کرتا تھا لیکن وہ درپردہ کیتھولک فریق سے سازش کر رہا تھا اسے یہ توقع تھی کہ میری سے عقد کرنے کے بارے میں انگلستان کے امرا کو اپنا ہمخیال بنا لیگا کیونکہ اس کے ضرورت کے متعلق یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ اس طرح میری فرانیسیوں اور کیتھولکوں کی سازش سے نکلکر انگلستان کی ایک باوفا عورت بن جائے گی اور جانشینی کا عذاب جان مسئلہ طے ہو جائیگا۔ سال ماقبل میں اس کے اس خواب کا سیسل کو کچھ پتہ چل گیا تھا اور اس نے کچھ دنوں کے لئے اسے ٹاور میں بھیجکر اس خیال کو نشو و نما کرنے سے روکدیا تھا مگر ٹاور سے نکلنے کے بعد نارفک نے پھر ملکہ سے مراسلت جاری کر دی اور بالآخر فلپ سے یہ درخواست کی کہ وہ اس معاملے میں اپنی فوج کے ذریعے سے مداخلت کرے۔ اس درخواست کے لکھنے والوں میں سب سے اول میری کا نام تھا اور نارفک کا نام بہت سے "قدیم خاندان" امراء کے ناموں کے نیچے تھا کیونکہ اپنے کو "قدیم خاندان" کہلانے والے امرا زیادہ مغرور تھے۔ اس درخواست کی اہمیت اس سے اور بھی بڑھ گئی کہ شمالی بغاوت کے فراری سرداروں کے پاس کیتھولک پناہ گزین اینٹورپ میں جمع ہونے لگے۔ ان سازشوں کے اتنے کافی حالات معلوم ہو چکے تھے کہ اس اندیشے سے کہ مبادا پروٹسٹنٹ میں ایک تازہ جوش پیدا ہو جائے، پارلیمنٹ جمع ہوئی اور شمالی امیروں کے خلاف ضبطی کا ایک قانون نافذ کر دیا گیا اور پوپ کے فرامین کے ملک میں لانے کو سخت غداری قرار دیا گیا میری پر جو غصہ سب کو آ رہا تھا اس کا اظہار اس طرح ہوا کہ ایک قانون یہ منظور ہوا کہ ملکہ کی زندگی میں جو شخص بھی تاج کا دعویدار ہوگا وہ کبھی اس کا جانشین نہ ہو سکے گا۔ میری ہی کو اس تمام

بحث کا باعث اور نفاق کا پیدا کرنیوالا قرار دیا گیا تھا۔ کیتھولکوں کی بد دلی کا
علاج یہ تجویز ہوا کہ حکام فوجداری اور عام سرکاری عہدہ داروں کے لئے
"ارکان ایمان" کا حلف اٹھانا لازم قرار دیا گیا۔ درحقیقت اس کارروائی
سے عدالت اور امور عامہ کا انتظام کیتھولکوں کے ہاتھوں سے نکل کر ان کے
پروٹسٹنٹ مخالفین کے ہاتھوں میں چلا گیا اس دوران میں نارفک
کی غداری نے بہت ہی نازک سازش کی صورت اختیار کر لی
فلپ نے وعدہ کر لیا تھا اگر بغاوت واقعی ہوگئی تو وہ مدد کریگا
مگر سیسل کو مدت سے ان مراسلات کا سراغ لگ گیا تھا اور قبل اس کے
کہ اس بلند پرواز تجویز کے متعلق کوئی کارروائی ہو سکے نارفک کو
گرفتار کرکے کل تجویز کو خاک میں ملا دیا گیا۔ اسے اور اسکے
بعد نارتھمبرلینڈ دونوں کو پھانسی دے دی گئی اور جب بغاوت
۱۵۷۱ کا خطرہ مدت سے چھایا ہوا تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ رفع ہوگیا
ان دونوں کوششوں کی ناکامی سے صرف یہی نہیں ظاہر ہوا
کہ بد دل دانقلاب پسند جماعت کمزور اور غیر متفق تھی بلکہ یہ
بھی واضح ہوگیا کہ الیزبتھ کی حکمرانی سے جو قومی خیال بالطبع پیدا
ہو رہا تھا اور ملک کی امن و خوشحالی میں فرق پڑجانے کے
اندیشہ سے ملکہ کے ساتھ جیسی پرجوش وفاداری پیدا ہو رہی تھی
اس کے مقابلے میں ہر قسم کا فریقانہ خیال کمزور ہوگیا تھا۔
میری فلپ اور خاندان پدسی محض سیسل کی خبرداری اور الیزبتھ
کی چالاکی ہی سے تباہ نہیں ہوئے بلکہ یہ درحقیقت "انگلستان جدید"
کی ٹکر تھی جس نے انہیں تباہ کر دیا۔

جزو پنجم

الزبتھ کا انگلستان

اسناد۔ انگلستان کی آئینی تاریخ کے لئے ڈیو کے رسالے۔ (D'Ewe's journals) اور ٹاونشنڈ کا رسالۂ روئداد پارلیمنٹ از ۱۵۸۰ء لغایت ۱۶۰۱ء موجود ہیں یہ رسالہ دارالعوام کی کاروائی کا پہلا تفصیلی بیان ہے۔ ہیلم نے اپنی آئینی تاریخ میں جو عام تبصرہ کیا ہے وہ جس قدر قابلانہ ہے اسی قدر منصفانہ بھی ہے۔ میکفرسن نے اپنے وقائع تجارت (Annals of Commerce) میں انگریزی تجارت کی توسیع کو مفصلاً بیان کیا ہے، اور ہیلکوئٹ کے مجموعہ سفرہائے دریا (Collection of voyages) سے اس زمانے کی مستعدی اور قوت عمل کا حال معلوم ہوتا ہے مسٹر فراؤڈ نے اس میں کچھ قابل قدر تفصیلات بڑھائے ہیں۔ کریک نے اپنی تصنیف تاریخ ادب انگریزی (History of English Literature) میں عام علمی تاریخ کو بیان کیا ہے۔ اس نے اسپنسر اور اس کے زمانے کے متعلق ایک علٰحدہ کتاب لکھی ہے "نشاۂ جدید" کے مصنفین کے حالات ہیلم نے اپنی ادبی تاریخ میں لکھے ہیں۔ یہ بیانات نہایت قابل قدر و مختصر ہیں مگر ان کے مقابلہ میں موسیوٹین کے بیانات زیادہ شاندار ہیں اگرچہ اس کی تنقید میں وہ توازن نہیں ہے جو ہیلم میں

پایا جاتا ہے۔ شخصی سوانح عمریوں کے لکھنے والوں کا ایک کثیر گروہ موجود ہے جس سے شخصی حالات و افعال کی ایک نئی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

الیزبتھ اور قوانین غربا

الیزبتھ نے اپنی پارلیمنٹ سے فخریہ یہ کہا تھا کہ "میری خواہش ہے کہ میں اپنی رعایا کی اطاعت جبر سے نہیں بلکہ محبت سے حاصل کروں"۔ یہ محبت درحقیقت انصاف اور بہت اچھی حکومت کے ذریعۂ سے اسے حاصل ہوگئی تھی۔

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ الیزبتھ غیر ملکی نامہ و پیام اور سازشوں میں ہمہ تن غرق ہے مگر فی الواقع ان سب معاملات سے زیادہ اس کی توجہ انگلستان کی بادشاہت پر تھی۔ وہ ملکی نظم و نسق میں نہایت قابلیت اور محنت کے ساتھ منہمک رہتی تھی۔ بیرونی پریشانیوں سے نجات حاصل ہوتے ہی اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اندرونی بدنظمی کے دو خاص سببوں کا انسداد کیا۔ اولاً سکہ کی آمیزش کا ۱۵۶۰ء میں خاتمہ کیا گیا۔ ثانیاً ۱۵۶۱ء میں ایک کمیشن مقرر ہوا کہ معاشرتی بے اطمینانی کے رفع کرنے کے بہترین ذرائع پر غور کرے۔ اقتضائے زمانہ اور صنعت کی نئی شاخوں کی فطرتی ترقی سے مزدوری کی دقتیں ازخود رفع ہوتی جاتی تھیں، مگر پھر بھی انگلستان میں پریشانی کے بہت سے اسباب موجود تھے اور زرعی تغیر کی ترقی کے ساتھ احاطہ جات و اخراج کے عمل میں آنے سے ان شکایتوں میں برابر اشتداد پیدا ہوتا جاتا تھا۔ بغاوت کرنے والے ہمیشہ انہیں شکستہ حال لوگوں کی امداد کے

اعتماد کرتے تھے۔ ان کا موجود ہونا ہی خانہ جنگی کے پیدا کرنے میں تقویت کا موجب تھا۔ بحالت امن ان کی موجودگی سے جان و مال غیر محفوظ رہتے تھے۔ یہی لوگ قزاق بن کر تمام ملک میں خوف پھیلائے ہوئے تھے اور مسٹنڈے گداگر بنکر سڑکوں پر مسافروں کو لوٹتے تھے۔ سابق بادشاہوں کی طرح الزبتھ کے زمانہ میں بھی ان کے دبانے کے لئے سخت قوانین پر (جن کے بے اثر ہونے کی مور نے بیہود شکایت کی ہے) ظالمانہ طور پر عمل جاری تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ سمرسٹ شائر کے مجسٹریٹوں نے ایک وقت میں سو آدمیوں کے ایک غول کو پکڑا اور ان میں سے پچاس کو اسی وقت پھانسی پر لٹکا دیا اور سختی کے ساتھ مجلس شاہی سے یہ شکایت بھی کی کہ باقی پچاس کے پھانسی دینے کے لئے ابھی گشتی عدالت کے آمد کا انتظار کرنا ہے، مگر حکومت زیادہ عاقلانہ اور زیادہ موثر طریقہ پر اس مشکل کا مقابلہ کر رہی تھی۔ بیکار آدمیوں کو کام کرنے اور آوارہ گردوں کو سکونت اختیار کرنے پر مجبور کرنے کے قدیم اختیار پر بدستور عمل کیا جارہا تھا اور ہر ایک قصبے اور دیہاتی مذہبی حلقہ پر یہ لازم تھا کہ وہ اپنے محتاجوں اور معذوروں کی مدد کرے اور کام کرنیکے لائق گداگروں کو کام پر لگائے۔ مگر غریبوں کی امداد اور انہیں بتدریج کام پر لگانے کے لئے ایک زیادہ قوی ذریعہ سوچا جا رہا تھا۔ گرجوں میں خیرات جمع کرنے

اس غرض کے لئے ایک سرمایہ جمع کیا گیا تھا مگر اب ہر قصبے
کے میر (صدر) اور دیہاتوں کے ہر ایک حلقہ مذہبی کے منتظم
کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ تمام ایسے لوگوں کی فہرست تیار
کریں جو اس سرمایہ میں مدد دینے کے قابل ہوں اور متواتر
۱۵۶۲ انکار کرنے والوں کے متعلق دورہ کرنے والے ججوں کو یہ
اختیار دیا گیا تھا کہ وہ ملزم پر ایک مناسب رقم قائم کردیں
اور اگر وہ ادا نہ کرے تو اسے قید کی سزا دیں۔ اس کارروائی
کا اصول یہ تھا کہ مقامی تکالیف کے رفع کرنے کی ذمہ داری مقامی
اشخاص پر ہو اور محتاج اور آوارہ گردوں میں فرق کیا جائے۔
یہ اصول ۱۵۷۲ء کے قانون میں زیادہ توضیح کے ساتھ بیان کئے گئے
تھے۔ اس قانون کی رو سے دیہاتیوں کے لئے جسٹسوں کو اور
قصبوں و شہروں کے لئے میر اور دوسرے حکام کو یہ ہدایت
کی گئی تھی کہ وہ اپنے حدود کے معذور غریبوں کی فہرست
مرتب کرکے مناسب مکانوں میں ان کے قیام کا بندوبست
کریں اور ان کی امداد کے لئے تمام لوگوں پر محصول عاید کریں۔
ان کے کاموں کی نگرانی کے لئے ناظر مقرر کئے گئے تھے۔ اور اس
ضرورت کے لئے اون، سن، کتان، اور دوسرے سامان باشندوں
کے خرچ سے مہیا کئے گئے تھے۔ سرکش آوارہ گردوں اور ناظر
کے حکم پر کام سے انکار کرنے والے محتاجوں کیلئے تادیب گاہیں
مقرر کی گئی تھیں۔ بعد کے ایک قانون کی رو سے امداد غربا کے
محصولات وصول کرنے کا کام بھی انہیں ناظروں کے سپرد ہوگیا،

اور انہیں اختیار دیا گیا کہ غریب لڑکوں کو مجبور کرکے کسی نہ
کسی پیشہ ور کا شاگرد بنادیں، بے خانماں غریبوں کے لئے مکانات
تعمیر کریں اور اس قسم کے محتاجوں کے ماں باپ یا ان کی اولاد
کو ان کی خبر گیری کے لئے مجبور کریں - ان کارروائیوں سے
جو قانون تیار ہوا اور جس نے قطعی طور پر اس انتظام کو جمادیا،
۱۶۰۱ وہ عہد الیزبتھ کا تینتالیسواں قانون تھا - یہ قانون انگلستان کے
محتاجوں کا انتظام کرنے کے لئے ایک مستحکم بنا کا موجودہ
یاد کے زمانہ تک برابر کام دیتا رہا اور بعد کے تجربات
سے اس میں کیسی ہی کچھ کمزوریاں کیوں نہ ظاہر ہوئی ہوں مگر
قانون مزدوری کے وقت سے جیسے ذلت آمیز قوانین بن رہے
تھے ان کے مقابلہ میں اس کی عاقلانہ و ہمدردانہ نوعیت تعجب انگیز
معلوم ہوتی ہے - اس قانون کی خوبی اس سے ثابت ہے کہ جن
تمدنی خطرات کے روکنے کے لئے وہ نافذ کیا گیا تھا اس میں
وہ پوری طرح کامیاب ثابت ہوا -

ملک کی ترقی ان تمدنی خطرات کے رُک جانے کا باعث صرف قانون ہی
نہیں تھا بلکہ تمام ملک میں دولت و حرفت کی طبعی ترقی بھی
اس کا باعث تھی - طریق زراعت کے تغیر سے عمرانی دشواریاں
کیسی کچھ کیوں نہ پیدا ہوئی ہوں اس میں شک نہیں کہ
یہ طریقہ پیداوار کے لئے مفید ثابت ہوا - اس سے نہ صرف
یہ ہوا کہ زمین کے کاروبار میں زیادہ سرمایہ لگایا جانے لگا
بلکہ محض اس تغیر سے لوگوں میں زراعت کے نئے اور بہتر

طریق کا مذاق پیدا ہو گیا۔ گھوڑوں اور مویشیوں کی نسلوں میں ترقی ہو گئی، کھاد زیادہ دیا جانے لگا اور زمین کے تیار کرنے پر زیادہ توجہ ہونے لگی۔ کہا جاتا تھا کہ جدید طریقے سے ایک ایکڑ میں اس سے دونا پیدا ہونے لگا جس قدر سابقہ طریقے سے دو ایکڑ میں پیدا ہوتا تھا۔ چونکہ اس طریقے سے کاشت میں زیادہ توجہ اور لگاتار کام کی ضرورت تھی اس لئے زیادہ آدمی درکار ہونے لگے اس طریقے کے ابتدائے کار میں جو مزدور بیکار سمجھ کر الگ کر دئے گئے اب پھر ان کا زیادہ حصہ واپس آگیا۔ بیروزگاروں کو کام میں لگانے کے لئے اس سے بھی زیادہ با اثر ذریعۂ صنعت و حرفت کی ترقی سے پیدا ہو گیا۔ کتان کی تجارت ابھی کم حیثیت رکھتی تھی اور ریشم بافی کا کام بالکل ہی ابتدائی حالت میں تھا مگر اُن کا کاروبار قومی دولت کا ایک نہایت اہم جزو بن رہا تھا۔ سوت کا کاتنا، کپڑے کا بننا، دھونا، رنگنا، بہت جلد جلد قصبوں سے گزرکر دیہاتوں تک پھیلتا جاتا تھا۔ اون بننے کی تجارت اپنے مرکز ناروچ سے نکلکر تمام مشرقی صوبوں میں پھیلتی جاتی تھی۔ کاشتکاروں کی عورتیں اپنے گھروں کی بھیڑوں کی اون اتار کر گھروں ہی میں معمولی قسم کا کپڑا بنا لیتی تھیں۔ لیکن دولت و حرفت کے بڑے بڑے مرکز ابتک بدستور جنوب و مغرب ہی میں تھے کیونکہ کانکنی و صنعت گری انہیں مقامات سے مخصوص تھی لوہے کا کام

کنٹ اور سسکس میں محدود تھا مگر لکڑی کی روز افزوں کمی اور ویلڈ کے جنگلوں کے ختم ہو جانے سے اس نواح میں انکی خوشحالی کے نسبت ابھی سے اندیشہ پیدا ہو چلا تھا، زمانہ حال کی طرح اُس زمانے میں بھی ٹین صرف کارنوال ہی سے بیرونی ممالک کو روانہ کیا جاتا تھا اور اب وہاں سے تانبے کی روانگی بھی شروع ہو گئی تھی ۔ انگلستان کے اونی سامان میں مغرب کے باریک کپڑے سب پر فائق تھے رودبار کی تمام تجارت تقریباً سینک پورٹز کے قبضے میں تھی ۔ مورلینڈ سے لیکر لینڈس انڈ تک کا چھوٹا سے چھوٹا بندرگاہ بھی ماہی گیر کشتیوں کا ایک بیڑہ روانہ کیا کرتا تھا، انہیں کشتیوں کے باہمت ملاح تھے جنسے ڈریک اور اسپینیوں کے لوٹنے والے بحری قزاقوں کو خلاصی ہاتھ آتے تھے ۔ شمال اتنی مدت تک جس غربت و بیکاری میں مبتلا تھا آخرکار وہ الیزبتھ کے عہد میں رفع ہونے لگی ۔صنعت و حرفت و دولت کی مرزی و ہمبر سے شمال میں پھیلنے کے پہلے نشانات مینچسٹر کے اونی کپڑے یارک کے پلنگ کی چادریں شفیلڈ کے لوہے کے سامان اور ہلیفیکس کی کپڑے کی تجارت سے ملتے ہیں ۔

انگریزی تجارت

لیکن انگریزی تجارت کی ترقی اس کی صنعت و حرفت سے بہت آگے نکل گئی تھی ۔ یہ خیال رہے کہ ہمیں اس کا اندازہ اس وقت کے معیار سے نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اُس وقت ملک کی تمام آبادی پچاس ساٹھ لاکھ سے زیادہ کی

نہیں تھی اور معمولی تجارتی جہازوں کا مجموعی وزن پچاس ہزار ٹن سے کچھ ہی زیادہ تھا۔ ان جہازوں کا عرض و طول اس زمانے میں بہت حقیر معلوم ہوگا۔ اس زمانے کا ایک کوئلہ لادنے والا جہاز اُس زمانے کے بندرگاہ لندن سے روانہ ہونے والے بڑے سے بڑے تجارتی جہاز کے برابر ہوتا ہے۔ لیکن الیزبتھ ہی کے زمانے میں انگریزی تجارت کی ترقی کا روز افزوں دور شروع ہوا جس نے انگریزوں کو تمام دنیا کی تجارت کا حمال بنادیا۔ سرٹامس گرشیم کا رائل اکسچنج قائم کرنا اس زمانے کی تجارتی ترقی کا ایک خاص ثبوت ہے، تجارت کی سب سے زیادہ اہم شاخ فلینڈرز سے تعلق رکھتی تھی۔ در اصل سولہویں صدی کے اوائل میں اینٹورپ اور بروژ دنیا کی تجارت کی عام منڈی تھے اور انگلستان کی اون اور کپڑے تقریباً تیس لاکھ پونڈ سے زیادہ کے ان بازاروں میں جاتے تھے۔ ڈیوک پارما کے محاصرے اور قبضے کے باعث اینٹورپ کے تباہ ہو جانے ہی سے انگلستان کے پایہ تخت کی تجارتی فوقیت اول اول قائم ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس تباہ شدہ شہر کے تاجروں اور صناعوں میں سے ایک تہائی کے قریب سواحل ٹیمز پر پناہ گزیں ہوئے تھے۔ جب لندن نے ترقی کر کے یورپ کی عام منڈی کی حیثیت حاصل کرلی تو فلینڈرز کی تجارت برآمد کا خاتمہ ہوگیا۔ لندن میں نئی دنیا (امریکہ) کا سونا اور شکر ہندوستان کا سوتی اور چین وغیرہ کا ریشمی کپڑا اور خود انگلستان کا ادنی سامان

سب کچھ موجود رہتا تھا۔ اس تغیر سے نہ صرف یہ ہوا کہ دنیا کی سابقہ تجارت کا ایک بڑا حصہ سواحل انگلستان کی طرف منتقل ہو گیا بلکہ قومی قوت کے اس طرح ترقی کر جانے سے کام کے نئے راستے کھل گئے وینیس کا بار برداری بیڑہ اب تک ساؤتھمپٹن میں آتا تھا مگر ہنری ہفتم ہی کے وقت میں فلورنس سے ایک معاہدہ ہوچکا تھا اور بحیرۂ روم کی تجارت (جو رچرڈ سوم کے وقت میں شروع ہوئی تھی) برابر وسیع ہوتی جاتی تھی۔ انگلستان اور سواحل بالٹک کے درمیان کی تجارت اس وقت تک ہنسا کے سوداگروں کے ہاتھ میں تھی مگر اس زمانے میں ان کے لندن کی شاخ اسٹیل یارڈ کے بند ہو جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجارت بھی انگریزوں ہی کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ بوسٹن اور ہل کی ترقی سے اسکینڈنیویا کے ساتھ تجارتی ترقی کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ برسٹل کی خوشحالی کا انحصار ایک بڑی حد تک آئرلینڈ کی تجارت پر تھا۔ دور الیزبتھ کے اواخر عہد اور اس کے جانشین کے اوائل عہد میں اس جزیرے کے فتح ہو جانے اور اس میں انگریزوں کی نوآبادی قائم ہو جانے سے، اس خوشحالی کو بہت تقویت پہنچ گئی۔ شمال کی طرف سے ہندوستان کا راستہ نکالنے کے خواب کی یہ تعبیر ہوئی کہ ایک اور غیر معروف قوم سے تجارت کا راستہ کھل گیا۔ اس خیال میں ہیوولوبی کے تحت میں تین جہاز روانہ ہوئے تھے ان میں سے دو تو اپنے ملاحوں اور بدقسمت

نا خدا سمیت لیپلینڈ کے ساحل پر برف کے اندر جم کر رہگئے
مگر تیسرا جہاز رچرڈ چانسلر کے تحت میں صحیح و سالم بحر ابیض
پہنچ گیا اور بندرگاہ آرکینجل کے دریافت کرلینے سے روس
۱۵۵۴ سے تجارت کا راستہ کھولدیا - ایک اس سے بھی زیادہ نفع بخش
تجارت اس سے قبل ہی ساحل گنیئ (Guinea) سے
شروع ہوچکی تھی - سوداگران ساؤتھمپٹن کی فرادانی دولت کا
باعث اسی ملک کا سونا اور ہاتھی دانت تھا - اس تعلق
سے غلاموں کی جو تجارت پیدا ہوگئی اس کا گناہ جان ہاکنس
کے سر ہے - اس کی ڈھال پر ایک نصف جبشی کی
شبیہ تھی جو اپنے اصلی خط و خال میں رسی میں بندھا ہوا تھا -
۱۵۶۲ یہ اس امر کی یادگار ہے کہ نئی دنیا میں افریقہ کے جبشیوں کو
مزدوری کے لئے وہی لایا تھا - رودبار انگلستان اور بحر جرمنی کی
ماہی گیری سے یارمتھ سے لیکر پلی متھ ہیون تک بے شمار بندرگاہ کے
لوگوں کو کام مل گیا تھا السٹر کی ماہی گیری میں برسٹل اور چسٹر ایک دوسرے
کے رقیب تھے - سباسٹن کیبٹ کے برسٹل سے شمالی امریکہ تک کے
سفر نے انگریزی جہازوں کے لئے شمال کی طوفانی سمندر کا راستہ کھول
دیا تھا - نیوفاؤنڈلینڈ کے ساحلوں پر کاڈ مچھلی پکڑنے میں انگریزوں کی
جو کشتیاں مصروف تھیں ان کی تعداد ہنری ہشتم کے وقت سے برابر بڑھتی
جا رہی تھی اور الیزبتھ کے اختتام عہد تک خلیج بسکے کے ماہی گیر
بحیرہائے قطبی میں ڈھیل کے شکار میں انگریزوں کو اپنا رقیب سمجھنے لگے تھے - دولت اور
معاشرتی ترقی قومی خوشحالی کی اس فرادانی میں الیزبتھ کا حصہ یہ تھا کہ اس نے

امن و امان اور معاشرتی انتظام قائم رکھا۔ اسی سے یہ دولت و فراوانی پیدا ہوئی وہ اپنی کفایت شعاری کی وجہ سے معمولی حالات میں تاج کی مقررہ آمدنی سے کام چلا لیتی تھی اور رعایا کی جیبوں پر زیادہ بار نہیں ڈالتی تھی۔ وہ نئی تجارت کی سرپرستی کے لئے ہمہ تن آمادہ اور اس کے حوصلہ بڑھانے میں شریک رہتی تھی، تجارت کی وسعت و حفاظت کو وہ اپنی عام حکمت عملی کا ایک جزو سمجھتی تھی۔ اس نے وسیع پیمانہ پر تاجرانہ کمپنیوں (شراکتوں) کے قائم کئے جانے کی اجازت دیدی تھی کیونکہ یہی ایک صورت تھی جس سے سوداگر دور و دراز ممالک میں ظلم و نا انصافی سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ لندن میں ایک جماعت (سوداگرانِ جانباز) کے نام سے مدت سے قائم تھی اور ہنری ہفتم کے وقت میں انہیں باضابطہ قیام کا فرمان مل گیا تھا۔ اسی کے نمونے پر روسی کمپنی اور نیز وہ کمپنی قائم ہوئی جس نے ہندوستان کی تمام نئی تجارت پر قبضہ کر لیا مگر اس دولت سے جو معاشرتی تغیر ہر طرف پیدا ہو رہا تھا اسے الیزبتھ یا اس کے وزرا پورے اطمینان کے ساتھ نہیں دیکھتے تھے۔ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ اس سے اخراجات و تن آسانی کا بڑھنا لازمی ہے اور باغلب وجوہ اس کا نتیجہ یہ ہونا ہے کہ زمین خراب اور قوم کی قوت زائل ہو جائیگی۔ سیسل کو یہ شکایت تھی کہ "اب انگلستان میں ایک برس کے اندر

شراب پر اس سے زیادہ خرچ ہو جاتا ہے جتنا پہلے چار برس میں خرچ ہوتا تھا" دیہات کے رہنے والوں کی ترقی اس سے ظاہر ہے کہ نمک میں خشک کی ہوئی مچھلی کا استعمال ترک ہو گیا تھا اور گوشت کا صرف بڑھتا جاتا تھا دیہاتوں میں بد قطع اور ٹٹر کے مکانوں کے بجائے اب اینٹ اور پتھر کی عمارتیں بننے لگی تھیں۔ عام لوگوں میں لکڑی کے کھدے ہوئے برتنوں کی جگہ اب دھات کے برتنوں کا استعمال ہونے لگا تھا، ان میں ایسے بھی لوگ تھے جو چاندی کی رکابیوں کی ایک کافی تعداد پر فخر کر سکتے تھے۔ درحقیقت اسی وقت سے خانگی آرائش کا وہ خیال پیدا ہوا جسے ہم مخصوص انگریزی خیال کہتے ہیں۔ آتشدان کا رواج جس کے گرد گھر کے لوگوں کا جمع ہونا آجکل انگریزی خاندان کی خصوصیات میں سے ہے اسی زمانے سے ہوا ورنہ اس عہد کی ابتدا میں تو گھروں میں آتشدان قریباً ناپید تھے پہلے تاجر و کسان تکیوں کو ناپسند کرتے تھے اور اسے صرف زچہ خانے کی عورتوں کے لایق سمجھتے تھے؛ مگر اب لوگ تکیہ کا عام طور پر استعمال کرنے لگے تھے گھاس کے گندے فرش کے بجائے قالین بچھنے لگے تھے۔ زیادہ دولتمند تاجروں کے عالیشان مکانات ان کے فصیل دار برآمدے بیش قیمت لکڑی کی جالیاں، بھاری اور نازک بستر، منقش زینے، عجیب عجیب شکلوں کی برچھیاں، نہ صرف اس زمانے سے قبل تک کی غلیظ و کثیف اشیا کے مقابلہ میں نادر و نفیس معلوم ہوتی

نہیں بلکہ ان سے ایک نئے متوسط طبقے کے پیدا ہونے کا اظہار ہوتا تھا جس نے بعد کی تاریخ میں خاص حصہ لیا، اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تغیر یہ ہوا کہ امرا کا جاگیردارانہ طریقہ بالکل فنا ہو گیا۔ بھاری بھاری دیواریں اور مسلسل برج امرا کے مکانوں سے غائب ہو گئے۔

ازمنۂ متوسط کے مضبوط قلعوں کی جگہ اب الیزبتھ کے عہد کے شاندار و نازک ایوانوں نے لے لی تھی۔ نول، لانگ لیٹ، برلے، ہٹیفیلڈ، ہارڈوک اور اڈلی انڈ، سے معاشرتی اور تعمیری تغیر کا جو اس زمانے میں پیدا ہو رہا تھا اندازہ ہوسکتا ہے اور یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ تمام انگلستان میں ایسی عمارتوں کا رواج ہو گیا تھا جن میں حفاظت کے خیال کو ترک کر کے آسائش و نفاست کا خیال مقدم رکھا گیا تھا۔ ہم اب بھی ان کی پرچھتیوں کی خوبصورت قطار، ان کے پچی کاری کے برآمدوں، ان کے سنہلے کنگروں ان کے خوبصورت پرچموں ان کے قلعے کے سے دروازوں، ان کے اُبھرے ابھرے بلند طاقچوں پر (جہاں سے نئے امرا اپنے اطالوی انداز کے باغوں کی سیر دیکھا کرتے تھے) مسرت کے ساتھ نظر ڈالتے ہیں۔ ان کے شاندار برج، فراخ زینے، ان کے گلدان، ان کے فوارے، ان کی عجیب و غریب روشیں، ان کے باقاعدہ راستے کاج کی قطاریں، سب ہماری نظر اور توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ کاج کی قطاروں کو عجیب

عجیب طرح سے کاٹتے چھانٹتے تھے تاکہ جنوب کے سرو کا انداز پیدا ہو جائے مگر وہ بات نہیں حاصل ہو سکتی تھی۔ اطالوی نفاست کا اثر جس طرح تفرجگاہ اور باغ میں ظاہر ہوتا تھا اسی طرح مکانات کی اندرونی ترمیم میں بھی یہی اثر نمایاں تھا خاص حصہ اوپر کی منزل میں منتقل ہو گئے تھے۔ اس زمانے کے شاندار زینے اسی تغیر کا نتیجہ ہیں سنسان صحن کے گرد بڑے بڑے "رواق باریابی" بن گئے۔ قدیم بھدے آتشدان اب بھاری بھاری کارنسوں سے گھر گئے تھے اور خان اور کیوپڈ دیوتا کی تصویروں سے انہیں مزین کیا گیا تھا عجیب عجیب قسم کے طغرے اور نازک نقش ونگار بنائے گئے تھے۔ دیواروں پر مشجر کپڑے لٹکائے گئے تھے، اور ہر ایک کمرہ منقش کرسیوں اور قیمتی الماریوں سے بھر دیا گیا تھا۔ ازمنۂ وسطی کی زندگی کا مرکز قصر کا وسیع ایوان ہوا کرتا تھا جہاں بیرن اپنی بلند نشست سے میز کے گرداگرد کے خدام پر نظر ڈالتا تھا مگر پہلے کے وہ سامان بہت جلد جلد مٹتے جاتے تھے۔ جب صاحب خانہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ گول کمرے میں جا بیٹھا اور کھانے کے کمرے کو اپنے ماتحتوں کے لئے چھوڑ دیا تو جاگیرداروں کی سی کفایت شعاری کا خاتمہ ہو گیا۔ آئینوں کا بہ کثرت استعمال اس زمانے کی خانگی تعمیر میں ایک نمایاں خصوصیت ہو گئی تھی۔ لوگوں کی عام صحت پر اس کے اثر کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ امرا کے نئے ہال میں اوپر کی طرف کھڑکیوں

لمبی لمبی قطاریں ہوا کرتی تھیں ہر تاجر کے مکان میں آگے کو نکلی ہوئی کھڑکیاں ہوتی تھیں لارڈ بیکن نے یہ شکایت کی ہے کہ "ایک وقت میں تم لوگوں کے مکانوں میں شیشوں کی یہ کثرت ہو جائیگی کہ دھوپ اور گرمی سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آویگی" مگر روشنی و دھوپ سے بیش از بیش لطف حاصل کرنا اس زمانے کا خاص میلان تھا۔ دولت کی فراوانی سے طرز ماند و بود میں بھی اسراف پیدا ہو گیا تھا، خوبصورتی، رنگینی اور نمائش کے شوق نے انگریزوں کے لباس میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ ملکہ کی تین ہزار پوشاکوں کے مقابلہ میں اس کے درباری بھی اپنی چُنندہ لیس لگی ہوئی مخمل، سنجاف، اور جواہرات، ٹکی ہوئی جھالروں کے اظہار نمائش میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ اسراف کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ گویا ایک خزانہ اپنی پیٹھ پر لادے پھرتے تھے۔ نئی دنیا کے بدولت جو حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا تھا اس کے سامنے کفایت شعاری کا قدیم عاقلانہ خیال بالکل ہوا ہو گیا تھا۔ دل چلے لوگ ایک نشست میں خزانے کا خزانہ جوئے میں اڑا دیتے تھے اور پھر نئی دولت پیدا کرنے کے لئے ممالک امریکہ کو روانہ ہو جاتے تھے۔ موتی، جواہرات اور خام چاندی سے بھرے ہوئے جہازات کا تصور اور "ملک زریں" کا وہ خیالی سماں جہاں ہر شے سونے کی ہوتی تھی، ایک ادنیٰ سے ادنیٰ ملاح کے دل میں بھی اسراف

د فراوانی کا وہم پیدا کر دیا تھا۔ نئی دنیا کے عجائبات سے بھی قدیم دنیا میں ایک مبالغہ آمیز خیال پیدا ہو گیا تھا۔ ناچ، رنگ اور دعوتوں وغیرہ میں قدیم و جدید طور و طریقہ جس عجیب طرح سے خلط ملط ہو گیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کے خیالات میں کیسی نیرنگی پیدا ہو گئی تھی۔ لارڈ لیسٹر نے کنلورتھ میں جب ملکہ کی دعوت کی، تو وہاں اطالیہ کی تشابیہ زندگی جدت و لفاظی، ازمنۂ وسطی کی سپہگری، انگلستان کی پیچوں لڑائی، گلہ بانوں کی زندگی کی کیفیت توہم پرستی، نمائشی کھیل تماشے، سب ہی چیزیں اپنی اپنی جگہ پر موجود تھیں۔ جزائر امریکہ کا ایک وحشی ملکہ کی تعریف کے راگ گاتا ہے اور اُسی کی "آواز بازگشت" اُس کا جواب دیتی ہے پریوں اور دیووں کے سلام سے فارغ ہوکر الیزبتھ ایک آسیب زدہ عورت کو اس کے ستانے والے "بے رحم بھوت" سے چھڑانے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ گلہ بان عورتیں موسم بہار کے گیت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کر رہی ہیں سیریس اور بیکس اپنا غلہ اور انگور اس کے قدموں پر نچھاور کر رہی ہیں۔

انگریزی علم ادب کی تجدید لوگوں کے دلوں کا یہی ہیجان اور اسراف و عیش پرستی کا یہی بے راہہ رو خیال الیزبتھ کے زمانہ میں علوم انگریزی کی تجدید کا باعث ہوا، اور جگھوں کی طرح یہاں بھی نشأۃ جدیدہ کے شروع ہونے کے وقت ملکی علم ادب مردہ ہوچکا تھا۔

شاعری صرف اسکلٹن کی تک بندی رہ گئی تھی اور تاریخ نے فیبین اور ہال کے وقائع کی صورت اختیار کرلی تھی۔ مگر نشاۃ جدیدہ نے انگریزی کے علوم پر بہت کم اثر ڈالا۔ یونان و روما کے مصنفین کے کلام کے شیوع سے تمام دنیا کے خیال و انداز بیان پر نئی طرز کا ایک غیر معمولی اثر پڑ گیا اور اول اول یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریزی نظم و نثر کے تجدید کے خیال میں نئی رکاوٹ پیدا ہو جائیگی۔ تعلیمات جدیدہ کے سیاسی و مذہبی نتائج میں انگلستان نے اگرچہ یورپ کے ہر ایک ملک سے زیادہ حصہ لیا مگر اس کے علمی نتائج میں وہ باقی ملکوں خصوصاً اٹلی جرمنی اور فرانس سے پیچھے رہ گیا تھا۔ سولھویں صدی کے مستند علما میں انگلستان کے صرف ایک عالم مور کا شمار ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ اصلاح کے طوفان میں ادب القدما کی تعلیم دارالعلوموں میں تباہ ہو گئی تھی اور الیزبتھ کے عہد کے آخر تک اس کی تجدید نہیں ہوئی۔ لیکن "نشاۃ جدیدہ" کے اثرات نے بلا ارادہ انگلستان کی دماغی زمین کو آئندہ کی زر ریز کاشت کے لئے درست اور تیار کر دیا تھا۔ وائٹ اور سرے درباری شاعری کے مرکز تھے، یہ شاعری اگرچہ محض آورد و نقل تھی مگر اس سے انگریزی نظم میں ایک نئی جان پڑنے کی امید پیدا ہو گئی تھی۔ ابتدائی مدارس کی ترقی سے معلوم ہوتا تھا کہ سر ٹامس مور کے خواب کی تعبیر

پوری ہو جائیگی - ان مدارس کی وجہ سے طبقۂ متوسط میں دیہات کے ایک اسکوائر (متوسط الحال شخص) سے لیکر ایک سوداگر تک یونان و روما کے اعلیٰ مصنفین سے کچھ نہ کچھ آگاہ ہو گیا تھا۔ الیزبتھ کے زمانے میں سیاحت کا شوق خصوصیت سے بہت بڑھ گیا تھا اس سے بھی دولتمند امرا کے ذہن میں کچھ جودت پیدا ہو گئی تھی۔ شیکسپیر کے الفاظ سے اس زمانہ کا خیال ظاہر ہوتا ہے - وہ کہتا ہے کہ وہ گھر میں رہنے والے نوجوانوں کا مذاق بھی گھریلو ہو جاتا ہے'' بر اعظم کا سفر ہر ایک معزز شخص کے لئے تعلیم کا ایک جزو بنتا جاتا تھا - اس سفر میں لوگ زیادہ تر اطالیہ کو جاتے تھے - چنانچہ فیرفیکس کے ترجمہ تاسو اور ہیرنگٹن کے ترجمہ ارلی اوستو سے معلوم ہوتا ہے کہ اطالیہ کے علم ادب کا انگریزوں کے دل پر کیا اثر پڑ رہا تھا لیکن جب کثیر التعداد ترجموں کے ذریعہ یونان و روما کے مصنفین کے کلام عام طور پر شائع ہو گئے تو بالآخر انگلستان پر ان کا اثر محسوس ہونے لگا چیپمین کا ترجمہ ہومر سب ترجموں کا سرتاج ہے لیکن زمانۂ قدیم کے تمام بڑے بڑے شعرا اور مورخین کے کلام و تصانیف سولھویں صدی کے اختتام کے قبل ہی قبل انگریزی زبان میں لے لئے گئے تھے - یہ انگلستان کا امتیاز خاص ہے کہ تاریخی ادب ایک مدت مدید کی مردگی کے بعد سب

سے پہلے یہیں ازسرنو زندہ ہوا، لیکن جس عالم میں وہ فنا ہوا اور جس عالم میں وہ دوبارہ زندہ ہوا، اس کا فرق اسکی ہیئت ظاہری سے نمایاں ہے۔ ازمنۂ وسطیٰ کی تاریخ میں گزشتہ زمانے کا کچھ مذکور نہیں ہوتا تھا اور ہوتا بھی تھا تو محض برائے نام۔ صرف قدیمی روما کے غیر معروف زمانے کا کچھ ذکر ہو جاتا تھا اور بس۔ تاریخ نویس اور وقائع نگار گزشتہ زمانے کی داستان کو اپنے زمانے کے قصے کی تمہید بنا دیا کرتے تھے اور ان دونوں میں انہیں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن "شاہی جدید" کے تحت میں انگلستان جس مذہبی معاشرتی اور سیاسی تغیر سے گزر رہا تھا اس سے سلسلہ حالات میں فرق آگیا تھا، اور دونوں زمانوں کے فرق کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب الیزبتھ کے عہد میں تاریخ کی ازسرنو تجدید ہوئی تو ازمنۂ وسطیٰ کی طرح محض بیان واقعات کا نام تاریخ نہیں رہا بلکہ زمانۂ حال کے مانند تحقیق و ترتیب ہونے لگی۔ زمانۂ گزشتہ سے جو دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس زمانے کی تاریخی کتابیں جمع کی جانے اور انگریزی طرز پر انہیں دوبارہ طبع کیا جانے لگا۔ اسقف اعظم پارکر نے اس کام کی ابتدائی کوشش میں جو پیشقدمی کی وہ اس مقصد سے تھی کہ الیزبتھ کے عہد کے کلیسا کو زمانۂ گزشتہ کی بنیاد پر قائم کر دے مگر اس کے ساتھ ہی علم کا کچھ سچا جوش بھی اس میں شامل

تھا - لیلینڈ کے نقش قدم پر چلکر اس نے تاریخی مسودات جمع کئے اور انہیں خانقاہی کتب خانوں میں تباہ ہونے سے بچایا، اس سے ایک گروہ انداز قدامت کا نقل کرنے والا پیدا ہو گیا جس کی تلاش و محنت سے خانقاہوں کے بند ہونے کے پہلے کی وہ تمام تصنیفیں قریب قریب بچ گئیں جن میں کوئی نہ کوئی مستقل تاریخی اہمیت تھی اس نے انگلستان کے چند قدیم وقائع شائع کئے - اس سے اس قسم کی اشاعتوں کا سلسلہ قائم ہو گیا جس میں کیمڈن، ٹوئسڈن اور گیل کے نام شامل ہیں - مگر جس نئے طرز کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، اس طرز میں علم ادب کی شاخ کے طور پر انگریزی تاریخ شاعر ڈانیل کی تصنیف سے شروع ہوئی، اس سے قبل اسٹو اور اسپیڈ کے وقائع محض زمانہ گزشتہ کے واقعات ہیں، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جن "اخبار" کا وہ استعمال کرتے تھے تقریباً انہیں کو لفظ بلفظ نقل کر دیتے تھے اور ان میں کوئی طرز خاص یا ترتیب بالکل نہیں پائی جاتی - برخلاف ازیں ڈانیل کے بیانات اگرچہ غیر صحیح اور فضول ہیں مگر اس نے اپنے بیان میں ایک علمی انداز پیدا کر دیا ہے اور اسے ایک رواں اور شاندار نثر میں ترتیب دیا ہے الزبتھ کے آخر عہد میں دو بڑی تصنیفیں ہوئیں ایک تو نولس کی "تاریخ ترک" ہے، دوسرے رالے کی وسیع و ناتمام "تاریخ عالم" کا خاکہ ہے - ان تصانیف سے پایا جاتا ہے کہ تاریخی مذاق اب محض قومی حدود کے اندر

بند نہیں رہا تھا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ سفر اور شاعری و افسانے کی وجہ سے اس زمانہ کے انداز و مذاق پر اطالیہ کا اثر بڑھتا جا رہا تھا، اس سے انگلستان کے علم ادب کو بہت اعلیٰ نشو و نما حاصل ہوئی، کہا جاتا تھا کہ بوکاچیو کے قصوں پر لوگ کتاب مقدس کے قصوں سے زیادہ توجہ کرتے تھے۔ اطالیہ کے لباس، کلام، انداز و اطوار کی لوگ دیوانہ وار تقلید کرنے لگے لیکن یہ تقلید ہمیشہ عاقلانہ و شریفانہ نہیں ہوتی تھی۔ ایسکیم تو یہ سمجھتا تھا کہ گویا "سرسی نے اطالیہ سے نکلکر انگلستان کے لوگوں کے اخلاق و عادات پر سحر کر دیا ہے" خود اطالیہ میں یہ مثل رائج تھی کہ "اطالوی طرز کا انگریز شیطان کا ایک اوتار ہے" اس نقل کی علمی صورت کا قیام و ثبات نا ممکن معلوم ہوتا تھا جان للی ایک مشہور ڈراما نویس اور شاعر تھا، اس نے انگریزی انداز کو چھوڑ کر اطالوی نثر کا تنزل پذیر طرز اختیار کرلیا تھا۔ للی نے سب سے پہلے نثر میں یوفوئیس کا قصہ لکھا اور اسی سے اس انداز تحریر کا نام ہی یوفوئزم (طرز یوفوئیس) ہوگیا۔ شیکسپیر نے اس کے اظہار علم، اس کے تصنع، اس کے بے معنی طولانی فقروں اور اس کی خود نمائی اور بے معنی یکسانیت کا خوب ہی مضحکہ کیا ہے۔ شیکسپیر ہی کے واسطہ سے اس کا حال اس زمانے کے لوگوں کو معلوم ہوا ہے، اس کا نمونہ "لوز لیبر لاسٹ" (سعی محبت کی بربادی) کا آرمیڈو ہے" وہ تازہ

بہ تازہ الفاظ کا شیدائی اور بانکپن کا پتلا ہے، اس کا دماغ گویا ایک ٹکسال ہے جس میں سے فقرے ڈھلتے چلے آتے ہیں۔ وہ اپنی ہی زبان کے نغمۂ مسرت سے ہمیشہ سرمست رہتا ہے،، مگر یہ تمام مبالغے بھی خیال و زبان کے نئے سامان کے اس عام جوش مسرت سے پیدا ہوئے جسے علم ادب نے مہیا کر دیا تھا۔ اس تصنع، فقرہ بازی، اپنی ہی اچھی یا بری زبان کی الفت، فقروں کی نزاکت و شان سے ایک نئی مسرت کا احساس، جملوں کی بندش و ترتیب، غرضکہ لفاظی کے اس تمام عالم نے ایک ایسا حسن پیدا کر دیا تھا کہ اس سے ایک طرز خاص پیدا ہو گیا ایک وقت تک طرز یوفوئیں ہی سب طرزوں پر چھایا ہوا تھا اس طرز کے پیرؤں میں الیزبتھ سب سے بڑھ کر متصنع اور ناپسندیدہ خیال کی جاتی تھی چارلس اول کے زمانے کا ایک درباری لکھتا ہے کہ "اُس زمانے میں جو حسین عورت فقرہ بازی نہ کر سکتی ہو وہ ایسی ہی کم وقعتی کی نظر سے دیکھی جاتی تھی جیسے اس زمانے میں فرانسیسی نہ بولنے والی عورت سبک سمجھی جاتی ہے"۔ بہر حال اس انداز کا زمانہ گزر گیا، اور سر فلپ سڈنی کی کتاب "آرکیڈیا" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اثر کے تحت میں نثر نے کیسی حیرت انگیز ترقی کر لی تھی۔ سڈنی لارڈ لیسٹر کا بھتیجا اور اپنے وقت کا نمونۂ کمال تھا، شاید اس زمانے کے خصائص ایسے کامل اور ایسے خوبصورت طور پر کسی اور

سڈنی

یں نمایاں نہ ہوں گے جیسے سڈنی میں نمایاں تھے۔ وہ جیسا دلیر تھا ویسا ہی خوبصورت تھا۔ اس میں جیسی ذکاوت تھی ویسی ہی محبت بھی تھی۔ اس کا مزاج شریفانہ و فیاضانہ تھا، جس طرح وہ اسپنسر کو عزیز تھا ویسا ہی الیزبتھ بھی اسے دوست رکھتی تھی۔ وہ دربار اور لشکر دونوں کا محبوب تھا، اس کی علمیت و ذہانت نے اسے اس علمی دنیا کا مرکز بنادیا تھا جس کی نشو ونما کا آغاز انگلستان میں ہو رہا تھا۔ اس نے فرانس اور اطالیہ کا سفر کیا تھا، قدیم تعلیمات اور علم نجوم کی جدید تحقیقات کا وہ یکساں ماہر تھا برونو نے اپنی کتاب "مابعد الطبعیات" کے مباحث کو ایک دوست کے طور پر اسی کے نام معنون کیا تھا۔ وہ اسپین کے ڈراما، رونسارڈ کی نظموں اور اطالیہ کے نغموں کا ذوق آشنا تھا۔ اس میں ایک منچلے نائٹ کی سپہگری کے ساتھ ایک باوقار مشیر کی سی دانشمندی بھی موجود تھی۔ وہ کہتا ہے کہ "میں نے جب کبھی پرسی اور ڈگلس کی قدیم داستان سنی تو میرا دل ایسا جوش میں آگیا" کہ بگل کی آواز سے بھی یہ جوش نہیں پیدا ہوتا۔ اس نے فلینڈرز میں انگریزی فوج کے بچانے کے لئے اپنی جان نثار کر دی اور جبکہ وہ بخار میں مبتلا اور مرنے کے قریب تھا لوگ پانی کا ایک پیالہ اس کے لئے لائے۔ اس نے انہیں حکم دیا کہ وہ پانی اس سپاہی کو دیدیں جو اس کے قریب ہی زمین پر پڑا ہوا تھا

اس نے کہا کہ "تجھ کو مجھ سے زیادہ ضرورت ہے" سڈنی کی طبیعت کی ساری کیفیتیں اس کی سپہگری اس کا علم اسکی جدت پسندی اس کا مبالغہ کی طرف میلان، اس کی تازگی بیان، اس کی دل کی نرمی اور بچوں کی سی سادگی، اس کا تصنع اور جذبۂ باطل، مسرت و شادمانی کا گہرا ذوق، یہ تمام خصائص اس کی کتاب "آرکیڈیا" میں ابل بڑے ہیں۔ یہ کتاب ایک مخلوط مجموعہ ہے اور باوجود اپنی آورد و گرانی کے نہایت ہی پُرلطف ہے۔ کتاب ڈفنس آف پوئٹری (حمایت شاعری) میں اس نوجوان فسانہ نویس کے الفاظ کی شان و شکوہ میں ایک شاعر کی سی حقیقی قوت اور شاندار عظمت پیدا ہو گئی ہے مگر ہر حال میں سڈنی کے طرز کی لطافت، اس کی نغمہ نوازی، اور اس کی درخشائی بیان، بحال خود بر قرار رہتی ہے۔ انگریزی نثر میں روانی بیان و زور کلام کو اول اول الیزبتھ کے آخر زمانے کے اسی اطالوی انداز کے نقل کرنے والے گروہ سے تقویت و ترقی حاصل ہوئی۔ گرین اور نیش نے جن قصوں اور داستانوں سے بازار کو پاٹ دیا تھا انہیں سے انگریزی افسانے کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس کا نمونہ ان لوگوں کو اطالوی ناولوں ہی میں ملا تھا۔ ان چھوٹے چھوٹے ناولوں کی مختصر صورت کی دیکھا دیکھی بہت جلد چھوٹے چھوٹے رسالے نکلنے لگے اور جس تیزی سے یہ قصے بلکہ ناپاک ہجو و مذمت تک شائع ہو رہی تھی اور جس ذوق و شوق سے لوگ انہیں پڑھتے تھے ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والوں کی ایک نئی دنیا پیدا ہوگئی تھی۔ گرین کو اس پر ناز تھا کہ اپنے مرنے سے آٹھ برس قبل کے زمانے میں اس نے چالیس رسالے لکھے تھے۔ وہ ایک رسالہ ایک دن رات میں بھی لکھ سکتا تھا اور سات برس میں بھی لکھ سکتا تھا چھاپنے والے اس کے ان بیہودہ مذاقوں کے لئے زیادہ سے زیادہ قیمت دینے پر ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ آجکل کے لوگوں کو گرین اور اس کے رفیق کے تصنیفات میں مذاق سے زیادہ بیہودگی نظر آتی ہے مگر نیش نے پیورٹینوں اور اپنے حریفوں کے خلاف جس طرز پر حملے کئے وہ انگریزی تصانیف میں سب سے مقدم طرز ہے جس میں ایوفزم کے اظہار علم اور مبالغے سے کام نہیں لیا گیا تھا۔ عام پسند علم ادب کی ابتدا اسی کے آسان، روان اور زوردار بیان اور چبھتے ہوئے جملوں سے ہوئی، یہ طرز عبارت اب حجروں سے نکلکر سڑکوں پر شائع ہو رہا تھا اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عام لوگ اس کے قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ ملکہ کے عہد کے آخر آخر اہل مطابع اور کتب مطبوعہ کی جو کثرت ہو گئی تھی اس سے بالیقین یہ ثابت ہوتا ہے کہ پڑھنے والوں اور لکھنے والوں کا حلقہ جن کی ابتدا علماء اور اہل دربار سے ہوئی تھی اب صرف دربار تک محدود نہیں رہا تھا۔

یہ ذہنی ترقی جس عظیم الشان شاعرانہ جوش کے ظہور پذیر ہونے کا راستہ صاف کر رہی تھی اور پیورٹینی خیالات کے ترقی

سے ملک میں جو اخلاقی و مذہبی تغیر پیدا ہو رہا تھا اس کی بحث بعد کو ہوگی مگر عام قوم کے اندر جذبہ حریت پیدا کرنے میں روز افزوں دولت کے ساتھ ذہنی و مذہبی تحریکات بھی شامل ہو گئے تھے اس جذبہ کا سمجھنا الیزبتھ کے لئے مشکل تھا مگر اپنی حیرت انگیز دور رسی کی وجہ سے وہ اس کی طاقت کے سمجھنے سے قاصر نہیں تھی۔ بادشاہ و رعایا کے درمیان علانیہ مخالفت شروع ہونے سے بہت پہلے اس نے اپنی طبعی دور رسی سے گرد و پیش کے تغیرات کو سمجھ لیا تھا اور بالقصد یا بلا قصد اس نے اصول سلطنت میں ترمیمات کی ابتدا کر دی تھی۔ اختیارات شاہی نے رعایا کی جس جس آزادی کو غصب کر لیا تھا اس میں سے اس نے کسی کو بھی ترک نہیں کیا مگر اس نے ان میں کمی و نرمی کر دی۔ اپنے پیش روؤں کی طرح وہ بھی شخصی آزادی کے درپے رہی۔ مثل سابق اب بھی قوانین کی تاویلات کی جاتی تھیں، سیاسی مقدمات میں جیوریوں پر دباؤ ڈالا جاتا تھا اور مجلس شاہی اپنی مرضی سے لوگوں کو قید کر دینے کے اختیار پر اب بھی عمل کرتی تھی۔ کپڑے اور میٹھی شراب پر اس نے جو محصول عاید کیا اس سے اپنے خود مختارانہ اجرائے محصول کے حق کو ثابت کرنا مقصود تھا۔

البتہ ایک معاملہ میں الیزبتھ نے شاہان ٹیوڈر کے نظام حکومت کے طرز کو ترک کر دیا تھا۔ کراموِل کے وقت سے پارلیمنٹ کا اجلاس اجرائے انصاف اور قانون سازی کی اہم

ترین مجلس کی حیثیت سے تقریباً سال بہ سال ہوتا رہا تھا مگر الیزبتھ نے دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ کی قدیم روایت کے تازہ کرنے میں پھر وہی روش اختیار کی جس پر اڈورڈ چہارم ہنری ہفتم اور وولزی کار بند رہ چکے تھے۔ اس کی ایک پارلیمنٹ سے دوسری پارلیمنٹ تک میں تین برس سے کم کا وقفہ نہیں ہوتا تھا بلکہ کبھی کبھی پانچ برس کا زمانہ گزر جاتا تھا اور یہ بھی نہایت سخت ضرورت پر ہوا کرتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی شاہی اختیارات کے استعمال میں احتیاط و اعتدال سے کام لیا جاتا تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہی اختیارات کے پورے طرح پر استعمال کرنے میں کیسے مشکلات کا احساس پیدا ہو رہا تھا۔ معمولی حالتوں میں عدالت کے کام میں کسی قسم کا دخل نہیں دیا جاتا تھا۔ مجلس شاہی کا اختیار عدالتی تقریباً تمام تر پیروان مذہب کیتھولک ہی کے خلاف استعمال ہوتا تھا، اور اس اختیار کے قائم رہنے کی وجہ یہی قرار دی جاتی تھی کہ سخت خطرات کی پیشبندی کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ جو اعلانات شاہی جاری ہوتے تھے وہ عارضی نوعیت اور خفیف اہمیت کے ہوتے تھے۔ الیزبتھ سے اندرون ملک پر محصول نہ عاید کرنے کے عام اطمینان کے باعث مذکورۂ بالا دو محصولوں کے اجرا پر کسی نے خیال تک نہ کیا۔ نذروں اور جبری قرضوں سے سابق بادشاہوں کی رعایا کے دلوں پر ظلم و زیادتی کا براہ راست اثر پڑتا تھا۔ الیزبتھ نے

انہیں یک قلم ترک کردیا وہ "دستاویز شاہی" کے ذریعہ سے
قرض لیتی تھی - یہ قرض گویا خزانہ کی طرف سے ہوتا تھا اور
اشد ضرورت اور محاصل کی توقع کی بنا پر لیا جاتا تھا (جیساکہ
اس زمانے میں اکسچکربل (دستاویز خزانہ) کے ذریعہ سے ہوتا ہے)
اور ٹھیک وقت پر ادا کر دیا جاتا تھا - الیزبتھ نے اجاروں
کے ذریعہ سے تجارت میں کچھ رکاوٹ پیدا کر دی تھی جس
سے کسی قدر سخت شکایتیں پیدا ہوگئی تھیں مگر اس کے اوائل عہد میں
اجارے انجمنہائے سوداگری کے نظام کا جزو سمجھے جاتے تھے
اور ترقی پذیر تجارت کے انتظام و حفاظت کے لئے اسوقت
میں ان انجمنوں کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا تھا - الیزبتھ
اپنی حیثیت کی وجہ سے زمانہ امن میں تاج کے معمولی محاصل
سے عام اخراجات پورا کرلیتی تھی مگر اس کم خرچی میں کفایت
شعاری کا خیال اس قدر مد نظر نہیں تھا جس قدر کہ نئے
پارلیمنٹوں کے نہ طلب کرنے کا خیال مرکوز خاطر تھا، ملکہ نے
یہ دیکھ لیا تھا کہ ایوانہائے پارلیمنٹ کا انتظام جسے کرامول
اس قدر آسان سمجھا تھا یوماً فیوماً سخت ہوتا جاتا تھا - ایک
نئے طبقہ امرا کے پیدا ہو جانے سے دارالامرا میں نئی قوت
آگئی تھی کیونکہ یہ نئے امرا کلیسا کی لوٹ سے مالا مال اور
اپنے گرد و پیش کی سختیوں کے باعث سیاسی زندگی سے ماہر
ہوگئے تھے - دیہات کے شرفا کی ترقی دولت اور ان کی
دارالعوام میں داخل ہونے کی روز افزوں خواہش سے اس

دارالعوام میں تغیرات

زمانے میں ہر ایک حلقۂ انتخاب کی طرف سے اراکین کو اخراجات دینے کا قدیم طریقہ بند ہو گیا تھا۔ قصبات کی نیابت کی حالت میں بھی ایک مدت سے ترقی ہو رہی تھی مگر قانوناً اب پہلی مرتبہ اسے تسلیم کیا گیا تھا، اس سے بھی دارالعوام کی قوت و آزادی میں بہت ترقی ہو گئی تھی۔ قدیم احکام کی رو سے قصبات کے قائمقاموں کے لئے ضروری تھا کہ خود اہل قصبہ کی طرف سے منتخب ہوا کریں اور ہنری پنجم کے ایک قانون سے اس رواج کو قوت حاصل ہو گئی تھی مگر اس قانون کے نفاذ کی ضرورت خود یہ ظاہر کرتی ہے کہ بہ کثرت اس رواج کے خلاف عمل ہونے لگا تھا، اور الزبتھ کے وقت تک قصبات کی بہت زیادہ جگہیں بیرونی اشخاص سے پُر ہو چکی تھیں۔ یہ لوگ اکثر گرد و نواح کے بڑے بڑے امرا کے نامزد کردہ ہوتے تھے، مگر زیادہ تر صاحب دولت اور اعلیٰ خاندانوں کے افراد ہوتے تھے اور سیاسی اغراض سے پارلیمنٹ میں داخل ہوتے تھے۔ یہ لوگ اپنے قبل کے خاموش تاجروں کے بہ نسبت بادشاہ کے مقابلہ میں زیادہ دلیری و آزادی سے کام لیتے تھے۔ پس در حقیقت ہنری کے عہد کے ختم ہوتے ہوتے دارالعوام کا انداز بدل چکا تھا، اور اس لئے اڈورڈ و میری دونوں کو یہ کرنا پڑا کہ تاج کے اختیار خاص سے کام لیکر نئے تعداد قصبات معین کر دیں اور جدید حلقہ جات انتخاب سے ارکان طلب کریں۔ یہ حلقے محض چھوٹے چھوٹے قریے اور بالکل بادشاہ کے

اختیار میں ہوتے تھے۔ اڈورڈ و میری کے بعد بھی وہ پارلیمنٹ کی اس بھرتی،، کے جاری رکھنے کی ضرورت باقی تھی۔ الیزبتھ نے اس قسم کے باسٹھ ارکان پارلیمنٹ میں بلائے تھے اور اس کثرت تعداد ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کے لئے کام چلانے کے لائق کثرت رائے حاصل کرنے میں مشکلات بڑھتے جاتے تھے۔

الیزبتھ اور پارلیمنٹ

اگر الیزبتھ کا زمانہ امن کا زمانہ ہوتا تو اسے اپنی کفایت شعاری کی وجہ سے کبھی پارلیمنٹ کے بلانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی مگر اس کے عہد کے خطرات نے بار بار اسے روپیہ طلب کرنے کے لئے مجبور کیا اور ہر مرتبہ ایوانہائے پارلیمنٹ کا لہجہ بلند و بلند تر ہوتا گیا۔ آئینی طور پر کرامول کے طرزِ عمل کو یہ فوقیت حاصل تھی کہ عین اس زمانے میں کہ انگلستان کی آزادی خطرے میں پڑی ہوئی تھی اس نے خود اپنے خود مختارانہ حکومت کے اغراض پورے کرنے کے لئے رقم کی منظوری، نفاذِ قوانین، شکایت پر غور کرنے اور ان کے متعلق درخواست دینے کے لئے پارلیمنٹ کے قدیم روائتی حقوق کی متواتر مثالیں پیش کیں۔ اس کے بعد یہ حقوق تو بحال خود باقی رہ گئے مگر جس قوت نے ان حقوق کو اپنی مطلق العنانی کا ذریعہ بنا لیا تھا وہ سال بسال کمزور ہوتی گئی۔ نہ صرف یہ ہوا کہ کرامول ہی کی پارلیمنٹ کی طرح الیزبتھ کی پارلیمنٹ نے بھی اپنے اختیارات کو کامل طور پر استعمال کیا بلکہ سیاسی و مذہبی طاقتیں جنہیں وہ سختی کے

ساتھ روکنا چاہتی تھی اس پر برابر دباؤ ڈالتی رہیں اور بہت جلد انہوں نے نئے حقوق کا دعوی شروع کر دیا۔ باوجودیکہ پارلیمنٹ کا اجلاس بہت کم ہوتا تھا اور باوجودیکہ دھمکی، قید اور عیارانہ طریقوں سے کام لیا جاتا تھا پھر بھی پارلیمنٹ نے چپکے ہی چپکے ایسی قوت حاصل کر لی کہ اپنی تخت نشینی کے وقت ملکہ کو خواب میں بھی نظر نہ آیا ہوگا کہ پارلیمنٹ بھی ایسی قوت رکھتی ہے۔ رفتہ رفتہ دارالعوام نے یہ حق حاصل کر لیا کہ اس کے ارکان اس کی اجازت کے بغیر گرفتار نہیں کئے جا سکتے۔ نیز یہ کہ دارالعوام کے اندر ارکان سے جو جرم سرزد ہو اس کی سزا دینے اور ارکان کو ایوان سے خارج کرنے اور انتخابات کے متعلق تمام معاملات کے طے کرنے کا حق خود پارلیمنٹ ہی کو حاصل ہوگا۔ آزادی تقریر کا مطالبہ نسبتاً اہم تھا اس بحث کے دوران میں متواتر چھوٹے چھوٹے ایسے مناقشے پیش آئے جس سے الیزبتھ کی مطلق العنانی کی دلی خواہش ظاہر ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس مطلق العنانی کے مقابل قوت کو بھی وہ محسوس کرتی ہے۔ ڈارنلے کے عقد کے نہایت ہی نازک موقع پر مسئلہ جانشینی پر بحث کرنے کے متعلق شاہی ممانعت صادر ہوگئی تھی مگر مسٹر ڈالنٹن نے اسکی کچھ پروا نہ کی اور ملکہ اسکاٹلینڈ کے حق جانشینی کو علی الاعلان باطل قرار دیا۔ الیزبتھ نے فی الفور اس کی گرفتاری کا حکم دیا مگر دارالعوام نے اپنی آزادی کو کام میں لانے کی درخواست کی اور ملکہ نے اسے

چھوڑ دیا۔ مسٹر اسٹرکلینڈ نے کتاب "عبادت عامہ" کی ترمیم
کے لئے ایک مسودہ پیش کیا تھا، اس کے نسبت بھی الیزبتھ
نے یہ حکم دیا کہ وہ دارالعوام میں نہ آئے مگر جب اس نے
دیکھا کہ دارالعوام اس کے واپس بلانے پر تلا ہوا ہے تو اس نے
معاً اپنا حکم واپس لے لیا۔ دوسری طرف دارالعوام میں ابھی تک
یہ جھجک باقی تھی کہ الیزبتھ کے نگرانی تقریر کے دعوے کا
وہ مسلسل مقابلہ کرسکتا ہے یا نہیں۔ پیٹرونٹورتھ نے جب اس
پر دلیرانہ اعتراض کیا تو خود دارالعوام نے اسے ٹاور میں بھیجدیا۔ ۱۵۷۵
بعد کی ایک پارلیمنٹ میں اس نے اس سے بھی زیادہ ایک دلیرانہ
سوال یہ پیش کیا کہ "آیا اس مجلس کا ہر ایک رکن بے روک
ٹوک آزادی کے ساتھ مسودہ قانون کی صورت میں یا تقریر کے
ذریعہ سے دولت عامہ کی کسی شکایت پر بحث کرسکتا ہے یا
نہیں" اس کا نتیجہ یہ ہوا مجلس شاہی نے اسے دوبارہ قید
کر دیا، پارلیمنٹ کے دوران قیام تک وہ قید ہی میں رہا اور پارلیمنٹ
نے اس معاملہ میں دخل دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن دارالعوام ۱۵۸۷
کو اگرچہ فرداً فرداً مقررین کے استحقاق کے دعوی میں کسی قدر تذبذب تھا
مگر وہ ان وسیع تر اختیارات کے دعوے پر استقلال کے ساتھ
جما ہوا تھا جو کراموں کی طرز عمل سے اسے حاصل ہوگئے تھے۔
دور ٹیوڈر کے ارباب حکومت تین اہم امور یعنی، تجارت، مذہب،
اور سلطنت کے معاملات کو اصولاً بالکل بادشاہ کے حد اختیار میں
سمجھتے تھے۔ لیکن عملاً اس قسم کے معاملات برابر پارلیمنٹ میں

دارالعوام کے دعاوی

ساتھ روکنا چاہتی تھی اس پر برابر دباؤ ڈالتی رہیں اور بہت جلد انہوں نے نئے حقوق کا دعوی شروع کر دیا۔ باوجودیکہ پارلیمنٹ کا اجلاس بہت کم ہوتا تھا اور باوجودیکہ دھمکی، قید اور عیارانہ طریقوں سے کام لیا جاتا تھا پھر بھی پارلیمنٹ نے چپکے ہی چپکے ایسی قوت حاصل کرلی کہ اپنی تخت نشینی کے وقت ملکہ کو خواب میں بھی نظر نہ آیا ہوگا کہ پارلیمنٹ بھی ایسی قوت رکھتی ہے۔ رفتہ رفتہ دارالعوام نے یہ حق حاصل کر لیا کہ اس کے ارکان اس کی اجازت کے بغیر گرفتار نہیں کئے جاسکتے۔ نیز یہ کہ دارالعوام کے اندر ارکان سے جو جرم سرزد ہو اس کی سزا دینے اور ارکان کو ایوان سے خارج کرنے اور انتخابات کے متعلق تمام معاملات کے طے کرنے کا حق خود پارلیمنٹ ہی کو حاصل ہوگا۔ آزادی تقریر کا مطالبہ نسبتاً اہم تھا اس بحث کے دوران میں متواتر چھوٹے چھوٹے ایسے مناقشے پیش آئے جس سے الیزبتھ کی مطلق العنانی کی دلی خواہش ظاہر ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس مطلق العنانی کے مقابل قوت کو بھی وہ محسوس کرتی ہے۔ ڈارنلے کے عقد کے نہایت ہی
نازک موقع پر مسئلہ جانشینی پر بحث کرنے کے متعلق شاہی ۶۶
ممانعت صادر ہوگئی تھی مگر مسٹر ڈالٹن نے اسکی کچھ پروا نہ کی اور ملکہ اسکاٹلینڈ کے حق جانشینی کو علی الاعلان باطل قرار دیا۔ الیزبتھ نے فی الفور اس کی گرفتاری کا حکم دیا مگر دارالعوام نے اپنی آزادی کو کام میں لانے کی درخواست کی اور ملکہ نے اسے

چھوڑ دیا۔ مسٹر اسٹرکلینڈ نے کتاب "عبادت عامہ" کی ترمیم
کے لئے ایک مسودہ پیش کیا تھا، اس کے نسبت بھی الیزبتھ
نے یہ حکم دیا کہ وہ دارالعوام میں نہ آئے مگر جب اس نے
دیکھا کہ دارالعوام اس کے واپس بلانے پر تلا ہوا ہے تو اس نے
معاً اپنا حکم واپس لے لیا۔ دوسری طرف دارالعوام میں ابھی تک
یہ جھجک باقی تھی کہ الیزبتھ کے نگرانی تقریر کے دعوے کا
وہ مسلسل مقابلہ کرسکتا ہے یا نہیں۔ پیٹر ونٹورتھ نے جب اس
پر دلیرانہ اعتراض کیا تو خود دارالعوام نے اسے ٹاور میں بھیجدیا۔ ۱۵۷۵
بعد کی ایک پارلیمنٹ میں اس نے اس سے بھی زیادہ ایک دلیرانہ
سوال یہ پیش کیا کہ "آیا اس مجلس کا ہر ایک رکن بے روک
ٹوک آزادی کے ساتھ مسودہ قانون کی صورت میں یا تقریر کے
ذریعہ سے دولت عامہ کی کسی شکایت پر بحث کرسکتا ہے یا
نہیں" اس کا نتیجہ یہ ہوا مجلس شاہی نے اسے دوبارہ قید
کر دیا، پارلیمنٹ کے دوران قیام تک وہ قید ہی میں رہا اور پارلیمنٹ
نے اس معاملہ میں دخل دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن دارالعوام ۱۵۸۷
کو اگرچہ فرداً فرداً مقررین کے استحقاق کے دعوی میں کسی قدر تذبذب تھا
مگر وہ ان وسیع تر اختیارات کے دعوے پر استقلال کے ساتھ
جما ہوا تھا جو کراموں کی طرز عمل سے اسے حاصل ہوگئے تھے۔
دور ٹیوڈر کے ارباب حکومت تین اہم امور یعنی، تجارت، مذہب،
اور سلطنت کے معاملات کو اصولاً بالکل بادشاہ کے حد اختیار میں
سمجھتے تھے۔ لیکن عملاً اس قسم کے معاملات برابر پارلیمنٹ میں

دارالعوام کے دعاوی

ساتھ روکنا چاہتی تھی اس پر برابر دباؤ ڈالتی رہیں اور بہت جلد انہوں نے نئے حقوق کا دعوی شروع کر دیا۔ باوجودیکہ پارلیمنٹ کا اجلاس بہت کم ہوتا تھا اور باوجودیکہ دھمکی، قید اور عیارانہ طریقوں سے کام لیا جاتا تھا پھر بھی پارلیمنٹ نے چپکے ہی چپکے ایسی قوت حاصل کرلی کہ اپنی تخت نشینی کے وقت ملکہ کو خواب میں بھی نظر نہ آیا ہوگا کہ پارلیمنٹ بھی ایسی قوت رکھتی ہے۔ رفتہ رفتہ دارالعوام نے یہ حق حاصل کر لیا کہ اس کے ارکان اس کی اجازت کے بغیر گرفتار نہیں کئے جاسکتے۔ نیز یہ کہ دارالعوام کے اندر ارکان سے جو جرم سرزد ہو اس کی سزا دینے اور ارکان کو ایوان سے خارج کرنے اور انتخابات کے متعلق تمام معاملات کے طے کرنے کا حق خود پارلیمنٹ ہی کو حاصل ہوگا۔ آزادی تقریر کا مطالبہ نسبتاً اہم تھا اس بحث کے دوران میں متواتر چھوٹے چھوٹے ایسے مناقشے پیش آئے جس سے الیزبتھ کی مطلق العنانی کی دلی خواہش ظاہر ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس مطلق العنانی کے مقابل قوت کو بھی وہ محسوس کرتی ہے۔ ڈارنلے کے عقد کے نہایت ہی
نازک موقع پر مسئلہ جانشینی پر بحث کرنے کے متعلق منا ہی ۱۵۶۶
ممانعت صادر ہوگئی تھی مگر مسٹر ڈالٹن نے اسکی کچھ پروا نہ کی اور ملکہ اسکاٹلینڈ کے حق جانشینی کو علی الاعلان باطل قرار دیا۔ الیزبتھ نے فی الفور اس کی گرفتاری کا حکم دیا مگر دارالعوام نے اپنی آزادی کو کام میں لانے کی درخواست کی اور ملکہ نے اسے

چھوڑ دیا۔ مسٹر اسٹر کلینڈ نے کتاب "عبادت عامہ" کی ترمیم کے لئے ایک مسودہ پیش کیا تھا، اس کے نسبت بھی الیزبتھ نے یہ حکم دیا کہ وہ دارالعوام میں نہ آئے مگر جب اس نے دیکھا کہ دارالعوام اس کے واپس بلانے پر تلا ہوا ہے تو اس نے معاً اپنا حکم واپس لے لیا۔ دوسری طرف دارالعوام میں ابھی تک یہ جھجک باقی تھی کہ الیزبتھ کے نگرانی تقریر کے دعوے کا وہ مسلسل مقابلہ کرسکتا ہے یا نہیں۔ پیٹر ونتورتھ نے جب اس
۱۵۷۵ پر دلیرانہ اعتراض کیا تو خود دارالعوام نے اسے ٹاور میں بھیجدیا۔ بعد کی ایک پارلیمنٹ میں اس نے اس سے بھی زیادہ ایک دلیرانہ سوال یہ پیش کیا کہ "آیا اس مجلس کا ہر ایک رکن بے روک ٹوک آزادی کے ساتھ مسودہ قانون کی صورت میں یا تقریر کے ذریعہ سے دولت عامہ کی کسی شکایت پر بحث کرسکتا ہے یا نہیں"؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا مجلس شاہی نے اسے دوبارہ قید کر دیا، پارلیمنٹ کے دوران قیام تک وہ قید ہی میں رہا اور پارلیمنٹ
۱۵۸۸ نے اس معاملہ میں دخل دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن دارالعوام کو اگرچہ فرداً فرداً مقررین کے استحقاق کے دعوی میں کسی قدر تذبذب تھا مگر وہ ان وسیع تر اختیارات کے دعوے پر استقلال کے ساتھ جما ہوا تھا جو کراموں کی طرز عمل سے اسے حاصل ہو گئے تھے۔
دور ٹیوڈر کے ارباب حکومت تین اہم امور یعنی، تجارت، مذہب، اور سلطنت کے معاملات کو اصولاً بالکل بادشاہ کے حد اختیار میں سمجھتے تھے۔ لیکن عملاً اس قسم کے معاملات برابر پارلیمنٹ میں

دارالعوام کے دعاوی

زیر بحث آتے رہتے تھے، ملک کا تمام مذہبی نظم و نسق خود الیزبتھ
کا استحقاق حکومت، سب پارلیمنٹ ہی کے قوانین پر مبنی تھا،
اس کے ابتدائی عہد میں جب پارلیمنٹ نے کسی جانشین کے
اعلان کرنے اور ملکہ کے عقد کر لینے کے لئے درخواست دی
تو الیزبتھ نے پارلیمنٹ کو جھڑکی بتائی اور جواب سے پہلو تہی
کرتی رہی مگر ان "معاملات سلطنت" میں دارالعوام کے دخل
دہی کے حق سے انکار کرنا غیر ممکن تھا۔ جانشینی کا مسئلہ اس
قدر اہم ہو گیا تھا کہ اس کا صرف الیزبتھ کی مجلس کے کمرے میں ۵۹
بند رہنا ممکن نہ تھا۔ ۱۵۶۶ء کی پارلیمنٹ نے اس مطالبہ کو زیادہ
تحکمانہ طریقہ پر دوبارہ پیش کیا۔ وہ اس درخواست کے حقیقی خطرے
کو سمجھتی تھی اور یہ احساس اس کے طبعی مطلق العنانی سے
ملکہ ایک غضبناک جوش پیدا کر دینے کا باعث ہوا، عقد
کر لینے کا تو اس نے اقرار کر لیا مگر جانشینی کے مسئلہ
پر بحث کرنے کی اس نے قطعی ممانعت کر دی ونٹورتھ
نے فوراً ہی دارالعوام میں کھڑے ہو کر کہا کہ "آیا اس قسم
کی ممانعت پارلیمنٹ کی آزادی کے خلاف ہے یا نہیں"۔
اس سوال پر مباحثہ کا ہنگامہ گرم ہو گیا۔ ملکہ کا ایک
تازہ تحکمانہ پیغام یہ آیا کہ زیادہ بحث نہ کی جائے مگر اس
حکم کا جواب یہ دیا گیا کہ اس معاملہ پر غور کرنے کی
اجازت طلب کی گئی۔ الیزبتھ کی دور اندیشی نے اسے
سمجھا دیا کہ اب قدم پیچھے ہٹانے کی ضرورت ہے اس نے

اعتراضاً یہ کہا کہ "وہ نہیں جو آزادی حاصل ہو چکی ہے اس پر وہ ذرا بھی اثر ڈالنا نہیں چاہتی" اور بحث نہ کرنے کے متعلق "حکم" کے بجائے "درخواست" کا لفظ استعمال کرکے اس نے دارالعوام کو نرم کر دیا۔ اس شاندار رعایت نے ارکان دارالعوام کو مطیع کر دیا اور انہوں نے نہایت مسرت اور دلی دعاؤں اور شکریہ کے ساتھ اس پیغام کو قبول کیا۔ مگر اس سے اس فتح کی اصلیت میں فرق نہیں آیا "شاہی جدید" کے شروع ہونے کے وقت سے بادشاہ اور دارالعوام کے درمیان کبھی اس قسم کی کشمکش نہیں ہوئی تھی اور اس کشمکش کا خاتمہ معناً شاہی شکست پر ہوا۔ یہ فتح ایک دوسرے دعوی کی تمہید تھی جو الیزبتھ کو اسی قدر ناگوار تھا، کلیسا کا نظم و نسق اگرچہ فی الحقیقت پارلیمنٹ کے قوانین پر مبنی تھا مگر تمام شاہانِ ٹیوڈر کی طرح الیزبتھ کو بھی اصولاً یہ دعویٰ تھا کہ اس کا مذہبی تفوق ایک خالص شخصی طاقت ہے، اور اس کے طریق عمل میں پارلیمنٹ کیا مجلس شاہی تک کو کوئی دخل نہیں ہے لیکن ٹسٹ ایکٹ (قانون اختبار مذہبی) کے ذریعہ سے کیتھولک مقررین کا اخراج اور طبقہ زمینداران میں بہ ہیئت مجموعی اصول پیورٹین کی ترقی کے باعث دارالعوام اور مجلس شاہی کا انداز یوماً فیوماً پروٹسٹنٹ کا سا ہوتا جاتا تھا، سب جانتے تھے کہ جس "تفوق مذہبی" کو اس شدومد سے پارلیمنٹ کی مداخلت سے بچایا جاتا تھا خود وہ تفوق پارلیمنٹ ہی کے ایک قانون سے بادشاہ

زیر بحث آتے رہتے تھے، ملک کا تمام مذہبی نظم و نسق خود الیزبتھ کا استحقاق حکومت، سب پارلیمنٹ ہی کے قوانین پر مبنی تھا، اس کے ابتدائی عہد میں جب پارلیمنٹ نے کسی جانشین کے اعلان کرنے اور ملکہ کے عقد کر لینے کے لئے درخواست دی تو الیزبتھ نے پارلیمنٹ کو جھڑکی بتائی اور جواب سے پہلو تہی کرتی رہی مگر ان "معاملات سلطنت" میں دارالعوام کے دخل دہی کے حق سے انکار کرنا غیر ممکن تھا۔ جانشینی کا مسئلہ اس قدر اہم ہو گیا تھا کہ اس کا صرف الیزبتھ کی مجلس کے کمرے میں ۸۹
بند رہنا ممکن نہ تھا۔ ۱۵۶۶ء کی پارلیمنٹ نے اس مطالبہ کو زیادہ تحکمانہ طریقہ پر دوبارہ پیش کیا۔ وہ اس درخواست کے حقیقی خطرے کو سمجھتی تھی اور یہ احساس اس کے طبعی مطلق العنانی سے مل کر ایک غضبناک جوش پیدا کر دینے کا باعث ہوا، عقد کر لینے کا تو اس نے اقرار کر لیا مگر جانشینی کے مسئلہ پر بحث کرنے کی اس نے قطعی ممانعت کر دی ونٹورتھ نے فوراً ہی دارالعوام میں کھڑے ہو کر کہا کہ "آیا اس قسم کی ممانعت پارلیمنٹ کی آزادی کے خلاف ہے یا نہیں"۔ اس سوال پر مباحثہ کا ہنگامہ گرم ہو گیا۔ ملکہ کا ایک تازہ تحکمانہ پیغام یہ آیا کہ زیادہ بحث نہ کی جائے مگر اس حکم کا جواب یہ دیا گیا کہ اس معاملہ پر غور کرنے کی اجازت طلب کی گئی۔ الیزبتھ کی دور اندیشی نے اسے سمجھا دیا کہ اب قدم پیچھے ہٹانے کی ضرورت ہے اس نے

حتراضاً یہ کہا کہ "انہیں جو آزادی حاصل ہو چکی ہے اس پر وہ ذرا بھی اثر ڈالنا نہیں چاہتی" اور بحث نہ کرنے کے متعلق "حکم" کے بجائے "درخواست" کا لفظ استعمال کرکے اس نے دارالعوام کو نرم کر دیا۔ اس شاندار رعایت نے ارکان دارالعوام کو مطیع کر دیا اور انہوں نے نہایت مسرت اور دلی دعاؤں اور شکریہ کے ساتھ اس پیغام کو قبول کیا۔ مگر اس سے اس فتح کی اصلیت میں فرق نہیں آیا "شاہی جدید" کے شروع ہونے کے وقت سے بادشاہ اور دارالعوام کے درمیان کبھی اس قسم کی کشمکش نہیں ہوئی تھی اور اس کشمکش کا خاتمہ معناً شاہی شکست پر ہوا۔ یہ فتح ایک دوسرے دعوی کی تمہید تھی جو الیزبتھ کو اسی قدر ناگوار تھا، کلیسا کا نظم و نسق اگرچہ فی الحقیقت پارلیمنٹ کے قوانین پر مبنی تھا مگر تمام شاہان ٹیوڈر کی طرح الیزبتھ کو بھی اصولاً یہ دعوی تھا کہ اس کا مذہبی تفوق ایک خالص شخصی طاقت ہے، اور اس کے طریق عمل میں پارلیمنٹ کیا مجلس شاہی تک کو کوئی دخل نہیں ہے لیکن ٹسٹ ایکٹ (قانون اختیار مذہبی) کے ذریعہ سے کیتھولک مقررین کا اخراج اور طبقہ زمینداران میں بہ ہیئت مجموعی اصول پیورٹین کی ترقی کے باعث دارالعوام اور مجلس شاہی کا انداز یوماً فیوماً پروٹسٹنٹ کا سا ہوتا جاتا تھا، سب جانتے تھے کہ جس "تفوق مذہبی" کو اس شدومد سے پارلیمنٹ کی مداخلت سے بچایا جاتا تھا خود وہ تفوق پارلیمنٹ ہی کے ایک قانون سے بادشاہ

کو حاصل ہوا تھا۔ لیکن اس موقع پر ملکہ کو غلبہ حاصل تھا کیونکہ وہ اپنی رعایا کے دونوں فریق کی مذہبی قائمقام تھی اور دارالعوام صرف ایک فریق کا قائمقام تھا۔ ۵۷۱
اس نے اپنے اس موقع سے دلیرانہ فائدہ اٹھایا۔ زیادہ آگے بڑھے ہوئے پروٹسٹنٹوں نے "کتاب عبادت عامہ" کی اصلاح کا ایک مسودہ پیش کیا تھا، اس نے عملاً اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور روک رکھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس فریق کا سب سے زیادہ صاف گو شخص ونٹورتھ، ٹاور میں بھیجدیا گیا تھا اور بعد کی ایک پارلیمنٹ میں اسپیکر (صدر پارلیمنٹ) کو صاف ممانعت کردی گئی کہ کلیسا کی اصلاح اور دولت عامہ کے تغیر کے لئے کوئی مسودہ قانون قبول نہ کرے۔ لیکن ان رکاوٹوں کے
۳۲ باوجود اصلاح کی کوشش جاری رہی اور اگرچہ کلیسا کے متعلق مسودات کو ملکہ نا منظور کرتی رہی اور دارالامرا نہیں خارج کرتا رہا مگر اس قسم کے مسودات ہر پارلیمنٹ میں پیش ہی ہوتے رہے۔ معاملات تجارت کے متعلق اختیارات شاہی پر حملہ کرنے کے لئے خوش قسمتی سے دارالعوام کو ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا "پروانگی" اور "اجارون" کی وجہ سے اندرونی و بیرونی تجارتوں میں دقتیں پیدا ہو رہی تھیں، ان کے متعلق جب شکائتیں ہوئیں تو اولاً وہ شاہی حکم سے روک دی گئیں، کیونکہ اس حکم کے

بموجب یہ مسائل نہ تو دارالعوام کے حدود بحث میں داخل تھے اور نہ ان کی سمجھ میں آسکتے تھے - جب بیس برس بعد اس معاملہ میں پھر حرکت پیدا ہوئی تو خزانہ کے "ناجائز وصولی رقم کی شکایت پر" ایک بڑے شخص نے سر اڈورڈ ہابی کو سختی کے ساتھ ڈانٹ بتائی مگر اس جھڑکی کے باوجود اس کا پیش کیا ہوا مسودہ دارالامرا میں بھیجدیا گیا اور الیزبتھ کے عہد کے ختم ہوتے ہوتے ان شکایتوں کی ترقی سے عام لوگوں میں جو غصہ پیدا ہو گیا تھا اس نے دارالعوام میں یہ قوت پیدا کر دی کہ وہ اس معاملہ میں قطعی کارروائی اختیار کرے - اجاروں کی منسوخی کے قانون کے متعلق وزرا کی مخالفت کچھ سود مند ثابت نہ ہوئی اور چار روز کے سخت مباحثہ کے بعد الیزبتھ کی معاملہ فہمی نے اسے سمجھا دیا کہ اب دب جانا ہی بہتر ہے - اس نے حسب معمول اپنی قابلیت سے کام لیا - اس خرابی کے واقع ہونے سے سے اب تک اپنی لاعلمی ظاہر کی اور دارالعوام کی مداخلت کے لئے ان کا شکریہ ادا کیا - اور جس قدر اجارے اس نے دیئے تھے سب کو ایک ضرب میں پاش پاش کر دیا -

کو حاصل ہوا تھا۔ لیکن اس موقع پر ملکہ کو غلبہ حاصل
تھا کیونکہ وہ اپنی رعایا کے دونوں فریق کی مذہبی قائمقام
تھی اور دارالعوام صرف ایک فریق کا قائمقام تھا۔ ۵۷۱
اس نے اپنے اس موقع سے دلیرانہ فائدہ اٹھایا۔
زیادہ آگے بڑھے ہوئے پروٹسٹنٹوں نے "کتاب عبادت
عامہ" کی اصلاح کا ایک مسودہ پیش کیا تھا، اس
نے حکماً اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور روک رکھا۔
ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس فریق کا سب سے زیادہ صاف
گو شخص ونٹورتھ، ٹاور میں بھیجدیا گیا تھا اور بعد کی ایک
پارلیمنٹ میں اسپیکر (صدر پارلیمنٹ) کو صاف ممانعت کردی
گئی کہ کلیسا کی اصلاح اور دولت عامہ کے تغیر کے لئے
کوئی مسودہ قانون قبول نہ کرے۔ لیکن ان رکاوٹوں کے
۳ باوجود اصلاح کی کوشش جاری رہی اور اگرچہ کلیسا کے
متعلق مسودات کو ملکہ نا منظور کرتی رہی اور دارالامرا نہیں
خارج کرتا رہا مگر اس قسم کے مسودات ہر پارلیمنٹ میں
پیش ہی ہوتے رہے۔ معاملات تجارت کے متعلق اختیارات
شاہی پر حملہ کرنے کے لئے خوش قسمتی سے دارالعوام کو
ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا "پروانگی" اور "اجاروں"
کی وجہ سے اندرونی و بیرونی تجارتوں میں دقتیں پیدا
ہو رہی تھیں، ان کے متعلق جب شکائتیں ہوئیں تو اولاً
وہ شاہی حکم سے روک دی گئیں کیونکہ اس حکم کے

بموجب یہ مسائل نہ تو دارالعوام کے حدود بحث میں داخل تھے اور نہ ان کی سمجھ میں آ سکتے تھے۔ جب بیس برس بعد اس معاملہ میں پھر حرکت پیدا ہوئی تو خزانہ کے "ناجائز وصولی رقم کی شکایت پر" ایک بڑے شخص نے سر اڈورڈ ہابی کو سختی کے ساتھ ڈانٹ بتائی مگر اس جھڑکی کے باوجود اس کا پیش کیا ہوا مسودہ دارالامرا میں بھیجدیا گیا اور الیزبتھ کے عہد کے ختم ہوتے ہوتے ان شکایتوں کی ترقی سے عام لوگوں میں جو غصہ پیدا ہو گیا تھا اس نے دارالعوام میں یہ قوت پیدا کر دی کہ وہ اس معاملہ میں قطعی کارروائی اختیار کرے۔ اجاروں کی منسوخی کے قانون کے متعلق وزرا کی مخالفت کچھ سودمند ثابت نہ ہوئی اور چار روز کے سخت مباحثہ کے بعد الیزبتھ کی معاملہ فہمی نے اسے سمجھا دیا کہ اب دب جانا ہی بہتر ہے۔ اس نے حسب معمول اپنی قابلیت سے کام لیا۔ اس خرابی کے واقع ہونے سے اب تک اپنی لاعلمی ظاہر کی اور دارالعوام کی مداخلت کے لئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اور جس قدر اجارے اس نے دیئے تھے سب کو ایک ضرب میں پاش پاش کر دیا۔

جزو ششم

آرمیڈا

۱۵۷۲-۱۵۸۸

[اسناد۔ پیروان مذہب کیتھولک کی عام تاریخ ڈاڈ کی تصنیف میں دی گئی ہے۔ فادر مارس کی شائع کردہ کتاب۔ ہمارے کیتھولک آبا و اجداد کے مشکلات (The Troubles of our Catholic Forefathers) بھی دیکھنا چاہیئے اور فرقہ جزوئٹ کے لئے مور کی کتاب تاریخ انجمنہائے جزوئیٹ (Historia Provinciae Anglieanae Societatic Jesu) بھی دیکھنا چاہیئے۔ ان کتابوں کے ساتھ مسٹر سمسن کی سوانح عمری کیمپین کا بھی اضافہ کرنا چاہیئے]۔

دولت اور معاشرتی قوت کی جس حیرت انگیز ترقی کا ہم ج اوپر ذکر کر چکے ہیں اس کے ساتھ ہی ساتھ قوم کے مذہبی اص طور و طریق میں بھی نمایاں فرق پیدا ہوگیا تھا۔ ملکہ کی تخت نشینی کے وقت رعایائے ملک میں سے تین چوتھائی حصے کا مذہب کیتھولک تھا مگر یہ قدیمی طریق مذہب خاموشی کے ساتھ مٹتا گیا اور ویسی ہی خاموشی کے ساتھ بالکل بے عزم و ارادہ پروٹسٹنٹ طریق رائج ہوتا گیا۔ اسکے عہد کے اختتام پر ملک کے جن حصوں میں قدیم عقیدہ اپنی شا

قوت کے ساتھ قائم تھا وہ صرف شمال مغرب کے حصے تھے یہ حصے اس زمانے میں سلطنت بھر میں سب سے زیادہ مفلس اور سب سے زیادہ کم آباد تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس تغیر کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ کیتھولک پادری جس قدر مرتے جاتے تھے ان کی جگہوں پر پروٹسٹنٹ مقرر ہوتے جاتے تھے۔ دیہات کے پرانے پادریوں نے اگرچہ عبادت و عقائد کی ان مختلف تبدیلیوں کو قبول کرلیا تھا جو "اصلاح" نے عائد کی تھیں مگر دل میں وہ اس کے خلاف ہی تھے۔ میری نے جو اڈورڈ کے تغیرات کو پلٹ دیا تھا اس لئے انہیں امید تھی کہ کوئی کیتھولک جانشیں الیزبتھ کے تغیرات کو بھی پلٹ دے گا۔ اس اثنا میں وہ چھوٹے چغے کے بجائے نیچے نیچے سفید چغے اور قدیم کتاب کے بجائے جدید کتاب کے استعمال کرنے پر بھی قانع ہو گئے تھے۔ لیکن اگرچہ وہ منبر پر کتب مواعظ کے پڑھنے پر مجبور تھے مگر ان کی تعلیم کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ انکے لئے یہ آسان تھا کہ نئی طرز عبادت پر وہ ایسی حقارت کا اظہار کریں کہ قدیم طرز کی عبادت کرنے والے اسے دو زمانہ کرسمس (میلاد مسیح) کا کھیل سمجھ لیں مگر بیس برس کے زمانے میں یکے بعد دیگرے ان پادریوں کی جگہیں خالی ہوتی گئیں۔ ۱۵۷۹ء میں ملکہ نے اپنے میں اتنی قوت دیکھی کہ وہ پہلی بار یونیفارمٹی ایکٹ (قانون اتفاق) کے عام نفاذ کا حکم دے سکے۔ پارکر اور دوسرے اساقفہ بہت سختی سے اس کی نگرانی کرتے تھے اور اس سے

جزو ششم

آرمیڈا

۱۵۷۲-۱۵۸۸

[اسناد- پیروان مذہب کیتھولک کی عام تاریخ ڈاڈ کی تصنیف میں دی گئی ہے۔ فادر مارس کی شائع کردہ کتاب۔ ہمارے کیتھولک آبا و اجداد کے مشکلات (The Troubles of our Catholic Forefathers) بھی دیکھنا چاہئے اور فرقہ جزوئٹ کے لئے مور کی کتاب تاریخ انجمنہائے جزوئیٹ (Historia Provinciae Anglieanae Societatic Jesu) بھی دیکھنا چاہئے۔ ان کتابوں کے ساتھ مسٹر سمسن کی سوانح عمری کیمپین کا بھی اضافہ کرنا چاہئے]۔

دولت اور معاشرتی قوت کی جس حیرت انگیز ترقی کا ہم جد اوپر ذکر کر چکے ہیں اس کے ساتھ ہی ساتھ قوم کے مذہبی اصو طور و طریق میں بھی نمایاں فرق پیدا ہوگیا تھا۔ ملکہ کی تخت نشینی کے وقت رعایائے ملک میں سے تین چوتھائی حصے کا مذہب کیتھولک تھا پروٹسٹ مگر یہ قدیمی طریق مذہب خاموشی کے ساتھ مٹتا گیا اور ویسی ہی خاموشی کے ساتھ بالکل بے عزم و ارادہ پروٹسٹنٹ طریق رائج ہوتا گیا۔ اسکے عہد کے اختتام پر ملک کے جن حصوں میں قدیم عقیدہ اپنی سابقہ

قوت کے ساتھ قائم تھا وہ صرف شمال مغرب کے حصے تھے یہ حصے اس زمانے میں سلطنت بھر میں سب سے زیادہ مفلس اور سب سے زیادہ کم آباد تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس تغیر کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ کیتھولک پادری جس قدر مرتے جاتے تھے ان کی جگہوں پر پروٹسٹنٹ مقرر ہوتے جاتے تھے۔ دیہات کے پرانے پادریوں نے اگرچہ عبادت و عقائد کی ان مختلف تشکلوں کو قبول کرایا تھا جو "اصلاح" نے عائد کی تھیں مگر دل میں وہ اس کے خلاف ہی تھے۔ میری نے جو اڈورڈ کے تغیرات کو پلٹ دیا تھا اس لئے انہیں امید تھی کہ کوئی کیتھولک جانشین الزبتھ کے تغیرات کو بھی پلٹ دے گا۔ اس اثنا میں وہ چھوٹے چغے کے بجائے نیچے نیچے سفید چغے اور قدیم کتاب کے بجائے جدید کتاب کے استعمال کرنے پر بھی قانع ہو گئے تھے۔ لیکن اگرچہ وہ منبر پر کتب مواعظ کے پڑھنے پر مجبور تھے مگر ان کی تعلیم کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ انکے لئے یہ آسان تھا کہ نئی طرز عبادت پر وہ ایسی حقارت کا اظہار کریں کہ قدیم طرز کی عبادت کرنے والے اسے دو زمانہ کرسمس (میلاد مسیح) کا کھیل سمجھ لیں مگر بیس برس کے زمانے میں یکے بعد دیگرے ان پادریوں کی جگہیں خالی ہوتی گئیں۔ ۱۵۷۹ء میں ملکہ نے اپنے میں اتنی قوت دیکھی کہ وہ پہلی بار یونیفارمٹی ایکٹ (قانون اتفاق) کے عام نفاذ کا حکم دے سکے۔ پارکر اور دوسرے اساقفہ بہت سختی سے اس کی نگرانی کرتے تھے اور اس سے

یہ یقین ہوگیا تھا کہ مرنے والے پادریوں کی جگہ پر جو نئے پادری مقرر ہوتے ہیں وہ صرف ظاہری طور پر نہیں بلکہ دل سے اس نئے عقیدے سے اتفاق کریں گے دیہات کے بیشتر نئے پادری اپنے عقیدے اور تعلیم میں صرف پروٹسٹنٹ ہی نہیں تھے بلکہ اس معاملے میں ان کا جوش حد سے بڑھا ہوا تھا۔ منبروں پر وعظ کی بندش کی اب ضرورت نہیں رہی تھی یہ قید از خود رفع ہوگئی اور نوجوان پادریوں نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ وعظ کہنا شروع کیا جس کے اثر سے نئی نسل کے خیالات بالکل اسی سانچے میں ڈھل گئے لیکن ان کے وعظ سے زیادہ ان کے اخلاق کا اثر پڑا۔ ہنری کے عہد میں پادری زیادہ تر جاہل اور عیاش تھے اور اڈورڈ نیز الزبتھ کے اوائل عہد میں حریص پروٹسٹنٹ جن پادریوں کو مقرر کرتے تھے وہ اخلاق کے اعتبار سے اپنے کیتھولک رقیبوں سے بھی گئے گزرے تھے۔ لیکن پیہم مقتدایان اعظم کی مسلسل کوششوں نے آخر نتیجہ پیدا کیا۔ ان کوششوں میں انہیں اپنے وقت کے عام جوش ترقی و اخلاق کی سطح کی بلندی سے بھی مدد مل گئی تھی۔ چنانچہ الزبتھ کے عہد کے آخر تک پادریوں کی اخلاقی کیفیت اور معاشرتی انداز بہت کچھ بدل گیا۔ پادریوں کے طبقے میں اب ہکر کے سے عالم موجود تھے اور جن متبذل بیہودگیوں نے پادریوں کو عموماً ذلیل کر رکھا تھا وہ اب زیادہ تر رفع ہوگئی تھیں۔ کسی شماتت کرنے والے پیورٹین کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ الزبتھ کے پادریوں

پر شراب خواری اور بداطواری کی ویسے ہی الزامات عائد کرسکے جن الزاموں سے پروٹسٹنٹ ہنری کے پادریوں کو بدنام کیا کرتے تھے۔ لیکن نئے پادریوں کے اس اقتدار میں انگریزوں کے خیالات کے نئے انقلاب کا اثر بھی بہت کچھ شامل تھا۔ نئے علم ادب کی ابتدائی نشوونما کی کیفیت ہم ابھی ابھی بیان کرچکے ہیں، اس کی انتہا یہ تھی کہ شکسپیر اور بیکن کے سے لوگ پیدا ہوگئے۔ ابتدائی مدارس سے طبقات متوسط اور دیہات کے شرفا میں نئی معلومات اور ذہنی قوت پیدا ہو رہی تھی دارالعلوموں کا طور و طریق بھی ملکہ کے عہد کے ساتھ ہی ساتھ بدلتا جاتا تھا اور اس کے انداز و اطوار کو عام قوم کا معیار سمجھنا نامناسب نہوگا۔ اس عہد کے شروع میں آکسفورڈ "پیروان پوپ کا ملجا و ماوی" تھا اور اس کے بہترین طلبہ کیتھولک خانقاہوں کی تقویت کا باعث ہوتے تھے۔ مگر اختتام عہد تک دارالعلوم فرقہ پیورٹین کا جولانگاہ بن گیا تھا، اور وہاں سب کے سب کالون کے سخت ترین عقائد کے حامی تھے۔ اس میں شک نہیں کہ زمانے کے سیاسی حالات نے اس تحریک کی رفتار کو تیز کردیا تھا۔ الزبتھ کے دور حکمرانی میں انگریزوں کے دلوں میں جذبۂ وفاداری یوماً فیوماً زور پکڑتا جاتا تھا اور حکم معزولی کی وجہ سے روما الزبتھ کے دشمنوں میں سب سے مقدم سمجھا جانے لگا تھا۔ میری کے گرد و پیش جو سازشیں ہو رہی تھیں ان کا الزام پوپ پر لگایا جاتا تھا لوگ اس سے باخبر تھے کہ پوپ فرانس و اسپین پر زور دے رہا تھا کہ وہ اس زندیق

سلطنت کو فتح کریں۔ بہت ہی جلد وہ وقت آیا کہ اس نے
آرمیڈا کو دعائے برکت دی اس لئے اب اپنے مذہبی عقائد
کو قائم رکھکر اپنی ملکہ کی وفاداری اور اپنے ملک کی خیرخواہی
ہر کیتھولک کے لئے روز بروز دشوار ہوتی جاتی تھی۔ عام
لوگوں پر عقل و رائے کی بہ نسبت جذبات کا اثر زیادہ پڑتا
ہے وہ آہستہ آہستہ ان لوگوں کی جانب ڈھلتے جاتے ہیں جنہیں
حب الوطنی، ظلم کے برخلاف آزادی، اور اسپین کے مقابلے میں
انگلستان کی حمایت کا جوش موجزن تھا، انہیں اس سے
بحث نہیں تھی کہ ان لوگوں کا مذہبی خیال کیا تھا رودبار کے
دوسری جانب کیتھولکوں کو جو کامیابیاں حاصل ہورہی تھیں اس
سے مذہبی خیال کی اس خاموشانہ رفتار میں اور تیزی پیدا
ہوتی جاتی تھی۔ آلوا کی خونریزیوں اور عید سنٹ بارتھولومو کے
روز پیرس کے قتل عام کی ہیبتناک کیفیتیں میری کے زمانے کی
خونریزیوں کی یاد تازہ کررہی تھیں۔ اس دار و گیر کے زمانے میں
جان فاکس، انگلستان سے بھاگ گیا تھا۔ واپس آکر اس نے
دوسرے ممالک کے پروٹسٹنٹوں کی مصیبتوں کو نہایت ہی دردآمیز
طور پر بیان کیا۔ اس کی تصنیف "کتاب شہدا" شاہی
حکم سے تمام گرجوں میں رکھدی گئی کہ عام طور پر پڑھی جائے
یہ کتاب گرجوں تک محدود نہیں رہی بلکہ ہر انگریز کے گھر کی
الماری پر پہنچ گئی۔ عقائد اصلاح کے قبول کرنے میں شہروں
کے تاجر سب پر سبقت لے گئے تھے مگر جب برّ اعظم کے پناہ گزین

انگلستان میں آکر دکانوں اور بازاروں میں اپنی مصیبتوں کے قصے سنانے لگے تو ان تاجروں کا یہ نیا عقیدہ جوش جنوں کی حد تک پہنچ گیا۔ فلینڈرز کے ہزار ہا جلاوطنوں نے سنک پورٹز میں پناہ لی۔ انٹورپ کے ایک بھائی سوداگر لندن کے نئے اکسچینج میں نظر آتے تھے اور فرانسیسی ہوگناٹ کے ایک گرجا کے لئے کلیسائے کینٹربری کے حدود میں جگہ دی گئی یہ گرجا ابتک قائم ہے۔

درسگاہیں اپنے مذہبی طرز عمل میں الزبتھ زیادہ تر وقت پر اعتماد کرتی تھی اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ وقت اس کے اس اعتماد کو حق بجانب ثابت کر رہا تھا۔ عقیدے اور عبادت دونوں میں اس کا بین بین طریقہ، پرانے پادریوں کے مرنے پر ان کے بجائے پروٹسٹنٹ پادریوں کا خاموشی کے ساتھ مقرر کرتے جانا، علیحدگی اختیار کرنے والوں کو کم از کم سلطنت کے مسلمہ مذہب سے اتفاق اور سلطنت کی مقررہ عبادت کی شرکت پر جرمانے کے ذریعے سے مجبور کردینا ایسا طرز عمل تھا جس سے آہستہ آہستہ انگلستان ایک نئے مذہب کے رنگ میں آتا جاتا تھا۔ اسمیں بھی شک نہیں کہ جن اخلاقی اثرات کا بیان ہوچکا ہے ان سے بھی اس میں بڑی مدد ملی، لیکن مذہب کیتھولک کا زوال بجائے خود کیتھولکون میں ایک نئے جوش کے پیدا کردینے کا بہت محرک بن گیا۔ بادشاہوں کی امداد سے ناامید ہوکر

انھوں نے اب اس ارتداد سے جان توڑ مقابلے کے لئے خود کمرِ ہمّت باندھی۔ ڈاکٹر الین ایک عالم شخص تھا اور قانون اتفاق کا حلف نہ اُٹھانے کی وجہ سے آکسفورڈ سے نکال دیا گیا تھا۔ اس نے اپنی پیش بینی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ ان قسیسیون کے مرنے کا کیا نتیجہ ہونے والا ہے جو میری کے عہد سلطنت کے ہیں پس ان کی جگھوں کے پُر کرنے کے لئے اس نے بمقام ڈوئے ایک درسگاہ قائم کی۔ کیتھولک اُمرا نے دل کھول کر اس نئے کالج کی مدد کی اور آکسفورڈ اور انگلستان کے ابتدائی مدارس کے فراریوں نے طلبہ کی ایک بڑی تعداد مہیا کردی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ قسیس بہت جلد انگلستان کے سواحل پر اُترنے لگے۔ ابتدا میں اگرچہ ان کی تعداد کم تھی مگر ان کی موجودگی کا فوری اثر یہ ہوا کہ کیتھولک اُمرا جو بتدریج انگریزی کلیسا کی طرف مائل ہوتے جاتے تھے وہ اس ارادے سے رُک گئے۔ الزبتھ کے لئے کوئی رکاوٹ اس سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوسکتی تھی اور خطرے کے اندیشے سے اس کی اس نفرت میں اور زیادتی ہوگئی۔ فرمان معزولی کو اس نے پوپ کی طرف سے اعلان جنگ قرار دے دیا تھا اور اس کا ان ڈوئے کے قسیسوں کو پوپ کا جاسوس سمجھنا یک گونہ حق بجانب تھا۔ اس کے اوائل عہد میں کیتھولک ظلم و تشدد سے بوقت کے بہ نسبت زیادہ محفوظ تھے۔ اس کی کچھ وجہ تو یہ تھی کہ جو

امرا بطور جسٹس آف دی پیس (ناظمان امن) کے کام کرتے تھے وہ کیتھولکوں سے ہمدردی رکھتے تھے اور ان معاملے میں اغماض سے کام لیتے تھے لیکن زیادہ باعث یہ تھا کہ خود الیزبیتھ مذہب کی طرف سے بے پرواتھی۔ جب ٹسٹ ایکٹ (قانون اختبار) نافذ ہوا تو یہ اختیارات پروٹسٹنٹ کے ہاتھ میں آگئے۔ اور الیزبیتھ بے پروائی سے شک اور شک سے تخویف کی طرف جس قدر قدم بڑھاتی گئی اسی قدر وہ اپنے گردوپیش کے تعصب کی روک تھام کم کرتی گئی۔ اپنے ایک سفر زیارت کے دوران میں وہ یوسٹن ہال میں ٹھہری تھی اور وہاں سے چلتے وقت صاحب خانہ یعنی نوجوان رکووڈ کی مہانداری کا شکریہ ادا کیا اور اسے موقع دیا کہ اس کے ہاتھ کا بوسہ دے سکے۔ مگر اس کے گرجامیں نہ حاضر ہونے کے سبب سے لارڈ چیمبرلین (ناظر تشریفات) نے حتمی و قطعی طور پر یہ سمجھکر کہ رکووڈ خارج از ملت ہوچکا ہے اسے اپنے سامنے طلب کرکے دریافت کیا کہ اسے کیونکر یہ جرأت ہوئی کہ وہ ملکہ کے حضور میں آئے وہ تو ایک معمولی عیسائی شخص کے ساتھ رہنے کے بھی قابل نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس کے پاؤں شکنجے میں کس دئے جائیں۔ یہ کہکر اس نے فوراً ہی یہ حکم دیا کہ وہ دربار سے نکل جائے اور مجلس شاہی کے حکم کا انتظار کرے۔ مجلس شاہی کا حکم یہ ہوا کہ وہ ناروچ کے قیدخانے میں رکھا جائے۔ اس کے علاوہ سات اور خوش قسمت

معززین کو ان کے گھروں ہی میں مقید رہنے کا حکم دیا گیا۔ ملکہ کی اس تہدید و تخویف سے تمام قوم میں ایک اضطراب برپا ہوگیا۔ ڈوے کے آئے ہوئے چند قسیسوں کی تعداد بڑھکر پوپ کے جاسوسوں کی ایک فوج بن گئی جو اسی غرض سے بھیجی گئی تھی کہ تمام ملک میں غداری و بغاوت کا تخم بوئیں قانون اختبار کی وجہ سے صرف دارالامرا میں چند کیتھولک رہ گئے تھے ورنہ کل ارکان پارلیمنٹ پروٹسٹنٹ ہی تھے پس جب اس نئے خطرے کے انسداد کے لئے پارلیمنٹ طلب کی گئی تو اس نے ان قسیسوں کے ملک میں آنے اور ان کے ٹھہرانے کو غداری قرار دے دیا۔

یہ قانون محض بے کار کی دھمکی نہیں تھا۔ کارنوال میں ایک فرقہ نوجوان قسیس کتھبرٹ میں گرفتار ہوا اور اس کے پاس سے پوپ لوگ کا فرمان معزولی برآمد ہوا، اسے پھانسی دیدی گئی۔ اس سے صاف ملک ظاہر ہوگیا کہ الیزبتھ اس کشمکش میں کیسی خطرناک صورت اختیار کیا چاہتی تھی۔ درحقیقت اس سے یہ بہت بعید تھا کہ وہ محض مذہبی غرض سے کسی قسم کا جبر و تشدد کرے۔ اسے اس امر پر ناز تھا کہ لوگوں کے ایمان و عقیدے سے وہ کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ سیسل نے سرکاری طور پر اس کے طرز عمل کی حمایت میں جہاں یہ ظاہر کیا کہ طریق عبادت کی آزادی مذہبی انضباط کے منافی ہے، وہیں اس نے علی رؤس الاشہاد یہ بھی اعلان کردیا کہ رعایائے انگلستان کے افراد کو اپنے مذہبی

رائے و خیال کے متعلق کامل آزادی حاصل ہے۔ اس وقت کے لوگوں کی نظروں میں یہ امر علانیہ تشدد سے بھی زیادہ آزار دہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کیتھولک پادری کو باغی اور ہر قسم کی کیتھولک عبادت کو خلاف وفاداری قرار دیا جائے مگر درحقیقت مذہبی رواداری کا پہلا مرحلہ اسی وقت طے ہوا ہے جب ملکہ نے اپنے اصول بازپرس کو خالصتہً سیاسی بنیاد پر قرار دیا۔ الیزبتھ کو اگر تشدد سے کام لینے والا کہا جائے تو بھی انگلستان میں وہی پہلی حکمراں ہے جس نے مذہبی دار و گیر کے الزام کو اپنی حکومت کے لئے باعثِ ذلت سمجھا۔ اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ان نئے مبلغین کی ذات سے واقعی سیاسی خطرے کا اندیشہ تھا۔ ایلن ایک بے صبر سازشی تھا اور اس کی درسگاہ کے قسیسیوں کا کام یہی تھا کہ فتح انگلستان کے لئے پوپ کی ایک نئی تجویز میں مدد دیں۔ ان درسگاہوں کے قسیسیوں کی کوششوں کے ساتھ اب فرقہ جزوئٹ کے مبلغین کی کوششیں بھی شامل ہوگئی تھیں ڈوئے کے آکسفورڈ کے فراریوں میں سے چند منتخب اشخاص فرقہ جزوئٹ میں شریک ہوگئے تھے۔ یہ فرقہ روما کی مرضی و احکام کی کورانہ تقلید کرنے میں پہلے ہی مشہور ہوچکا تھا۔ ان میں سے دو جو سب میں زیادہ فصیح البیان شخص تھے انگلستان میں جزوئٹ کے کاموں کے لئے سرگروہ منتخب کئے گئے۔ ایک ان میں سے

۱۵۸۰ کیمپین (سابق فیلو (رفیق) سنٹ جان کالج) اور دوسرا پارسنز

(سابق رفیق بلیل کالج) تھا۔ کچھ زمانے تک انکی کامیابی نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتی تھی۔ کیمپین کی تقریروں کے سننے کا شوق لوگوں میں اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ باوجود حکومت کے امتناعات کے اس نے اسمتھ فیلڈ میں ایک بڑے مجمع کے سامنے تقریر کی اور اسکے پوشیدہ رکھنے کی ذرا بھی فکر نہیں کی گئی۔ یہ مبلغین لندن سے نکل کر افسرانِ فوج یا خادموں کے بھیس میں تمام اضلاع میں پھرتے تھے۔ بعض وقت یہانتک کرتے تھے کہ انگلستان کے پادریوں کا لباس اختیار کرلیتے تھے یہ لوگ جہاں کہیں جاتے تھے وہاں کیتھولک اُمرا کا جوش تازہ ہوجاتا تھا۔ ان گشت کرنے والے مبلغین نے جن امرا کو قدیم عقیدے پر ہموار کرلیا تھا ان کا سر فہرست خود سیسل کا داماد اور امرائے انگلستان میں سب سے زیادہ مغرور امیر لارڈ آکسفورڈ تھا۔

الیزبیتھ کے مصالحت کے کام کو خراب کردینے میں فرقہ جزوئٹ کے لوگوں کو جس قدر کامیابی ہوئی اس کا عام اظہار اس طرح ہوا کہ انگریزی کلیسا کی عبادت میں نہ شریک رہنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی لیکن فی الواقع خطرہ اس قدر نہیں تھا جس قدر فرقہ پروٹسٹنٹ اور پارلیمنٹ کا اضطراب بڑھا ہوا تھا۔ مبلغین کا یہ مختصر سا گروہ عام خیال میں جزوئٹ کی ایک خفیہ فوج بن گیا تھا اور اس خیالی فوج کے حملہ کا مقابلہ اس طرح کیا گیا کہ جہانتک ہوسکا حکومت نے ان قسیسوں کی گرفتاری اور ان کی آزار رسانی میں کوئی دقیقہ اُٹھا

نہیں رکھا۔ منحرف قیدخانوں میں ڈال دیے گئے اور تمام ملک
کے با اثر کیتھولکوں پر نگرانی قائم ہوگئی۔ گھروں کے اندر بھی
کیتھولک طریق عبادت کی قانوناً ممانعت ہوگئی۔ کلیسا سے علیحدگی
اختیار کرنے والوں کا جرمانہ بیس پاونڈ تک بڑھا دیا گیا۔ اور
۱۵۸۱ ایک قانون بنایا گیا کہ "جو لوگ رعایا کو اس کی وفاداری
سے باز رکھنے کے لیے کسی قسم کے اختیار کا ادّعا کریں گے
یا کسی کو رومن مذہب میں شامل کرنے کی کوشش کرینگے،
اور وہ لوگ بھی جو آئندہ اپنے کو وفاداری سے مستثنیٰ سمجھیں گے
یا پوپ سے موافقت رکھیں گے وہ سب غدّاری کے مجرم قرار
دیے جائیں گے۔" اس قانون کے وسیع اختیارات شاہی کو
الیزبتھ نے جس طرح استعمال کیا، اس میں نہ صرف بجائے خود
ایک خصوصیت ہے بلکہ اس کی اہمیت اس وجہ سے اور
بھی زیادہ ہوگئی ہے کہ اس سے کم سے کم اصولاً وہ طرزِ عمل
معین ہوگئی جس پر اس کے جانشین سو برس سے زائد تک
جمے رہے۔ اس قانون کی رو سے عام لوگوں پر بہت ہی
کم مقدمات قائم ہوے اور عام لوگوں میں سے پھانسی تو
ایک شخص کو بھی نہیں دی گئی۔ کیتھولک اُمرا کے خلاف
جو کچھ ہوا وہ بھی صرف اسی قدر کہ عام عبادت میں شریک
نہ ہونے پر ان سے جرمانہ وصول ہوتا رہا۔ البتہ اس جرمانے
کی سختی میں وقتاً فوقتاً کمی بیشی ہوتی رہی۔ قتل کی سزا صرف
پادریوں تک محدود رہی اور الیزبتھ کے عہد میں یہ کام

اس بے رحمی سے ہوا کہ مذہب کیتھولک کے دوبارہ عروج کرنے کا وہم و گمان تک باقی نہ رہا۔ تعاقب کرنے والے اور جاسوس ہر ایک جزوئٹ کے پیچھے لگے رہتے تھے اور اُن کو خفیہ مقامات سے نکال نکال کر غول در غول ٹاور میں بھیج دیتے تھے۔ یہ تعاقب اس سرگرمی سے ہوا تھا کہ پارسنز کو مجبور ہوکر رودبار کے پار بھاگنا پڑا اور کیمپین گرفتار ہوکر بجرم غداری عدالت کے روبرو پیش ہوا۔ جس وقت وہ بحالت گرفتاری لندن کی سڑکوں پر سے گزر رہا تھا تو ایک انبوہ کثیر جمع ہوگیا اور اس پر آوازے کسے جانے لگے۔ اس کے اس عذر سے کہ "صرف ہمارا مذہب ہمارا جرم ہے" جج بھی متاثر ہوگئے مگر جب اخراج از ملت اور بحکم پوپ ملکہ کی معزولی کی نسبت اس سے سوال کیا گیا تو اس نے پہلو بچانا چاہا۔ اس سے فرقہ جزوئٹ کے وعظ کا سیاسی خطرہ ظاہر ہوگیا۔ کیمپین کی موت اس کے گروہ کے فنا کردینے کے لئے ایک مستقل و ظالمانہ کوشش کی تمہید تھی۔ اگر ہم اس وقت کے کیتھولکوں کے اندازے کو صحیح سمجھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آیندہ کے بیس برس میں دو سو پادری قتل کئے گئے اور اس سے بھی زیادہ تعداد غلیظ قیدخانوں کے بخار میں مرگئی۔ اس بے درد جوش و خروش نے روما سے مصالحت کو روکدیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان پادریوں نے جو کام انجام دے دیا تھا اس کا اثر نہ مٹ سکا۔ الیزبتھ کو اعتماد تھا کہ چپکے چپکے دباؤ ڈالنے

اور رفق و ملائمت کے برتاؤ سے اس کی رعایا میں پھر مذہبی اتحاد قائم ہوجائے گا مگر اب یہ خیال باطل ہوگیا قومی خطرے کے ہر نازک موقع پر کیتھولک پادریوں کے قید و قتل کی وجہ سے انگلستان کے کیتھولک اپنے مذہبی پیشواؤں سے محروم ہوگئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قومی کلیسا سے اس طرح منقطع ہوگئے کہ ان کی شرکت کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی۔ اور اس سے اُس زمانے کے اس ترقی پذیر خیال میں ایک نیا جوش پیدا ہوگیا جس نے آخرکار انگلستان کو اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور کردیا کہ ہر شخص اپنے عقیدے اور اپنے طریق عبادت دونوں میں آزاد ہے۔ میری کے وقت میں جو کام مذہب پروٹسٹنٹ نے انجام دیا تھا، اب الیزبتھ کے وقت میں وہی کام مذہب کیتھولک انجام دے رہا تھا۔ شخصی مذہب کا احساس قومی ہوتا جاتا تھا۔ جو لوگ بادشاہوں کی طاقت کے سامنے کانپتے تھے اب وہ خود شاہی طاقت سے بڑھی ہوئی طاقت کا اظہار کر رہے تھے۔ اس سے ہیبت شاہی کا وہ طلسم ٹوٹتا جاتا تھا جس نے لوگوں کو مبہوت کر رکھا تھا جس مذہبی جوش اور سیاسی آزادی کو کیتھولک پادریوں کی قید اور پروٹسٹنٹ کی سرگرمی سے تقویت حاصل ہو رہی تھی اس نے بادشاہ کی قوت کو ناقابل مقابلہ سمجھنا ترک کردیا تھا۔

الیزبتھ اور فلپ

لیکن اس ہولناک مذہبی کشمکش کے ساتھ لوگ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ایک اس سے بھی زیادہ ہولناک سیاسی کشمکش اسکے بعد

ہونے والی ہے۔ سمندر پر فلپ کی فوجوں کی ہیبت چھائی ہوئی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ خانہ جنگی کے وحشت ناک مصائب کے ساتھ غیر ملکی حملہ کی مصیبتوں کا بھی اضافہ ہوجائے گا۔ اس وقت اسپین کی سلطنت تمام یورپ میں سب سے زیادہ قوی سلطنت تھی۔ کولمبس کی دریافتوں نے اسے مغرب کی نئی دنیا کا مالک بنا دیا اور کورٹیسز و پزارو کے فتوحات نے مکسیکو اور پیرو کو لوٹکر اس کا خزانہ بھردیا تھا۔ اس کے تجارتی جہازات ممالک امریکہ کی کثیر المنفعت پیداوار، وہاں کا سونا، جواہرات، کچی چاندی، وغیرہ قادسیہ کے بندرگاہ میں لارہے تھے اس نئی دنیا کے ساتھ قدیم دنیا کے سب سے زیادہ خوش سواد و متمول حصے بھی شاہ اسپین کے ممالک میں داخل تھے۔ وہ اطالیہ کے سب سے زیادہ متمول اور سب سے زیادہ زر خیز اضلاع نیپلیز اور ملان کا مالک تھا۔ ندرلینڈ کے تجارتی صوبے فلینڈرز، جیسا صنعت و حرفت سے بھرا ہوا ملک اور اس وقت کی تمام دنیا کی تجارت کا مرکز اینٹورپ سب اسی کے قبضے میں تھے۔ اس کی وطن کی سلطنت اگرچہ ایک غریب سلطنت تھی مگر اسی سلطنت سے اسے ایسے جری و جانباز سپاہی ہاتھ آئے کہ زوال شاہی روما کے بعد دنیا نے ایسے سپاہی نہیں دیکھے تھے۔ اسپین کی پیدل سپاہ کی شہرت اسی وقت سے بڑھ رہی تھی جب سے اس نے میدان ریونا میں فرانسیسی سواروں کے حملے کو الٹ دیا تھا۔ اسپین کے سپہ سالار جس طرح

اپنی بے رحمی و ظلم و تعدی میں اپنا ہمسر نہیں رکھتے تھے اسی طرح ان کی فوجی قابلیت میں بھی کوئی ان کا مدمقابل نہیں تھا۔ یہ تمام عظیم الشان طاقت ایک شخص واحد کے ہاتھ میں مجتمع ہو گئی تھی۔ فلپ کی خدمت میں اگرچہ نہایت قابل مُدبّر اور چالاک سیاستدان موجود تھے مگر وہ خود ہی اپنی سلطنت کا سب کام انجام دیتا تھا۔ اس کے کمرے میں کاغذوں کا انبار لگا رہتا تھا اور اپنے طولانی زمانۂ حکمرانی میں وہ ہمیشہ ایک محرّر کی طرح شبانہ روز محنت کرتا رہا۔ وہ اس کا روادار نہیں تھا کہ کوئی کام اس کی نظر سے گزرے بغیر رہ جائے یا بغیر اس کے صریحی حکم کے کوئی کام انجام پائے۔ وہ اس امر پر نازاں تھا کہ اپنے وسیع ممالک کے ایک ایک گوشے پر وہ براہ راست حکمرانی کرتا تھا۔ اسی غیر متزلزل قوت کے پورا کرنے کا خیال تھا جسکی وجہ سے اس نے یہ کیا کہ جس طرح اس کے باپ نے کاسٹیل کی آزادی کو پامال کردیا تھا اسی طرح اس نے آراگون کی آزادی کو فنا کردیا اور الوا کو روانہ کیا کہ وہ ندرلینڈز کی آئینی آزادی کو اپنے قدموں کے نیچے روند ڈالے۔ اس کا تعصب بھی قدم بقدم اس کے اس تمنائے حکمرانی کے ساتھ تھا۔ اسپین اور اطالیہ میں انکیوزیشن (عدالت استیصال ارتداد) کا دور دورہ تھا اور فلینڈرز کو آگ اور تلوار کے ذریعے سے ارتداد سے پاک کیا جارہا تھا۔ اس مہیب طاقت کا سایہ بھیانک طور پر تمام یورپ پر پڑ رہا تھا۔ سیاسی آزادی کے نئے احساس کے مانند

بنیا مذہب پروٹسٹنٹ فلپ کو اپنا اصلی دشمن سمجھتا تھا اگرچہ حاصل کچھ نہ تھا مگر درحقیقت کولنی اِبِی اور ہیوگناٹ خاندان گیز سے زیادہ اسپین کے خلاف جد و جہد کر رہے تھے۔ ولیم (آرینج) مذہبی و ملکی آزادی کے لئے اسپین ہی سے نبرد آزما تھا۔ اسپین ہی نے بہت جلد جرمنی کو جنگ سی سالہ کی تباہی میں پھنسا دیا اور عام دنیا کے کیتھولکوں کو بیس برس تک اسپین ہی سے بیکار یہ توقع رہی کہ وہ انگلستان کے ارتداد کو مٹا دے گا فلپ کے مداخل اگرچہ بہت وسیع تھے، مگر حرص طاقت اور مذہب کی وجہ سے وہ جن وسیع تر تجاویز کی ہوس میں پڑ گیا تھا اس کے باعث سے ہمیشہ اس کی تمام آمدنی خرچ ہوتی رہتی تھی ان اخراجات کثیرہ کا ایک سبب اس کے ممالک کی وسیع تقسیم بھی تھی۔ اٹلی کی کمزور سلطنتوں کو دھمکاتے رہنا، بحیرۂ روم پر حاوی رہنا، جرمنی میں اپنے اثر کا قائم رکھنا، فرانس میں مذہب کیتھولک کی مدد کرنا، فلینڈرز کے ارتداد کو پائمال کرنا، ایک آرمیڈا ترکوں کے خلاف اور دوسرا الیزبتھ کے خلاف بھیجنا ایسے زبردست مقاصد تھے کہ شاہ اسپین کی طاقت کو بھی تھکا دینے کے لئے کافی تھے۔ لیکن الیزبتھ اور فلپ میں جو مناقشہ مدت سے جاری تھا اس کی کامیابی کی نسبت الیزبتھ کو فلپ کے خزانے کے خالی ہوجانے پر اس قدر اعتماد نہیں تھا جس قدر فلپ کے افتاد مزاج سے اسے اپنی کامیابی کی توقع تھی۔ فلپ کی طبیعت میں آہستہ روی و احتیاط کمزوری کی

حد تک بڑھی ہوئی تھی، وہ ہمیشہ تاخیر، تردّد، دور از کار خطرات کی پیش بندی، بعید توقّعات کے انتظار کی وجہ سے نقصان اٹھایا کیا۔ اس کی رقیب اپنی تخت نشینی کے وقت سے اس کے مزاج کی اس سستی و تذبذب سے کام لے رہی تھی۔ ان دونوں کی سیاسی جد و جہد بالکل ویسی ہی تھی جیسے اسپین کے بھاری جہازات اور ان کے لوٹنے والی سبک کشتیوں کی جنگ۔ الیزبیتھ کی پھرتی اس کے فوری تغیرات، اس کی دروغ گوئی، اس کی پُر اسرار باتیں، اگرچہ فلپ کو دھوکا دینے میں کامیاب نہ ہوئیں مگر اسے حیرانی و تردّد میں ضرور ڈال دیا، سازش کے اس تمام تاریک زمانے میں ان کے تعلّقات کی واقعی روش بالکل صاف و سیدھی تھی۔ الیزبیتھ کے ابتدائی زمانے میں فرانس، اسپین کا مدّمقابل تھا اور الیزبیتھ کا کام صرف یہ تھا کہ ان دونوں رقیبوں کو ایک دوسرے سے لڑاتی رہے، میری اسٹوارٹ کو واقعی مدد دینے میں اس نے فرانس کو صرف اس دھمکی سے روکدیا کہ اسپین کے ساتھ اتحاد کرلے گی۔ دوسری طرف فرانس کے اتحاد کا خوف دلاکر فلپ کو اس امر پر رضامند کردیا کہ اسکے ارتداد سے چشم پوشی کرے اور انگلستان کے کیتھولکوں کی بغاوتوں کو روکے رکھے، لیکن آخرکار جب مدّتوں کا رُکا ہوا مذہبی طوفان چل نکلا تو یورپ کا سیاسی نقشہ بالکل ہی بدل گیا۔ الوا کے ظلم و طمع سے مایوس ہوکر فلینڈرز نے بغاوت کردی اور قسمت کے
۱۵۷۲ عجیب و غریب تغیرات کے بعد یورپ میں "صوبجات متحدہ" کی

جمہوریہ قائم ہوگئی۔ فرانس کے ہیوگیناٹ سرگروہوں نے اس سے سیاسی کام لیا، چارلس نہم کے اوپر سے کیتھرین (میڈیسی) کا اثر اُٹھا دیا اور اس کے توازن مذہبی کے طرز عمل کو برطرف کر کے مغرب میں فرانس کو مذہب پروٹسٹنٹ کا سرگروہ بنادیا۔ کولینئ ای نے چارلس پر یہ زور ڈالا کہ وہ اسپین سے جنگ شروع کر دے اور یہ وعدہ کیا کہ ندرلینڈز کے حملے کی حالت میں ہیوگیناٹ اس کی معاونت کریں گے، چارلس نے اس مشورے کو قبول کرلیا۔ فرانس کی تمناؤں کے پورا ہونے کے لئے اس سے صاف تر موقع کبھی پیش نہیں آیا تھا مگر کیتھرین کا خیال یہ تھا کہ فرانس میں مذہب پروٹسٹنٹ اور اس کے ساتھ آزادی نے اگر جڑ پکڑلی تو شاہی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اس لئے وہ ہمہ تن خاندان گیز کی طرفدار ہوگئی اور عید سنٹ بارتھولومیو کے دن پروٹسٹنٹ کے قتل عام میں ان کی معاون بنکر انہیں ظفریابی کا یقین دلایا۔ اگرچہ منافرت مذہبی کا مدت کا چھپایا ہوا ابر زور شور کے ساتھ برس پڑا تھا مگر الیزبتھ کو اپنی چالاکی سے یہ توقع تھی کہ وہ اس طوفان سے صاف بچ نکلے گی۔ دیوانہ وار خانہ جنگی نے فرانس کا شیرازہ ابتر کردیا تھا اور اسپین سے مقابلہ کرنے کے لئے ندرلینڈ بالکل تن تنہا رہ گیا تھا۔ شہزادہ آرینج کی جانبازانہ جدوجہد نے رعایائے انگلستان کے دلوں میں کیسا ہی جوش کیوں نہ پیدا کردیا ہو مگر الیزبتھ پر اسکا ذرا بھی اثر نہیں پڑا اور اس نے ایک لمحے کے لئے بھی

اپنی خود غرضی کو ترک نہیں کیا۔ وہ ندرلینڈز کی بغاوت کو صرف یہ سمجھتی تھی کہ "اس سے اسپین کے منہ میں لگام لگی ہوئی ہے اور شعلہ جنگ انگلستان کے دروازے تک نہ پہنچے گا" اس کشمکش کے تاریک ترین وقت میں بھی جبکہ باستثنائے ہالینڈ وزیلینڈ الوا نے تمام ملک پر دوبارہ قبضہ کرلیا تھا اور خود ولیم (آرینج) بھی نا امید ہوگیا تھا ملکہ نے پوری قوت اس میں صرف کی کہ ولیم کو فرانس سے مدد نہ ملے۔ الیزبیتھ یا اسکے مدبرین میں سے کسی کو یہ گمان تک نہیں تھا کہ یہ صوبے آخرتک فلپ کے مقابلے میں ثابت قدم رہیں گے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو ندرلینڈز بالکل ہی مطیع ہوجائے گا یا فرانس کی مدد کے عوض وہ فرانس کے ہاتھ بک جائے گا، اور ان دونوں صورتوں میں ملکہ کے ایک نہ ایک دشمن کو تقویت حاصل ہوجائیگی پس اسی کے روکنے پر وہ تلی ہوئی تھی۔ اس نے اس خطرے سے بچنے کی یہ صورت سوچی تھی کہ ان صوبجات کو مجبور کرے کہ وہ اسپین کے شرائط قبول کریں یعنی انکے آئینی اختیارات اس شرط سے واپس کردیے جائیں کہ وہ کلیسا کے مطیع ہوجائیں۔ صلح اگر اس بنا پر ہوجاتی تو اس سے نہ صرف یہ ہوتا کہ جنگ کی وجہ سے انگلستان کی تجارت کو جو نقصان پہنچ رہا تھا وہ رفع ہوجاتا بلکہ ندرلینڈز اسپین کے خلاف بدستور ایک مہیب آلہ بنا رہتا۔

اس صلح سے صوبجات کو آزادی ضرور حاصل ہوجاتی مگر طریق کیتھولک کی جدید اطاعت سے جو مذہبی صورت پیش آتی، اس کے سمجھنے سے الزبیتھ بالکل قاصر تھی ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیوں ولیم سائلنٹ (خاموش) اپنے عقیدے کے نہ ترک کرنے پر اس قدر مصر ہے اور کیوں فلپ کو اس عقیدے کے ترک کردینے پر اس قدر متعصبانہ اصرار ہے ۔ اسے اپنا عاجل نفع اسی میں نظر آتا تھا کہ فلپ ہر وقت اسی تردد میں رہے کہ کہیں انگلستان، فلینڈرز کی کمک پر آمادہ نہوجائے جس سے اس کی کامیابی کی تمام امیدیں خاک میں مل جائیں ۔ بخیال ملکہ، فلپ کے اس تردد سے انگلستان کو اطمینان حاصل رہتا ۔ اگر انگلستان میں بغاوت کو کامیابی حاصل ہوگئی ہوتی تو فلپ دوسروں کی محنت کا فائدہ اُٹھانے کے لئے تیار تھا اور ملکہ کی گرفتاری یا قتل کی سازشوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا ۔ اس امید موہوم میں اپنے کی وہ ہمت نہیں رکھتا تھا کہ ملکہ اپنے تخت پر مستحکم ہو اور وہ انگلستان پر حملہ کردے ۔ چنانچہ انگلستان کے کیتھولکوں کی فریاد یا پوپ کے دباؤ سے اس وقت تک یہ نہوسکا تھا کہ شاہ اسپین، الزبیتھ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوجائے ۔

بہر نوع معاملات اب ارباب سیاست و مدبرین کے قابو سے نکلے جارہے تھے اور ان کی طرزِ عمل سے تعطل کا

جو ایک طویل زمانہ حاصل ہوگیا تھا، وہ قومی و سیاسی جذبات کی ٹکر سے عنقریب ٹوٹنا چاہتا تھا، ابنائے کیتھولک کا روز افزوں مذہبی جوش، فلپ کے احتیاط و تذبذب کو توڑ رہا تھا۔ دوسری طرف انگلستان اپنی ملکہ کی غیر جانبداری کو دلیری کے ساتھ پس پشت ڈالکر اس جنگ کی طرف بڑھ رہا تھا جسے وہ لابد و لازمی سمجھتا تھا۔ عام رائے یوماً فیوماً زیادہ دلیرانہ اور قطعی انداز اختیار کرتی جاتی تھی۔ ملکہ بھی اسے اچھی طرح محسوس کرتی تھی۔ فلینڈرز کی جانبازانہ جدوجہد میں اس نے بے پروائی کا اظہار کیا مگر قوم کے عام جوش سے اس کی تلافی ہوگئی۔ فلینڈرز کے فراریوں کو سنک پورٹز میں پناہ ملتی۔ لندن کے تاجر انیٹورپ کے جلاوطن تاجروں کا خیر مقدم کرتے، جس وقت کہ الیزبتھ شہزادہ آرنج کو ذرا ذرا کرکے خفیہ طور پر مدد دے رہی تھی اسی زمانے میں لندن کے سوداگروں نے اپنی جیب خاص سے اسے پانچ ملین کی رقم بھیجدی یہ رقم تاج کی ایک برس کی تحصیل کے برابر تھی۔ اہل ہالینڈ کی مدد کے لئے لوگ اپنی خوشی سے خفیہ طور پر رودبار کے پار جاتے رہتے تھے یہانتک کہ ابتدائے جنگ میں پانسو انگریزوں کی جو جماعت وہاں تھی وہ بڑھکر پانچ ہزار کا ایک دستہ بن گئی اور اسی کی پامردی نے ایک نہایت ہی نازک موقع پر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ ہالینڈ کے چھوٹے چھوٹے

جہاز انگلستان کے بندرگاہوں میں پناہ لیتے تھے اور انگریزی جہاز ہالینڈ کا جھنڈا بلند کرکے اسپین کے سوداگروں پر حملہ کرتے تھے۔ "وہبتہریں سرداران فوج اور سپاہی" ہالینڈ کی لڑائیوں سے واپس آکر الوا کی ستمگاریوں کی داستان سناتے تھے اور تجارتی جہازات کے لوگ ان انگریزی ملاحوں کے قصے بیان کرتے تھے جو اسپین اور نئی دنیا میں گرفتار ہوکر عدالت مذہبی کی مصیبتوں میں پڑے گھلا کرتے تھے یا آگ میں جلا دیئے جاتے تھے۔ ان حالات کے سننے سے پروٹسٹنٹ کا جوش برابر بڑھتا جاتا تھا اور اس جوش عام کی پائیدار رو میں الیزبتھ کی حکمت عملی کچھ حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ جب اس نے اپنے عقد کی ایک آخری سازش سے فلپ کو روکنا چاہا تو انگلستان میں یک بیک ایسا عام جوش پیدا ہوگیا کہ ملکہ اس کا مقابلہ نہ کرسکی کیونکہ ایک کیتھولک حکمراں یعنی کیتھرین (میڈیسی) کے چھوٹے بیٹے ڈیوک آنژو سے عقد کی تجویز کی گئی تھی، لوگ کیتھرین سے متنفر تھے اور اندیشہ تھا کہ ایک کیتھولک بادشاہ انگلستان پر حاوی ہوجاوے گا الیزبتھ اگر صلح کا عزم مصمم رکھتی تھی تو انگلستان جنگ پر تلا ہوا تھا۔ الیزبتھ کے ابتدائے عہد سے انگلستان میں ایک نئی جرأت آگئی تھی، اس زمانے

میں صرف سیسل اور ملکہ اس قوت کو محسوس کرتے تھے ورنہ یورپ کے تمام مدبرین فلپ کے مشورے کے نہ ماننے کو ملکہ کی دیوانگی قرار دیتے تھے۔ ملکہ کی خود اعتمادی و جرأت کا اثر تمام قوم میں دائر و سائر ہوگیا تھا۔ جنوبی ساحل کے جہازراں ایک مدت سے بطور خود ایک طرح کی قزاقانہ جنگ جاری کئے ہوئے تھے۔ الیزبتھ کی تخت نشینی کے چار ہی برس بعد تمام رودبار ان جہاز رانوں سے بھر گیا تھا جنہیں "سمندر کے کتے" کہتے تھے۔ یہ لوگ شہزادہ کونڈے اور ہیوگناٹ سرداروں کے اجازت نامے لیکر سفر کرتے تھے اور نہ دربار فرانس کی شکایتوں کی پرواہ کرتے اور نہ خود الیزبتھ کی روک تھام کو خاطر میں لاتے تھے۔ الیزبتھ کی کوششوں کو اس وجہ سے ناکامی ہوئی کہ ساحل کا ایک ایک شخص اس معاملے میں چشم پوشی سے کام لے رہا تھا، خود عمال شاہی اس لوٹ سے نفع اٹھاتے اور اس کے روکنے میں اغماض کرتے تھے اور مغرب کے امرا تو بدل و جان ان سرفروشوں کے معاون و مددگار تھے۔ تمام ملک کی تمنا تھی کہ اسپین سے جنگ ہو اور پروٹسٹنٹ تو کھلم کھلا کیتھولک سے جنگ کے متمنی تھے، ان یورشوں

نے اس جنگ کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ نوجوان انگریز سمندر پار جاکر کونڈے یا ہنری والی نوار کی ملازمت میں داخل ہوجاتے تھے۔ ندرلینڈز کی جنگ کے باعث سیکڑوں پروٹسٹنٹ میدان جنگ میں پہنچ گئے تھے۔ فرانس کی جنگ کے معلق ہوجانے کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ یہ "سمندر کے کتے" جزائر امریکیہ میں پہنچ گئے پوپ نے اپنے حکم سے نئی دنیا اسپین کو عطا کی تھی اور فلپ نے اس ملک کے سمندروں میں کسی پروٹسٹنٹ کے جانے کے متعلق ہر طرح کی دھمکی دے رکھی تھی مگر ان باتوں سے ان انگریز جہاز رانوں پر مطلق اثر نہیں پڑتا تھا۔ ان کے تجارتی جہازوں کے گرفتار ہوجانے اور ملاحوں کی عدالت مذہبی کے قیدخانوں میں ڈال دئے جانے کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تھا۔ اس تجارت کا نفع اس قدر تھا کہ ان خطرات کی پوری طرح تلافی ہوجاتی تھی اور فلپ کے تعصب کا جواب ویسے ہی بے رحمی و تعصب سے دیا جاتا تھا۔ یہ "سمندر کے کتے" جس طرح جان بازی کا جوہر دکھاتے تھے اسی طرح پیوریٹین عقیدے میں بھی نہایت سخت تھے۔ کیتھولک کی نئی دنیا کی اجارہ داری کو توڑنا، اسپینیوں کو ہلاک کرنا، حبشیوں کا فروخت کرنا، سونا بھرے ہوے جہازوں کا غارت کرنا، ان لوگوں کے خیال میں

۱۵۷۷ ”برگزیدگان خدا“ کے لئے ایک مقبول فعل تھا فرنیس ڈریک
فرنیس کا نام اسپینی امریکہ کے خوف و دہشت کا باعث ہو گیا تھا۔
ڈریک ڈریک میں ولیری کے ساتھ ہی طریق پروٹسٹنٹ کا جوش
بھی جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے بحرالکاہل
میں جانے کا ارادہ کیا۔ جہاں اس وقت تک کوئی انگریزی
جہاز کبھی داخل نہیں ہوا تھا اور جانبازوں کی ایک مختصر
جماعت کو ہمراہ لیکر وہ جنوبی سمندروں کی طرف روانہ ہوگیا،
جس جہاز میں اس نے یہ سفر اختیار کیا تھا وہ رودبار
کے معمولی دو مستول والے جہازوں کے برابر تھا اس کے
ہمراہی کے چند جہازات اس سے بھی چھوٹے تھے۔ یہ چھوٹے
جہازات تو طوفان و خطرات سفر میں تباہ ہو گئے مگر ڈریک
اپنے ایک جہاز اور اسی آدمیوں کے ساتھ دلیرانہ آگے بڑھتا گیا،
اور آبنائے میگلین سے گزر کر چلی اور پیرو کے غیر محفوظ
ساحل پر پہنچ گیا اور اپنے جہاز کو پٹوسی کے سونے کے
ذرات اور کچی چاندی، موتی، زمرد، ہیرے سے بھر لیا،
یہی چیزیں اسپین کے بڑے بڑے جہازوں کے ذریعہ سے
سال میں ایک بار لیما سے قادس کو جاتی تھیں۔ اس سے قبل
کبھی کسی انگریزی جہاز کا یہاں گزر نہیں ہوا تھا۔ یہ لوٹ
پانچ لاکھ پونڈ سے زیادہ مالیت کی تھی۔ یہ دلیر و جانباز
شخص اس تمام مال غنیمت کو لئے ہوئے بے خوف و
خطر جزائر مولکا کو روانہ ہو گیا اور راس امید سے گزر کر کرۂ ارض کا

پورا چکر کرتا ہوا بندرگاہ پلی متھ میں، آکر پھر لنگر انداز ہوا۔
ڈریک کا یہ دلیرانہ سفر ایک افسانہ معلوم ہوتا تھا، مگر
اس کے ساتھ ہی اس کی لوٹ کی مقدار بھی نہایت اسقدر
ہی کثیر تھی، اس سے انگلستان میں عام طور پر ایک کافی
جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی واپسی پر الیزبتھ نے
جس طرح اس کا خیر مقدم کیا اسے فلپ نے اپنی سخت
ہتک سمجھی جس کا ازالہ صرف جنگ سے ہو سکتا تھا۔
فلپ کی جانب سے تلافی کے متعلق جس قدر مطالبات ہوئے
الیزبتھ نے ان پر مطلق اعتناء نہ کی، لامحالہ باوجود اپنی طبعی
سستی کے فلپ آخر جوش میں آگیا۔ ڈریک کے حوالہ کردینے
کی درخواست کا جواب الیزبتھ نے یہ دیا تھا کہ اس
قزاق کو نائٹ بنا دیا اور اس نے جو جواہرات نذر کئے
تھے انہیں اپنے تاج میں جگہ دی۔ مینڈوزا نے لکھا
ہے کہ دو جب اسپینی سفیر نے یہ دھمکی دی کہ معاملات
کا تصفیہ توپ سے ہونے کی نوبت آجائے گی تو
ملکہ نے بغیر اس کے کہ اسکی آواز میں کچھ تغیر آئے
اس طرح معمولی طور سے جواب دیا گویا وہ کوئی قصہ
کہہ رہی ہے کہ اگر وہ اس قسم کی دھمکی کے الفاظ استعمال
کرے گا تو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا۔" چونکہ
نیدر لینڈز میں اب بھی بغاوت موجود تھی اور فرانس اس
امر کا متمنی تھا کہ الیزبتھ سے اتحاد کرکے ان صوبجات پر

قبضہ کرلے اس لئے باوجود توہین کے ملکہ کو یہ یقین تھا کہ فلپ اس کے ساتھ مخاصمت پر آمادہ ہوگا۔ مگر اپنے نفس کی اس ذلت اور تمام کیتھولکوں کے اس الزام نے کہ وہ شہیدوں کے خون کا بدلہ لینے میں خود غرضی و سستی سے کام لے رہا ہے، آخر شاہ اسپین کو آمادہ پیکار کر دیا۔ ۱۵۸۴
اور فتح انگلستان کے لئے جس آرمیڈا کی تیاری کا ارادہ تھا اس کے جہازات کا اجتماع دریائے ٹیگس میں ہونا شروع ہوگیا۔ پھر بھی اس نفرت اور جنون مذہبی کے باوجود اس کی طرز عمل ساکت و صامت تھی۔ پرتگال کے فتح
کر لینے سے اس کی قوت قریب قریب دونی ہوگئی تھی۔ ۱۵۸۰
پرتگال ہی کا ایک بیڑا تھا جو اس کا مد مقابل تھا اب وہ بھی اس کے قبضہ میں آگیا۔ پرتگال کی نو آبادیوں پر قابض ہوکر وہ بحر اوقیانوس اور بحیرہ روم کی طرح بحر ہند اور بحر الکاہل پر بھی اپنے غلبہ کا دعوے دار بن گیا تھا۔ اور اس نے انگریزوں اور مرتدوں کو نہ صرف مغرب کی نئی دنیا سے محروم کر دیا تھا بلکہ مشرق کی نفع بخش تجارت سے بھی انہیں روک دیا تھا۔ نیدرلینڈز اور فرانس دونوں جگہ تمام حالات بظاہر فلپ کی تجاویز کے موافق معلوم ہوتے تھے۔ پارما کے تحت میں اس کی فوجیں برابر نیدرلینڈز میں بڑھتی جاتی تھیں اور ولیم (آرنج) کے قتل ہو جانے سے اس کی باغی رعایا پر بہت مہلک ضرب

لگ گئی تھی - اس کے ساتھ ہی فرانس کی مداخلت کا خطرہ بھی بالکل جاتا رہا تھا - کیونکہ ڈیوک آنشرو کی موت کی وجہ سے ہنری والی نوادر سرگروہ فریق ہیوگیناٹ وارث تخت ہو گیا تھا۔ ایک پروٹسٹنٹ بادشاہ کے تحت میں نئے مذہب کا سر اٹھانا لازمی تھا اور اس فروغ ارتداد کو روکنے کے لئے خاندان گیز اور کیتھولکوں نے فوراً ہتھیار اٹھائے - لیکن انہوں نے جو "اتحاد مقدس" قائم کیا تھا اس کا انحصار تمام تر فلپ کی مدد پر تھا، اور جب تک وہ انہیں آدمی اور روپیہ دیتا جاتا تھا اسے فرانس کیطرف سے بالکل اطمینان تھا - عین اس وقت میں پارما نے انیٹورپ پر قبضہ کرکے شاندار کامیابی حاصل کی - ایک دلیرانہ مقاومت کے بعد اس مقام کے سقوط سے الیزبتھ کو بھی مجبور ہونا پڑا کہ اگر وہ اس سدراہ کو برقرار رکھنا چاہتی ہے جس نے جنگ کو انگلستان کے دروازے سے باہر روک رکھا تھا تو وہ اس وقت عملی کارروائی اختیار کرے - لارڈ لیسٹر نہایت عجلت کے ساتھ آٹھ ہزار آدمیوں کے ہمراہ سواحل فلینڈرز کی طرف روانہ کیا گیا - اس سے بھی زیادہ دلیرانہ جواب یہ دیا گیا کہ فرینسس ڈریک کو پچیس جہازوں کے ایک بیڑے کے ساتھ اسپین کے سمندر میں روانہ ہونے کی اجازت دیدی گئی - ڈریک نے اس سفر میں مسلسل کامیابیاں حاصل کیں - انکیوزیشن (عدالت استیصال ارتداد) نے انگریز ملاحوں پر جو ظلم کئے تھے اس کا بدلہ یوں ہو گیا کہ سنٹ ڈومنگو اور قرطاجنہ کے شہر جلا ڈالے گئے - کیوبا اور فلوریڈا کے

۱۵۸۶ سواحل لوٹ لئے گئے۔ اور اگرچہ سونا لیجانے والا بیڑہ ڈریک کے
ہاتھ سے بچ گیا پھر بھی وہ بہت کثیر مال غنیمت لیکر پھرا۔
لیکن لیسٹر کی فوجوں نے کچھ نہ کیا، زٹفن میں ایک خفیف سی
جنگ ہوئی اور اس میں بھی نقصان اسی فوج کو ہوا، اور اسی
جنگ میں سڈنی مارا گیا۔ اس فوج کے بھروسہ پر الیزبتھ نے
یہ کوشش کی کہ فلپ اور ریاستہائے ندرلینڈز میں صلح ہوجائے
مگر یہ کوشش کارگر نہ ہوئی۔ اس اثنا میں خود انگلستان میں اس
کے گرد وپیش خطرات کا ہجوم ہوتا گیا۔ کیتھولک مذہبی دارو گیر
سے عاجز آگئے تھے، ملک کے اندر بغاوت کا امکان نہیں تھا۔
بیرون ملک سے نجات حاصل نہیں ہوسکتی، اس عالم مایوسی میں
وہ بالکل دیوانے ہوگئے اور ان میں سے زیادہ جوشیلے لوگ ملکہ
کے قتل کرنے کی تجویزوں کو گوش قبول سے سننے لگے۔ ولیم
(آرینج)، کے قتل سے اس تجویز نے اور ہی خطرناک صورت
پیدا کرلی تھی۔ سمرویل ایک مذہبی مجنون تھا، وہ اپنے خنجر
سے ملکہ کے قتل کرنے کے لئے،، لندن کو روانہ ہوا اور
روانگی سے پہلے ”نان مقدس،، حاصل کی اس کے گرفتار ہوجانے
سے لامحالہ سخت کارروائی اختیار کرنا پڑی۔ کیتھولک شرفا
و امرا کی گرفتاریاں عمل میں آنے لگیں، اور انہوں نے راہ
فرار اختیار کی صرف انزاف کورٹ (مدرسہ ہائے قانون) میں
چند کیتھولک رہ گئے تھے وہ سب کے سب سختی کے ساتھ
وہاں سے خارج کئے گئے اور پادری پھر گروہ در گروہ قتل ہونے

لگے۔ دارالعوام کے ایک رکن پیری پر (جو ملکہ کے خانگی ملازموں میں بھی شامل رہ چکا تھا) اسی جرم میں مقدمہ قائم ہونے اور اس کے قتل کئے جانے سے عام اضطراب پیدا ہو گیا۔ پارلیمنٹ خوف و وفاداری کے جذبات کے ساتھ مجتمع ہوئی، فرقہ جزوئٹ کے تمام لوگ اور درسگاہی قیس قتل کی تہدید کے ساتھ ملک سے نکال دئے گئے۔ ملکہ کی حفاظت کے خیال سے ایک قانون یہ منظور ہوا کہ جانشینی کا کوئی دعویدار جو رعایا کو بغاوت پر یا ملکہ کی ذات کو نقصان پہنچانے پر ابھارے گا وہ ہمیشہ کے لئے وراثت تخت کے ناقابل قرار دیدیا جائیگا۔ اس تہدید کا مقصود میری اسٹوارٹ تھی۔ اتنی مدت دراز کی قید، فلپ یا اسکاٹلینڈ کو اپنی مدد پر آمادہ نہ کر سکنے کی ناکامی انگلستان کے کیتھولکوں کی بغاوت اور جزوئٹ کی سازشوں کی ابتری سے تنگ آکر میری اطاعت پر آمادہ ہو گئی تھی اس نے الزبتھ کو لکھا کہ وہ مجھے یہاں سے چلے جانے دو کہ میں اس جزیرے سے نکل کر کسی تنہا جگہ میں عزلت نشین ہوکر مرنے کی تیاری کروں۔ اس کو منظور کرلو اور میں اپنے ہر قسم کے حقوق سے دست برداری کے لئے آمادہ ہوں" مگر یہ فریاد بیکار رہی اور اس کی اس مایوسی سے الزبتھ کے لئے اور زیادہ خطرناک سازشوں کے نئے نئے اندیشے پیدا ہو گئے انتھونی ببنگٹن اور نوجوان کیتھلکوں کے ایک گروہ کے ارادے سے میری واقف تھی اور اس نے اسے پسند کیا

تھا کہ وہ لوگ ملکہ کو مار ڈالیں، اس گروہ کے لوگ زیادہ تر خود ملکہ کے خانگی ملازمین میں شامل تھے، مگر اس سازش اور اس کی منظوری دونوں کے حالات والسنگھم کے قبضے میں آگئے اور میری کے خطوط کی گرفتاری سے اس کا جرم ثابت ہو گیا۔ باوجود میری کے اعتراض کے امرا کی ایک کمیشن نے بطور جج کے فاتھرنگے کیسل میں نشست کی اور ان کے میری کو مجرم قرار دینے سے حسب قانون بالا تخت کے متعلق اس کے تمام حقوق زائل ہو گئے۔ اس کے اثبات جرم کی خبر سے لندن کی سڑکوں پر جا بجا خوشی میں آگ روشن ہوگئی اور ایک گرجے کی آواز پر دوسرے گرجے کا گھنٹہ بجنے لگا، مگر باوجود اس کے کہ پارلیمنٹ نے میری کے قتل کی درخواست کی اور مجلس شاہی نے بھی اس پر زور دیا پھر بھی الیزبتھ اس کے قتل سے جھجکتی رہی۔ لیکن اب عام رائے کے زور کے سامنے کسی کی پیش نہیں چلتی تھی اور تمام قوم کی متفقہ آواز سے مجبور ہوکر الیزبتھ کو بادل ناخواستہ میری کے قتل سے اتفاق کرنا پڑا۔ اس نے حکم پر دستخط کر کے کاغذ زمین پر پھینکدیا اور مجلس شاہی نے اس کے قتل کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی۔ قصر فاتھرنگے کے ہال میں پھانسی نصب کی گئی اور میری نے جس بیباکی سے زندگی بسر کی تھی اسی بیباکی سے اس نے پھانسی پر جان دی۔ اس نے اپنی خادمہ عورتوں سے کہا کہ "روؤمت میں تمہارے لئے اپنی زبان دے چکی ہوں"

اس نے ملویل کو حکم دیا کہ وہ میرے دوستوں سے کہدینا کہ میں ایک اچھے کیتھولک کی طرح جان دے رہی ہوں ۔
میری کے قتل ہوتے ہی الیزبتھ غضبناک طور پر ان آدمیوں کی طرف پلٹی جنہوں نے اسے اس کام پر مجبور کیا تھا۔ سیسل (جو اب لارڈ برلے ہوگیا تھا) کچھ دنوں تک معتوب رہا۔ اور ڈیویسن (جو حکم قتل کو مجلس شاہی میں لے گیا تھا۔) ٹاور میں قید کر دیا گیا تاکہ ملکہ کی حکمت عملی کے برباد کرنے کا مزہ چکھے ، در حقیقت میری اسٹوارٹ کے انتقال سے فلپ کے راستے سے آخری مشکل ہٹ گئی تھی اور انگلستان کے فرقہ کیتھولک کی تفریق باہمی رفع ہوگئی کیتھولک مذہب کے پیرؤں میں نسباً فلپ سب سے قریب تر وارث تھا اس لئے میری نے اپنے حقوق تاج وہیتہ اسی کی طرف منتقل کر دئے تھے۔ اور اسی وقت سے اس کے (میری کے) طرفداروں کی امیدیں اسپین کی کامیابی سے وابستہ ہوگئی تھیں۔ عملی کارروائی اختیار کرنے کے لئے فلپ پر اب کسی قسم کے اثر ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی ڈریک کی کامیابیوں نے اسے یہ سبق دیدیا تھا کہ نئی دنیا پر اپنے تسلط کو محفوظ رکھنے کے لئے انگلستان کا فتح کر لینا ضروری ہے۔ نیز فلینڈرز میں انگریزی فوج کی موجودگی سے اسے یہ یقین ہوگیا تھا کہ ان صوبوں کے قابو میں لانے کے لئے مقدم انگلستان کا فتح کرنا ہے۔ پس اس بڑی مہم کے خیال سے

فلینڈرز میں پارما کی کارروائیاں ملتوی کر دی گئیں ٹیگس میں
تین برس سے جو بیڑہ اکٹھا ہو رہا تھا اس کیلئے جہازات اور
ہر قسم کی ضروریات اسپین کے ایک ایک بندرگاہ سے جمع
کی گئیں - فرانس میں "لیگ" کی صورت معاملات زیر و زبر
ہو رہی تھی - بس اسی اندیشہ نے فلپ کو روک رکھا تھا کہ
فرانس جوابی حملہ نہ کر بیٹھے - مگر تیاری آرمیڈا کی خبر نے
ڈریک کو پھر میدان عمل میں آنے پر مجبور کر دیا - وہ تیئس
چھوٹی کشتیاں لیکر روانہ ہوا ، بندرگاہ قادس میں ذخیرے
کے جہازات اور بجروں کو جلا دیا ، قلعہ ہائے فیرو کو تباہ ۱۵۸۷
کر دیا اور خود آرمیڈا پر بھی حملہ کر دیتا مگر صرف وطن کے احکام
نے اسے روکدیا مگر قلنہ (Corunna) کو تاراج کر کے
ڈریک نے (بقول خود) "شاہ اسپین کی ڈاڑھی جھلس ڈالی"
الیزبتھ نے اس دلیرانہ حملے سے صلح کی گفت و شنود کا کام
لینا چاہا مگر اسپین کے غرور کو سخت ٹھیس لگ چکی تھی - ادھر
معاہدہ صلح کے مراحل ابتدائی درپیش ہی تھے ، اُدھر پارما نے
آئندہ حملے کے لئے سترہ ہزار آدمی جمع کر لئے اور ڈنکرک
میں باربرداری کے لئے ہموار سطح کی کشتیوں کا ایک بیڑہ تیار
کر کے بے صبری کے ساتھ آرمیڈا کا انتظار کرنے لگا تاکہ
اس کی حفاظت میں وہ رود بار کو عبور کر جائے مگر ڈریک
کے حملے ، آرمیڈا کے اول امیرالبحر کے انتقال اور موسم سرما
کے طوفان نے اس بیڑے کی روانگی میں تاخیر پیدا کردی ،

فرانس کے خوف نے اور بھی اسے روک رکھا لیکن موسم بہار
میں فلپ کو اس صبر و انتظار کا صلہ مل گیا۔ لیگ کو
کامیابی حاصل ہوگئی اور شاہ فرانس اس کے ہاتھ میں ہوگیا۔
آرمیڈا فوراً ہی اسپین سے روانہ ہوا مگر روانگی کے ساتھ
ہی خلیج بسکے کے طوفان نے اس کے جہازات کو منتشر کردیا
اور اسے فرول میں پناہ لینا پڑی۔ آخرالامر ۱۹ر جولائی کو آرمیڈا ۸
کے بادبان راس لزرڈ سے دکھائی دئے اور بلندیوں کی آگ نے
تمام ساحل انگلستان کو خطرے سے آگاہ کر دیا۔ انگلستان
اس خبر کے سننے کیلئے تیار تھا، لیسٹر کے تحت میں بمقام ٹلبری
ایک فوج جمع ہو رہی تھی۔ صوبجات وسطی کی محافظ فوج
نے لندن کو اپنا مرکز بنایا تھا اور جنوب مشرق کی محافظ
فوجیں اپنے اپنے سواحل پر مقابلے کے لئے تیار تھیں۔ پارما
اپنی تجویز کے مطابق کتنا ہی قبل انگلستان میں کیوں نہ
داخل ہوگیا ہوتا، توبھی وہ یہی دیکھتا کہ اس کی فوج سے
ایک قوی تر فوج اس کے لندن کے راستہ میں حائل ہے
اور اس فوج میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے اس
کی بہترین پیدل فوج سے فلینڈرز میں برابر کا مقابلہ کیا تھا۔
اس نے اپنے بادشاہ کو اس امر سے متنبّہ کر دیا اور لکھا تھا
کہ ”وہاں اترنے کے بعد مجھے مسلسل لڑائیاں لڑنا پڑینگی۔
زخم و بیماری سے آدمیوں کا نقصان برداشت کرنا ہوگا،
سلسلۂ آمد و رفت کے کھلا رکھنے کے لئے عقب میں متعدد

دستے رکھنا پڑیں گے ، اور تھوڑے ہی دنوں میں میری فوج اس قدر کمزور ہو جائے گی کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں آگے نہ بڑھ سکے گی اور مرتدوں اور حضور والا کے دوسرے دشمنوں کو مداخلت کا موقع مل جائیگا - ان تمام نقصانات کے ساتھ ہی ایسی اہم دشواریاں بھی پیش آ سکتی ہیں جن کا تدارک مجھ سے شاید نہ ہو سکے ،، اگر واقعی پارما انگلستان میں آبھی جاتا تو بھی اسپین کی کامیابی کی حقیقی توقع صرف کیتھولکوں کی بغاوت سے ہو سکتی تھی لیکن اس نازک موقع پر انگلستان کے کیتھلکوں کا جوش حب الوطنی مذہبی جنون سے زیادہ قوی ثابت ہوا کیتھولک امرا نے اپنے جہازات ڈریک اور لارڈ ہاورڈ کے جہازات کے ساتھ شامل کر دئے اور کیتھولک زمیندار اپنے متاجرین کو لئے ہوئے ٹلبری میں جمع ہو گئے ، لیکن انگلستان میں اُترنے کے لئے ہر حال میں ضروری تھا کہ رودبار پر قابو حاصل کیا جائے۔ اور رودبار میں ایک بیڑہ مقابلے کے لئے تیار تھا - جب آرمیڈا ایک وسیع ہلال کی شکل میں پلی متھ کے سامنے سے گزرتا ہوا آگے بڑھا تاکہ بمقام کیلے پارما سے مل جائے۔ تو لارڈ ہاورڈ (افنگھم) کے تحت میں جہازات کا بیڑا خلیج سے نکل کر ہوا کے ساتھ ساتھ اس کے پیچھے لگ گیا - تعداد میں ان دونوں متخاصم طاقتوں کو ایک دوسرے سے کوئی نسبت نہ تھی ، آرمیڈا کے ایک سو انچاس جہازوں کے مقابلے میں انگریزی جہازوں

کی تعداد صرف اسّی تھی۔ وزن و جسامت کے لحاظ سے یہ تناسب اور بھی غیر معمولی ہو گیا تھا، انگریزی جہازوں میں سے پچاس جہاز جن میں امیرالبحر کے جہازات اور رضا کار کشتیاں سب شامل تھیں، موجودہ زمانے کے تفریحی جہازوں سے بڑے نہیں تھے۔ ملکہ کے جو تیس جہاز اس بیڑے کے خاص جہاز تھے، ان میں سے بھی صرف چار جہاز وزن و وسعت میں اسپین کے چھوٹے سے چھوٹے جہاز کے برابر تھے۔ ان اسپینی جہازوں میں سے سب سے زیادہ ہیبتناک نصف حصہ بیڑے کے پینسٹھ جہازات پر مشتمل تھا، ان کے علاوہ چار شاہی جہاز اور چار ان سے بھی طویل القامت جہاز تھے جن میں ہر ایک پر پچاس پچاس توپیں چڑھی ہوئی تھیں۔ چھپّن مسلح تجارتی جہاز اور بیس چھوٹی کشتیاں تھیں کُل آرمیڈا میں ڈھائی ہزار توپیں اور سامان کا نہایت وسیع ذخیرہ تھا، اس میں آٹھ ہزار ملّاح اور بیس ہزار سپاہی موجود تھے، اور اگرچہ امیر اعلیٰ ایک درباری ندیم ڈیوک مدینہ سدونیہ تھا مگر اس کی مدد کے لئے اسپین کے بحری افسروں کا قابل ترین عملہ موجود تھا؛ انگریزی جہازات اگرچہ چھوٹے تھے مگر وہ ہر طرح پر کیل کانٹے سے درست تھے۔ اسپینی جہازات جب ایک فٹ چلتے تو وہ دو فٹ چلتے تھے۔ ان پر نو ہزار جفاکش ملّاح تھے۔ اور ان کے امیرالبحر کی امداد کے لئے ان ناخداؤں کی ایک جماعت موجود تھی جنھوں نے اسپین کے سمندروں میں ناموری حاصل کی تھی۔

ہاکنس جس نے سب سے پہلے جزائر امریکہ کی طلسماتی دیوار کو توڑا امیرالبحر کے ساتھ تھا اسی جماعت میں فرابشر تھا جس نے شمال مغرب کا راستہ معلوم کرنے میں شہرت دوام حاصل کر لی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ ڈریک بھی انہیں میں شامل تھا اور لوگوں کے ذاتی جہازات سب اسی کے تحت میں تھے۔ ہوا کا نفع بھی انگریزوں کو حاصل ہو گیا تھا اور ان کے ہلکے جہازات اسپینی جہازوں کے ایک فیر کے مقابلے میں چار فیر کر سکتے تھے، وہ جب چاہتے ان سے قریب ہو جاتے اور جب چاہتے دور ہو جاتے، اسی صورت سے وہ اسپینی جہازوں کے رودبار سے گزرتے وقت برابر ان کے عقب میں لگے رہے۔ بقول انگریزی ملاحوں کے "اسپینیوں کے پر ایک ایک کرکے نوچ لئے گئے" اسپینی جہازات پے در پے ڈوبتے اور گرفتار ہوتے اور ساحل پر بھگائے جاتے رہے، اور اس پر بھی مدینہ سدونیہ کو اس میں کامیابی نہ ہوئی کہ وہ اپنے تعاقب کرنے والوں کو قریب ہوکر جنگ کرنے پر مجبور کر دیتا۔ آرمیڈا کبھی رک جاتا کبھی آہستگی کے ساتھ بڑھتا رہتا۔ اسی روا روی میں دونوں بیڑوں کے درمیان ایک ہفتہ تک جنگ جاری رہی۔ یہاں تک کہ آرمیڈا، کیلے میں لنگر انداز ہوگیا، اب وقت آگیا تھا کہ اگر آرمیڈا اور پارما کے اتحاد کو روکنا ہو تو زیادہ تیزی کے ساتھ کارروائی کی جائے، کیونکہ اس بے رحمی کے تعاقب سے اگرچہ اسپینوں کی حالت خراب ہوگئی تھی مگر پھر بھی

ان کے جہازوں کا زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا، دوسری طرف انگریزوں کے جہازوں کی تعداد اگرچہ بڑھ گئی تھی مگر ان کا سامان رسد اور گولہ بارود وغیرہ جلد جلد کم ہوتا جاتا تھا۔ ہاورڈ نے مبارزت کا عزم مصمّم کر لیا، اور آٹھ گولہ انداز جہازوں پر روشنی کر کے نصف شب کو انہیں سمندروں کے بہاؤ کے ساتھ اسپینی جہازوں کی قطار کی طرف روانہ کر دیا۔ اسپینی جہازوں نے فوراً اپنے رسّے کاٹ دئے اور سمندر میں نکل پڑے اور ہوا کے ساتھ گراؤ یلنز سے دور نکل گئے۔ ڈریک نے اب یہ عزم کرلیا کہ جو کچھ بھی ہو مگر ان کی واپسی کو روکنا چاہئے۔ صبح ہوتے ہوتے انگریزی جہاز اچھی طرح قریب آگئے اور دن ڈوبتے ڈوبتے انہوں نے قریب قریب اپنا آخری کارتوس ختم کر دیا۔ تین اسپینی جہاز ڈوب گئے، تین بے یار و مددگار فلینڈرز کے ساحل کی طرف بہ گئے مگر اسپینی جہازوں کا اصل حصہ بدستور قائم رہا اور ڈریک تک کو یہ بیڑا حیرت انگیز طور پر بڑا اور مضبوط معلوم ہوتا رہا، لیکن خود آرمیڈا کے لوگوں کو مطلق امید باقی نہیں رہی تھی۔ انگریزوں کی مہلک آتش فشانی اور طوفان کے باعث تمام جہاز درہم برہم ہو گئے تھے۔ اُن کے

بادبان پرزے پرزے، مستول ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے اور اب یہ انبوہِ جہازات محض مسلخ بن گئے تھے۔ چار ہزار آدمی کام آئے، اور اہل جہاز اگرچہ بڑی بیجگری سے لڑے مگر اس مہیب قتل عام کو دیکھکر سب سہم گئے۔ مدینہٴ سدونیہ پر خود نا امیدی طاری ہوگئی۔ اس نے اپنے سب سے زیادہ جری کپتان سے کہا کہ "سینیور اوکوئنڈا ہمارا خاتمہ ہو گیا، اب ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔ اوکوئنڈا نے جواب دیا کہ "اور لوگ ایسا کہیں تو کہیں، حضور کو بس تازہ کارتوسوں کے لئے حکم دینا چاہئے"۔ اوکوئنڈا اس خیال میں تنہا تھا، ایک مجلس جنگ منعقد ہوئی اور یہ فیصلہ ہوا کہ اسپین کی واپسی کا جو ایک راستہ جزائر آرکینز کے گرد ہوکر کھلا رہ گیا ہے اسی طرف سے ہوکر اسپین کو واپس جانا چاہئے۔ ڈریک نے لکھا ہے کہ "مجھے اس سے زیادہ مسرّت انگیز منظر کبھی نظر نہیں آیا جبکہ میں نے دیکھا کہ دشمن جنوبی ہوا کے ساتھ شمال کی طرف بھاگا جا رہا ہے۔ شہزادہ پارما پر اچھی طرح نظر رکھنا چاہئے کیونکہ اگر ہم چاہیں تو خدا کے فضل سے مجھے یہ یقین ہے کہ ہم بہت جلد ڈیوک سدونیہ سے بندرگاہ سینٹ میری میں خود اس کے نارنگیوں کے باغ میں اپنے حسب خواہش معاملات طے کرلیں"۔ مگر اس

تباہی کا کام ڈریک سے ایک قوی تر دشمن کے لئے محفوظ تھا۔ رسد کم ہو جانے کے باعث انگریزی جہازوں کو مجبوراً تعاقب ترک کرنا پڑا مگر اسپینی جہازوں کے آرکینز پر پہنچتے ہی شمالی سمندروں کا طوفان اس زور سے اٹھا کہ تمام نظم و ترتیب ہوا ہو گئی۔ پچاس جہاز قلنہ تک پہنچے جن پر وبا اور موت کے ستم زدہ دس ہزار آدمی سوار تھے۔ باقی جہازوں میں سے کچھ تو ڈوب گئے اور بعض آئرلینڈ کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے۔ آرکینز اور فیرو کے تباہ کن جزائر جزائر اسکاٹلینڈ کے اہل قبائل، ڈونیگال اور گیلوے کے پیدل سپاہی، سب نے ان کے قتل اور لوٹ میں ہاتھ رنگے جائینٹس کازوے اور بلاسکٹس کے درمیان آٹھ ہزار اسپینی تباہ ہو گئے۔ سلیگو کے قریب سمندر کے کنارہ پر ایک انگریزی کپتان نے گیارہ سو لاشوں کا شمار کیا۔ امرائے اسپین کے جو چیدہ افراد الونزو ڈی لیوا کے تحت میں اس جدید جنگ مقدس میں شرکت کے لئے روانہ کئے گئے تھے، دو مرتبہ ان کے جہازات تباہ ہوئے اور جب تیسری مرتبہ یہ لوگ جہاز پر سوار ہو کر چلے تو ڈنلیوس کے قریب ایک چٹان پر جہاز پھنس کر رہ گیا۔

جزو ہفتم

عہد الیزبتھ کے شعرا

(اسناد ۔ اس دور کے عام حالات کے لئے مسٹر (لارڈ) مارلے کی قابل قدر کتاب "انگریزی علم ادب کا ابتدائی خاکہ" (First sketch of English Literature) ہیلم کی تاریخ ادبی (Literary History) اور موسیو ٹین کی "تاریخ ادبیات انگریزی" (History of English Literature) وغیرہ دیکھنا چاہیئے مسٹر کریک نے اسپنسر کے تصانیف کی بہت مفصل طور پر تشریح کی ہے اور ابتدائی انگریزی ڈراما کی تاریخ کے پورے تفصیلات مسٹر کولیر کی تصنیف "تاریخ ادبیات افسانہ تا عہد شیکسپیر" (History of English Dramatic Literature to the time of Shakspear) سے معلوم ہو سکتے ہیں شیکسپیر کے ڈراموں کی تاریخ کے متعلق میلوں کی جستجو کامل تحقیقات کا کام دیتی ہے اور (Sonnets) (غزلیات) کے متعلق مسٹر آر ایچ براؤن اور مسٹر جیرالڈ میسی کے تصانیف میں آخری نظریات موجود ہیں بن جانسن اور اس کے رفقا کے متعلق انہیں کے تصانیف گفرڈ وغیرہ کے حواشی کے ساتھ

دیکھنا چاہیئے۔ لارڈ بیکن کے نہایت مکمل حالات اس کے "سوانح و خطوط" میں ملیں گے۔ مسٹر اسپڈنگ نے اس کے تصانیف کے ساتھ اسے بھی شائع کیا ہے۔ اسپڈنگ کا معذرت آمیز انداز لارڈ مکالے کے مضمون لارڈ بیکن کے حکم ناطق کے بالکل مخالف واقع ہوا ہے، نیز وہ مسٹر گارڈنر کی تاریخ انگلستان کے نسبتاً منصفانہ فیصلے کے بھی مغائر ہے۔ اس بحث میں مسٹر لیوئس کی تاریخ فلسفہ (History of Philosophy) بھی دیکھنا چاہیئے)۔

عہد الیزبتھ کے نصف اول میں انگریزی علوم کی تجدید پر ہم پہلے ہی نظر کر چکے ہیں قومی زندگی کی عام بیداری، کی دولت کی فراوانی، نفاست پسندی اور فرصت اس عہد کے خصوصیات میں تھے، اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان کے ساتھ ہی ساتھ انگریزوں میں دماغی جودت بھی ترقی کرتی جاتی تھی جس کا ثبوت نئے ابتدائی مدارس کی ترقی، دارالعلوموں میں ادب القدما کی تعلیم کے نئے جوش اور ترجمے کے شوق سے ملتا ہے۔ انہیں ترجموں کی وجہ سے اطالیہ و یونان کے مستند تصانیف سے تمام انگلستان میں لوگ عام طور پر مانوس ہو گئے تھے۔ اس جودت ذہنی کا اظہار سب سے بڑھکر سیکول اور للی کی بلند پایہ نظم و نثر سے ہوا، انکی کوششیں اگرچہ ابتدائی قسم کی تھیں مگر تھیں پُرزور۔ انگریزی ادبیات پر قومی و مقامی ہنگامہ کا جو اثر پڑ رہا تھا اس میں اس زمانہ کی مخصوص شوخی طبع، اور عجائب پسندی نے بھی اضافہ

کردیا تھا۔ ایک نئی زمین و آسمان (امریکہ) کے ظاہر ہوجانے سے اس زمانے کے اغراض انسانی کے حدود جس قدر وسیع ہوگئے تھے ایسی وسعت خیال اس کے پہلے یا بعد کبھی پیدا نہیں ہوئی، سولھویں ہی صدی کے نصف آخر میں کیپلر اور گلیلیو نے کوپرنیکس کی دریافتوں کو عالم آشکارا کیا اور اسی زمانے میں "قزّاق جہازوں" نے اس پردے کو ہٹادیا جسے اسپین نے اپنی حرص کی وجہ سے نئی دنیا پر ڈال رکھا تھا۔ اس زمانے میں غیر ملکوں کے سفر کا بھی ایک عام شوق پیدا ہوگیا۔ اس سے، دفعتًہ واحدۃً دنیا کی مختلف قومیں ایک دوسرے سے رُو در رُو ہوگئی تھیں ذہنی ترقی پر اس کا اثر بھی کسی طرح مذکورۂ بالا انکشافات سے کم نہیں پڑا۔ امیر البحر ڈیسپچی نے مغرب کے سُرخ رنگ قبائل کے حالات شائع کئے کورٹیز اور پزارو نے میکسیکو اور پیرو کے عجیب و غریب تمدّن کی کیفیتیں دکھائیں اسکے ساتھ ہی اہل پرتگال کے سفروں نے مشرق کی قدیم شان و شوکت کو نظروں کے سامنے کردیا، اور ہندوستان و چین کی داستان ممالک عیسوی میں پہلی بار میفی و منڈوزا کے توسّط سے پہنچی۔ اس دریافت کے کام میں انگلستان نے پورا حصہ لیا، ایک انگریز سیّاح جنکنس، بخارا تک گیا۔ ولبی نے مغربی یورپ میں مسکووی (روس) کی یاد پھر تازہ کردی انگریزی جہاز راں اسکوئی سو تک پہنچ گئے اور ورجنیا میں آباد ہوگئے

ڈریک نے تمام کرۂ ارض کا چکر لگایا ہیکلوئٹ نے جو مجموعۂ اسفار
شایع کیا تھا اس سے نہ صرف دنیا کی وسعت کا علم
ہوتا تھا بلکہ بنی نوع انسان کی بے شمار قوموں، ان کے
قوانین، رسوم، مذہب اور تعقل کے اختلافات کا حال معلوم
ہوتا تھا۔ دنیا کے اس جدید وسیع معلومات کا اثر نہ صرف
اس وقت کے تخیّل کی زندہ دلی اور شادابی سے ظاہر
ہوتا ہے بلکہ اس وسیع دلچسپی سے بھی ہویدا ہوتا ہے جو
خود انسان کی بابت پیدا ہوگئی تھی شکسپیر کا تصور کیلیبان
مانٹین کے سوالات کی طرح خطرات انسانی اور تاریخ انسانی
کے ایک نئے اور صحیح تر فلسفہ کی ابتدا کرتا ہے کیونکہ
اس نے استقرا سے زیادہ کام لیا ہے۔ فضائل انسانی
کے مطالعہ سے جو دلچسپی پیدا ہوگئی تھی وہ بکین کے مضامین
سے ظاہر ہوتی ہے اور اس سے بھی زیادہ ڈرامے کی
تعجب انگیز ہر دلعزیزی سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ شاعرانہ
قوتوں کے ان وسیع و عالمگیر اسباب کے ساتھ انگلستان
کا وہ جوش بھی شامل ہوگیا تھا جو قومی فیروزمندی، آرمیڈا
پر فتحیابی، اسپین سے خلاص پانے اور کیتھولک قوّت کے
شکست ہوجانے سے (جو قوم کی امیدوں پر ابر کی طرح
چھائی ہوئی تھی) پیدا ہوگیا تھا۔ اپنی محفوظ حالت اپنی
قومی قوت اور قومی طاقت کے اس نئے احساس نے
یکایک انگلستان کو کایا پلٹ کردیا تھا۔ اس وقت تک

الیزبتھ کے عہد کی دلچسپی سیاسی و مادی تھی۔ منظرِ عام صرف سیسل اور والسنگھم کے سے مدبّروں اور ڈریک کے سے جنگجویوں سے بھرا ہوا تھا، اس وقت کی ظفرمندیوں میں علم ادب کو مشکل سے ابھی کوئی جگہ ملی تھی مگر جس وقت سے آرمیڈا شکست کھاکر فیرول کو واپس گیا ہے اس وقت سے شاعروں اور فلسفیوں کی شان و شکوہ کے آگے جنگجو و مُدبّر پست ہو گئے تھے۔ الیزبتھ کے ندیموں میں سب سے معزّز وہ شاعر تھا جس نے "فیری کوئن" اس کے روبرو پیش کی، وہ نوجوان مُتقنّن تھا جو اس تمام شان و شوکت کے درمیان "نودم آرگینم" کے مسائل پر غور کررہا تھا۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہُکر بھیڑوں کے بارے میں اپنی تصنیف (Ecclesiastic Polity) "کلیسائی تنظیم" تیار کررہا ہے اور ٹیمز کے قریب ایک بھدے سے تھیٹر میں شیکسپیر کی جولانی طبع سال بسال جدید عظمت دکھارہی ہے تو ان کے سامنے قادسیہ کی کامیابی اور آئرلینڈ کی فتح بالکل ہیچ معلوم ہوتی ہے۔

اسپنسر ۱۵۵۲ انگلستان میں ادبیات جدید کی پوری تجلی اڈمنڈ اسپنسر کی ذات سے طلوع ہوئی۔ اس کی زندگی کے حالات ہمیں بہت کم معلوم ہیں، وہ مشرقی لندن میں غریب والدین کے گھر میں پیدا ہوا تھا مگر اس کا رشتہ التھارپ کے خاندان اسپنسر سے ملتا تھا، جس کی شہرت اس وقت تک

ایک پرانے خاندان کے طور پر قائم تھی" اور خود اسپنسر کو بھی اس پر فخر تھا۔ اس نے رعایتی فیس کے ساتھ کیمبرج میں تعلیم پائی اور ابھی لڑکا ہی تھا کہ دارالعلوم کو چھوڑ کر شمال میں اتالیق مقرر ہوگیا، چند برس غیر معروف طور پر غربت میں زندگی بسر کرنے کے بعد ایک خوبصورت "روزیلینڈ" کی ملامت پر وہ پھر جنوب کی طرف چلا گیا۔ کالج کی دوستی کے باعث گیبریل ہاروے اسے لارڈ لیسٹر کی خدمت میں پیش کردیا اور لیسٹر نے اسے اپنا ایلچی مقرر کرکے فرانس بھیجدیا اس دوران ملازمت میں لیسٹر کے بھتیجے سر فلپ سڈنی سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ سڈنی ہی کے مکان واقع پینشرسٹ میں اس نے اپنی پہلی تصنیف (Shepheard's Calender) (گڈرئے کی جنتری) تیار کی خود سڈنی کی "آرکیڈیا" کی طرح یہ کتاب بھی گلّہ بانی کی زندگی کا مظہر تھی جس میں محبّت، وفاداری، اور پیورٹنی اصول گڈرئے کی خیالی زندگی کے ساتھ مخلوط ہو گئے تھے۔ اس لطیف موسیقی اور وسیع تخیل کے سبب مصنّف کو معاً ہمعصر شعرا کی صف اول میں جگہ مل گئی مگر وہ اس وقت اس سے ایک بہت ہی بڑی تصنیف کی تیاری میں مشغول تھا اور گیبریل ہاروے کے بعض مقولات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آری اسٹو کی برابری کرنے پر تُلا ہوا تھا بلکہ اسے تو یہانتک امید تھی کہ اپنی کتاب "الوش کوین" میں وہ آرلینڈ و فیوری اوسو سے بھی بڑھ جائیگا مگر برلے کی نا رضامندی یا عدم توجہ نے ان تمام توقعات

پر پانی پھیر دیا جو سڈنی اور ارل لیسٹر کی سرپرستی اور ملکہ کے التفات کے باعث پیدا ہوگئے تھے۔ سڈنی خود الزبتھ کی نظروں سے گر گیا تھا، اور وہ "آرکیڈیا" لکھنے کے خیال سے اپنی بہن کے پاس ولٹن میں چلا گیا، اسپنسر نے بھی ملک کو خیرباد کہا، وہ خود لکھتا ہے کہ "بادشاہوں کے دربار میں بیکار پڑے رہنے اور لاحاصل توقعات قائم کرنے سے میں ناامید ہوگیا ہوں" وہ لارڈ گرے کی سکرٹری (معتمد) کے طور پر اس کے ساتھ آئرلینڈ کو چلا گیا، اور گرے کے واپس آجانے کے بعد بھی وہیں ایک عہدے پر رہگیا۔ لارڈ ڈسمنڈ کی ضبط شدہ جائداد سے اسے کچھ زمین بھی عطا ہوگئی تھی۔ اس طرح پر اسپنسر ان نو آباد کاروں میں شامل ہوگیا تھا، جن سے اس زمانے میں انگلستان کو امید تھی کہ وہ منسٹر کو دوبارہ آباد کردیں گے۔ اُس بنجر زمین میں جہاں "سردی، اشیاء کی کمیابی اور غربت کا ہجوم تھا،" اسپنسر نے عملی دلچسپی لینا شروع کیا جس کا ثبوت اس کے ایک نثر کے رسالے سے ملتا ہے جو اس نے کچھ زمانے بعد اس جزیرے کی حالت وحکومت کے متعلق شائع کیا تھا۔ اس نے ڈبلن یا ڈونریل سے دومیل کے فاصلہ پر سفید پہاڑ مول کے دامن میں اپنے قصر کلکولمین کے اندر دس برس کا وہ زمانہ گزارا جس میں سڈنی کا انتقال ہوا، میری کو پھانسی دی گئی اور آرمیڈا آیا اور نکل گیا۔ اس مقام میں اس کی بیچین طبیعت والے دوست والٹر رالے نے

اسے "دیکھا کہ وہ ملّا کے ساحل کے قریب جھاؤ کے سرسبز درختوں کی چھاؤں میں ہمیشہ سُست بیٹھا رہتا ہے" رالے کی یہ آمد ایک نظم کی وجہ سے یادگار ہوگئی تھی جس کا عنوان یہ ہے کہ "کالن کلاوٹ پھر اپنے گھر آگیا ہے" پنیسہرسٹ کے دو برس کے خوشگوار قیام میں جس عظیم الشان تصنیف کی ابتدا ہوئی تھی وہ شاعر کی جلا وطنی کی "سُستی" و تنہائی میں انجام کو پہنچی اور اس تصنیف "فیری کوین" کی تین اول کتابوں ہی کے شائع کرنے کی غرض سے اسپنسر، رالے کے ہمراہ لندن کو واپس آیا۔

"فیری کوین" کی اشاعت انگریزی شاعری کی تاریخ میں ایک نہایت نازک موقع پر ہوئی، درحقیقت اس نے اس سوال کا جواب دیدیا کہ انگریزی شاعری بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ قدیم نظم جس نے کیڈمن کی ذات سے برگ و بار پیدا کئے اور اسی کے ساتھ فنا ہوگئی تھی اسے چاسر نے دفعۃً واحدۃً نہایت ہی عظمت و عروج پر پہنچا دیا تھا مگر اس کے بعد اس کا حشر نہایت بُرا ہوا البتّہ سرحد کے پار پندرھویں صدی کے شعرائے اسکاٹلینڈ نے اپنے اُستاد کے رنگ اور اس کے زور بیان کو ایک حد تک قائم رکھا اور خود انگلستان میں "نشاۃ جدیدہ" کی اطالوی شاعری کی آواز بازگشت سرے اور سڈنی کی صورت میں ظاہر ہوئی اب نئے انگریزی ڈرامے نے بھی اپنی حیرت انگیز طاقت کا اظہار شروع کردیا تھا

اور مارلو کے تصانیف سے شکسپیر کے لئے راستہ صاف ہوگیا تھا۔ آئندہ کے نظم کے توقعات اگرچہ نہایت روشن تھے لیکن اسپنسر جس وقت اپنی کتاب "فیری کوین" لئے ہوئے برسٹل میں وارد ہوا ہے اس سے دو برس کے اندر انگریزی زبان میں ایسی معنی آفریں نظم نہیں کہی گئی تھی۔ اس کے بعد سے انگریزی شاعری کی رفتار و ترقی میں کسی وقت بھی خلل نہیں پڑا۔ ایسے بھی وقت آئے کہ انگلستان "خوش الحان پرندوں کا گھونسلا" بن گیا جیسا کہ اس نظم کی اشاعت کے عین مابعد زمانے میں واقع ہوا اور ایسے بھی وقت آئے کہ نظم کا ذکر کہیں کہیں شاذ و نادر ہوتا تھا، مگر ایسا کوئی وقت نہیں آیا کہ انگلستان میں ایک بھی شاعر نہ رہا ہو نئی انگریزی شاعری اور اس کے مخرج میں بالکل مطابقت تھی اور اسپنسر ہمیشہ "شاعروں کا شاعر" (یعنی شاعر گر) سمجھا جاتا رہا اپنے وقت میں وہ تمام انگلستان کا عام پسند شاعر تھا، "فیری کوئین" کو تمام لوگوں نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ کتاب "ہر مہذب شخص کی مسرت کا باعث ہر شاعر کے لئے نمونہ اور ہر سپاہی کے لئے موجب تسکین" بن گئی تھی۔ درحقیقت اس نظم میں اس وقت کی طرز زندگی کا ہوبہو نقشہ کھینچ دیا گیا تھا۔ اسپنسر نے اپنے قصے کا ڈھانچہ کلٹی افسانہ کے عالم خیال کے سانچے میں ڈھالا تھا۔ جس کے عجائبات و اسرار حقیقت ہیں خود

اس کے گرد و پیش کے عجائبات و اسرار کی نہایت صحیح تصویر تھے کورٹیز اور رالے کے زمانے کا عالم خواب، اب عالم خواب نہیں رہا تھا اور کسی لیڈی یا نائٹ کی بابت کوئی عجیب سے عجیب اتفاق یا حادثہ ایسا نہیں بیان کیا جاسکتا کہ جنوبی سمندروں کے گرم و سرد چشیدہ جہازراں اس سے عجیب تر قصے "ایوان مبادلہ" کے باوقار تاجروں کے سامنے نہ بیان کرتے ہوں۔ "نشأۃ جدیدہ" کے زمانے میں خیالات میں جیسی ابتری تھی اس کے لحاظ سے آرتھر اور اسکے نائٹوں کے قصے کی متضاد باتیں ہی (جو مغنیوں، نظم گویوں اور پادریوں کی حریصانہ کوششوں سے عجیب و غریب طور پر پیدا ہوگئی تھیں) اس زمانے کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھیں۔ اس وقت کے لوگوں کی نظروں میں شاید "فیری کوئین" کے بیانات کا یہ خلط مبحث کچھ معیوب معلوم ہو کہ جس سبزہ زار پر نائٹ جمع ہوں وہیں روما کی سینگھوں والی مخلوق ناچتی ہو، نئی دنیا کے تباہ شدہ جہازوں کے نکالنے والوں کا تذکرہ اُس کے بعد ہی یونان کی جنگلی مخلوق کا ذکر ہونے لگے، جن کی شکل انسان کی سی اور کان اور دُم گھوڑے کے سے تھے۔ علیٰ ہذا عام افسانے کے دیووں، بھوتوں، عفریتوں کے ساتھ ہی ساتھ ازمنۂ وسطیٰ کے افسانوں کے یونانی قصوں اور ناکتخدا لڑکیوں کا مذکور شروع ہوجائے۔ یہ خلط مبحث اگرچہ عجیب معلوم ہوتا ہے

مگر یہ خلط مبحث، ان متضاد خیالات اور متخاصم جذبات کو بہت صحیح طور پر ظاہر کرتا ہے جو اسپنسر کے ہمعصروں کے دل و دماغ کو پریشان کررہے تھے۔ درحقیقت یہ حالات "فیری کوئین" تک مخصوص نہیں ہیں بلکہ جس دنیا کا خاکہ کھینچا گیا ہے اس کی حالت واقعی یہی تھی۔ ازمنۂ وسطیٰ کے مذہبی پُر اسرار عقائد کو "تجدید علمی" کی آزادی سے واسطہ پڑا، رہبانیت اور ترک خودی ان لوگوں پر اثر کیا چاہتی تھی جن کے خیالات عالم کی کثرت انواع اور غیر محدود ہستیوں کے احساس سے چھلک رہے تھے۔ حسیات کی وہ خواب نما اور شاعرانہ لطافت (جس کا اظہار "فروسیت" کی خیالی باتوں میں ہوا کرتا تھا) اس درشت عملی قوت کے پہلو بہ پہلو آگئی تھی جو طاقت انسانی علم و ادراک سے پیدا ہوگئی تھی۔ اسی طرح انتہائی دوستی و محبت کا حد سے بڑھا ہوا مبالغہ اس اخلاقی سختی و بلند خیالی کا ہم قرین تھا جو "اصلاح" اور "کتاب مقدس" کی وجہ سے انگلستان میں پیدا ہوئی تھی۔ "فیری کوئین" کے اجزا مختلفہ اگرچہ ایک دوسرے سے اس قدر متباین واقع ہوئے ہیں مگر جس مخصوص سکون و وقار کے ساتھ ان کا اظہار ہوا ہے اس سے ان متضاد اجزا میں ایک طرح کی ہمرنگی پیدا ہوگئی ہے۔ "نشاۃ جدیدہ" کی پر ہیجان دنیا ہمارے سامنے ہے مگر شاعر کی قدرت بیان نے اس میں ترتیب، لطافت اور سکون پیدا کردیا ہے، وہ اپنے وقت کی بہترین اطالوی

نظم سے بھی جو منظر اخذ کرتا ہے اس میں بھی ایک لطافت پیدا کردیتا ہے، یہانتک کہ اپنے گرد و پیش کے لوگوں کے لڑائی جھگڑے کو ذلیل واقعات سے ہٹاکر اس میں روحانی وحدت اور خود روح کی کشمکش کا رنگ دیدیتا ہے۔ ہمعصر واقعات کے اشارے نہایت کثرت سے ہیں مگر اس طرح کہ الیزبتھ اور میری کا مناقشہ اونا اور جھوٹی دوئستا کے مناقشے کی خیالی شکل اختیار کرلیتا ہے، اور اسپین اور ہیوگناٹ کی جنگ کے ہنگامۂ باہمی کی گرج دوسرے پرسکون امور سے ملکر ایک نرم اور دھیمی آواز کی طرح ہم تک پہنچتی ہے۔ خود قصے کی طرح نظم کی روانی بھی ایسی معلوم ہوتی ہے گویا وہ اپنے طبعی زور میں آگے بڑھتی چلی جارہی ہے۔ تعجیل، کوشش یا تعویق کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا۔ اسپنسر کی شاندار رنگ آمیزی اور اس کی خیالی تصاویر کی کثرت و پیچیدگی، پڑھنے والے کے لئے مطلق کسی طرح اغلاق نہیں پیدا کرتی، باوجود غرابت کے ہر تصویر اپنے موقع پر صاف و عیاں نظر آتی ہے۔ "فیری کوئین" کا یہی سکون، وقار اور علوّ روحانی ہے جن کے اندر ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ آیندہ زمانہ "نشاۃ جدیدہ" کی ہیجانی زندگی سے نکل کر ترتیب و ہمرنگی کی صورت اختیار کرنے والا ہے یہ تخّیل اور نیز جس طرح اسپنسر نے اپنی تصنیف میں اس تخّیل کی تکمیل کی ہے دونوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ نظم آیندہ زمانے کی پیوریٹینی عقائد کی خبر دے رہی ہے۔ اپنی سابقہ تصنیف "شیپرڈز کیلنڈر"

میں شاعر نے دلیری کے ساتھ ان لوگوں کا ساتھ دیا ہے جو
دربار کے مذہبی طرز عمل کے خلاف اصلاح کلیسا کے مقابلہ
میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ اس نے اسقف اعظم گرنڈال
کو (جو اس زمانے میں اپنے پیوریٹنی خیالات کی وجہ سے نظر سے
گرا ہوا تھا) مسیحی واعظین کا نمونہ قرار دیا ہے۔ اعلیٰ عہدہ دار
پادریوں کی شان و شوکت کی نسبت نہایت سخت الفاظ میں
اعتراض کئے ہیں مذہبی نظر سے اسکی کتاب "فیری کوئیں" انتہائی درجہ
کے پیوریٹنی خیالات کی مظہر ہے، اس کے صلیب احمر کے نائٹ
کا بدترین دشمن روما کا کذاب و سرخ پوش دولتّا ہے جس نے
ایک وقت کے لئے اسے "صداقت" سے ہٹاکر "غرور" کی طرف مائل کردیا تھا
اسپنسر نے نہایت سختی و بیدردی کے ساتھ میری اسٹوارٹ
کے قتل پر زور دیا ہے۔ اس کی نظم کے سکون میں تلخ
الفاظ سے سوائے ایک موقع کے کہیں خلل نہیں پڑا ہے
یہ وہ موقع ہے جہاں اس نے یہ لکھا ہے "مذہب کیتھولک
انگلستان کو ایسے خطرے میں گھیر رہا ہے کہ اگر خدا کا فضل
اس کے نائٹ کے شامل حال نہ ہوتا اور وہ "صداقت" پر
ثابت قدم نہ رہتا تو ضرور اسے لغزش ہوگئی ہوتی" لیکن اس کی
تصنیف کے اصول و انداز سے انگلستان کے طریق پیوریٹن کی
شریفانہ و عمیق جھلک اور بھی نظر آتی ہے، اپنی شاعری کے
ابتدائی زمانے میں اس نے چاہا تھا کہ آری اوستو سے گوئے
سبقت لیجائے مگر اس کی نظم میں آری اسٹو کا سا نشاط و

اہتزاز بالکل مفقود ہے۔ اس کی متین شاعری میں ہنسی کا نام تک نہیں ہے، وہ بالطبع ایک سنجیدہ مزاج شخص معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کے انداز بیان کی سنجیدگی کا اثر اس کے مقصد شاعری پر بھی پڑتا ہے۔ وہ خود اپنا مقصد یہ بیان کرتا ہے کہ وہ اخلاقی خوبیوں کو اس طرح ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ ایک ایک نائٹ کو ایک ایک خوبی کا مظہر بنائے تاکہ ہر ایک ذات سے اس کی خوبی کی فضیلت ظاہر ہو اور اس کے بالعکس مردم آزاری بزور اسلحہ و سپہگری پیروں کے نیچے روند ڈالی جائے اس نے یکے بعد دیگرے بارہ نائٹوں کا خاکہ کھینچا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک صفت نیک کا پتلا بنا کر غلطیوں اور برائیوں کے مقابلہ میں اسے قائم کیا ہے یہانتک کہ اس تمام گروہ کے گل سرسبد آرتھر کی ذات میں ایک انسان کامل کا نمونہ نظر آتا ہے جو اس آرزو میں گام فرسا تھا کہ "فیری کوئین" یعنے سعی انسانی کے مقصد صحیحہ (عظمت ربانی) کو حاصل کرے۔ اسپنسر کی وسعت علمی، حسن ادا کی بابت اس کی رعنائی خیال اور سب سے بڑھکر اس کے اخلاقی جوش کی استواری نے اسے اس تنگ خیالی و غلو سے بچا لیا جس میں اکثر پیورٹین مبتلا تھے کہ نیکی میں محبت کا شائبہ تک نہیں سمجھتے تھے۔ اسپنسر اگرچہ ایک پکا عیسائی تھا مگر اس میں "نشاۃ جدیدہ" کی وسیع خیالی اور عالم فطرت کے ساتھ شاعرانہ انداز کی الفت موجود تھی اور چونکہ عالم فطرت کی الفت قدیم

افسانیات کی بنا تھی اس وجہ سے اس کی عیسائیت میں فراخدلی و تازہ روئی پیدا ہوگئی تھی۔ ڈایانا اور زمانہ بت پرستی کے دیوتاؤں پر بھی مذہب جدید کی پاکیزگی کا ایک ہلکا سا مقدس رنگ چڑھا دیا گیا ہے۔ "فیری کوئین" کی نہایت طویل نظموں میں سے ایک نظم میں تصور الفت کو اس درجہ وسعت دی گئی ہے کہ اسے فطرت کی قوت خلاقی کا ایک پُرزور خیال قرار دیدیا ہے۔ یہ بعینہ یونانیوں کا سا خیال ہے۔ درحقیقت اسپنسر اپنے اخلاقی جوش کے ظاہر کرنے کے لئے فلسفہ افلاطون کے نازک و لطیف طریقوں کو اختیار کرتا تھا وہ اوروں کی طرح سے صرف یہی نہیں کرتا تھا کہ ہر ایک شریفانہ، پاکیزہ اور نیک شے سے محبت رکھے بلکہ وہ اخلاقی حسن کے ایک ایسے پُرجوش جذبے سے بھرا ہوا تھا کہ اس کے قبل یا بعد کسی میں ایسا جوش نظر نہیں آیا۔ اس کے نزدیک "انصاف" "اعتدال" اور "صداقت" محض نام ہی نام نہیں تھے بلکہ وہ ان کے وجود حقیقی کا قائل تھا اور ایک بیتابانہ محبت کے ساتھ اپنی پوری قوت سے ان پر قابو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا اعتقاد یہ تھا کہ حسن ظاہری حسن روحانی سے پیدا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے وہ حسن ظاہری سے الفت رکھتا تھا۔ کوئی زمانہ ہو اس قسم کے اخلاقی اعتراضات سے نفرت کا پیدا ہوجانا لازمی ہے مگر عہد الیزبتھ کے لئے یہ امر باعث فخر ہے کہ باوجودیکہ اکثر وجہوں سے وہ "شگفتگی کا زمانہ" تھا مگر تمام شریف و وضیع

لوگوں نے "فیری کوئین" کا خیر مقدم کیا۔ اسپنسر کہتا ہے کہ "خود الیزبتھ نے اس ترنم کو کان لگاکر سنا" بلکہ شاعر کا وظیفہ بھی مقرر کردیا۔ ۱۵۹۵ء میں وہ اس نظم کے تین اور حصے انگلستان میں لایا اور پھر آئرلینڈ کو واپس چلا گیا تاکہ کچھ غزلیں اپنی شادی کی یادگار میں لکھے اور تہنیت عقد کی ایک بہترین نظم تیار کرے۔ نیز اپنے آئرلینڈی ہمسایوں کے شر و فساد کے درمیان الفت و غربت کی حالت میں "فیری کوئین" کو تمام کرے۔ مگر اس شر و فساد نے بہت جلد زیادہ نازک صورت اختیار کرلی ۱۵۹۹ء میں آئرلینڈ میں غدر ہوگیا اور شاعر کو اپنے جلتے ہوئے گھر سے انگلستان کو بھاگنا پڑا وہاں پہنچکر اس کا دل ٹوٹ گیا اور ویسٹ منسٹر کی ایک سرائے میں اس کا انتقال ہوگیا۔

جس طرح "فیری کوئین" میں عہد الیزبتھ کے اعلیٰ اوصاف کا اظہار ہوا تھا اسی طرح اس زمانے کے انگریزی ڈراما سے اعلیٰ و ادنیٰ کل حالتوں کا اظہار ہوگیا تھا۔ یہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ اس زمانے میں حالات ایسے جمع ہو گئے تھے جو تمام یورپ میں قوائے ذہنی کے نئے جوش کو شاعری کی جانب مائل و راغب کرتے جاتے تھے اور اس نئے میلان نے ہر جگہ ڈرامے کی شکل اختیار کرلی تھی۔ اس زمانے کے قریب کاریبے نے فرانس میں افسانہائے غم کو رواج دینا شروع کیا تھا مگر ایک مدت تک اس کا کوئی اثر انگریزی شاعری پر نہیں پڑا البتہ اطالیہ کے افسانہائے مسرت کا اثر ناول (یعنی قصوں)

کی شکل میں براہ راست انگریزی شاعری پر پڑا ان افسانوں کا آغاز نصف صدی قبل مکیاویلی اور آری اوستو نے کیا تھا یہی قصے ڈراما نویسوں کے لئے بنیاد کا کام دینے لگے اور انگلستان کے تھیٹر میں اس کے بعض بدترین اثرات ہمیشہ کے لئے باقی رہ گئے۔ انگریزی ڈراما کی جن کیفیات نے اس زمانے کے اخلاق میں ہیجان پیدا کردیا اور جس کی وجہ سے فرقہ پیوریٹن ناٹک کا جانی دشمن ہوگیا وہ سب اسی اطالوی تھیٹر کی تقلید تھی اس تقلید کے باعث انگریزی ڈراما میں لغویات اور بے دینی کا زور بڑھا، دہشت و جرم کے مناظر دکھانے کا میلان ہوا، ظلم و شہوت رانی کی کثرت ناٹک کی بنا قرار پاگئی اور جہاں کہیں موقع ہوا بیباکی کے ساتھ جذبات انسانی کے نفسانی و غضباتی پہلو کو مہیب و غیر فطری شکل میں پیش کیا گیا۔ لوپے اور سیروانیتس کی کوشش سے اسپین میں بھی یک بیک ڈراما کو وہی عظمت حاصل ہوگئی جو اسے انگلستان میں حاصل ہوگئی تھی۔ مگر بالیقین یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انگریزی ڈراما نویسوں پر اسپین کا اثر کس حد تک پڑا۔ انگریزی و اسپینی ڈراموں میں ایک عجیب وغریب مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں میں رنج و مسرت کی آمیزش موجود ہے، معاملات زندگی کے بیان میں شاعرانہ ثقاہت کے بجائے روز مرہ کی زبان کا استعمال کیا گیا ہے، غیر متوقع واقعات سے کام لیا گیا ہے اور قصوں کی ترتیب اور سازشوں کی کڑیوں کے ملانے میں بھی یکسانی پائی جاتی ہے۔

لیکن بظاہر اس مماثلت کا باعث ان دونوں میں کسی قسم کے براہِ راست تعلق کے بجائے زیادہ تر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن حالات کے تحت میں ڈراما کو عروج حاصل ہوا وہ دونوں ممالک میں یکساں تھے۔ اصل یہ ہے کہ انگریزی ڈراما کی حقیقی ابتدا کسی بیرونی اثر سے نہیں ہوئی بلکہ خود انگلستان ہی کے اندر اس کا سامان مہیا ہوا، قوم کی طبیعت خود ڈراما کیطرف مائل تھی۔ "اصلاح" کے وقت سے دربار شاہی، انز آف کورٹ (مدارس قانون) اور دارالعلوم سب اس قسم کے تماشوں کی تصنیف میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوششیں کررہے تھے۔ اور ان تصانیف کو اس قدر جلد قبول عام حاصل ہوگیا کہ ہنری ہشتم ہی کے وقت میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ انکی نگرانی کے لئے ایک "ماسٹر آف دی ریولز" (ناظر لہو ولعب) مقرر کیا جائے۔ الزبتھ کا جلوس کے ساتھ ایک ضلع سے دوسرے ضلع کو جانا بجائے خود ایک مسلسل تماشا تھا۔ بلکہ جب شکار سے واپس آتی تو "ڈایانا" اپنی پریوں کو لئے ہوئے اس کا استقبال کرتی۔ جب وہ ناروچ کے دروازے میں داخل ہوتی تو "محبت" اپنا زرین تیر اسے پیشکش میں دیتی۔ الزبتھ کے عہد کے شروع سے ہی "نشاۃ جدیدہ" کی نئی روح، پرانے معمہ دار ڈرامے کے کھردرے سانچے میں ڈھلنی شروع ہوگئی۔ اور اُس کی تمثیلی نیکیاں اور بدیاں اور اُس کے انجیل سے لئے ہوئے سورماؤں کے قصوں ہی کے ذریعہ سے ڈراما ازمنۂ وسطیٰ کی

شاہ راہ میں سے ہوکر ہم تک پہنچا ہے۔ بہت ہی جلد ادب القدما
کے اقتباسات خالص مذہبی "اخلاقی ڈراموں" کے ساتھ ساتھ شامل
ہونے لگے اور ایک عام پسند افسانہ مسرت گیمبل گرٹنز نیڈل۔
(گیمبل گرٹن کی سوئی) کے ذریعہ سے انداز بیان اور معنی آفرینی کو
زیادہ مسرت انگیز کرنے کی فکر کی گئی۔ اسی کے ساتھ سیکویل
(لارڈ ڈارسٹ) نے اپنے افسانۂ غم "گاربوڈک" میں طرز بیان کو
زیادہ پرُدرد بنانے کی کوشش کی اور ڈراما کے مکالمات
کے لئے بلینک ورس (نظم غیر مقفیٰ) کی طرز ایجاد کی۔ انگریزی
تھیٹر، جس حیرت انگیز اظہار جدت کا واقعی ممنون ہے وہ علما
و امرا کی اس قسم کی شوقیہ کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ
وہ نتیجہ ہے اس ناٹک کا جسے خود قوم نے پیدا کیا تھا۔
اس کی ابتدا اس وقت سے ہوتی ہے جبکہ "ارل لیسٹر کے
خدام" نے پہلی مرتبہ بلیک فرائرز میں عوام کے لئے ایک
تھیٹر کی بنا ڈالی۔ بالعموم سرا ـــ کے صحن سے تھیٹر کا کام
۱۵۷۶ لیا جاتا تھا یا جیسا کہ دیہات کے میلوں میں اب بھی
ہوتا ہے کرمس کا عارضی سائبان بنالیا جاتا تھا۔ عام تماشائی
کھلے صحن میں بیٹھتے تھے۔ اس صحن کے گرداگرد سایہ دار رواق
ہوتا تھا اور اس رواق میں متمول اشخاص کو جگہ ملتی تھی
امرا اور تھیٹر کے مربیوں کی نشست خود اسٹیج پر ہوتی تھی،
تمام سازوسامان نہایت بھدے قسم کا ہوتا تھا، چند پھولوں
سے ایک باغ مراد ہوتا تھا، تلواریں لگائے اور کمر باندھے ہوئے

دس بارہ خدام مجمعوں اور فوجوں کے بجائے سمجھے جاتے تھے۔ تماشے کے خاص افراد ٹٹوؤں پر سوار اِدھر سے اُدھر نکل جاتے تھے ایک تختے پر لکھکر لگا دیا جاتا تھا کہ یہ منظر اتھینز کا ہے یا لندن کا۔ ایکٹروں میں عورتیں نہیں ہوتی تھیں۔ لڑکے عورتوں کا پارٹ کرتے تھے جن ناگوار الفاظ کا عورتوں کے منھ سے نکلنا ہمیں حیرت زدہ کردیتا ہے جب وہ لڑکوں کے منھ سے ادا ہوتے تھے تو ان کی حالت کچھ اور ہی ہوتی تھی مگر یہ تمام دقتیں خود ڈراما کی عام پسندی کے مقابلہ ہیچ تھیں۔ اس زمانے کے تھیٹر کیسے ہی بھدّے اور بے سلیقہ کیوں نہوں مگر ساری دنیا اس پر ٹوٹی پڑتی تھی۔ تھیٹر کا چبوترہ امرا اور اہل دربار سے بھرا ہوتا تھا۔ نیچے کی بنچوں پر مزدوروں اور شہر کے عام لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ صحن کے اسی مجمع عوام کے جذبات سارے تھیٹر پر اثر ڈالتے تھے۔ زندگی کا ہنگامہ، اس کے فوری تغیرات، پر جوش قوت عمل، واقعیت، ہنگاموں کی بالکل اصلی کیفیت، حقیقی زندگی کے سے مکالمات، خوش گپیاں، ہنسی مذاق، رنج و غم، عظمت و وقار، ہائے ہو، بیہودہ گوئی، بھدّے قسم کے مناظر، وحشت و خونریزی۔ غرض ہر طرح کی معاشرت کا احاطہ کرلینا اور انسانی طبیعت کی بدترین و بہترین خصلتوں کو نمایاں کر دکھانا یہی انگریزی تھیٹر کی ممتاز خصوصیت تھی۔ اس نئے ڈراما نے اپنے وقت کی ظاہر و باطن کیفیت و حالت کو آئینہ کردیا تھا۔ تھیٹر میں جو کچھ ہوتا تھا اس کی شرافت

ورذالت خود اہل ملک کے خصائل کی غمّاز تھی۔ انسانی زندگی کا ایسا ہوبہو نقشہ کسی تھیٹر میں نہیں کھنچا نہ کبھی شاعرانہ زندگی میں یہ زور پیدا ہوا۔ انگریزی ڈراما نویس اپنے ہنگاموں اور بیباکیوں کے زور میں نہ قدیم روایات کا پاس و لحاظ کرتے تھے نہ رسم و رواج کو خاطر میں لاتے تھے۔ انہوں نے اس فن کو نہ کسی سے سیکھا تھا نہ ان کے جذبات شاعرانہ کے اظہار کے لئے کسی تحرک کی ضرورت تھی۔ ان کے اُستاد و محرک جو کچھ تھے ان کے اہل ملک تھے۔

ڈراما نویسان سابقین

الیزبتھ کے وقت میں جس طرح ناٹک کو یک بیک عروج حاصل ہوگیا ایسے حیرت افزا واقعات تاریخ انگلستان میں بہت کم ہوئے ہوں گے۔ ابھی ابھی یہ ذکر ہوچکا ہے کہ سب سے پہلا عام تھیٹر ملکہ کی حکومت کا نصف زمانہ گزرجانے کے بعد قائم ہوا تھا مگر اس کے عہد کے ختم ہونے تک صرف لندن میں اٹھارہ تھیٹر قائم ہوگئے تھے۔ پیورٹینوں نے جب تھیٹروں کو بند کیا ہے، اس سے پیشتر پچاس برس کے اندر ہی اندر پچاس ڈراما نویس شاعر پیدا ہوچکے تھے جن میں سے اکثر اول درجہ کے شاعر تھے، اور باوجودیکہ ان کی تصانیف بکثرت تباہ ہوگئیں، پھر بھی ہمارے وقت تک اس عہد کے لکھے ہوئے سو ڈرامے موجود ہیں جن میں سے نصف کے قریب بہت اعلیٰ درجے کے ہیں۔ ان مصنفین پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس زمانے کی ذہنی ترقی

کا اثر اب عوام تک پہنچ گیا تھا۔ تقریباً تمام نئے ڈراما نویس اچھے تعلیم یافتہ تھے بلکہ بہت سے ایسے تھے جنہوں نے یونیورسٹی میں تعلیم پائی تھی۔ پرانے ڈراما نویسوں میں نیش، پیل، کِڈ، مارلو وغیرہ سب کے سب غریب تھے مگر وہ غربت کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے تھے یہ بڑی بے پروائی سے زندگی بسر کرنیوالے لوگ تھے۔ انہیں نہ قانون کی پروا تھی نہ اپنی عزت و حرمت کی، اپنے زمانے کے رسم و رواج و مذہب سے اُنہوں نے سرتابی اختیار کرلی تھی، لوگ انہیں عام طور پر بیدین سمجھتے تھے ان کے خیال میں "حضرت موسیٰ ایک بازیگر تھے" (نعوذ باللہ منہا) چکلے اور شراب خانے ان کے قدموں سے سرفراز تھے اور ان کی جانیں فاقہ مستی اور میخانوں کے ہنگاموں کی نذر ہوتی تھیں مگر عہد الیزبتھ کے ڈرامے کی اشاعت کرنے والے یہی لوگ ہوئے ہیں، ان سے پہلے کے جو ڈرامے اس وقت موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یا تو قدیم یونانی و لاطینی قصوں یا اطالوی افسانہائے مسرت کی روکھی پھیکی نقلیں ہیں یا "رالف رائسٹر ڈائسٹر" کے سے بناوٹی قصے یا "گاربوڈک" کے سے افسانۂ غم تھے۔ ان میں جابجا ایسے ٹکڑے ضرور ملتے ہیں جن میں شاعرانہ زور پایا جاتا ہے مگر ان سے ڈراما کی ترقی کی کوئی امید نہیں پیدا ہوسکتی تھی۔ لیکن آرمیڈا کے آنے سے ایک برس قبل اسٹیج کی کیفیت ہی دفعتہً بالکل بدل گئی اور نئے ڈراما نویس دو نہایت ہی مختلف الطبائع شخص رابرٹ گرین اور کرسٹوفر مارلو

۱۵۸۷ کی پیروی میں دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ گرین کے متعلق پہلے ہی یہ ذکر ہو چکا ہے کہ وہ انگریزی نثر کا بانی تھا لیکن ایک شاعر کی حیثیت سے اس کی تصنیف اور بھی زیادہ گرانپایہ تھی کیونکہ عادات و اطوار کے ظاہر کرنے اور معاشرتی تعلقات کے بیان کرنے میں اس کی نظر جیسی دُور رس، اس کا تخیل جیسا شگفتہ اس کا انداز کلام جیسا دل آویز تھا اس کا گہرا اثر اس کے ہمعصروں پر پڑا۔ ان خوبیوں میں مارلو اور پیل کے سوا کوئی اس کا مد مقابل نہیں تھا۔ نوجوان ڈراما نویسوں کی کیفیت جس خوبی سے گرین کے حالات سے واضح ہوتی ہے ایسی کسی اور کے حالات سے نہیں ہوتی، کیمبرج سے علٰحدہ ہوکر وہ اطالیہ و ہسپانیہ کے سفر کو چلا گیا اور ایک ملک سے عیاشی اور دوسرے ملک سے بد اعتقادی کا سبق لیکر آیا مرنے کے قبل اس نے جو حسرت آمیز تحریر لکھی تھی اس میں اپنی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ " میں ایک شرابی و فسادی آدمی ہوں، پمفلٹ اور ڈرامے لکھکر روپیہ پیدا کرتا اور اس روپیہ کو شرابخواری اور عورتوں کے پیچھے ضائع کر دیتا اور جام زندگی کی تلچھٹ تک پی جاتا ہوں" اس نے دوزخ اور عالم معاد کو اپنے بے حد تمسخر کا ہدف بنا رکھا تھا۔ لکھتا ہے کہ " اسے جس قدر خدا کا خوف ہے اگر اس سے زیادہ خوف دربار کے حکام کا نہوتا تو وہ اکثر لوگوں کی جیبیں کتر لیا کرتا " اس نے شادی بھی کی اور بیوی سے الفت بھی ہو گئی مگر تھوڑے ہی دنوں میں

بیوی کو چھوڑکر یہ بد نصیب فضول خرچ بھر انہیں لغویات میں مبتلا ہوگیا جنھیں وہ درحقیقت نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا مگر اس کے بغیر اپنی زیست کو محال سمجھتا تھا۔ لیکن طرز معاشرت کے اس ابتذال کے باوجود اس کا قلم ہر قسم کے لغویات سے پاک تھا۔ اس نے عشقیہ پمفلٹ اور چھوٹے چھوٹے قصوں کا ایک نامتناہی سلسلہ جاری کردیا تھا اور جو گروہ اسکے گرد جمع ہوگیا تھا وہ انہیں قصوں کو بنا قرار دے کر انہیں ڈراما کی صورت میں ڈھالتا تھا مگر ان تمام بے شمار تصنیفوں میں گرین ہمیشہ نیک کرداری کا جانبدار رہا۔ مارلو کی زندگی گرین کی زندگی سے بہت ہی زیادہ فتنہ انگیز اور اس کی بد اعتقادی گرین سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اگر وہ اس قدر جلد مرنہ گیا ہوتا تو اغلب ہے کہ اس پر ارتداد کا جرم عائد کیا جاتا۔ اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے حضرت موسیٰ کو (نعوذباللہ) بازیگر کہا اور فخریہ بیان کرتا تھا کہ اگر وہ کسی نئے مذہب کی تدوین کرے تو یہ نیا مذہب اس عیسائیت سے بہتر ہوگا جسے وہ اپنے گرد و پیش دیکھ رہا ہے۔ لیکن انگریزی افسانہائے غم کے لکھنے میں وہ اپنے تمام ہمعصروں سے بدرجہا فائق تھا۔ اس کی ولادت الیزبتھ کے دور حکومت کی ابتدا میں ہوئی تھی وہ کینٹربری کے ایک موچی کا بیٹا تھا اور کیمبرج میں تعلیم پائی تھی۔ فتح آرمیڈا کے ایک سال قبل اس کے ایک ڈراما نے اسے یک بیک

شہرت عام کے منظر پر لا کھڑا کیا، اس ڈراما سے انگلستان کے شہروں میں فوراً ہی ایک انقلاب ہوگیا۔ یہ نیا ڈراما (تیمورلنگ) شوکت الفاظ اور مبالغے سے بھرا ہوا تھا اور جب شاہان اسیر جنہیں وہ ایشیا کے عیش پرست گدھے کہتا ہے فاتح کی گاڑی کھینچتے ہوئے اسٹیج پر آئے تو اس وقت مبالغے کی حد ہو گئی۔ مگر با ایں ہمہ یہی ڈراما نہ صرف یوفوئزم (الفاظ پرستی) کی کمزوریوں کو شکست دینے کا پیش خیمہ ثابت ہوا بلکہ معانی کی بلند پروازی کو واقعیت کی صورت میں لے آیا یہی وہ راز تھا جسے مارلو اپنے بعد کے ڈراما نویسوں کے لئے ورثے میں چھوڑ گیا۔ وہ انتیس ہی برس کی عمر میں ایک فضیحت انگیز جھگڑے میں
۱۵۹۳ بلاک ہوگیا مگر اس مختصر سے زمانۂ حیات میں وہ آئندہ کے ڈراما کے لئے نہایت شاندار علامات قائم کرتا گیا۔ اس کی تصنیف "مالٹا کا یہودی" شیکسپیر کی تصنیف "شائلاک" کا مقدمہ تھی۔ اس نے "اڈورڈ دوم" لکھ کر اُن تاریخی ناٹکوں کے سلسلے کا دروازہ کھولدیا جن کے باعث ہیں "جولیس قیصر" اور "رچرڈ سوم" کا لطف حاصل ہوا۔ اس کا ڈراما "فاسٹس" اگرچہ عربدہ جوئی شر و فساد اور عیش پرستی کی مجنونانہ خواہشات سے بھرا ہوا ہے مگر ڈراما کے سلسلے میں یہی پہلی کوشش تھی جس میں انسان اور عالم غیب کے تعلقات باہمی کا اہم مسئلہ معرض بحث میں آیا، یہ دکھایا گیا کہ توہمات کی شہ پاکر شک و شبہ کس حد تک قوی ہوجاتا ہے اور انسان جب مایوس ہوجاتا ہے تو اس میں

کس درجہ کی بیباکی پیدا ہوجاتی ہے۔ ان ڈراموں کا ظرافیانہ مذاق اگرچہ طبیعت کو گراں معلوم ہوتا ہے اور اپنے مبالغہ اور ناموزونیت کی وجہ سے اکثر وہ مذاق خود ہی مضحکہ خیز بن جاتا ہے پھر بھی مارلو کے بیان میں ایک خاص زور پایا جاتا ہے، وہ اپنے شوکت الفاظ کو سمجھتا ہے اور جذبات کو ان کے موقع محل سے ظاہر کرتا ہے ان خوبیوں میں اس کے ہمعصروں میں سے سوا ایک شخص کے کوئی اس پر فوق نہ لیجا سکا۔ تخیّل کے اعلیٰ اوصاف اور "پُر زور تحریر" کی شان و دلاویزی میں اگر وہ کسی سے کم درجے پر ہے تو صرف شکسپیر سے۔

مارلو کی سوانح عمری کے متعلق زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں پھر بھی اس کے چند دلیرانہ مذاق، ایک فساد میں اسکی شرکت اور خنجر کے ایک کاری زخم کی کیفیت معلوم ہے لیکن شیکسپیر کے اتنے حالات کا بھی علم نہیں ہے درحقیقت شاید ہی کوئی بڑا شاعر ہوا ہو جس کے حالات سے اسقدر کم واقفیت ہو۔ اس کے بچپن کے دو ایک معمولی قصے مشہور ہیں اور وہ بھی بالیقین غلط ہیں۔ لندن میں وہ جس مصروفیت سے زندگی بسر کرتا تھا اس کے ظاہر کرنے کے لئے کوئی خط، کوئی خاص گفتگو، مرمیڈ سراء کا کوئی مذاق کچھ بھی نہیں ملتا، زمانۂ مابعد میں اس کے چہرے مہرے کا جو حلیہ باقی رہا ہے وہ اس کے نصف قد کے مجسّمے سے بنایا گیا تھا۔ جو اُس کی قبر پر مقام اسٹریٹفرڈ میں نصب کیا گیا تھا۔ اس کے

مرنے کے سو برس بعد تک اہل وطن کے دلوں میں اس کی یاد تازہ تھی۔ مگر جارج بادشاہوں کے زمانہ میں جن لوگوں نے اس کے تفصیلی حالات معلوم کرنے میں سعی بلیغ کی ہے انہیں ایک معمولی سے معمولی واقعہ بھی ایسا نہ معلوم ہوسکا جس سے انتقال کے قبل اس کی عزلت نشینی کے زمانے پر کچھ روشنی پڑتی۔ غالباً اس کی طبیعت کی یکسانی و یک رنگی کے باعث اس کے ہمعصروں کی یاد میں اس کی کوئی اہم خصوصیت باقی نہیں رہی تھی اور اس کے ذہن کی بلند پایگی کی وجہ سے خود اس کے تصانیف میں کسی ذاتی اثر کا مطلق پتہ نہیں چلتا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ غزلوں میں اس نے کچھ اپنے حالات ظاہر کئے ہیں، مگر یہ حالات بھی ایسے دھندلے ہیں کہ انتہائی پرواز خیال کے باوجود بھی چند عام حالات کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ ناٹکوں میں وہ از اول تا آخر انہیں اشخاص کے خصوصیات دکھاتا ہے جن سے ڈراما کا تعلق ہوتا ہے، اور ان اشخاص میں دنیا کے سب ہی قسم کے لوگ داخل ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص یا کسی شخص کا کوئی قول و فعل ایسا نہیں ہے جسے ہم خود شاعر کی شخصیت کی طرف منسوب کرسکیں۔ وہ الیزبتھ کے جلوس کے چھٹے برس یعنی اسپنسر کی ولادت سے بارہ سال ۱۵۶۴
اور بیکن کی ولادت سے تین سال بعد پیدا ہوا تھا۔ مارلو اسکا ہمعمر تھا، گرین شاید اس سے چند برس بڑا تھا، اس کا باپ اسٹرٹیفرڈ آن ایوان میں دستانہ بنانے کا کام کرتا تھا، اور کچھ جائداد

بھی اس کے پاس تھی۔ جب شیکسپیر سن شعور کو پہنچا اس وقت بوجہ افلاس اس کے باپ نے آلڈرمین کا عہدہ چھوڑ دیا تھا۔ شیکسپیر نے اٹھارہ ہی برس میں اپنے سے ایک بڑی عمر کی عورت سے شادی کر لی تھی اور غالباً غربت ہی کی وجہ سے اسے لندن میں جاکر تھیٹر میں شامل ہونا پڑا۔ دارالسلطنت میں اس کی زندگی کا آغاز اس کے تیسویں برس سے پہلے نہیں معلوم ہوتا۔ یہ وہ یادگار سال ہے جس سے قبل کے سال میں سڈنی کا انتقال ہوا تھا، جس کے بعد کے سال میں آرمیڈا کا حملہ ہوا تھا۔ اور خود اس سال میں مارلو نے کتاب تیمور لنگ لکھکر تمام کی تھی۔ اگر اس کی غزلیات کی زبان کو ہم اس کے شخصی خیال کا آئینہ سمجھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نئے پیشہ سے وہ اپنی نظروں میں ذلیل ہوگیا تھا، اس نے "قسمت" کی زبان سے یہ "شکایت کی تھی کہ اس عامیانہ ذریعۂ معاش اور عامیانہ طریق کے سوا میرے لئے کوئی اور بہتر سامان نہ مہیا کیا گیا" وہ اس خیال سے پیچ و تاب کھاتا تھا کہ اس نے بلیک فرائرز کے پٹ (حصہ تھیٹر) میں اپنے کو ناکارہ شاگرد پیشوں میں داخل کرکے ذلیل کیا۔ اس پر وہ یہ اضافہ کرتا ہے کہ" اس وجہ سے میرے نام پر دھبہ لگ گیا اور اس وقت سے میری کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ جو کام سامنے آجاتا ہے اسی طرف مائل ہوجاتا ہوں" مگر خود شیکسپیر ہی کو ان الفاظ کا مصداق بنانا مشکوک ہے ڈراما نویسی کا

کام جب اس نے شروع کیا تو ابتدائی بعض رقیبوں سے معمولی چشمک رہی مگر اپنی ملنسار طبیعت کی وجہ سے یہ نو وارد بہت جلد اپنے ساتھیوں میں محبت کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ ۱۵۹۲ء تک وہ صرف اور لوگوں کے پہلے کے لکھے ہوئے کھیلوں کو موقع کے مناسب کر دیتا تھا، اس زمانے میں گرین نے اس پر کچھ اعتراض کیا تو اس کے ایک شریک افسانہ نویس چیٹل نے سچی محبت کے ساتھ ان الفاظ میں اس کا جواب دیا کہ "میں اس امر کا شاہد ہوں کہ اس کا اخلاق کسی منج سے آپ کے دعوائے کمال سے کمتر درجہ پر نہیں ہے۔ بہت سے صاحبان ورع نے اسکی صفائی معاملات کی تعریف کی ہے جس سے اس کی ایمانداری ثابت ہوتی ہے اور اس کی تحریرات کے فرحت افزا انداز سے اس کی قادرالکلامی کا پوری طرح اندازہ ہوسکتا ہے"۔ اس کے شریک کار بربنج نے اس کے انتقال کے بعد اسے ایک "لائق دوست و رفیق" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اور جانسن کا یہ کہنا کہ وہ "فی الحقیقت دیانتدار فراخدل و آزاد طبیعت شخص تھا" اس زمانے کے عام خیال کا آئینہ ہے۔ اس کا شہر بس بطور ایکٹر کے رہنا اس کی شاعرانہ زندگی کے لئے حقیقتاً کار آمد ثابت ہوا۔ اس سے صرف یہی نہیں ہوا کہ اسے تھیٹر کے ضروریات کا صحیح احساس ہوگیا بلکہ اس تعلق سے اسے یہ موقع ملا کہ وہ جس قدر ٹکڑے تیار کرتا جاتا تھا انہیں عملی طور پر جانچتا بھی جاتا تھا۔

اس کے ناٹکوں کے اس درجہ مقبول ہونے کی بہت بڑی وجہ یہی ہے۔ جانسن کا بیان ہے کہ شکسپیر اپنی لکھی ہوئی ایک سطر کو بھی شاتا نہیں تھا۔ اگر اس بیان میں کچھ بھی صداقت ہے تو اس سے بے پروائی و عدم صحت کا مفہوم پیدا ہوتا ہے مگر یہ ضمنی الزام کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اس زمانے میں شاعرانہ تصانیف کی اشاعت کی صورت ہمارے اس زمانے سے بالکل ہی جداگانہ طرز کی تھی ڈرامے برسوں قلمی مسودے کی صورت میں رہتے تھے اور صرف اسٹیج پر ان کا کھیل ہوا کرتا تھا اور ان کی ترمیم و نظر ثانی برابر جاری رہتی تھی اور ہر مرتبہ مشق اور کھیل کے وقت نئے تبدلات کی ضرورتیں معلوم ہوتی رہتی تھیں، اور ہم جانتے ہیں کہ یہ نوجوان شاعر ان مواقع سے فائدہ اُٹھانے میں کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ اتفاق سے "ہیملٹ" کا ایک سابق ایڈیشن اس وقت تک محفوظ رہ گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شکسپیر اپنے بہترین نتائج افکار کے قالب بدل دینے میں بھی تامل نہیں کرتا تھا۔ اس کے لندن میں آنے کی جو تاریخ فرض کی گئی ہے اس سے پانچ ہی برس کے اندر اندر وہ ایک ڈراما نویس کی حیثیت سے مشہور ہوگیا تھا۔ گرین نے اس کا نام شیک شین (اسٹیج ہلانے والا) رکھا تھا اور اس کی نسبت یہ سخت الفاظ لکھے تھے کہ "یہ نئی اپج کا کوا ہمارے پر لگا کر خوبصورت بن گیا ہے"۔ اس طنز کا یا تو یہ مطلب ہے کہ اسے ایکٹر کے طور پر کمال حاصل ہوگیا تھا

یا یہ کہ وہ اسٹیج کے لئے اپنے سابقین کے تصانیف کے اجزا مرتب کرتے کرتے خود ان سے بلند تر پرواز کی تیاری کررہا تھا۔ وہ بہت جلد ٹھیٹر کا شریک کار، ایکٹر اور ڈراما نویس ہوگیا۔ لوگوں نے اسے بدنام کرنے کے لئے اس کا ایک نام جو ہنس فیکٹوٹم (ہر فن مولا) بھی رکھا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ایمانداری کے ساتھ جو کام بھی مل جائے وہ اسے کرنے کے لئے آمادہ رہتا تھا۔

وِنیس و اَیڈوِنس کی نظم جب شائع ہوئی ہے تو شیکسپیر کی
۱۵۹۸-۱۵۹ آزادانہ تصنیف کا دور اچھی طرح شروع ہوگیا تھا۔ اپنے اس نتیجۂ فکر کو وہ اپنا پہلا فرزند معنوی کہا کرتا تھا۔ اس کے شائع ہونے کی تاریخ ایک نہایت یادگار تاریخ تھی۔ اس سے تین ہی برس قبل مثنوی "فیری کوین" شائع ہوئی تھی۔ اسپنسر شعرائے انگلستان کا سرتاج ہوگیا تھا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسی دوران میں اس زمانے کے دو ممتاز ترین ڈراما نویس یک بیک گزر گئے۔ گرین نے بحالت غربت خود اپنی اوقات پر نفرین کرتے کرتے ایک کفش دوز کے مکان میں انتقال کیا۔ اس نے اپنی جس بیوی کو چھوڑ دیا تھا اسے لکھتا ہے کہ "اے عزیزہ میں اپنی نوجوانی کی الفت اور اپنی روح کی

راحت کے واسطے سے تم پر یہ لازم کرتا ہوں کہ جسطرح بھی ہوسکے اس شخص کا روپیہ بیباق کردینا کیونکہ اگر وہ اور اس کی بیوی میری خبر نہ لیتے تو میں کسی سڑک پر مرا ہوتا۔" اس نو عمر شاعر نے اپنے بستر مرگ پر رنج و حسرت کے ساتھ یہ لکھا کہ "کاش مجھے ایک برس اور زندہ رہنے کا موقع مل جاتا' مگر اب تو موت سے چارہ کار نہیں اور ہر شخص مجھ سے متنفر ہے۔ جو وقت ضائع ہوگیا وہ پھر واپس نہیں آسکتا میرا وقت بیکار ضائع ہوا اور میں خسارے میں رہا۔" اس واقعہ کے ایک برس بعد ایک بازاری ہنگامے میں مارلو کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ یہی ایک رقیب تھا جو شکسپیر کی ہمسری کی قوت رکھتا تھا۔ شکسپیر کی عمر اب تیس برس کی ہوچکی تھی اور "ایڈونس" کی اشاعت اور شاعر کے انتقال کے درمیان جو تیئیس برس کا زمانہ گزرا اس میں اس کے بہترین تصانیف کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس کی ذہانت کی خاص تعریف یہ ہے کہ اس کی مستعدی میں کسی وقت بھی فرق نہیں آتا تھا اپنی ابتدائی نظم کے شائع ہونے کے بعد پانچ برس تک وہ تقریباً سال میں دو ڈرامے تیار کرتا رہا لیکن جب ہم اس کے تصانیف کی ترتیب سے اسکی طبیعت کی نمو و ترقی کا پتہ چلانا چاہتے ہیں تو اکثر تصانیف

کی صحیح تاریخ اشاعت کے معلوم نہ ہونے سے اس میں ناکامی ہوتی
ہے۔ جن واقعات پر تحقیقات کی بنیاد قائم کی جاتی ہے وہ بہت کم
ہیں۔ "وینس و ایڈونس" اور "نیز لکریس" کے باعث یہ یقین ہے کہ وہ
اپنے سنہ اشاعت (۱۵۹۳ء) سے کچھ پہلے لکھے گئے تھے۔ "غزلیات"
۱۶۰۹ء تک شائع ہوئی تھیں مگر ۱۵۹۸ء میں شاعر کے حلقۂ احباب میں
ان کا چرچا تھا۔ فرینسس میریس نے (Wit's Treasury) "خزینہ
ظرافت" میں ۱۵۹۸ء میں اس کے زیادہ ابتدائی تصانیف کی ایک فہرست
لکھی ہے مگر اس قسم کی فہرست کتب میں اس کی کسی تصنیف کے
نہ ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تصنیف اس وقت موجود نہ ہو۔
اس کے مرنے پر اس کے تھیٹر کے رفقا نے اس کے نام سے
جو تصانیف شائع کئے ان کا حصر و تعین بھی اسی طرح کا ہے۔
ان خال خال واقعات اور اس علم کے سوا کہ اس کے چند
ڈرامے خود اس کی زندگی میں شائع ہو گئے تھے، اور سب
باتیں غیر متیقن ہیں۔ ان واقعات سے اور خود ڈراموں اور اس
عہد کی دوسری تصانیف کی مماثلت و اشارات سے جو نتائج
اخذ کئے گئے ہیں ان کی اصلیت قرائن سے زیادہ نہیں ہے۔
بظن غالب اس کے آسان و مسرت انگیز افسانے اور تاریخی
ڈرامے ۱۵۹۳ء اور ۱۵۹۸ء کے مابین لکھے گئے ہیں، ۱۵۹۳ء
تک لوگ اسے ایک موئلف سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے مگر ۱۵۹۸ء
میں اس کے تصانیف کا ذکر میریس کی فہرست میں داخل ہوگیا۔
ان افسانوں میں اس کی نوجوانوں کی سی طبیعت کا اثر غالب

ہے - (Love's Labour Lost) (محبت کی برباد ی") ("ناکام محبت کی بربادی")
میں اسٹریٹفورڈ کا یہ تازہ وارد نوجوان الزبیتھ کے گرد وپیش کے انگلستان
کی آب وتاب میں ہمہ تن غرق ہو گیا ہے لیکن اس وقت
تک اس کی نظر صرف سطحی حالتوں پر پڑتی تھی - اس کی
باطنی بلند پائگی ابھی تک ہنسی، مذاق، خیال آرائی، اظہار طباعی،
توہم، بعید از اصلیت اُمور اور دور از کار مبالغوں میں پوشیدہ تھی۔
اس نے اگرچہ قصبے میں پرورش پائی تھی مگر حاضر جوابی وضلع بازی
میں وہ کسی اچھے سے اچھے شخص سے کم نہ تھا۔ یوفوئیس
کی وجہ سے جس قسم کی لفاظی اور مبالغہ طرازی اس زمانے کے
دربار کا عام مذاق بن گئی تھی شیکسپیر ان پر ہنستا تھا۔ زندگی
کا حظ اُٹھانا اس زمانے میں نہایت ہی نمایاں طور سے وضع
میں داخل تھا - وہ اس خصوصیت میں ہر طرح پر شریک
تھا - وہ اپنے گرد وپیش کے لوگوں کی غلطیوں، متضاد
حرکتوں، بلند ہمتوں سے پورا پورا لطف حاصل کرتا تھا۔ ٹیمنگ آف دی شرو
(Taming of the Shrew) کے مشتاقانہ مذاق اور کامیڈی آف اریرز
(Comedy of Errors) کے بے انتہا دھوکوں تک اس کی
دل لگی بازی کی کوئی حد نہیں رہتی - اس وقت تک اس کے
تصانیف میں بلند آہنگی اور جذبات کا اثر بہت کم ظاہر ہوا
تھا مگر جب وہ ساخت کی سطحی کیفیتوں کو چھوڑ کر انسان کے
عادات و افعال سے ایک نئی مسرت پیدا کرنے کی طرف
مائل ہوا تو اس کے مکالمات کی روانی، اُلجھے ہوئے قصوں کو

فرزانگی کے ساتھ سلجھانا، انداز بیان کی خوش نوائی، اور نظموں کی دلفریبی سے فوراً ظاہر ہو گیا کہ وہ معاشرتی افسانہائے مسرت کے لکھنے میں ایک کامل العیار شخص ہونے والا ہے۔ "ٹو جنٹلمین آف ورونا" (Two gentlemen of Verona) میں لوگوں کے عادات و اطوار کا نقشہ کھینچنے میں اس نے نزاکت و خیال آرائی کو اس خوبی سے آمیز کیا کہ بن جانسن کی "ایوری مین ان ہز ہیومر" (Every man in his Humour) اس کے سامنے ماند پڑ گئی، حالانکہ یہی کتاب ہے جس کی کامیابی نے اس زمانے میں یہ عام مذاق پیدا کر دیا تھا کہ تشریح اخلاق میں، سخت درشت الفاظ سے کام لیا جائے۔ مگر ان ہلکے افسانہائے مسرت کے بعد ہی دو اور افسانے شائع ہوئے جن میں اس نے اپنی طباعی کا پورا زور دکھایا۔ اس کا شاعرانہ زور طبیعت جو اب تک بند تھا، پوری چمک دمک کے ساتھ "مڈ سمر نائٹس ڈریم" (Midsummer night's dream) کے تخیّلات میں ظاہر ہوا اور "رومیو اینڈ جولیٹ" میں اس کے جذبات قلبی ایک نہ رکنے والے سَیل مسرت کی طرح موجزن ہو گئے۔ لیکن باوجود سخت مصروفیتوں کے ان پر از جذبات خواب، نازک تخیّلات، اور عادات و اخلاق کی دلفریب تصویر نگاری کے ساتھ ہی ساتھ تھوڑے ہی تھوڑے وقفے سے اس کے تاریخی ڈرامے بھی شائع ہوتے جاتے تھے۔ تھیٹر کا نیا دور جب سے قائم ہوا ہے اس وقت سے کسی تماشے کو ان

تاریخی ناٹکوں سے زیادہ قبول عام نہیں حاصل ہوا ہے۔ مارلو نے اپنی تصنیف "اڈورڈ دی سکنڈ" میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس عام پسند میدان میں غمناک افسانے کی کیا حد ہوسکتی ہے۔ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ شیکسپیر اولاً تھیٹر کی نئی نئی ضروریات کے مطابق ان افسانوں کو مرتب کیا کرتا تھا (چنانچہ "ہنری دی سکستھ" اسی قبیل سے ہے) پس طبعاً اس کا میلان بھی اسی جانب ہوا ہوگا۔ اس نے ہنوز اپنے منتخب کردہ مضامین کی ترتیب ایک حد تک انہیں قدیم افسانوں کے مطابق رکھی تھی مگر خود بیان مضامین میں اس نے جرأت کر کے اس قدیم طرز کی قید کو برطرف کر دیا۔ قدیم ڈراما نویسوں نے انسانی خصائل کی جس حد تک تصویر کھینچی ہے شیکسپیر نے اس میں نسبتاً زیادہ وسعت و عمق پیدا کر دیا ہے، "رچرڈ دی تھرڈ" "فالسٹاف" اور "ہاٹسپر" اس کے شاہد ہیں۔ معہذا "کانسٹینس" اور "رچرڈ دی سکنڈ" کی شخصیتوں میں اس نے انسانی مصائب کا وہ نقشہ کھینچا ہے کہ مارلو بھی اس حد پر پہنچنے کی جرأت نہ کرسکا۔ اہل ملک میں شیکسپیر کی پائدار ہر دل عزیزی جیسی کچھ ان تاریخی ڈراموں سے قائم ہوئی اور کسی ڈرامے سے اسے ایسی ہر دل عزیزی نہیں حاصل ہوئی۔ انگریزی تاریخ کا لُبّ لباب جس خوبی سے یہاں نظر آتا ہے اور کسی جگہ نظر نہیں آتا۔ اس شاعر کے تصانیف میں اگرچہ کہیں کہیں انگریزوں کے قومی تعصب اور ان کے ناروا برتاؤ کی جھلک نظر آجاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کے تمام تصانیف، انگریزوں کے

مذاق طبع، انگریزوں کی جنگ جوئی کی الفت، ان کی نکوکاری کے اعتقاد اور بدی کی سزا کے تیقن اور کمزوروں پر ان کے رحم کے خصائص سے بھرے ہوئے ہیں۔

اب وہ وقت آگیا کہ شکسپیر افسانۂ غم اور افسانۂ مسرت دونوں کے لکھنے میں اپنے تمام ہم چشموں سے گوئے سبقت لے جائے ۱۵۹۸
میریس کہا کرتا تھا کہ "پریاں اگر انگریزی بولنے لگیں تو وہ ۱۶۰۸
شکسپیر ہی کے خوشنما فقرے استعمال کریں گی" اس کی شخصی ہر دل عزیزی بھی اب اپنے انتہائے کمال کو پہنچ گئی تھی۔ وہ اپنی پسندیدہ افتاد مزاج اور جودت طبع کے باعث نوجوان ارل ساؤتھیمپٹن سے پہلے ہی گہرے تعلقات پیدا کرچکا تھا اور "وینس اینڈ اڈونس" اور "لکریس" اسی کے نام پر معنون کی تھی۔ ان دونوں کتابوں کے انتساب کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس تیزی کے ساتھ معمولی ملاقات پرجوش دوستی سے مبدل ہوگئی تھی۔ شکسپیر کا تموّل و اثر بھی روز افزوں ہوتا جاتا تھا۔ اسٹریٹفرڈ اور لندن دونوں جگہوں میں اس کی ذاتی جائداد موجود تھی اور اس کے اہل قصبہ نے اسٹریٹفرڈ کے لئے کچھ رعایتیں حاصل کرنے کے لئے اسی کو لارڈ برلے کے پاس اپنا وکیل بناکر بھیجا تھا۔ اسے اتنی ثروت حاصل ہوگئی تھی کہ وہ اپنے باپ کی مدد کرسکتا تھا اور اسٹریٹفرڈ میں ایک مکان خرید لیا تھا جسے بعد کو اس نے اپنا مسکن بنایا۔ ایک روایت یہ ہے کہ "ہنری چہارم" میں فالسٹاف (Falstaff) کے واقعات سے الیزبتھ کو

اس قدر مسرت ہوئی کہ اس نے حکم دیا کہ فالسٹاف کی کیفیت عشق و محبت کے رنگ میں دکھائی جائے، اس حکم کی تعمیل میں شیکسپیر نے "دی میری وائیوز آف ونڈزر" (Merry wives of Windsor) لکھی - یہ روایت بجائے خود صحیح ہو یا غلط ہو مگر اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بحیثیت ناٹک نویس کے اسے کس قدر شہرت حاصل ہو گئی تھی - جب سابق شعرا کا دور گزر گیا تو ہیشن، ڈیکر، مڈلٹن، ہے ڈو اور بینجیمین اور ان سب سے بلند پایہ شخص بن جانسن ان کے جانشین ہوئے مگر ان میں سے کوئی بھی شیکسپیر سے سبقت لے جانے کا دعویٰ نہ کر سکا - میریس کی یہ رائے کہ "انگریزوں میں شیکسپیر دونوں قسموں کے ڈراموں میں سب پر فائق ہے" درحقیقت اس کے ہمعصروں کے عام خیال کا آئینہ ہے - آخر وہ وقت بھی آگیا کہ وہ اس فن کے تمام نشیب و فراز کا پوری طرح ماہر ہو گیا - ایک ڈراما نویس اپنے فن کو جس حد کمال پر پہنچا سکتا ہے "مرچنٹ آف وینس" (Merchant of Venice) اسکا بہترین نمونہ ہے - دیکھنے والوں پر اس کا اثر نہایت گہرا پڑتا ہے، اس کے پر لطف واقعات روانی کے ساتھ خاص خاص عبارتوں کی شاعرانہ خوبی قابل داد ہے، اس کی شاعری میں ضبط و خودداری سے کام لیا گیا ہے اور عادات و اطوار کا ہو بہو نقشہ کھینچ دیا گیا ہے - سب سے بڑھکر یہ کہ شائلاک کی فطرت اور اس کے افعال کی تصویر کشی میں جس قلم توڑ دیا ہے مگر شاعر کی طبیعت میں ابھی نوجوانانہ جوش موجود تھا -

"میری وائوز آف ونڈزر" (The Merry wives of Windsor) از سرتاپا ہنسی و دل لگی سے بھری ہوئی ہے۔ یہی کیفیت "ایز یو لائک اٹ" (As you like it) کی ہے مگر اس میں ہنسی کے ساتھ پختگی کا اثر بھی معلوم ہوتا ہے اگرچہ یہ پختگی بھی دل نواز تصورات سے خالی نہیں۔ لیکن اس پچھلے ڈراما میں "جیکوئیس" کے غمگین و فکر آمیز حالات میں ایک نئے اور زیادہ سنجیدہ انداز کی جھلک نظر آتی ہے۔ شاعر کی طبیعت اگرچہ ابھی جوانی کے جوش و اُمنگ سے بھری ہوئی تھی، تاہم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر یہ تمام جوش و خروش یکایک سرد ہو گیا ہے۔ شکسپیر کی ایک غزل سے (جو کسی طرح بھی زیادہ بعد کے زمانے کی نہیں ہو سکتی) معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمر ابھی پورے چالیس برس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ قبل از وقت پیری کا اثر محسوس کرنے لگا تھا۔ گرد و پیش کی دنیا اُسے یکایک تاریک نظر آنے لگی تھی۔ نوجوان اُمرا کا شاندار حلقۂ احباب جس میں شکسپیر بھی داخل تھا ارل اسکس کی اقتدار حاصل کرنے کی مجنونانہ کوشش میں بالکل درہم برہم ہو گیا۔ اسکس قتل ہو گیا، اسکس کا دوست اور شکسپیر کا مایۂ ناز ساؤتھیمپٹن، ٹاور میں قید کر دیا گیا اور شاعر کا ایک نوعمر مربّی ہربرٹ (ارل پمبروک) دربار سے خارج کر دیا گیا۔ دوستوں کے اس طرح رخصت اور امیدوں کے معدوم ہوتے جانے کے ساتھ ہی خود شکسپیر کی طبیعت میں بھی سخت کرب اور بےچینی پیدا ہوتی جاتی تھی۔ شارحین کی جدّت

آفرینیوں کے باوجود یہ امر مشکل بلکہ غیر ممکن ہے کہ غزلوں سے اس کی اندرونی حالت کا مسلسل پتہ لگایا جاسکے۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے کہ "اس طلسمی آئینے میں جذبات کے جو عجیب و غریب عکس یکے بعد دیگرے نظر آتے ہیں ان سے کسی اگلے یا پچھلے حال کا صاف صاف انکشاف نہیں ہوتا"۔ مگر ان نقوش کا اس طرح نظر آنا ہی بجائے خود شاعر کے اندرونی اضطراب اور بےچینی کی دلیل ہے۔ اس کے ڈراموں کے اشخاص کے عادات و خصائل کا تغیر شاعر کے تغیر مزاج کا ایک قاطع ثبوت ہے۔ اس کے ابتدائی تصانیف جس خوش دلی سے لبریز ہیں "ٹرائلس" اور "میثر رفار میثرر" (Measure for measure) وغیرہ انسانوں میں اس خوش دلی کا کہیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ ہر جگہ ناکامی ہی ناکامی نظر آتی ہے۔ "جولیس قیصر" میں بروٹس کی نیکی بنی نوع انسان سے عدم واقفیت اور اُن سے علاحدگی کے باعث تباہ ہوگئی ہے۔ ہیملٹ کی دور رس ذہانت جس سے کام لینا اوسے نہ آیا بیکار ثابت ہوتی ہے۔ ایاگو کا زہر ڈسڈمونا کی محبت اور اوتھیلو کی عظمت کے لئے کلنک کا ٹیکا ہو جاتا ہے۔ لیئر کا پر روز جوش آندھی پانی کے مقابلے سے عاجز آجاتا ہے۔ نسوانی کمزوری کے باعث لیڈی میکبتھ کے ہاتھ سے کامیابی کا پیالہ چھلک جاتا ہے۔ حرص و خود کامی انیٹونی کے کارہائے نمایاں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ فخر و غرور کاریولینس کے شرف و منزلت کو فنا کر دیتا ہے۔ مگر ان ڈراموں میں شاعر کی طبیعت کے پیچ و تاب اور اس کے ذاتی

خیالات کا جس قدر اثر پڑا ہے اسی قدر ان کی تصنیفوں میں عظمت پائی جاتی ہے اور اس کی مثال شکسپیر کی اگلی تصنیفوں میں کہیں نہیں ملتی - یہ وہ زمانہ تھا جب انسان کے مزاج و قویٰ میں ایک نئی وسعت و طاقت پیدا ہوگئی تھی - سمندروں کو قطع کرنے والوں کا جانبازانہ تہوّر، علما کا علم و فضل، عاشقوں کا جذبۂ الفت، مقدس لوگوں کا جوش مذہبی اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ ان کی شوکت و شان فطرت انسان سے مافوق نظر آنے لگی تھی - انسان اُن بے انتہا وسائل سے آگاہ ہو گیا تھا جو خود اس کے اندر موجود ہیں - اسے غیر محدود طاقتوں کا علم حاصل ہو گیا تھا اور اس علم کے باعث اسے گرد و پیش کی محدود دنیا حقیر معلوم ہونے لگی تھی - ہمارا شاعر جس وقت ہیملٹ کی وسیع امیدوں کی تصویر کھینچتا ہے، عالی ظرف اوتھیلو کے ہولناک اضطراب باطنی کو دکھاتا ہے، لیئر کی روح کی ہیبتناک طوفان خیزی کا منظر پیش کرتا ہے (جو خود آسمانی طوفان کے ساتھ مل جاتی ہے)، اس خوفناک آز و حرص کی کیفیت بیان کرتا ہے جس سے ایک عورت میں اتنی جرأت پیدا ہوگئی کہ اس نے ایک مقتول بادشاہ کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگین کیا اور ایک مغلوب الشہوت شخص نے "عشق کے جوش میں ساری دنیا کو لات ماردی" تو ان تمام بیانات میں نوع انسانی کی اس عظمت و جلال کا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے جو اس زمانے کا خاصہ تھا - ان بلند پایہ ڈراموں کے انہیں ہیبت و خوف کے بیانات میں

ہمیں اس زمانے کی ان وسیع طاقتوں کا تھوڑا بہت حال معلوم ہوتا ہے جن کا اثر ان ڈراموں پر پڑا تھا۔ ہم میری اسٹوارٹ کے جوش، الوا کی سنگ دلی، ڈریک کی جرأت، سڈنی کی سپہگری، رالے اور الیزبتھ کے خیال و عمل کی وسعت کا بہترین اندازہ انہیں زبردست افسانہائے غم سے کرتے ہیں جن کا سلسلہ ہیملٹ سے شروع ہوکر کاریولینس پر ختم ہوا ہے۔

الیزبتھ کے انتقال کے چند سال بعد شکسپیر اپنے اسٹریٹفرڈ ۱۶۰۸
کے مکان میں منتقل ہوگیا تھا اور اپنے آخری ڈراما (یعنی سمبیلین (Cymbaline) طوفان (Tempest) "داستان زمستان" (A Winters Tale) اس نے بحالت راحت و سکون اسی مکان میں لکھے یہ تینوں ڈرامے اس کی اعلیٰ درجہ کی تصنیف میں داخل ہیں اور ان میں اس نے یہ ظاہر کیا ہے کہ کس طرح کوئی شخص اپنی اندرونی حالت اور دنیاوی تعلقات کے لحاظ سے سکون حاصل کرسکتا ہے۔ ان ڈراموں میں دنیا کی حالت واقعی اور اقتضائے زمانہ کی کوئی بحث باقی نہیں رہتی بلکہ ان میں محض ایک شاعرانہ عالم نظر آتا ہے۔ زندگی کا یہی پُرسکون اور لطف آمیز خاتمہ ہے جس نے شکسپیر کو اس کے بڑے سے بڑے ہمعصروں سے ممتاز کر دیا ہے۔

شکسپیر اگرچہ از سرتا پا الیزبتھ کے زمانے کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا مگر اس کا عہد تاریخ انگلستان کے دو بڑے دوروں کے نقطۂ اتصال پر مشتمل تھا یعنی "نشاۃ جدیدہ" کا دور گزر رہا تھا

اور پیورٹنی خیالات کی آمد آمد تھی۔ اصول پروٹسٹنٹ کی سخت پابندی اپنے اخلاقی اثر، سنجیدگی، اور اعتماد علی اللہ کے باعث دلوں میں ایک تازی قوت اور نئی رفعت پیدا کر رہی تھی، مگر اس کے ساتھ ہی طبیعتوں میں سختی و تنگ خیالی بھی آتی جاتی تھی۔ تصانیف پلوٹارک کے بجائے "کتاب مقدس" کا دور جاری ہو گیا تھا۔ "نشاۃ جدیدہ" کی نفاست پسند طبیعتوں کو جن سوالات سے پریشانی ہوتی تھی انہیں سوالات کو اب پیورٹینوں نے اپنے مذہبی مسلمات میں مستحکم جگہ دیدی تھی۔ ایک قادر مطلق خدا کا خیال، ہستی انسانی کو بیکار محض کر رہا تھا۔ ہمت و جرأت جس نے تمام انگلستان کو "جانبازوں" سے بھر دیا تھا۔ غیر فانی قوت انسانی کا احساس، نوجوانوں کی دلیرانہ بشاشت فطانت و مسرت کا مدہوش کر دینے والا اثر یہ سب وہ خوبیاں تھیں جنہوں نے سڈنی، مارلو، اور ڈریک سے لوگ پیدا کئے مگر اب ان باتوں کا اثر مٹتا جاتا تھا اور ان کے بجائے بدی کا ایک خطرہ دل میں پیدا ہو گیا تھا اور ہمہ وقت یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ انسان کے اعمال و افعال خدا کے حضور میں درست ہونا چاہئے۔ اس نئے عالم اخلاقی کے ساتھ ساتھ ایک نیا احساس سیاسی بھی ترقی کر رہا تھا اور اگرچہ بہ نسبت سابق کے یہ دور زیادہ صحت بخش تھا اور فی الحقیقت قومی دور کہلانے کا مستحق ہے مگر اس دور میں رنگینی بالکل نہیں رہی تھی اور نہ اس میں وہ پر اسرار کیفیت اور شاندار ی تھی جسے شاعر اس درجہ عزیز رکھتے ہیں۔ ان دونوں

دوروں کے درمیان جو خلیج حائل ہو گئی تھی وہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جاتی تھی اور یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ شاہان ٹیوڈر کے تیار کئے ہوئے کلیسا سلطنت کی عظیم الشان عمارت (جسے "نشاۃ جدیدہ" کے دلدادہ نہایت بے تابی کے ساتھ سنبھالے ہوئے تھے) بالکل تباہ نہ ہو جائے۔ خیال و احساس کی اس نئی دنیا سے شکسپیر بالکل ہی علیحدہ تھا۔ اصول پیوریٹنی کے کسی میلان کا شکسپیر کو مطلق علم نہیں تھا حالانکہ اپنے عظیم الشان غلطیوں کے باوجود بھی اصول وہ پہلا سیاسی نظام تھا جس نے عام رعایا کی عظمت و رفعت کو تسلیم کیا۔ شکسپیر کے ناٹکوں کا سلسلہ گویا خانہ جنگی کی ایک رزمیہ نظم ہے۔ "گلابوں والی لڑائی" نے جس طرح اس کے ہمعصروں کے دلوں کو بھر دیا تھا اسی طرح اس کا دل بھی انہیں لڑائیوں کے خیالات سے لبریز تھا۔ جب تک ہم "رچرڈ دوم" سے "ہنری ہشتم" تک مسلسل اس کے تصانیف کو نہیں دیکھتے اس وقت تک ہمیں یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یارک اور لینکیسٹر کی کشمکش کی یاد نے لوگوں کی طبیعتوں میں کیا تغیر پیدا کر دیا تھا اور خانہ جنگی، بیرنوں کے شر و فساد اور جانشینی کے مناقشات کے خیال سے لوگ کس قدر خائف و ہراساں رہتے تھے۔ ان خطروں سے بچنے کا اگر کوئی ذریعہ تھا تو بادشاہ کی ذات تھی۔ اپنے ہمعصروں کی طرح شکسپیر بھی برابر یہی سمجھتا رہا کہ قومی زندگی کا مرکز و امن اگر کوئی ہے تو ذات شاہی ہے۔ اس کے نزدیک انگلستان کی بہترین حالت یہ ہو سکتی تھی کہ تمام رعایا کسی ایسے بادشاہ کو اپنا مرکز قرار دے لے

جیسے ہنری پنجم تھا جو کہ خلقتہً ایک حکمراں طبیعت کا شخص تھا اسکی رعایا اسکی وفادار تھی اور اس کے دشمن پامال تھے۔ معاشرتی طور پر بھی امیرانہ ہی زندگی شاعر کے پیش نظر رہتی تھی اور عہد الیزبتھ کے تمام وضیع و شریف اشخاص اسی خیال کے تھے۔ "کاری اولینس گویا کہ ایک بہت بڑے امیر کا مجسم نمونہ تھا، شکسپیر نے اپنے تصانیف میں عوام پر جس قسم کے طنز کئے ہیں وہ "نشاۃٔ جدیدہ" کا عام انداز تھا مگر بادشاہ کے مقابلے میں جاگیر داروں کی جدوجہد سے اسے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ اس نے الیزبتھ کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی اور وہ سوائے اس ایک حکمراں کے جس نے انگریزوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا اور کسی حکمراں کو نہیں جانتا تھا۔ بدانتظامی کا خوف ایک دور از کار خیال تھا۔ تمام اہل ملک کی طرح وہ بھی قومی بقا کے خیال میں مستغرق تھا اور اس جدو جہد کی گرما گرمی میں ملکی آزادی پر غور کرنے کا وقت ہی باقی نہیں رہا تھا۔ شاعر کی مذہبی ہمدردی بھی آنے والے زمانے کی جانب مائل نہیں تھی۔ لوگ مسائل فقہی کے غور و خوض میں پڑیں تو پڑیں مگر شکسپیر کو انسان اور فطرت انسانی کے مطالعہ سے جو دلچسپی تھی وہ کبھی محو ہونے والی نہیں تھی۔ "کیلیبان" اس کا آخری نتیجہ فکر تھا۔ اس امر کا محقق ہونا غیر ممکن ہے کہ وہ اپنے عقیدے میں کیتھولک تھا یا پروٹسٹنٹ بلکہ درحقیقت خود اسی میں کلام ہے کہ اس کا کوئی مذہبی عقیدہ تھا بھی یا نہیں۔ جو مذہبی جملے اس کی تصانیف میں کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں۔ ان

کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ان سے مذہب میں ایک طرح کی وہمی عظمت ظاہر ہو جاتی ہے، ورنہ عقائد مذہبی کے عمیق معاملات میں اس کی خاموشی نہایت نمایاں ہے وہ خود خاموش ہے اور حشر و نشر کی نسبت اس کی اس خاموشی کو "ہیملٹ" کے شکوک اور عمیق کر دیتے ہیں "کلاڈیو" کی طرح اس کے نزدیک بھی "مرنا ایسی جگہ جانا تھا جس کا کچھ علم نہیں" موت وحیات کے معمہ پر جب بحث آ جاتی ہے تو وہ ہمیشہ اسے معمی ہی کی صورت میں چھوڑ دیتا ہے اور مذہب نے اسے جس طرح حل کیا ہے اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ "ہماری حالت خواب کی سی ہے اور ہماری زندگی خواب میں گزر رہی ہے"۔

شکسپیر کے انتقال کے بعد جب بن جانسن تمام ڈراما نویسوں کا سرتاج بن گیا تو عہد الیزبتھ کے ڈراما کا انداز اور قوم کی نئی افتاد طبیعت کا فرق اور بھی نمایاں ہو گیا۔ جانسن نے اسے تقریباً اسوقت تک برقرار رکھا جب تک کہ خانہ جنگی کے طوفان میں نود ڈراما ہی تباہ نہ ہو گیا۔ یہ سچ ہے کہ غم انگیز نستان میں ویبسٹر اور فورڈ اس سے سبقت لے گئے اور روانی تحریر و خوبی بیان میں میسنجر کو تقدّم حاصل ہو گیا۔ اسی طرح شاعری و جدت طرازی میں بومنٹ اور فلیچر کا پایہ بلند قرار پایا، مگر خاص ڈراما کی خوبی اور کمال شاعری کے ہر صنف میں تبحّر کے اعتبار سے شکسپیر کے سوا کوئی شخص بھی جانسن پر فوق نہ لے جا سکا۔ اس نے اپنی آخری زندگی تک ہنگامہ خیزی اور زور شور کا وہی عالم

زمانہ کے ڈراما جانسن

قائم رکھا جو ڈراما کے اس ابتدائی زمانے میں قائم ہو گیا تھا جب اس نے شہرت ونمود حاصل کی تھی۔ بن جانسن ایک خشت پز کا سوتیلا بیٹا تھا اور اسی وجہ سے وہ فلینڈرز کی لڑائیوں میں اپنی خوشی سے شامل ہو گیا تھا، اس نے دونوں فوجوں کے سامنے اپنے حریف کو دست بدست لڑائی میں قتل کیا اور انیس برس کی عمر میں وہاں سے واپس آکر گزر اوقات کے لئے تھیٹر میں شامل ہو گیا۔ سینتالیس برس کی عمر تک وہ اس قدر تنومند تھا کہ پاپیادہ اسکاٹلینڈ تک چلا گیا بڑھاپے کے وقت تک اسکی تنور کی سی توند اس کے زخم خوردہ چہرے، اس کے لحیم شحیم جسم کو اس زمانے کے نوجوانوں میں شہرت خاص حاصل تھی۔ یہ نوجوان جب "مرمیڈ سراء میں اس کے مذاق، اس کی شاعری، اس کے پرزور کینہ توزی و فیاضی، اس کی نازک خیالی، اس کے زور علم اس کی ہنگامہ آرائیوں کا لطف اٹھانے کے لئے جمع ہوتے تھے تو اس کے تن و توش کا ذکر بھی ضرور ہوتا تھا۔ تھیٹر میں وہ اس پُر غرور عزم کے ساتھ داخل ہوا تھا کہ وہ تھیٹر کی اصلاح کریگا۔ وہ عنفوان شباب ہی میں اچھا خاصہ صاحب علم ہو گیا تھا اور شکسپیر کے سے مصنفین سے (جو یونانی و لاطینی سے نابلد تھے) اسے نفرت ہو گئی تھی۔ جانسن کی کوشش یہ تھی کہ ادب القدما کے سخت انداز کو پھر رائج کرے اور مذاق سلیم وانتقاد کے ذوق کو تقویت پہنچائے۔ اس کے گرد و پیش کی شاعری میں جیسی مبالغہ آمیزی پیدا ہو گئی تھی وہ اس پر لعنت بھیجتا تھا۔ وہ اپنے پلاٹ (ترتیب افسانے) کو اچھی طرح سوچتا تھا، جملوں کی نشست و ترکیب کو پختہ کرتا اور فقروں کو مختصر بناتا تھا۔ مگر جدت کا

اس میں کہیں پتہ نہیں چلتا، اس کے معاشرتی افسانوں میں حقیقی انسان
کے بجائے ہمارے سامنے محض صفات و قوی کا ایک نمونہ پیش ہو جاتا ہے؛
اصلیت کا کہیں پتہ نہیں چلتا صرف کیفیات مجردہ باقی رہ جاتی ہیں۔ اسکے
افسانہ ہائے مسرت حقیقی زندگی کے نقش و نگار نہیں ہیں بلکہ عادات واطوار
کی درستی کے لئے ایک طرح کی اخلاقی و تعریضی کوشش ہیں۔ اس کے اس متانت
علمی کا بار جس وجہ سے ہلکا معلوم ہوتا ہے وہ درحقیقت اس کی حیرت انگیز
روانی بیان اور صحیح شاعرانہ حس ہے۔ جس گروہ سے اس کا تعلق تھا اس کا
مابہ الامتیاز اختصاص، زور طبیعت و نوجوانانہ اُمنگ تھی اور یہ خوبی جانسن میں
بھی موجود تھی۔ باوجودیکہ اس نے صحت بیان کی نسبت بہت کچھ کہا ہے
لیکن خود اس کے بیان میں اگر حیرت انگیز زور نہوتا تو اس کی مبالغہ آمیزی
بھی مضحکہ خیز بن جاتی۔ وہ عملی حالات کا نقشہ کھینچنے میں کامیاب نہ ہو سکا مگر
اس نے اپنے بنائے ہوئے مرقعوں کی کیفیت جس تفصیل سے دکھائی ہے
وہ اس کا نعم البدل بن گئی تھی۔ اس کی شاعری نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی
ہے اور نغمات بھی نہایت ہی پاکیزہ اور زود فہم ہیں۔ اس کے مصنوعی کیفیات
کی تصویریں ہر طرح پر شاندار و پُرشکوہ ہیں اس کی کتاب "سیڈ شیپرڈ"
(غمگین گلہ بان) اگرچہ محض ایک ٹکڑا ہے مگر نازک احساسات سے
بھری ہوئی ہے۔ انگریزی ڈراما کی یہ دل کشی اور اس کا یہ زور
اگرچہ جاری تھا مگر اس کی زندگی میں بہت تیزی کے ساتھ
رجعت قہقری شروع ہوگئی تھی۔۔ درحقیقت بغاوت عظیم کی جد
و جہد کا جس قدر اثر محسوس ہوتا جاتا تھا اسی قدر لوگوں کی
توجہ اس جدید تر اور اہم معاملہ کی طرف متوجہ ہوتی جاتی تھی۔

ڈراما نویسوں نے جب نئے جوش و خروش سے زمانہ کے اس میلان کے روکنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھیٹر کا سارا کام ہی تباہ ہو گیا۔ زمانۂ مابعد کے افسانہائے مسرت کا بھدا پن بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ علیٰ ہذا عصمت دری و خونریزی کے نسبت زمانۂ مابعد کے افسانہائے غم لکھنے والوں کا مذاق بھی تقریباً ایسا ہی ناقابل اعتبار ہے۔ پیوریٹنوں کو تھیٹر سے جو نفرت تھی اس کا سبب محض یہی نہیں تھا کہ وہ اپنے عقائد کی تضحیک کا انتقام لینا چاہتے تھے بلکہ اس کا خاص باعث یہ تھا کہ فی الحقیقت خداترس لوگوں کو اس سے دلی نفرت تھی کہ شاعرانہ و دل پذیرانہ صورت میں بدترین بدکرداریوں کی جلوہ آرائی کی جائے۔

بیکن

اگر "ہیملٹ" اور "فیری کوئین" کے مصنفین سے انگلستان جدید کے وسعت تخییل کا اظہار ہوتا تھا تو اس کی خالص ذہنی قابلیت، علوم انسانی کے خزائن پر اس کی وسیع قدرت، اور ان علوم سے کام لینے میں خود اپنی طاقت کے حیرت انگیز احساس کا مظہر فرینسس بیکن کی ذات تھی۔ بیکن الیزبتھ کے اوائل عہد میں شکسپیر سے تین برس قبل پیدا ہوا تھا وہ ایک کیپر لارڈ (محافظ مہر شاہی) کا چھوٹا بیٹا اور لارڈ برلے کا بھتیجا تھا۔ ۱۵۶۱
اس کی تیزی اور ذہانت کی وجہ سے بچپن ہی میں اس پر ملکہ کی نظر پڑنے لگی تھی۔ لڑکپن ہی کے زمانے میں جبکہ وہ کالج میں تعلیم پاتا تھا اس نے ارسطو کے فلسفے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا کیونکہ وہ اس فلسفہ کی قوت صرف بحث کرنے اور جھگڑنے کے

کام کی تھی ورنہ انسان کے لئے مفید کام کے پیدا کرنے میں وہ بالکل بیکار تھی"۔ اکیس برس کی عمر میں جب وہ قانون کے مطالعہ میں مشغول تھا اس نے "زمانے کی عظیم ترین آفرینش" Greatest Birth of Time کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور اس میں استقرائی طریقے کا خاکہ کھینچا جسے وہ فلسفہ ارسطو کے بجائے قائم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نوجوان صاحب فکر کے خیالات میں درباری کامیابی کی امیدوں سے خلل پڑ گیا مگر یہ ساری امیدیں بہت جلد خاک میں مل گئیں۔ اپنے باپ کے انتقال کی وجہ سے وہ بالکل نادار ہو گیا تھا اور خاندان سیسل کی بدباطنی کے باعث ملکہ کے حضور میں اسکی ترقی رک گئی شیکسپیر کے لندن میں وارد ہونے سے چھ برس قبل وہ بہ حیثیت بیرسٹر کے "گریز ان" میں داخل ہو چکا تھا۔ بہت ہی جلد اس کا شمار اپنے وقت کے کامیاب ترین وکلا میں ہونے لگا۔ تیس برس کی عمر میں وہ دارالعوام کا رکن ہو گیا اور اپنی قوت فیصلہ اور فصاحت بیانی کے باعث اسے معاً نمود حاصل ہو گئی۔ بن جانسن کا قول ہے کہ "جو لوگ اس کی تقریر سنتے تھے انہیں یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ اپنی تقریر ختم نہ کر دے"۔ اس کے "مجموعہ مضامین" (Essays) کی خصوصیت صرف یہی نہیں تھی کہ خیالات کو جامع و مانع طور پر سلاست و صحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا۔ بلکہ ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس میں بیکن نے اسی تجرباتی تحلیل کو انسانی زندگی پر عائد کیا تھا جسے زمانۂ مابعد

میں اس نے سائنس کی کلید قرار دیا۔ اس کی شہرت فوراً ہی ملک کے اندر اور ملک کے باہر بہت پھیل گئی مگر بیکن اس بلند آوازگی پر قانع نہیں تھا اسے خیال تھا کہ اس میں نفع رسانی خلائق کی بہت بڑی قوت ہے اور اس معاملہ میں اس کا مطمح نظر بھی بہت بلند تھا مگر یہ وہ زمانہ تھا کہ اس قسم کے مقاصد کا حصول شاہی توسل کے سوا ناممکن تھا اور اس وقت بیکن کے لئے کسی سیاسی عہدے کا حاصل کرنا ہمیشہ سے زیادہ دشوار تھا۔ پارلیمنٹ میں شامل ہونے کے بعد ہی اس نے الیزبتھ کے ایک مطالبہ امداد کی سخت مخالفت کر کے اسے کبیدہ خاطر کر دیا تھا اور اگرچہ بے انتہا معذرت اور آیندہ ہر طرح پر درباری امور میں مخالفت سے باز رہنے کے باعث یہ خطا معاف ہوگئی تھی مگر اسے عدالت شاہی میں کسی عہدے کے دئے جانے سے پے در پے انکار کیا گیا۔ جب اس کا "مجموعۂ مضامین" شائع ہوا ہے اس وقت صرف اتنا ہوا کہ ملکہ کے مشیر قانونی کے طور پر اسے کچھ ترقی حاصل ہوگئی ملکہ کا یہ اعراض اس کے عام طرز روش کے بالکل خلاف تھا مگر پے در پے بیکن کی اخلاقی کمزوریوں کے ظاہر ہونے سے ملکہ کے اعراض کا بجا ہونا ثابت ہوگیا ہے کہ کیوں اس نے اپنے ملک کے قابل ترین شخص کو اپنی مجلس میں جگہ نہ دی۔ الیزبتھ نے جن لوگوں کو خدمتیں سپرد کی تھیں وہ زیادہ تر ایسے لوگ تھے جن میں خدمات عامہ کا احساس نہایت قوی تھا اور ان کی تمام دماغی قوت اسی میں

صرف ہوتی تھی۔ وہ لوگ ملکہ کا جس قدر ادب و احترام
کرتے تھے وہ ہماری نظر میں نہایت ہی مبالغہ آمیز معلوم ہوتا
ہے مگر اس ادب و احترام کی باگ پرجوش حب الوطنی اور
پُر زور احساس مذہبی کے ہاتھوں میں ہوتی تھی اور باوجودیکہ
انہیں حقوق شاہی کا نہایت درجہ پاس و لحاظ تھا پھر بھی
وہ کبھی قانون کو پس پشت نہیں ڈالتے تھے بیکن کی
کیفیت یہ تھی کہ جس طرح اس کی ذہانت کی عظمت و جدت
نے اسے اس قسم کے لوگوں سے ممتاز کر دیا تھا اسی طرح
اس کی اخلاقی بے حسی نے بھی اسے ان لوگوں سے جدا کردیا
تھا۔ علوم کی طرح سیاسیات میں بھی وہ ازمنۂ گزشتہ کی کچھ
وقعت نہیں کرتا تھا۔ اس کے نزدیک قانون، آئینی امتیازات،
مذہب سب کے سب صرف اسی غرض سے تھے کہ کسی نہ کسی طرح
شائستہ حکومت کی جائے۔ اور یہ مقاصد اگر کسی مختصر طریق سے
حاصل ہو سکتے ہوں تو ان کے لئے طول وطویل ذرائع اختیار
کرنا اس کے نزدیک محض لغویت تھی۔ بہت بڑے بڑے
معاشرتی و سیاسی خیالات اس کے پیش نظر تھے وہ چاہتا تھا
کہ قانون کی اصلاح و انضباط ہو، آئرلینڈ میں تہذیب پھیلائی
جائے کلیسا کو مفاسد سے پاک کیا جائے اور کچھ زمانہ بعد انگلستان
اور اسکاٹلینڈ کو متحد کر دیا جائے۔ مادی ترقی و اشاعت تعلیم
اور اسی قبیل کے اور بہت سے خیالات اس کے ذہن میں
تھے اور بیکن کی نظر میں ان اغراض کے حاصل کرنے کا مختصر و

آسان طریقہ یہ تھا کہ تاج کے اختیارات سے کام لیا جائے۔ لیکن اس قسم کی شاہی طاقت کا خیال الیزبتھ کے کسی جانشین کو کیسا ہی دلفریب کیوں نہ معلوم ہوا ہو، خود الیزبتھ کو اس میں لطف نہیں آتا تھا اور اس کے آخر عہد تک بیکن کے حصول عروج کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔

نووم آرگنم

بیکن نے اپنی آخری زندگی میں یہ کہا تھا کہ "میں اپنے نام و یادگار کے طور پر اس کتاب کو لوگوں کے لطف اُٹھانے اور تمام قوموں اور آئندہ نسلوں کے لئے چھوڑ جاتا ہوں" اس نے اوائل عمر میں جس فلسفیانہ غور و فکر کا آغاز کیا تھا اس کے لئے وہ سیاسی مصروفیت اور درباری سازشوں کے باوجود بھی وقت نکال لیتا تھا۔ چوالیس برس کی عمر میں پہنچکر اسے الیزبتھ کی طرف سے اپنی سیاسی امیدوں میں بالکل مایوسی ہوگئی۔ اسی زمانے میں اس نے (Advancement of Learning) "ترقی علوم" شائع کی۔ اس کتاب کی اشاعت سے پہلی بار اس نئے فلسفے کی قطعی ہیئت قائم ہوئی جسے وہ خاموشی کے ساتھ ترتیب دے رہا تھا۔ خود اسی کے الفاظ ہیں کہ وہ اس کتاب کے مکمّل ہونے سے علوم کی ایک عام "قابل وثوق حدبندی ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ کون کون سے حصّے ابھی بحال خود بیکار پڑے ہوئے ہیں اور انسان کی کوششوں نے ان میں تبدیلی و ترقی نہیں کی ہے۔ یہ ترتیب اگر سمجھ کر ذہن نشین کرلی جائے تو اس سے تجاویز عامہ اور ذاتی کوششوں دونوں کو مدد

ملے گی۔" اس کا دعویٰ یہ تھا کہ صرف اسی قسم کی تجدید سے یہ ہوسکتا ہے کہ لوگ بیکار علوم کو ترک کر کے مفید علوم کے حاصل کرنے پر متوجہ ہوں، حصول علم کے لئے بیکار ذرائع نہ اختیار کریں اور علم کی اصلی غرض کی طرف اس طرح ملتفت ہوں کہ "اسے خالق کائنات کی عظمت و جلال کا ایک گرانبہا خزانہ اور انسانی حالت کی درستی کا وسیلہ تصور کریں۔" "نووم آرگینم" درحقیقت ایک سلسلہ کتب کا مقدمہ تھا جسے تجدید عظیم (Instauratio magna) بنانے کا ارادہ تھا مگر اس کا تکمیل کو پہنچانا مصنف کی قسمت میں نہیں تھا۔اس کے جو حصہ اس وقت موجود ہیں وہ الیزبتھ کے دور حکومت کے بعد شائع ہوئے تھے۔ "تصورات ذہنی و مشہودات" "نووم آرگینم" کا پہلا خاکہ تھا جو مکمل صورت میں ۱۶۲۰ء میں جیمز کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس سے ایک برس بعد بیکن نے اپنی (تاریخ فطرتی و تجربیاتی) تیار کی مجوزہ "تجدید عظیم" کا جو حصہ واقعی مکمل ہوا وہ اسی تاریخ "نووم آرگینم" اور "ترقی علمی" (Advancement of Learning) پر مشتمل تھا۔اس میں سے صرف آخری دو کتابوں کے کچھ اجزا ہم تک پہنچے ہیں۔ان کتابوں کے بعد زینہ ادراک Ladder of the Understanding شائع ہونے والا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ تجربے سے گزر کر علم و ادراک کی طرف توجہ کی جائے۔ سلسلے میں "پیش بینی" (Anticipation) یعنی فلسفۂ جدید کی تحقیقات کے غیر منضبط اصول کا نمبر اس کے بعد تھا اور آخر میں "علم بصورت عمل"

Science in Practice پر اس سلسلہ کا خاتمہ ہونے والا تھا مگر بیکن ان تینوں کتابوں کی تکمیل آیندہ نسلوں کے لئے چھوڑ گیا بیکن نے کہا تھا کہ وہ یقین ہے کہ ہمارا یہ ابتدائی کام نظر حقارت سے نہ دیکھا جائیگا - غالباً نسل انسانی کے لئے یہ مقدر ہوچکا ہے کہ وہ اسے اس طرح تکمیل کرے گی کہ جو لوگ دنیا کی صرف موجودہ حالت پر نظر کرتے ہیں وہ بآسانی اس کا تصور بھی نہیں قائم کر سکتے۔ کیونکہ اس سے انسان کو صرف خیالی نفع نہیں ہوگا بلکہ ان کے سارے نیک و بد اور ان کی ساری قوت کا انحصار اسی پر ہوگا " لیکن جب ہم ان الفاظ سے قطع نظر کر کے بیکن کے عملی کاموں کو دیکھتے ہیں تو یہ ممکن نہیں کہ ہمیں ایک گونہ مایوسی نہ ہو - جس قدیم فلسفے پر اس نے اعتراضات کئے تھے اسے اس نے کماحقہٗ سمجھا ہی نہ تھا - اس کا خیال یہ تھا کہ غلط طریقۂ تحقیقات کے باعث انسان کی ذہنی قوت تباہ ہو رہی ہے اور اس خیال سے جو وحشت اس کے دل میں پیدا ہوگئی تھی اس کے باعث اس نے قیاس کو ذریعۂ تحقیقات قرار دینے کے اصلی فوائد سے بھی آنکھیں بند کر لی تھیں - اُس فلسفے کو ایسی نظر حقارت سے دیکھنے میں اسے اس وجہ سے اور بھی تقویت ہوگئی کہ وہ خود علوم ریاضیات سے ناواقف تھا اور علوم طبیعیات و نجوم کے عظیم الشان قیاسی مسائل اس کے وقت میں موجود نہیں تھے - زمانۂ جدید کے علوم کا بھی اسے کچھ زیادہ صحیح اندازہ نہیں تھا - بیکن نے جس خالص استقرائی

طریقے کی طرف لوگوں کی توجہ منعطف کر دی تھی اس سے وہ خود کوئی عمدہ نتیجہ نہ پیدا کرسکا۔ "تحقیقات فطرت" کے جس طریقے پر وہ اس قدر نازاں تھا وہ علمی اغراض کے لئے بیکار محض تھا اور موجودہ زمانے کے اصحاب تحقیق کے نزدیک مطلق اس کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی۔ بیکن کے تصانیف میں جن موقعوں پر صحت کا پہلو غالب ہے انہیں خود اسکا نتیجۂ فکر کہنا دشوار ہے ڈیوگلڈ اسٹوارٹ کا قول ہے کہ "یہ امر مشکوک ہے کہ آیا اس کے معیّن کردہ طریقہ ہائے تحقیقات میں ایک بھی مہتم بالشان طریقہ ایسا ہے جس کا کچھ نہ کچھ سراغ سابقین کے تصانیف میں نہ ملتا ہو" درحقیقت صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ ازمنۂ جدید کی علمی تحقیقات کے لئے قبل از وقت کسی طریقے کے قائم کرنے میں بیکن کو ناکامی ہوئی بلکہ اس نے خود اپنے وقت کی بڑی بڑی علمی تحقیقات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کوپرنیکس کے نظریۂ علم ہیئت اور گلبرٹ کی تحقیقات تثاقل دونوں کو اس نے نظر حقارت سے دیکھا۔ اس زمانے کے اصحاب سائنس نے بھی اس تحقیر کا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ہاروی جس نے دورانِ خون کا مسئلہ دریافت کیا ہے لکھتا ہے کہ۔ "لارڈ چانسلر سائنس پر ایسی ہی خامہ فرسائی فرماتے ہیں جیسی ایک لارڈ چانسلر کے شایان شان ہوسکتی ہے"

باوجود اس کے کہ بیکن نے قدیم یا جدید کسی فلسفہ کی قدر و منزلت کو پوری طرح نہیں سمجھا تھا مگر ازمنۂ مابعد کے لوگ

تقریباً سب کے سب اس امر پر متفق الرائے ہیں کہ "نوودم آرگینم" نے علومِ جدیدہ کی ترقی پر قطعی اثر ڈالا۔ اور یہ خیال بجائے خود بالکل بجا و درست ہے۔ بیکن کو اگرچہ تجرباتی طریق کے انکشافات میں کامیابی نہیں ہوئی مگر وہی پہلا شخص تھا جس نے علی رؤس الاشہاد یہ ظاہر کیا کہ سائینس کا بھی ایک فلسفہ ہے اور اس امر پر زور دیا کہ عالم مادیات میں علم و تحقیق کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ متحد رہنا چاہئے، جس قسم کے معمولی تجربات سے سائینس کی ابتدا ہونی چاہئے ان پر اس نے ایسے شائستہ و وسیع طریقہ سے بحث کی کہ مبتذل باتوں میں بھی ایک شان پیدا ہوگئی۔ ازمنۂ گزشتہ کے روایات پر حقارت کے ساتھ نظر کرکے اس نے سائینس کے لئے آئندہ ترقی کا راستہ صاف کر دیا۔ اس امر کو بزور واضح کیا کہ فی الحقیقت سائینس کا کیا رتبہ اور اس کی کیسی قدر ہونا چاہئے۔ سائینس کی تعلیم سے انسان کی قوت اور خوش حالی میں جیسے عظیم الشان نتائج پیدا ہونے کی توقع ہوسکتی تھی ان کو بھی بخوبی ظاہر کیا۔ ایک اعتبار سے اس کی طرزِ عمل نہایت ہی قابل وقعت تھی۔ اس کے زمانے میں علوم دینیات انسان کی تمام ذہنی قوتوں پر قابض ہوگئے تھے اور اسکے ساتھ ہی وہ ایک ایسے بادشاہ کی ملازمت میں تھا جس کے نزدیک مطالعہ دینیات کو تمام امور پر تفوق حاصل تھا" لیکن اگرچہ بیکن تمام معاملات میں بدل و جان جیمز کا فرمان پذیر تھا مگر اس نے کاسوبون کی طرح اس معاملہ میں اپنے بادشاہ کی

اطاعت نہیں کی بلکہ اتنا بھی نہیں کیا جتنا ڈیکارٹ نے کیا تھا کہ عقلیات کو مذہبی مباحث کی شکل میں ڈھال کر خود علوم دینیات کی ہیئت بدلنے کی کوشش کرتا۔ وہ اس بحث میں پڑنے سے بالکل الگ رہا۔ ملکداری کی ضرورت سے اس نے اصلاح کلیسا وغیرہ کے معاملات میں جس قدر دخل دیا وہ سب خالصتہً ملکی نظم و نسق کی بنا پر تھا۔ علوم انسانی کے تمام اصناف کو اس نے ایک ایک کر کے شمار کیا ہے اور اس سلسلے سے اگر اس نے کسی صنف کو خارج رکھا ہے تو وہ یہی علم دینیات ہے۔ اس کا مذہب مختار ہی اس قسم کا تھا کہ اس طریقے کا اطلاق اس مبحث پر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ علوم دینیات میں مقدمات مسلّم اور نتائج معلوم تھے۔ حالانکہ بیکن کی غرض و غایت یہ تھی کہ سہل الحصول تجربات کے ذریعۂ سے غیر معلوم نتائج حاصل کئے جائیں۔ تحقیقات کے معاملہ میں اس کا سارا نظام عمل اس اصول پر مبنی تھا کہ مسلّمہ رایوں اور مقبولہ روایتوں کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے۔ وہ اس امر پر زور دیتا تھا کہ تیقّن کا انحصار صرف ثبوت پر اور ثبوت کا انحصار ان نتائج پر ہونا چاہئے جو عقلی شہادت سے حاصل ہوئے ہوں۔ مگر دینیات کے معاملے میں تمام علمائے دینیات اس امر کے مدعی تھے کہ دلائل عقلی کا مرتبہ دوسرے درجہ پر ہے۔ بیکن نے لکھا ہے کہ "اگر میں اس بحث میں پڑوں تو میں دلائل عقلیہ کی کشتی سے نکلکر کلیسا کے جہاز میں جا رہوں گا اور فلسفے کے جو ستارے ہماری رہبری

کرتے رہے ہیں ان کی ضیا سے ہم آئندہ کو محروم ہو جائینگے"۔ درحقیقت مباحث دینیات کے نتائج کا بجائے خود مسلّم ہونا بیکن کے مقصدِ عظیم سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا اس نے نہایت عالی ظرفی کے ساتھ اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ ہر ایک محصل سے غلطی کا ہونا ممکن ہے۔ اس کا خاص کام یہ تھا کہ وہ لوگوں کو علم کی اُن "بے حقیقت نمائشوں" سے متنبہ کرے جو علم کی حقیقی ترقی میں ایک مدت عظیم تک روڑے اٹکاتی رہی ہیں، یہ "بت قبیلہ" "بت غار" "بت بازار" "بت تماشہ* گاہ" یہ وہ غلطیاں ہیں جو یا تو ازروئے تنظیم سے جو تمام انسانوں میں موجود ہے، یا شخصی میلانات سے یا الفاظ اور فقروں کے اس زبردست اثر سے جو انسان کے دل پر موجود ہے اور یا پچھلے زمانہ کی روایت سے پیدا ہوئیں۔ اس قسم کی غلطیوں پر لوگوں کو متنبہ کرنے کو بیکن نے اپنا خاص نصب العین بنا لیا تھا۔ علوم طبعی کو وہ جس درجے پر لانا چاہتا تھا اس کے لحاظ سے بھی یہ مشکل

---

* "بت قبیلہ" وہ خطا پذیری یا غلط انگاری جو نفس انسانی میں موجود ہے۔
"بت غار" بت قبیلہ کے علاوہ انسان کے شخصی اور فردی رجحانات جو اس کے لئے گویا ایک خاص غار ہیں جس میں وہ رہتا ہے۔
"بت بازار" افراد کے اجتماع اور زبان کی وجہ سے غلطیاں +
"بت تماشہ گاہ"۔ مختلف فلسفی مذاہب کی وجہ سے (جو بطور ناٹک کے ہیں) مغالطے۔

تھا کہ دینیات بآسانی اپنے دعوی کو ترک کر کے اس خیال سے موافقت کرلے ۔ لیکن کہتا ہے کہ "جس زمانے میں علم اور اہل علم کو خصوصیت کے ساتھ عروج حاصل تھا بلکہ جس زمانے میں معمولی طور پر بھی ان کی حیثیت درست تھی، دونوں زمانوں میں سب سے کم توجہ جس علم پر کی گئی وہ فلسفہ طبیعیات تھا حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ اسی کو تمام علوم کا اصل الاصول قرار دیا جاتا کیونکہ اگر علوم کا تعلق اس اصل سے منقطع کر دیا جائے تو ممکن ہے کہ تراش خراش سے انہیں کام کا بنا لیا جائے مگر اس صورت میں ان کا ترقی کرنا دشوار ہے ۔ اخلاقیات و سیاسیات تک کو حقیقی ترقی اسی طرح میسر آئی کہ اسی استقرائی تحقیقات کے طریقے کو انہوں نے اختیار کیا جسے علوم طبعی نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا اور تحقیقات کی بنا انہیں شواہد پر قائم کی جو علوم طبعی نے مہیّا کئے تھے ۔ جب تک فلسفہ طبعی علومِ مخصوصہ سے علحدہ نہ کر لیا جائے گا اور پھر یہ علوم مخصوصہ اسی فلسفہ طبعی کی طرف رجوع نہ کریں گے اس وقت تک یہ توقع نہیں ہوسکتی کہ علوم میں کوئی بڑی ترقی ہوسکے" اسی نقص کے باعث، علم الہئیت، علم المناظر والمرایا، علم موسیقی، اور بہت سے عملی علوم اور زیادہ تعجب انگیز یہ ہے کہ اخلاقی و تمدنی علوم اور منطق نے بھی مبادیات

سے آگے ترقی نہیں کی بلکہ سطحی فروعی حالت میں محدود ہے علوم طبعیات کی قدر و منزلت کا یہی اعلیٰ تصور تھا جسے سب سے پہلے بیکن نے لوگوں کے ذہن نشین کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ علم، تحقیقات کے اس میدان کی طرف قدم زن تھا جس میں اب تک کسی کا گزر نہیں ہوا تھا۔ کپلر اور گلیلو نئے علم ہئیت کی بنا ڈال رہے تھے، ڈیکارٹ حرکت کے قوانین کا اور ہاروے دوران خون کے راز کا انکشاف کر رہے تھے، لیکن عام لوگوں کو ابھی تک اس تغیر عظیم کا کچھ حس نہیں تھا، تحقیقات طبعی کی اہمیت اور اس کی قوت کی طرف جس شے نے پہلی بار عامۃالناس کو متوجہ کیا وہ بیکن ہی کی فصاحت بیانی، اسی کا زور اور اسی کا مستحکم اعتقاد تھا فلسفہ جدید کے نتائج و فتوح کے متعلق بیکن ہی کے پر عظمت تیقن کے باعث اس کے اقتداء کرنے والوں میں بھی اسی کا سا جوش و اعتقاد پیدا ہو گیا۔ بیکن ہی تھا جس کی ذات سے تحقیقات، تجربے اور مقابلے کے دیر طلب و صبرآزما طریقوں کو وقعت حاصل ہو گئی۔ اسی نے واقعات کے مقابلے میں خیالی مسلمات کو ترک کرنے اور صرف حصول صداقت کے درپے رہنے کو موقر بنا دیا اور اسی پر علوم جدیدہ کا دار مدار ہے۔


آئرلینڈ (آئرستان)
انگریزی حملے سے ذرا پہلے
انگریزی میل
کناٹ
میتھ
لینسٹر
منسٹر
ڈیسمنڈ
تھومنڈ
کاشل
اوفالی
ٹارا

جزو ہشتم

فتح آئرلینڈ

۱۵۸۸ — ۱۶۱۰

اسناد۔ آئرلینڈ کی قدیم تاریخ کے متعلق جو مواد موجود ہے اس کی نسبت پروفیسر اوکری نے اپنی تقریرات دربارۂ مواد تاریخ قدیم (Lectures on the materials of Ancient Irish History) میں بحث کی ہے، عام پڑھنے والے اس مواد کا مطالعہ ڈاکٹر اوڈونووَن کی مرتبہ تالیف چار استادوں کے وقائع (Annals of the Four Masters) میں کر سکتے ہیں۔ اس ملک کی مذہبی تاریخ کو کیننگن نے اپنی تصنیف "آئرلینڈ کی تاریخ کلیسائی (Ecclesiastical History of Ireland) میں خشک طریقے سے مگر صحت کے ساتھ بیان کیا ہے ہنری ثانی کے زمانے کے سابقہ فتوحات کے متعلق خاص اسناد جیرلڈ ڈی بیری کی تصنیف (Expugnatio et Topographia Hibruica) ہے اس کتاب کو سلسلۂ صحائف کے لئے مسٹر ڈیمک نے مرتب کیا ہے "اینگلو نارمن نظم" (Anglo norman Poem) مرتبہ

مسٹر فرینسس مجل (ایکپرنگ - لندن ۱۸۸۶ء) بھی دیکھنے کی چیز ہے مسٹر فراوڈ نے شاہان ٹیوڈر کے ساتھ آئرلینڈ کے تعلقات کو خاص توجہ سے لکھا ہے مگر صحت واقعات و اصابت رائے دونوں کے لحاظ یہ تصنیف مسٹر برودر کے اس دیباچ کی تحقیق سے گری ہوئی ہے جو اس نے ہنری ہشتم کے کاغذات سرکاری کے ساتھ شامل کئے ہیں - مسٹر گارڈنر نے اپنی (تاریخ انگلستان (History of England) ماؤنجوائے اور چچسٹر کے تحت میں آخری فتح اور آباد کرنے کے حالات جس وقت نظری و اعتدال سے ساتھ بیان کئے ہیں وہ بھی مسٹر فراوڈ کی تصنیف سے بہت بڑھے ہوئے ہیں - مسٹر اے - جی - رچی کے تقاریر بر تاریخ آئرلینڈ (Lectures on the History of Ireland) کے دونوں سلسلے معلومات و خوبی بیان میں ممتاز ہیں]

جنگ اسپین جس زمانے میں کہ انگلستان مرغانِ زمزمہ سنج کا نشیمن بنا ہوا تھا اسی زمانے (یعنے عہد الیزبیتھ کے آخری برسوں) میں بیرون ملک میں بھی اس کی شوکت و حشمت اور کامیابی کا آوازہ بلند تھا - جن شکستوں نے اسپین کی قوت کو توڑ دیا اور دنیا کی سیاسی حالت کو بدل دیا ان میں پہلی شکست آرمیڈا کی شکست تھی - دوسرے سال ڈریک اور نارس کے تحت میں پچاس جہاز اور پندرہ ہزار آدمی لسبن - پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجے گئے - یہ مہم اگرچہ خسارہ کے ساتھ انگلستان کو واپس آئی مگر اس نے قلعہ کا

محاصرہ کیا، ساحل کو تباہ اور خود اسپینی سرزمین پر ایک اسپینی فوج کو پسپا کردیا۔ خزانے کے خالی ہوجانے سے الیزبتھ کو بہت جلد مجبور ہونا پڑا کہ وہ ان کاموں کے لئے صرف رضاکاروں کو اجازت کے پروانے دے دینے پر قناعت کرے۔ یہ ایک قومی جنگ ۱۵۸۹ء
تھی اور خود قوم ہی نے اسے جاری رکھا۔ ارباب تجارت متوسط الحال اشخاص اور امرا نے خود اپنے ذاتی جہازات تیار کئے۔ "سمندری کتوں" کی تعداد برابر بڑھتی جاتی تھی اور وہ اسپینی سمندروں کو صاف کرتے جاتے تھے۔ اسپین کے شاہی و تجارتی جہازات گرفتار ہوکر ہر مہینے انگلستان کے بندرگاہوں میں لائے جارہے تھے۔ فرانس میں کارروائی کی ضرورت سے فلپ کو اس دوران میں موقع نہیں ملتا تھا کہ وہ انگلستان پر حملہ کرے۔ آرمیڈا کے منتشر ہونے کے بعد ہی خاندان وَالوا کا آخری تاجدار ہنری سوم قتل کردیا گیا اور ہنری (نوار) تخت فرانس پر متمکن ہوگیا۔ ایک پروٹسٹنٹ بادشاہ کی تخت نشینی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس کے کیتھولکوں کا ایک ایک شخص فوراً ہی لیگ اور اس کے سرگروہوں (یعنی خاندان گیز) کے ساتھ شریک ہوگیا۔ لیگ والوں نے ہنری کو مرتد قرار دیکر اور اس کے ادعائے تخت کو مسترد کرکے بُوربُون کے کارڈنل کے چارلس دہم کے لقب سے بادشاہ ہونے کا اعلان کردیا اور فلپ کو فرانس کا محافظ تسلیم کرلیا۔ اسپین کی فوج اور اسپین کا خزانہ لیگ کی مدد کے لئے وقف ہوگیا اسپین کو اگر اس نئی کوشش میں کامیابی ہوجاتی تو الیزبتھ کی

قطعی تباہی کا باعث ہوتی اس لئے وہ مجبور تھی کہ روپے اور سپاہ سے ہنری کی مدد کرے۔ چنانچہ ہنری کے خلاف جو غیر معمولی طاقتیں جمع ہوگئی تھیں اور جن کا مقابلہ وہ پانچ برس تک کرتا رہا تھا، الیزبتھ نے اس میں ہر طرح پر مدد کی۔ فرانس اپنے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسپین کا ایک ماتحت ملک ہوجائیگا اور فلپ کو فرانس ہی کے ساحلوں سے انگلستان میں پہنچنے کی توقع تھی۔ لیکن آخرالامر زمانے نے پلٹا کھایا۔ اہل لیگ کے برائے نام بادشاہ کا انتقال ہوگیا اور جب ان لوگوں نے یہ تجویز کی کہ فلپ کی بیٹی کو تخت نشین کردیں۔ تو خود خاندان گیز کے لوگوں کو حسد پیدا ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی اس قومی فریق کو تقویت حاصل ہوگئی جو فرانس کو اسپین کے قدموں کے نیچے ڈال دینے سے گھبراتا تھا۔ اودھر ہنری نے اس مذہب کو قبول کرلیا جو اس کی رعایا کے گروہ کثیر کا مذہب تھا اور انجام کار فلپ کی کامیابیوں کی تمام امیدوں کا خاتمہ
1593 ہوگیا۔ ہنری نے پروٹسٹنٹ عقیدے کے ترک کرتے وقت یہ کہا تھا کہ "پیرس اس قابل ہے کہ وہاں ماس (قدوس) جاری کیا جائے" (یعنی کیتھولک طریق پر عبادت ہو) اس مشہور فقرے کا اثر پیرس کی حفاظت ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نے مزید مقاومت کی تمام امیدوں کو خاک میں ملادیا اور اپنی دوبارہ متحد شدہ قوم کے سرتاج ہونے کی

حیثیت سے بادشاہ نے فلپ کو مجبور کردیا کہ وہ اس کے خطاب شاہی کو تسلیم کرے اور معاہدہ ویروین کے بموجب صلح پر رضامند ہوجائے۔ سمندر پر فلپ کی امیدوں کے آخری طور پر برباد 159
ہوجانے سے فرانس کی نسبت اسکی امیدوں کی تباہی اور بھی تلخ ہوگئی۔ ۱۵۹۶ء میں جب اس نے ایک نئے آرمیڈا کے بھیجنے کی دھمکی دی تو اُس کا جواب یہ ملا کہ انگریزی فوج نے قادیسیہ پر دلیرانہ حملہ کردیا۔ شہر کو لوٹ کر اور جلاکر خاک میں ملا دیا۔ بندرگاہ کے اندر تیرہ جہازوں میں آگ لگادی گئی اور مہم کے لئے جس قدر سامان جمع تھا سب تباہ کردیا گیا۔ لیکن اس تباہی و تاراجی پر بھی دوسرے سال ایک اسپینی بیڑہ جمع ہوکر انگریزی ساحل کی طرف روانہ ہوا اور اس کا حشر بھی وہی ہوا جو اس سے سابق بیڑے کا ہوچکا تھا، انگریزی توپوں سے زیادہ طوفان نے اسے تباہ کیا۔ خلیج بسکے میں اس کے تمام جہاز شکستہ اور ازکاررفتہ ہوگئے۔

فرانس میں فلپ کے منصوبوں کے برباد ہوجانے اور سمندر پر انگریزوں کی فوقیت کے قائم ہوجانے سے اسپین کی طرف سے خطرہ بالکل رفع ہوگیا اور الزبتھ کو موقع ملا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنی تمام طاقت اس آخری کام کی طرف منعطف کروے جس نے اس کے عہد کو اس قدر تابناک بنادیا ہے۔ آئرلینڈ کی آخری فتح کی کیفیت سمجھنے کے لیے ہمیں پیچھے مڑکر ہنری دوم کے عہد پر نظر ڈالنا چاہیے۔

ایک زمانہ تھا جب اس جزیرے کا تمدن اس بلندی پر پہنچا ہوا تھا کہ اس کے مبلغین نارتھمبریا کے سواحل کو مذہب وعلم کی روشنی سے منوّر کررہے تھے مگر ہنری ثانی کے زمانے میں آئرلینڈ کی حالت بہت پست ہوگئی تھی، علم وہاں سے بالکل مفقود ہوگیا تھا، آٹھویں صدی میں وہاں عیسویت ایک پُر زور قوت تھی مگر بارھویں صدی میں وہ رہبانیت وتوہّمات کا مجموعہ ہوکر رہگئی تھی اور عام لوگوں کے اخلاق پر مذہب کا اثر مطلق باقی نہیں رہا تھا۔ کلیسا کے نظم ونسق میں کسی قسم کا زور نہیں رہا تھا، مغربی یورپ کے دوسرے مقامات میں کلیسا نے جو کام انجام دیئے تھے وہ کام آئرلینڈ میں نہیں ہوسکتا تھا، نہ متخاصم قبائل کی طوائف الملوکی میں کلیسا کے ذریعہ سے کوئی انتظام قائم ہوسکتا تھا، اس کے برخلاف وہ اپنے گرد وپیش کی طوائف الملوکی میں خود شریک ہوگیا تھا۔ کلیسا کے سرگروہ اعلیٰ یعنی اسقف اعظم آرماہ ایک قبیلے کا موروثی سردار ہوکر رہگیا تھا، اساقفہ کے حدود ارضی باقی نہیں رہے تھے اور اکثر ان میں سے محض بڑی بڑی خانقاہوں کے دست نگر ہوگئے تھے۔ شاہ السٹر کو اگرچہ شاہان منسٹر لینسٹر اور کناٹ پر اپنی فوقیت کا دعویٰ تھا مگر درحقیقت کوئی مرکزی قوت ایسی نہیں رہی تھی کہ ان مختلف قبائل کو ایک قوم کردے۔ ان چھوٹی چھوٹی سلطنتوں تک میں شاہی اقتدار محض برائے نام ہی تھا۔ اس ہیولانی حالت

میں اگر کسی شے میں زندگی کے آثار تھے تو وہ قبیلہ یا فرقہ تھا۔ ان قبائل کی تنظیمات اس وقت بھی وہی تھیں۔ جو قدیم ترین انسانی تمدن کے وقت میں تھیں۔ اس کی سرداری موروثی ہوتی تھی مگر باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہونے کے بجائے یہ سرداری اُس شخص کا حق ہوتی تھی جو حکمران خاندان میں عمر میں سب سے بڑا ہوتا تھا۔ قبیلے کی زمین اس کے جملہ افراد میں منقسم ہوتی تھی مگر کئی برس کے بعد پھر سے تقسیم ہوا کرتی تھی۔ متبنیٰ کرنے کا طریقہ ان میں رائج تھا اور متبنیٰ اولاد اپنے نسبی خاندان کے بجائے اس اختیار کردہ خاندان سے زیادہ قریبی طور پر وابستہ ہوجاتی تھی۔ جزیرے میں اصلاح و ترقی کی جس قدر صورتیں پیدا ہوئیں تھیں وہ ڈین کے طویل و مایوسانہ جد و جہد میں ناپید ہوگئیں۔ حملہ آوروں نے ساحل پر ڈبلن و واٹر فورڈ ولمرک کے جو شہر بسائے تھے وہ آبادی و تمدن کے لحاظ سے بدستور ڈینی شہر تھے، اور آس پاس کی کلٹی قوموں سے ان کی جنگ و جدل ہمیشہ جاری رہتی تھی البتہ کبھی جنگ میں شکست کھاکر انہیں خراج دینا پڑتا اور برائے نام آئرلینڈ کے پادشاہوں کی سیادت بھی تسلیم کرلیتے تھے مگر انگلستان سے جو تعلق آٹھویں صدی میں اُٹھ گیا تھا، گیارھویں صدی میں اسکی تجدید ایک حد تک انہیں شہروں کے توسط سے ہوئی۔ قومی تنفر کی وجہ سے ڈین اس جزیرے کے کلیسا سے الگ ہو گئے تھے اور اس لئے انہوں نے

اپنے اساقفہ کے تعیّن کے لیئے مستقر کنیٹربری کی طرف نظر ڈالی اور لینفرنیک اور انیسلم کی مذہبی نگرانی کے حق کو قبول کرلیا اس طرح جو تعلقات پیدا ہوئے ان میں غلاموں کی تجارت کی وجہ سے اور بھی زیادہ رسوخ ہوگیا۔ "فاتح" اور اسقف ولفسٹن نے برسٹل میں اس تجارت کو روک دیا تھا مگر وہ بہت ہی جلد پھر جاری ہوگئی تھی۔ باوجود بادشاہوں کے احکام امتناعی اور کلیسا کے تہدیدات مذہبی کے لوگ انگریزوں کو بہکاکر آئرلینڈ لیجاتے تھے اور انہیں غلامی میں بیچ ڈالتے تھے، بارھویں صدی میں تمام جزیرہ اس قسم کے انگریزوں سے بھرا ہوا تھا۔ پس اس ملک سے جنگ کرنے کے لئے ہنری دوم کی اولوالعزمی کو اگر کسی عذر کی ضرورت تھی تو یہ ایک جائز و واجب عذر موجود تھا اس نے اپنی تاجپوشی کے چند ہی ماہ کے اندر جان (سالسبری)، کو اس جزیرے پر حملہ کرنے کے لئے پوپ کی منظوری حاصل کرنے کی غرض سے روانہ کردیا۔ پوپ ہیڈرین چہارم کے سامنے یہ مہم جنگ مذہبی کے رنگ میں پیش کی گئی ہنری کی اس کارروائی کے وجوہ یہ بیان کئے گئے کہ یہ جزیرہ ممالک عیسوی کی عام جماعت سے الگ تھلگ ہے، علم و تہذیب کا وہاں کہیں پتہ نہیں ہے، باشندوں کے اعمال و افعال نہایت قبیح و ناشائستہ ہیں۔ اس زمانے میں عام عقیدہ یہ تھا کہ تمام جزیرے پوپ کے حدود اقتدار میں ہیں، لہذا آئرلینڈ بھی کلیسائے روما کی ملک متصور ہوتا تھا اور اسی لئے

اس میں داخل ہونے کے لئے ہنری نے ہیڈرین سے اجازت طلب کی۔ ہنری نے اپنی غرض یہ ظاہر کی تھی کہ "وہ کلیسا کے حدود کو وسعت دے گا۔ خرابیوں کی ترقی کو روکے گا، باشندوں کے عادات و اطوار کو درست کرکے انہیں نکوکاری کی طرف راغب کرے گا۔ اور مذہب عیسوی کو شائع کرے گا" اس نے یہ اقرار کیا تھا کہ وہ وہاں کے باشندوں کو قانون کا پابند کرے گا، ان کے قبیح رسومات کی بیخکنی کرے گا" اور پوپ کی سیادت کے اظہار کے لئے پطرس کے نذرانہ (Peter's Pence) کا اجرا کرے گا" ہیڈرین نے اپنے فرمان میں اس مہم پر ۱۱۵۵ اظہار پسندیدگی کیا اور "جوش عقیدت اور توغل مذہب" کو اس کا باعث قرار دیا اور یہ اعلان کردیا کہ آئرلینڈ کے باشندے ہر طرح کی تعظیم و توقیر کے ساتھ ہنری کا خیر مقدم کریں اور مثل اپنے بادشاہ کے اس کی عزت کریں۔ پوپ کا یہ فرمان انگلستان کے بیرنوں کی ایک بہت بڑی مجلس میں پیش کیا گیا مگر ملکہ مٹلڈا کی مخالفت اور مہم کی دشواریوں نے ہنری کو مجبور کیا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے اس خیال کو ترک کردے۔ اس اثناء میں اس نے اپنی فوج کو برّاعظم میں ملک گیری کی طرف متوجہ کردیا۔

آئرلینڈ میں خانہ جنگیوں کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا تھا، اسٹر[illegible] اور ان خانہ جنگیوں سے تمام جزیرہ ابتر ہوگیا تھا مذکورۂ بالا واقعات کے بارہ برس بعد اسی قسم کی ایک خانہ جنگی [illegible]

ڈرمٹ شاہ لینسٹر اپنے ملک سے بیدخل ہوکر ہنری کے دربار
میں حاضر ہوا اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کے لئے اس کی اطاعت
۱۱۶۸ و وفاداری کا حلف اُٹھایا۔ انگلستان کے نائٹوں نے ڈرمٹ
سے امداد کے وعدے کئے اور وہ آئرلینڈ کو واپس چلا گیا، اس کے
بعد ہی کانسٹیبل (محافظ) آف کارڈیگن کا بیٹا رابرٹ فٹز اسٹیون
ایک چھوٹا سا گروہ اپنے ساتھ لیکر آئرلینڈ کو روانہ ہوگیا۔ اس
گروہ میں ایک سو چالیس نائٹ ساٹھ زرہ پوش اور تین یا
چارسو ویلز کے تیرانداز شامل تھے۔ ان جانبازوں کی تعداد
اگرچہ کم تھی مگر آئرلینڈ کے ملکی سپاہیوں میں یہ قوت نہیں تھی
کہ وہ ان کے گھوڑوں اور ہتھیاروں کا مقابلہ کرسکیں۔ اہل
وکسفورڈ نے ان پر ایک چھاپہ مارا مگر اس کے انتقام میں
ان کا شہر کاشہر برباد کردیا گیا۔ اَوسوری کے قبائل کو سخت خونریزی
کے ساتھ شکست دی گئی۔ ڈرمٹ کے آدمیوں نے اس کے
قدموں کے سامنے مقتولین کے سروں کا ڈھیر لگا دیا۔
اس نے اپنی فتح کی وحشیانہ مسرت میں ان میں سے ایک
سرکو اُٹھا لیا اور اپنے دانتوں سے اس کی ناک اور
ہونٹھ نوچ ڈالے۔ تازہ فوجوں کے ساتھ مورِیس فٹز جیرلڈ
کا ورود رچرڈ کلیر (ارل پمبروک) عاسٹرنگوئل کی آمد کا پیش خیمہ ثابت
۱۱۶۹ ہوا، رچرڈ کلیر ایک تباہ شدہ بیرن تھا اور لوگوں نے اسکا
نام اسٹرانگ بو (سخت کمان) رکھدیا تھا وہ ہنری کی ممانعت
کی پروا نہ کرکے ڈرمٹ کے اجیر کے طور پر پندرہ سوآدمیوں

کو لئے ہوئے واٹرفرڈ کے قریب اُتر پڑا، شہر پر حملہ کرکے اسے فتح کرلیا گیا اور ارل اور بادشاہ کی متحدہ فوجیں ڈبلن کے محاصرے کے لئے آگے بڑھیں۔ شاہ کناٹ کو جزیرے کے تمام قبائل اپنا بادشاہ اعلیٰ تسلیم کرتے تھے، اس نے شہر کے بچا نے کی کچھ کوشش کی مگر باوجود اس امداد کے ڈبلن پر قبضہ ہوگیا اور رچرڈ نے ڈرمٹ کی بیٹی ایوا سے عقد کرلیا ان فتوحات کے بعد ہی بہت جلد اس کے خسر ڈرمٹ کا انتقال ہوگیا۔ اور وہ سلطنت لینسٹر کا مالک بن گیا لیکن اس نئے بادشاہ کو جلدتر انگلستان کو واپس جانا پڑا تاکہ وہ ہنری کے آتش حسد کو فرو کرے۔ اس نے اس مقصد کے لئے ڈبلن کو تاج انگلستان کے حوالہ کردیا اور سلطنت لینسٹر کے لئے مثل ایک انگریزی امیر کے ہنری کی اطاعت کا حلف اٹھایا اور جب
۱۱۷۱ شاہ انگلستان نے جانبازوں کی اس نئی حاصل کردہ سلطنت کا سفر کیا تو وہ برابر بادشاہ کے جلو میں حاضر رہا اگر قسمت نے ہنری کا ساتھ دیا ہوتا اور وہ اپنی تجویز کو پورا کرسکتا تو اسی زمانے میں آئرلینڈ کی فتح مکمل ہوجاتی۔ اگرچہ شاہ کناٹ اور شمالی السٹر کے سرداروں نے اس کی اطاعت سے انکار کردیا تھا مگر آئرلینڈ کے باقی تمام قبائل نے اس کے آگے سر جھکا دیا اساقفہ نے بمقام کیشل ایک مجلس منعقد کرکے اسے اپنا سرپرست تسلیم کرلیا اور وہ شمال و مغرب کی طرف بڑھنے اور قلعے بنا بنا کر اپنے فتوحات کو مستحکم کرنے کی تیاری کررہا تھا کہ اسقف اعظم ٹامس کے قتل سے ایک فتنہ برپا ہوگیا اور

مجبوراً اسے بعجلت تمام نارمنڈی کو واپس جانا پڑا۔ یہ از دست رفتہ موقع پھر کبھی نصیب نہیں ہوا۔ اگرچہ بعد میں کناٹ نے برائے نام ہنری کی سیادت اعلیٰ کو مان لیا، جان ڈی کورسی، السٹر میں داخل ہوکر ڈاؤن پیٹرک پر جم گیا اور بادشاہ نے یہ انتظام کیا کہ اپنے سب سے چھوٹے بیٹے جان کو والی آئرلینڈ بناکر مستقلاً وہاں مقیم کردیا، لیکن یہ نوجوان شہزادہ ایک خفیف الحرکت شخص تھا، اس نے وہاں کے سرداروں کے بد قطع لباس کا مضحکہ اُڑایا اور حقارت سے ان کی ڈاڑھیاں نوچ لیں، ناچار اسے واپس بُلا لینا پڑا، اور ڈروجیڈا، ڈبلن، کیلڈیر، ویکسفرڈ، واٹرفرڈ اور کارک کے اضلاع پر انگریزوں کا قبضہ محض قبائل آئرلینڈ کی باہمی جنگ و جدل اور کمزوری کے باعث باقی رہگیا۔ یہی اضلاع اس کے بعد سے "حلقۂ انگریزی" کہلانے لگے۔ 1176

حلقۂ انگریزی یا انگریزی کے بیرون اہل آئرلینڈ کو اگر اپنے حملہ آوروں کو سمندر پار کرنے یا انگریزوں ہی کو اس جزیرے کے بتمامہ فتح کر لینے میں کامیابی ہوگئی ہوتی تو زمانہ مابعد میں جو مصیبت و تباہی اس ملک پر آئی وہ نہ آئی ہوتی۔ اسکاٹلینڈ نے اپنے فاتحین کو جس طرح ملک سے خارج کردیا، اس طرح کی کوشش سے حُب الوطنی اور قومی اتحاد کا پیدا ہوجانا ممکن تھا، جس سے یہ متخاصم قبائل ایک قوم بن جاتے۔ نارمنون نے جس طرح انگلستان کو فتح کر لیا اس طرح کی فتح سے لازم تھا کہ ملک مفتوحہ کے تمام

عرض و طول میں فاتح ملک کا سا قانون، انتظام، امن و تمدن
قائم ہوجاتا لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ آئرلینڈ میں اتنی طاقت نہیں تھی
کہ انگریزوں سے خلاصی حاصل کرلے اور نہ وہ اس درجہ کمزور
تھا کہ حملہ آوروں کو بالکل ہی روک نہ سکے۔ ملک دو ٹکڑوں میں
منقسم ہوگیا تھا اور ان کی مخالفت باہمی کسی طرح ختم نہیں ہوتی
تھی۔ یہ تعرض کرنے والے اگرچہ نسبتہً مہذب تھے مگر دیسی قبائل
کو ان سے جو نفرت تھی اس کے باعث ان قبائل کا وحشیانہ پن
اور بڑھتا جاتا تھا۔ خود یہ متعرضین "حلقہ انگریزی" کے تنگ حُدود
میں بند ہوکر اپنے گردو پیش کی غیر متمدن حالت میں گھر گئے
تھے۔ جو انگریز اس زمین پر بہ زبردستی قابض تھے ان میں
جاگیرداروں کی طرح نقص قانون، ظلم و زیادتی اور تنگ خیالی
کے تمام صفات پیدا ہوگئے تھے۔ شاہ انگلستان کے ساتھ
وفاداری کے قائم رکھنے کے لئے بھی جان کے سے سخت
انتظام کی ضرورت تھی، جس نے فوجیں بھیجکر ان کے قلعوں
پر قبضہ کرلیا اور سرگروہ بیرنوں کو ملک سے بھاگنا پڑا۔
جان نے اس "حلقے" کو صوبوں میں تقسیم کردیا اور انگریزی قانون کے نفاذ
۱۲۱۰ کا حکم دیا مگر اس کی فوج کے روانہ ہوتے ہی پھر مثل سابق طوائف الملوکی
برپا ہوگئی۔ حلقے سے باہر کا ہر ایک باشندۂ آئرلینڈ دشمن و قزاق سمجھا جاتا
تھا اور اس کا مار ڈالنا کوئی قانونی جرم نہیں تھا۔ بیرنوں کی نصف
آمدنی سرحد پار کی یورشوں سے حاصل ہوا کرتی تھی اور آئرلینڈ کے قزاق
ان یورشوں کا عوض بھی لیا کرتے تھے جن کی تباہی کا

اثر ڈبلن کی دیواروں تک پہنچ جاتا تھا۔ خود "حلقے" کے اندر کے رہنے والے انگریز اپنے دشمنوں اور محافظوں دونوں کے ظلم و جور سے پریشان و تباہ رہتے تھے، اس کے ساتھ ہی انگریزی امرا آپس ہی میں لڑلڑ کر اپنی قوت کو زائل کر رہے تھے اور مزید فتوحات یا مفتوحہ ملک کی حفاظت کے لئے انہیں کوئی با اثر اتحاد نہیں قائم ہوتا تھا۔ جب جنگ بینک برن کے بعد اڈورڈ بروس اسکاٹلینڈ کی ایک فوج کے ہمراہ ملک میں داخل ہوا تو اہل آئرلینڈ نے اسے اپنا معین و حامی سمجھکر اس کا خیرمقدم کیا اور عام بغاوت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت البتہ "حلقے" کے بیرنوں میں ایک عارضی اتحاد قائم ہوگیا اور
۱۳۱۶ اتھنری کی خونریز جنگ میں انہوں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھادیئے، گیارہ ہزار دشمنوں کو قتل کرڈالا اور قبیلۂ او کانر کا نام و نشان تک مٹادیا۔ مگر فتح کے ساتھ ہی طوائف الملوکی اور ذلت پھر عود کر آئی۔ بیرن یوماً فیوماً آئرلینڈی سرداروں کی حالت اختیار کرنے لگے خاندان فٹزموریس کے لوگ (جو ڈسمنڈ کے ارل ہوگئے تھے اور جن کی وسیع اراضی نے جرمنی کے سے "محلدار امرا" کا درجہ حاصل کرلیا تھا) انہوں نے اپنے گرد و پیش کے اہل ملک کا لباس و انداز اختیار کرلیا تھا
۱۳۶۷ قانون کلکینی کے ضوابط اس خرابی کی ترقی کے روکنے میں بیکار ثابت ہوئے۔ قانون کلکینی کے رو سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ انگریزی نسل کا کوئی شخص آئرلینڈ کی زبان، نام یا لباس

نہ اختیار کرے۔ حلقے کے اندر انگریزی قانون کا اجرا لازمی تھا اور ملکی قانون کو (جسے قانون برہن کہتے تھے اور جس کا رواج بڑھتا جاتا تھا) بغاوت کا فعل قرار دیا۔ انگریزی حدود کے انگریزوں کا آئرلینڈ کے لوگوں سے عقد کرنا یا کسی باشندہ آئرلینڈ کا کسی انگریز کے بچے کو متبنّی کرنا بھی بغاوت قرار پایا تھا۔ یہ قوانین اگرچہ سخت تھے مگر ان دونوں قوموں کے امتزاج باہمی کے روکنے میں وہ بیکار ثابت ہوئے معہذا "حلقے" کے امرا کی روز افزوں آزادی کے باعث انگریزی حکومت کی اطاعت صرف ایک ظاہر داری رہ گئی تھی۔ یہی باعث تھا کہ رچرڈ دوم نے اس جزیرے کو کامل طور پر فتح کرنے اور اسمیں انتظام قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ ایک فوج کے ساتھ واٹرفرڈ ۱۳۹۴ء میں اترا اور ملکی سرداروں کی عام اطاعت حاصل کی مگر "حلقے" کے امرا درشتی کے ساتھ اس کارروائی سے الگ رہے اور رچرڈ کے جزیرے سے جاتے ہی اہل آئرلینڈ نے بھی لینسٹر کے تخلیۓ سے انکار کر دیا۔ ۱۳۹۸ء میں رچرڈ کا نائب ارل مارچ ایک جنگ میں مارا گیا اور رچرڈ نے یہ تہیا کر لیا کہ از سر نو حملہ کر کے اس کام کو انجام کو پہنچائے مگر انگلستان کے مناقشات اس ارادے میں خلل انداز ہو گئے اور اس کے سپاہیوں کے آئرلینڈ سے روانہ ہوتے ہی اس کی کارروائی کے تمام اثرات محو ہو گئے۔

فرانس کی لڑائیوں کے دوبارہ جاری ہوجانے اور گلابوں والی لڑائیوں کے

بھڑک اُٹھنے سے آئرلینڈ پھر اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور جزیرے پر انگریزی اقتدار شاہی محض نام کو رہ گیا۔ آخر کار ہنری ہفتم مُلک کو قابو میں لایا۔ سراڈورڈ پوئیننگز بادشاہ کا نائب ہوکر آیا۔ اور اپنے سرگروہ ارل کلڈیر کے گرفتار کرلئے جانے سے تمام اُمرا خائف ہو گئے۔ قانون پوئننگز کے روسے ”حلقے“ کی پارلیمنٹ کو سوائے ان معاملات کے جنھیں اول شاہ انگلستان اور اس کی مجلس نے منظور کرلیا ہو اور کسی معاملہ پر بحث کرنے کی ممانعت کردی گئی۔ تاہم ایک وقت تک اس کی ضرورت رہی کہ حلقے کے امرا ہی غیر مفتوح اہل آئرلینڈ کو مطیع رکھنے میں انگریزی فوج محافظ کا کام دیں اور ہنری نے اپنے قیدی ارل کلڈیر کو آئرلینڈ کا لارڈ ڈپوٹی (نائب السلطنت) بنادیا۔ ہنری کے وزرا نے یہ شکایت کی تھی کہ تمام آئرلینڈ بھی اس شخص پر غالب نہیں آسکتا، بادشاہ نے جواب دیا ”تو پھر یہ شخص تمام آئرلینڈ پر غالب آجائے گا“ ہنری ہفتم نے اگرچہ آئرلینڈ کو قابو میں لانے کا سامان شروع کردیا تھا مگر اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ حقیقت میں انہیں مطیع کرسکے اور ”حلقے“ کے بڑے بڑے اُمرا مثلاً خاندانہائے بٹلر جیرلڈین ڈے لاپور، فٹزپیٹرک وغیرہ اگرچہ رسماً بادشاہ کے تابع ہوگئے تھے مگر حقیقتہً وہ شاہی اقتدار کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ اپنے انداز و اطوار اور ظاہری حالت کے لحاظ سے وہ بالکل آئرلینڈی ہوگئے تھے۔ انکے آپس کے جھگڑے بھی آئرلینڈ والوں کے جھگڑوں

قانون پوئننگز

کی طرح ناقتناہی ہوگئے تھے اور بدنصیب باشندگان "حلقہ" کے اوپر ان کی مطلق العنانی میں، کلٹی طوائف الملوکی کے مصائب کے ساتھ جاگیرانہ جور و ستم بھی شامل ہوگیا تھا۔ تمام باشندے کثرت محصول، ظلم و ستم بد انتظامی کے باعث تباہ ہوگئے تھے؛ ایک طرف آئرلینڈ کے غارتگر انہیں لوٹتے تھے، دوسری طرف خود وہ فوج لوٹتی تھی جو ان غارتگروں کے دفعیہ کے لئے جمع کی جاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی آبادکاروں کی، تباہ حال اولاد، اہل آئرلینڈ کی بد انتظامی کو انگریزی "انتظام" پر ترجیح دینے لگی اور حلقے کے حدود برابر ڈبلن کی طرف ہٹتے گئے۔ ساحل کے شہر فصیلوں سے محفوظ تھے اور ان میں بلدی حکومتیں جاری تھیں۔ اس لئے صرف وہی لوگ اس عام ابتری سے بچے رہے ورنہ تمام دوسرے حصص مملکت میں انگریزی حکومت کا تسلط ایک خواب و خیال ہوگیا، اگرچہ حکومت میں اتنی طاقت ضرور تھی کہ علانیہ بغاوت ہو تو اُسے شکست دے۔ حلقے سے باہر کلٹی قبائل میں تمدن و اتحاد باہمی کا اتنا نشان بھی باقی نہیں رہا تھا جو اسٹرانگبو کے وقت موجود تھا۔ قبائل آئرلینڈ کے باہمی جھگڑے ویسے ہی سخت تھے جیسے اجنبیوں سے ان کی نفرت اور ڈبلن کی حکومت کے لئے بہت آسان تھا کہ اپنی حفاظت کے خیال سے وہ ان قبائل میں آپس کی جنگ و نزاع کو قائم رکھے۔ اس قوم کا حال یہ تھا کہ وہ جو

شخص چاہے روپیہ دیکر بیٹے کو باپ سے اور باپ کو بیٹے سے لڑا دے"۔ ملک کے جو حصے خود اہل ملک کے تحت میں تھے ان میں سے صرف شمال کے قبائل میں سولھویں صدی کے اول تیس برس کے اندر سو سے زائد لڑائیوں کے حالات ملک کے وقائع میں مندرج ہیں۔ لیکن آخر وہ وقت آگیا کہ انگلستان اس پریشانی و بد انتظامی کی ہیولانی حالت کو رفع کرکے ایک باقاعدہ نظم و نسق قائم کرنے کے لئے پر زور کوشش کرے۔ ہنری ہشتم اپنے باپ کی اس حکمت عملی کو بالکل ناپسند کرتا تھا کہ آئرلینڈ پر وہیں کے بڑے بڑے امرا کے ذریعہ سے حکومت کی جائے وہ یہ چاہتا تھا کہ جس وسعت و قوت کے ساتھ وہ انگلستان پر حکومت کرتا ہے اسی وسعت و قوت کے ساتھ آئرلینڈ پر بھی حکومت کرے اور اپنے عہد کے نصف آخری حصہ میں اس نے اپنی تمام طاقت اس مقصد کے حاصل کرنے میں صرف کردی۔ درحقیقت اس کی تخت نشینی ہی کے وقت سے ایک مقتدر کے پر زور ہاتھ کا دباؤ پڑنے لگا تھا۔ عہد سابق میں خاندان جیرلڈین کے لوگ بادشاہ کے نام سے آئرلینڈ پر حکمرانی کرتے تھے مگر اب ان لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ بادشاہ کے نام سے وہ یہ کام نہیں لے سکتے۔ ان کا سرگروہ ارل کلڈیر انگلستان میں طلب کیا گیا اور ٹاور میں قید کردیا گیا۔ اس خاندان عظیم نے یہ عزم کیا

کہ ایک بار پھر انگلستان کو اس کی بے بسی کا یقین دلا کر خوف زدہ کر دے۔ چنانچہ لارڈ ٹامس فٹز جیرلڈ کی بغاوت کے بعد ہی حسبِ معمول اہل آئرلینڈ نے ہر طرف شورش کر دی۔ ڈبلن کا اسقف اعظم قتل ہوا، شہر پر قبضہ ہو گیا، قلعہ کے سامنے سے فوجیں پسپا ہوئیں
۱۵۳۴ء
اور تمام "حلقے" میں لوٹ مار مچ گئی لیکن جب انگریزی فوجیں بڑھیں تو باغی فوراً ہی دلدلوں اور جنگلوں میں بھاگ گئے اور شورش کا خاتمہ ہو گیا۔ ابتک یہ ہوتا رہا تھا کہ اس قسم کی یورشوں کا جواب اسی نوعیت کے حملوں سے دیا جاتا تھا اور شاہی فوجوں کو بھی باغی امرا کے قلعوں کے سامنے سے ناکام ہو کر پسپا ہونا پڑتا تھا اور یہی پسپائی باہمی گفت و شنود و مصالحت کی تمہید ہو جاتی تھی۔ لیکن خاندان جیرلڈین کی بدقسمتی سے ہنری نے آئرلینڈ پر پوری طرح تسلط جمانے کا عزم کر لیا تھا اور کرامول کا سا شخص اس کی مرضی کو عمل میں لانے
۱۵۳۵ء
کے لئے موجود تھا۔ ایک نیا لارڈ ڈپوٹی اِسکیفنگٹن ایک توپخانہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس توپخانہ سے جزیرے کی سیاسی نوعیت میں حیرت انگیز تغیر واقع ہو گیا۔ جو قلعے اب تک بغاوت کا ملجا و ماویٰ بنے ہوئے تھے ان کے دھوئیں اُڑ گئے۔ مینوتھ کے قلعے سے خاندان جیرلڈین، ڈبلن کو دھمکی دیتے تھے اور اپنی حسب مرضی "حلقے" پر حکومت کرتے تھے، یہ قلعہ دو ہفتے میں مسمار ہو گیا۔ یہ ضرب ایسی اچانک اور ایسی کاری پڑی کہ مزید مقاومت کا فوراً ہی خاتمہ ہو گیا۔ نہ صرف یہ کہ اس عظیم الشان نارمن

خاندان کی طاقت (جو تمام آئرلینڈ پر حاوی تھا) کلیتہً ٹوٹ گئی بلکہ اس خاندان کا نام لیوا صرف ایک لڑکا باقی رہ گیا۔

ہنری ہشتم

خاندان فٹزجیرالڈ کے زوال کے بعد آئرلینڈ نے یہ سمجھا کہ اس پر بھی کوئی حکمراں ہے۔ ایک جسٹس نے کراموِل کو لکھا تھا کہ "اہل آئرلینڈ اس وقت جس قدر خائف رہتے ہیں یہ حالت کبھی بیشتر نہیں تھی۔ سابق کی بہ نسبت پانچ زائد اضلاع میں اس وقت شاہی عدالتیں قائم ہیں" نہ صرف "حلقے" کے انگریز ہنری کے قدموں پر سر رکھے ہوئے تھے بلکہ وکلو اور وکسفرڈ کے آئرلینڈی باشندے بھی اس کے مطیع فرماں ہو گئے تھے اور جہانتک لوگوں کی یادداشت کام دیتی ہے کہا جاتا ہے کہ اسی زمانے میں منسٹر کے اندر پہلی بار انگریزی فوج داخل ہوئی اور جزیرے کے جنوبی حصے کو اطاعت پر مجبور کیا۔ خاندان اوبرائن کا ایک قلعہ نشین کے گزرگاہ کی حفاظت کرتا تھا۔ وہ ایک حملے میں فتح ہوگیا اور اس کے سقوط کے ساتھ ہی تمام کلیر مطیع ہوگیا۔ اثیھلون کے قبضے سے کناٹ بھی زیر ہوگیا، اور ذی مرتبت نارمن خاندان ڈی برہ نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ مغرب میں اس خاندان نے قریب قریب شاہی اقتدار حاصل کرلیا تھا۔ فتح بہلاہو نے شمال کے قبائل کی مقاومت توڑدی۔ شاہ انگلستان کے اختیارات ڈبلن کی دیواروں

۱۵۳۵ کے اندر محدود تھے مگر سات برس کے اندر اندر آئرلینڈ کے تمام

۱۵۴۲ عرض و طول میں اس کی قوت مسلّم ہوگئی۔ یہ تسلط کچھ تو ایفنگٹن

کے جانشین لارڈ لیپر ڈگرے کے زور بازو کا نتیجہ تھا اور کچھ ہنری اور کرامول کا مستحکم عزم اس کا باعث ہوا۔ مگر ہنری جس قسم کی اطاعت چاہتا تھا وہ اور ہی قسم کی اطاعت تھی۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ اس مفتوح قوم کو مہذب بنائے اور اس پر جبراً قہراً نہیں بلکہ قانون کے ذریعے سے حکومت کرے مگر بادشاہ اور اس کے وزرا کے خیال میں قانون کا مفہوم انگریزی قانون تھا۔ "حلقے" کے باہر جو رواجی قانون جاری تھا، ملک کے ہر ہر قبیلہ میں جس جس قسم کی حکومت رائج تھی اور قبیلوں کے درمیان زمین کی مشترکہ ملکیت کا جو دستور تھا، مدبرین انگلستان یا تو اس سے ناواقف تھے یا وہ ان باتوں کو محض وحشیانہ سمجھتے تھے ایسا ہی اُن کی شاعری اور علم ادب کو بھی (جس نے آئرلینڈ کی زبان کو صیقل کر دیا تھا) وہ سمجھے ہوئے تھے۔ بادشاہ اور وزرا کی نظر میں آئرلینڈ کو مہذب بنانے اور اس کی آشوب انگیز بد انتظامی کو رفع کرنے کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ باشندگان ملک کے کلتی رسم و رواج کو یک قلم مٹا دیا جائے یعنی آئرلینڈ کو عادات و اطوار، قانون و زبان کے اعتبار سے بالکل انگلستان بنا دیا جائے۔ حلقے کے اندر ڈپیوٹی (نائب السلطنت) پارلیمنٹ، جج، شیرف پہلے ہی سے موجود تھے اور یہ مجموعہ انگریزی تنظیمات کی ایک خفیف سی نقل معلوم ہوتی تھی۔ توقع یہ کی جاتی تھی کہ انہیں انتظامات کو آہستہ آہستہ تمام جزیرے پر وسیع کر دیا جائے یہ بھی یقین تھا کہ انگریزی قانون کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان

اور انگریزی طرز معاشرت از خود رائج ہو جائے گی۔اس تغیر کے عمل میں لانے کی ایک قطعی صورت یہ تھی کہ جزیرے کو بالاستیعاب فتح کرلیا جائے، اور اطراف ملک میں انگریزوں کی نو آبادیاں قائم کردی جائیں مگر اس طریقے کے اختیار کرنے سے کرامول کا سا قوی العزم شخص بھی جھجکتا تھا اگرچہ خود اسی کے نائب اور نیز "حلقے" کے رہنے والے اس پر زور دیتے رہے تھے۔ اس میں غائت درجہ کی خونریزی کے علاوہ بے انتہا مصارف کی بھی ضرورت تھی۔نسبتہً زیادہ محفوظ، کم خرچ اور انسانیت کو لئے ہوئے مدبرانہ طریق یہ تھا کہ آئرلینڈ کے سرگروہوں کو اپنا بنایا جائے، تدبیر اور مستقل فیاضی سے انھیں انگریزی امرا کی صورت میں بدل دیا جائے اور انہیں سرداروں کے توسط سے ان کے جان نثار اہل قبائل میں نئی تہذیب شائع کی جائے اور ملک کی تدریجی تغیر حالت کے لئے مرور زمان اور استمرار حکومت پر بھروسہ کیا جاسے۔ خاندان جیرلڈین کے زوال کے قبل ہی ہنری اس طریقے پر کاربند ہونے کا عزم کرچکا تھا اور جب فتح نے آئرلینڈ کو اس کے قدموں پر ڈال دیا اس وقت اس نے اس طریقے کے اختیار کرنے پر زور دیا۔ یہ طے پایا کہ سرداروں کو انصاف اور قانونی حکمرانی کے فوائد جتاکر اس طرف مائل کیا جائے۔ ان کا یہ خوف کہ وہ "اپنی جائز اراضی و مقبوضات سے بیدخل کردئے جائیں گے" اس وعدے سے رفع کردیا جائے کہ وہ اراضی و مقبوضات ان کے ساتھ مخصوص کردئے جائیں گے۔ نرمی کا یہانتک

خیال تھا کہ انگریزی قانون کے نفاذ پر اگر وہ عذر کرتے تو اس پر بھی لحاظ کیا جاتا اور ملک کے حالات کے اعتبار سے طرز عمل و طریق انصاف کو نرم یا سخت کردیا جاتا۔ جو اراضی اور جو حقوق صاف طور پر بادشاہ کے لئے مخصوص تھے ان کے واپس لینے میں بھی "نرم طریقہ، مدبرانہ چال اور ملائم ترغیبات کو سخت برتاؤ پر ترجیح دینے کا حکم تھا"۔ یہی صلح آمیز طریقہ تھا جسے ہنری اور اس کے دو جانشینوں کی حکومت میں بالتخصیص اختیار کیا گیا۔ اس طریق سے سردار یکے بعد دیگرے "اجازت نامہ" کے قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے تھے جس کی رو سے ان کے قبضہ اراضی کی ذمہ داری کی جاتی تھی اور ان کے اہل قبائل کے متعلق ان کے اختیار میں کسی طرح کا دخل نہیں دیا جاتا تھا۔ شرط صرف یہ ہوتی تھی کہ وہ بادشاہ کی وفاداری کا عہد کریں آپس میں ناجائز جنگ اور رعایا پر جبر کرنے سے باز رہیں ایک معینہ رقم خراج کی ادا کرنے اور بوقت جنگ بادشاہ کی خدمت کرنے کے پابند ہوں۔ وفاداری کے امتحان کے لئے بس اتنا درکار تھا کہ وہ انگریزی خطاب قبول کرلیں اور اپنے کسی لڑکے کو انگریزی دربار میں تعلیم دلائیں، اگرچہ بعض صورتوں میں (جیسے خاندان اونیل کے معاملے میں ہوا) یہ وعدہ بھی لیا جاتا تھا کہ وہ انگریزی زبان اور انگریزی لباس استعمال کریں گے اور اصلاح اراضی و کاشتکاری کو ترقی

دیں گے۔ ان شرائط کے قبول کرلینے کے لئے محض بادشاہ کے نام کا خوف ہی نہیں دلایا جاتا تھا بلکہ بڑی بڑی رشوتیں بھی دی جاتی تھیں۔ فی الحقیقت اس تغیر سے سرداران قبائل بہت نفع میں رہے۔ نہ صرف یہ کہ انگریزی خطابات کے قبول کرلینے پر معطل خانقاہوں کی زمین انہیں دے دی گئی بلکہ انگریزی عدالتوں نے انہیں سرداروں کو ان زمینوں کا تنہا مالک قرار دے دیا اور آئرلینڈ کے رواج کا کچھ خیال نہ کیا کہ زمین تمام اہل قبیلہ کی ملک ہوتی ہے۔

اصلاح

اس طریقے کی خوبی میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ اس کے نقائص اس قسم کے تھے کہ اس زمانے کے مُدبّرین کے لئے ان کا محسوس کرنا مشکل تھا، عہد ٹیوڈر کے مُدبّروں کی مستحکم رائے یہ تھی کہ آئرلینڈ کی نئی زندگی کی اگر کوئی امید ہوسکتی ہے تو یہی کہ وہ ہمہ تن انگلستان کے تمدن میں غرق ہو جائے۔ قومی لباس، رسم و رواج، قوانین اور زبان کے استعمال کی ممانعت ان کی نظر میں اس سے زیادہ نہیں تھی کہ ان آثار وحشت کو مٹا دیا جائے، جو ہر قسم کی ترقی کے راستے میں حائل ہیں۔ لیکن اس موقع پر ایک خطرناک غلطی نے آئرلینڈ کو مذہبی جنگ میں مبتلا کر دیا۔ آئرلینڈ کے سیاسی شیرازے کی طرح ان کا مذہبی شیرازہ بھی بکھرا ہوا تھا۔ اسٹرانگبو کے ورود کے وقت سے آئرلینڈ میں کوئی ایک کلیسا نہ رہا تھا کیونکہ تمام مُلک میں ایک قوم باقی نہ تھی "حلقے" کے اندر اور "حلقے" کے باہر

کلیسا میں عقائد و انضباط کی رو سے ذرا بھی فرق نہیں تھا مگر حلقے کے اندر کے تمام پادری انگریزی نسل کے اور انگریزی زبان کے بولنے والے تھے۔ حلقے کے باہر کے پادری سب کے سب آئرلینڈ والے تھے۔ انگریزی حدود کے اندر اہل آئرلینڈ ازروئے قانون خانقاہوں اور کلیساؤں میں داخل نہیں ہونے پاتے تھے اور دیسیوں کی بد دلی کے باعث "حلقے" سے باہر کے گرجوں اور خانقاہوں میں انگریز داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ مذہبی حالت کے اعتبار سے ملک اپنی سیاسی ہی حالت کی سطح پر تھا۔ آپس کے جھگڑوں اور بد انتظامی کا مہلک اثر مذہبی انضباط پر پڑ گیا تھا۔ اساقفہ سیاسی عہدہ دار بن گئے تھے اور اپنے گرد وپیش کے سرداروں کی طرح سخت جنگ جو ہو گئے تھے۔ ان کے مستقر مذہبی کی کوئی خبر گیری نہیں ہوتی تھی۔ خانقاہی گرجے تباہ ہو رہے تھے۔ اساقفہ کے تمام حدود کے اندر گرجے ویران پڑے تھے اور ان میں کوئی پادری تک نہیں رہتا تھا۔ ملک میں اگر واعظ تھے تو وہ صرف گداگر فرائر (برادرانِ مذہبی) مگر فرائروں کے واعظوں کا اثر بہت کم ہوتا تھا۔ ۱۵۲۵ء میں یہ کہا گیا تھا کہ "اگر بادشاہ نے کچھ تدارک نہ کیا تو آئرلینڈ میں اس سے زیادہ عیسائی باقی نہیں رہیں گے جتنے وسط ترکی میں ہیں" ہنری نے جو علاج تجویز کیا بد قسمتی سے وہ علاج مرض سے بھی بدتر نکلا۔ سیاسی طور پر آئرلینڈ و انگلستان ایک تھے اور یہ ایک

طبیعی امر تھا کہ جو انقلاب عظیم ایک ملک کو پوپ سے جدا کر رہا ہو اس کا اثر دوسرے ملک پر بھی پڑے - اس کے نتائج اولاً بہت خفیف معلوم ہوئے - جس " تفوّق مذہبی " کے مسئلہ نے انگلستان کو زیر و زبر کر دیا تھا اسے آئرلینڈ میں اگر کسی مخالفت سے سابقہ پڑا تو وہ عام بے التفاتی تھی - ہر شخص بے سوچے سمجھے اس کے قبول کر لینے کے لئے تیار ہو گیا - انگلستان ہی کی طرح " حلقے " کے اساقفہ و پادری بھی نہایت آسانی سے بادشاہ کی مرضی کے تابع ہو گئے - اور حلقے کے باہر کے بھی کم سے کم چار اسقفوں نے ان کی تقلید کی - ملکی سرداروں اور مجلس شاہی کے اُمرا نے اسقف روما یعنی پوپ کی اطاعت کے ترک کر دینے اور ہنری کو " حضرت مسیحؑ کے زیر سایہ کلیسائے انگلستان و آئرلینڈ کا سرپرست اعلیٰ " تسلیم کر لینے میں ذرا بھی تامّل نہیں کیا - خانقاہوں کے بند کرنے کی بابت رودبار آئرلینڈ کے اس پار جیسی مقاومت ہوئی تھی اس کا یہاں کوئی اثر بھی نظر نہیں آتا تھا بلکہ حریص سرداران قبائل کلیسا کی لوٹ میں شریک ہونے کے لئے خود کمر باندھ کر آمادہ ہو گئے مگر گزشتہ صدیوں کے پر آشوب ہونے پر ہی علوم و مذہب کا جو کچھ تھوڑا بہت چرچا باقی رہ گیا تھا، اس زمانہ میں وہ بھی نہ رہا - آئرلینڈ میں مدرسے اچھے یا برے جو کچھ بھی تھے انہیں امکنہ مذہبی کے اندر تھے - انگلستان میں وکرون (منتظمان کلیسا) کا طریقہ بہت عام تھا مگر آئرلینڈ میں شاذ و نادر کہیں کوئی وکر ہوتا تھا -

وہاں خانقاہوں کی سرپرستی میں جو گرجے تھے ان میں نماز وغیرہ کا انتظام زیادہ تر راہب خود ہی کر لیا کرتے تھے۔ ان خانقاہوں کے بند ہو جانے سے ملک کے بہت بڑے حصے سے عام عبادت متروک ہوگئی۔ واعظ اگر تھے تو صرف فرائر تھے اور انہوں نے باوجود حکومت کی مخالفت کے اپنے کام اور اپنی تعلیم کو جاری رکھا مگر اس کارروائی سے انہیں خواہ مخواہ انگریزی حکومت کا مخالف بننا پڑا۔

آئرلینڈ میں پروٹسٹنٹ مذہب

با ایں ہمہ اگر وہ تغیرات جو ملک میں بزور جاری کئے گئے تھے یہیں تک ختم ہو جاتے تو انجام کار میں ان سے نقصانات بہت کم ہوتے لیکن مشکل یہ ہوئی کہ روما سے قطع تعلق ہوجانے خانقاہوں کے مٹ جانے اور "تفوق مذہبی" کے قائم ہوجانے سے انگلستان میں خود قوم کے کچھ لوگوں میں مذہبی تغیر کی خواہش پیدا ہوگئی تھی۔ ہنری بھی اس میں شریک تھا اور وہ اندر ہی اندر اسے تقویت پہنچا رہا تھا۔ اس کے خلاف آئرلینڈ میں "اصلاح" کا جوش عام لوگوں میں کسی وقت بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ انگریزی پارلیمنٹ کے جاری کئے ہوئے قانون وہ قبول کرلیتے تھے مگر انہیں خواب میں بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ اس کا اثر مذہب پر پڑے گا یا عقائد و مراسم کلیسا میں اس کے باعث کوئی تغیر پیدا ہو جائے گا۔ آئرلینڈ میں ایک شخص کی زبان سے بھی یہ نہیں نکلا کہ زیارتوں کے لئے جانا موقوف کردیا جائے، مجسّمے توڑ ڈالے جائیں، یا عام طریقہ

عبادت میں کسی قسم کی اصلاح کی جائے۔ سب سے پہلے اسقف اعظم
1535 براؤن نے اپنا یہ مقدس فرض قرار دیا کہ "بتوں کو اکھاڑ پھینکے
اور بت پرستی مٹا دے" اس کے بعد سے انگریزی حکومت کی
اس طولانی کوشش کا سلسلہ شروع ہوا کہ ایک ایسی قوم کو نئے عقیدے
کے قبول کرنے پر مجبور کرے جو اپنے قدیم مذہب پر نہایت استحکام
کے ساتھ جمی رہنا چاہتی تھی۔ براؤن نے یہ کوشش کی کہ وہ
واعظین کو اپنا ہمنوا بنالے مگر انہوں نے نہایت ترش روئی کے
ساتھ علانیہ مخالفت کی۔ اس مقتدائے اعظم نے کراموِل کو
لکھا تھا کہ "میں جب سے آیا ہوں ان لوگوں کو نرمی کے ساتھ
فہمائش کرتا، کتاب مقدس کے موافق ہدایت کرتا، موقر طور پر
ان سے قسم لیتا، سخت سرزنش کی دھمکی دیتا ہوں پھر بھی اس
وقت تک کسی مذہبی یا دنیاوی شخص کو اس امر پر آمادہ و راضی
نہ کرسکا کہ وہ "کلام خدا" کا وعظ کہے یا ہمارے ذی شان
بادشاہ کے جائز خطاب کو تسلیم کرے"۔ "تفوّق مذہبی" پہلے
نہایت خاموشی سے قبول کرلیا گیا تھا مگر جب اس کے نتائج
ظاہر ہوئے تو اس پر بھی جرح قدح ہونے لگی۔ اساقفہ اس امر
پر رضامند نہ ہوے کہ اپنی عبادت کی کتابوں سے پوپ کا نام
مٹادیں۔ براؤن نے اپنے بڑے گرجے کے مجسمے اور آثار سلف
کے ضائع کردینے کا حکم دیا مگر اسے کراموِل کو یہ اطلاع دینا
پڑی کہ "یہ چیزیں رئیس خانقاہ اور کینیئنوں (نقیبوں) کو اپنے
مفاد کے خیال سے اس درجہ عزیز ہیں کہ میرے حکم کی

کوئی پروا نہیں کرتا"، لیکن کراموِل اس ارادے پر مستحکم تھا کہ دونوں جزیروں میں ایک ہی طریقہ مذہبی جاری ہونا چاہئے اور اس کے اس عزم سے مقتدائے اعظم کی طبیعت میں بھی کچھ زور پیدا ہوگیا۔ عدول حکمی کرنے والے پادری قید کردے گئے مجسّمے طاقچوں سے اُتار کر پھینک دئے گئے اور آئرلینڈ کے آثار سلف میں سے سب سے زیادہ قابل احترام شئے یعنی سنٹ پیٹرک کا عصا عین بازار میں جلا ڈالا گیا۔ مگر اس متعدی میں اس کی تائید جو کچھ بھی ہوئی رودبار آئرلینڈ کی دوسری جانب سے ہوئی۔ خود آئرلینڈ میں کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ آئرلینڈ کی مجلس نے سردمہری اختیار کرلی۔ خود نائب السلطنت مقام ڈرّم میں ایک مجسّمے کے روبرو سربسجود ہوا، ملک کی پُرخشونت و پُراستقلال مخالفت کے سامنے کراموِل کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور اس مفتوحہ مملکت میں جن مذہبی تغیرات کو وہ بہ زور جاری کرنا چاہتا تھا وہ اس کے زوال کے بعد ایک مدت تک رُکے رہے۔ لیکن اڈورڈ ششم کے تخت نشین ہونے پر تغیرات کا سلسلہ پروٹسٹنوں نے پورے جوش کے ساتھ پھر جاری کر دیا۔ اساقفہ نائب السلطنت سر انیٹونی سنٹ لیجر کے روبرو طلب کئے گئے اور انگریزی
۱۵۵۱ زبان کی نئی "کتاب ادعیہ" ان کے سامنے پیش کی گئی۔ اہل آئرلینڈ کے لئے انگریزی زبان ویسی ہی نامانوس تھی جیسی لاطینی مگر اب حکماً تمام حدود اسقفی میں لاطینی کے بجائے اسی انگریزی زبان کی کتاب کا پڑھنا قرار پایا۔ یہ حکم علانیہ مناقشے کے لئے

ایک اشارہ ہوگیا ڈوڈال اسقف اعظم آرماہ یہ ہنکارتا ہوا کمرے سے اُٹھ گیا کہ "اب ہر جاہل نماز پڑھانے لگے گا" اور اس کے ماتحت اساقفہ بھی ایک کے سوا سب کے سب اس کے پیچھے روانہ ہوگئے۔ البتہ ڈبلن کے اسقف اعظم براؤن نے اطاعت کی روش اختیار کی اور اس کے ماتحت اساقفہ میں سے میتھ لمرِک اور کلڈیر کے اسقفوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ لیکن اساقفہ کی اس مخالفت پر حکومت خاموش نہیں رہنا چاہتی تھی۔ ڈاوڈال مُلک سے نکال دیا گیا اور اسقفوں کی خالی جگھوں پر بیل کے سے نہایت بڑھے ہوے خیال کے پروٹسٹنٹ مقرر کئے گئے۔ مگر ان باتوں سے خود رعایا کے خیال میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ نئے مذہبی مصلحین آئرلینڈ کی زبان نہیں بولتے تھے اور منبر کے گرد کے عام دہقانی ان کے انگریزی وعظ کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ انکی پادری اپنی جگہ پر خاموش تھے۔ ایک پُر جوش پروٹسٹنٹ لکھتا ہے کہ "وعظ کہنے کے لئے ہمیں کوئی شخص نہیں ملتا اور بغیر وعظ کے جاہلوں کو کچھ واقفیت نہیں ہوسکتی۔" جن مقتدایان دین نے نئی کتاب ادعیہ کا استعمال شروع کردیا تھا انہیں لوگ بالکل منحرف سمجھتے تھے۔ اسقف میتھ کے وعظ سننے والوں میں سے ایک شخص نے اس سے کہا کہ "اگر لوگوں سے ہوسکتا تو وہ تمہیں کچّا کچا جاتے۔" مذہب پروٹسٹنٹ ایک آئرش کو بھی قدیم عقائد سے نکال کر اپنے اثر میں نہ لاسکا

البتہ اس کوشش کا نتیجہ ہوا کہ تمام آئرلینڈ تاج انگلستان کے خلاف یکدل ہوگیا۔ اسٹرانگبو کی فتح سے انگریزوں اور ملک کے اصلی باشندوں کے درمیان سیاسی امتیازات پیدا ہو گئے تھے مگر یہ مدت ہائے دراز کے سیاسی تفرقے مشترک مذہب کی اس نئی کشمکش کے مقابلے میں ناپدید ہوگئے "حلقے" کے اندر اور "حلقے" کے باہر کی کل آبادی ایک ہوگئی۔ یہ ضرور تھا کہ یہ اتحاد ایک آئرلینڈی قوم کی حیثیت سے نہیں بلکہ پیروان مذہب کیتھولک کی حیثیت سے ہوا تھا، اسی یکرنگی مذہب سے قومی یکرنگی کا احساس بھی پیدا ہونے لگا۔ برسوں قبل براؤن نے کرامول کو لکھا تھا کہ "انگریز و آئرش دونوں حضور کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں اور اس معاملے میں اپنے باہمی پرانے جھگڑوں کو برطرف کر دیتے ہیں"۔

آئرلینڈ و میری

آئرلینڈ میں مذہب پروٹسٹنٹ کا نفوذ پرچھائیں سے زیادہ شخصیت نہیں رکھتا تھا اور میری کے تخت نشین ہوتے ہی پرچھائیں بھی غائب ہوگئی۔ تمام آئرلینڈ میں نئے اساقفہ کے سوا ایک شخص بھی طریق پروٹسٹنٹ پر قائم نہیں رہا تھا اور جب بیل سمندر پار بھاگ گیا اور دوسرے مقتدایان دین بھی اپنی اپنی جگہ سے ہٹا دئے گئے تو کلیسا پھر اپنی سابق ہیئت پر آگیا۔ خانقاہوں کے دوبارہ جاری کرنے کے لئے کسی قسم کی کوشش نہیں کی گئی۔ میری نے اپنے "تفوق" کے اختیار سے

کام لیکر جن اسقفوں کو چاہا موقوف کر دیا اور جنہیں چاہا مقرر کر دیا اور اپنے مذہبی کاموں میں پوپ کی دخل دہی کو وہ اسی زور کے ساتھ مسترد کرتی رہی جس طرح اس کے باپ نے کہا تھا۔ ماس (قداس) جاری ہو گیا، قدیم طریقۂ عبادت کی پھر عزت ہونے لگی۔ اور ایک عرصہ کے لئے حکومت اور آئرلینڈ کی رعایا کے درمیان مذہبی اختلافات مٹ گئے۔ لیکن ایک خطرے کے رفع ہونے پر دوسرا خطرہ پیش آگیا۔ ہنری ہشتم اور اس کے جانشین نے ارتباط و اختلاط کا جو طریقہ اختیار کیا تھا انگلستان اس سے تنگ آگیا تھا، اس وقت تک اس معاملے میں وولزی و کرامول نے جو پیش بینی کی تھی اُس میں پوری پوری کامیابی ہوئی تھی۔ سردارانِ قبائل خاموشی کے ساتھ اس تجویز سے متفق ہوتے جاتے تھے اور اہل قبیلہ بھی اس نئے نظم و نسق میں اپنے سرداروں کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔" ارل ڈسمنڈ کو اپنا طرف دار بنالینے سے گویا ایک قلیل خرچ سے تمام منسٹر پر قابو حاصل ہوگیا۔ اوبرائن کو ارل کا درجہ دیدینے سے سارا ضلع مطیع ہوگیا۔" میکو یلئیم، لارڈ، کلین رکارڈ ہو گیا اور خاندان فٹزپیٹرک بالائی اوسوری کے بیرن بن گئے۔ شمال کے سب سے بڑے سردار نے ارل ٹائرون کا خطاب قبول کرلیا تھا۔ اس کا انگریزی دربار میں آنا ترقی تہذیب میں نمایاں طور پر ایک قدم آگے بڑھ جانا تھا۔ جزیرے کے جنوب میں انگریزی تمدن آہستہ آہستہ

پھیلتا جاتا تھا، اور وہاں کے سردار انگریزی حکام کے پہلو بہ پہلو عدالت میں بیٹھنے لگے تھے۔ لمرک اور ٹیپریری کے درمیان جو وحشی قبائل آباد تھے، ان کے جھگڑوں اور بدنظمیوں کے روکنے کی بھی تھوڑی بہت تدبیر ہو گئی تھی۔ "ان تمام حصص ملک میں لوگ رہزنی وغیرہ سے بے خوف و خطر اطمینان سے سفر کر سکتے تھے۔" صوبہ کلین رکارڈ جو جنگ کی وجہ سے بالکل ویران ہوگیا تھا اب وہاں زراعت کی ترقی ہو رہی تھی۔" البتہ ٹائرون اور شمال میں اب تک قدیم بدنظمی کا روکنے والا کوئی نہ تھا۔ بیشک ترقی کی رفتار ہر جگہ سست تھی اور انگریزی نائبان سلطنت کو بہت کچھ اپنی طبیعت پر جبر کرنا پڑتا تھا۔ لیکن حقیقی ترقی کی اگر کوئی امید تھی تو اسی صبر و تحمل میں تھی اور آثار ایسے تھے کہ ڈبلن کی حکومت اس انتظار سے بیزار معلوم ہوتی تھی۔ پروٹکٹر (محافظ سلطنت)، سمرسٹ کے تحت میں ایک نائب سلطنت سر اڈورد بلنگھم سرداروں کے ساتھ سخت برتاؤ سے پیش آیا، اس سے جو جوش بغاوت پیدا ہوا وہ اسی وقت فرو ہوا جب خزانے کے خالی ہو جانے کے باعث بلنگھم کو اندرون ملک سے اپنی متعین کردہ فوجیں واپس بلانا پڑیں۔ میری کے عہد حکومت میں دوسرے نائب السلطنت ارل سسکس نے بیکار شمال کے سرکش قبائل پر پیہم یورشیں شروع کر دیں۔ انہیں میں سے ایک یورش میں آرماہ کا بڑا گرجا اور تین دوسرے گرجے جلا دئے گئے۔ اصول آشتی میں اس سے بھی زیادہ سخت خلل

اس وقت پڑا جب انگریزوں کو بسانے کا وہ طریقہ جاری کیا گیا جسے ہنری برابر نا منظور کرتا رہا تھا۔ قبائل اوکارنر کا حصّہ ملک انگریز آباد کاروں کو دیدیا گیا اور فلپ اور میری کے اعزاز میں اسے کنگز کاؤنٹی (بادشاہ کا صوبہ) اور کوئینز کاونٹی (ملکہ کا صوبہ) کے ناموں سے موسوم کیا گیا۔ ان آباد کاروں اور بیدخل شدہ قبائل میں فوراً ہی نہایت وحشیانہ جنگ شروع ہوگئی، اور اس کا خاتمہ صرف اس طرح ہوا کہ دوسرے عہد میں اس طبقۂ ملک سے اہل آئرلینڈ کا نام و نشاں تک مٹا دیا گیا۔ دوسرے اضلاع میں نوآبادی کو وسعت دینے کی غرض سے غیر آباد اراضی کی پیمائش کے لئے خاص عہدہ دار مقرر ہو گئے تھے مگر جنگ فرانس کے دباؤ نے ان وسیع تجاویز کو رُوکدیا الیزبتھ نے تخت نشین ہوتے ہی اس ضبطی و آباد کاری کے خطرے کو سمجھ لیا اور سیسل نے اپنی دانشمندی سے ہنری کا زیادہ وقت طلب مگر نسبتہً محفوظ طریقہ اختیار کیا۔

آئرلینڈ و الیزبتھ

مگر انگریزوں کی اس ستم گاری کی وحشت انگیز خبر باشندگان ملک میں پہلے ہی شائع ہوچکی تھی، اسی وجہ سے شمال میں بغاوت ہو گئی اور ایک ایسا زبردست و قابل سرگروہ پیدا ہوگیا کہ حکومت کو اس زور و قابلیت کے شخص سے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ قبیلہ اونیل کے سردار کے ارل ٹائیرون کا خطاب قبول کرلینے سے انگریزی اور آئرش طریق وراثت میں تصادم کا ہونا لازمی تھا اور وہ ہوا۔ ارل کے انتقال پر انگلستان نے

اس کے سب سے بڑے بیٹے کو اس کی امارت کا وارث تسلیم کیا۔ دوسری طرف قبیلہ اپنے قدیم استحقاق پر اڑا رہا کہ وہ ارکان خاندان میں سے جسے چاہے سردار منتخب کرلے اور اس نے ارل کے ایک چھوٹے بیٹے شین اونیل کو ترجیح دی، جس کے جائز اولاد ہونے میں اس بڑے بیٹے کی بہ نسبت اشتباہ کم تھا۔ اس معاملہ کو بزور شمشیر طے کرنے کے لئے سکس نے شمال کی طرف کوچ کیا مگر اس کے السٹر پہنچنے کے قبل ہی شین نے اپنی مستعدی سے اپنے حریفوں (یعنی ڈونگال کے خاندان اوڈانل) کی بد دلی کو مٹا دیا اور انیٹرم کے اسکاٹ کو اپنا جانبدار بنا لیا سکس نے لکھا ہے کہ "اس کے قبل کبھی کسی اسکاٹ یا آئرش کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ وہ میدان یا جنگل میں کسی انگریز سے چار آنکھ کرسکے"، مگر شین نے اپنے آدمیوں میں ایک نئی ہمت کی روح پھونک دی تھی۔ اس کے آدمیوں کی تعداد نائب السلطنت کی فوج کی تعداد سے نصف بھی نہیں تھی مگر اسی تعداد سے اس نے نائب السلطنت کی فوج کو ہزیمت دیکر اسے آرماہ کی طرف پلٹنے پر مجبور کردیا۔ معافی کے وعدے سے وہ لنڈن جانے پر رضامند ہوگیا، اور وہاں پہنچکر فریب آمیز طور پر اطاعت کا اظہار کردیا مگر وطن پہنچکر محفوظ ہوتے ہی اس نے تمام شرائط کو پس پشت ڈال دیا۔ نائب السلطنت نے اسے کسی حیلے سے گرفتار کرلینے یا زہر دیدینے کی بہت کوششیں کیں مگر سب بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر تھک کر اس جد و جہد کو چھوڑ دیا

اور عملاً شین ہی شمال کا مالک بنا رہا۔ اس نے کناٹ پر حملہ کیا، اور کلین رکرڈ پر سخت دباؤ ڈالا۔ اور ڈبلن کی مجلس کے تعرضات کا دلیرانہ بے باکی کے ساتھ جواب دیا۔ اس نے جواباً یہ کہا کہ ”میں نے ان علاقوں کو تلوار سے فتح کیا ہے اور تلوار ہی سے ان پر قابض رہوں گا،“ مگر جب سسکس کے بجائے سرہنری سڈنی نائب السلطنت ہوکر آیا تو اس کی قوت عمل و حسن تدبیر کے سامنے یہ تمام زور و شور ہوا ہوگیا۔ انگریزی فوج جب ”حلقے“ کی طرف سے بڑھی تو اس کے ساتھ ہی شمال کے رقیب قبائل کو بھی اونیل کے خلاف شورش پر آمادہ کر دیا گیا۔ شین نے خاندان اوڈانل سے شکست کھاکر انیٹرم میں پناہ لی۔ وہاں اس کے اور اس کے اسکاٹش میزبانوں کے درمیان حالت نشے میں کچھ فساد ہوگیا اور ان لوگوں نے اس کا قیمہ کر ڈالا۔ سڈنی کی اس فتح سے اس بدنصیب ملک کو دس برس امن کے مل گئے۔ مگر دربار پوپ نے اس کے قبل ہی آئرلینڈ کو اپنے مفید مطلب سمجھکر الیزبتھ سے مقابلہ کی جولانگاہ قرار دیدیا تھا۔ درحقیقت عملی طور پر مذہبی معاملہ کا وہاں کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ یہ ضرور ہوا کہ الیزبتھ کی جانشینی پر پروٹسٹنٹ کے مذہبی طرز عمل کی تجدید کی گئی۔ روما سے ترک تعلق کا پھر اعلان کیا گیا، نئے ”قانون اتفاق“ نے انگریزی ”کتاب ادعیہ“ کو جزیرے میں جبراً جاری کیا اور جن عبادتوں میں اس کا استعمال ہوتا تھا ان میں حاضری

لازمی قرار دے دی۔ مثل سابق قانون عام طور پر قبول کرلیا گیا، "حلقے" کے باہر کے اساقفہ نے بھی بالعموم اس سے اتفاق کر لیا، ہمیں جہاں تک علم ہے اگر کوئی حصہ اس سے مستثنےٰ رہا تو وہ انتہائی جنوب و شمال کا ملک تھا، بوجہ دوری وہاں مخالفت میں خطرہ نہیں تھا مگر "قانون اتحاد" کی اس ظاہری اطاعت کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ ایک رڈی کاغذ کی طرح پڑا رہا اور اس کے سوا کچھ اور ہونا بھی نہیں تھا۔ انگریز پادریوں یا انگریزی داں آئرش پادریوں کی کافی تعداد کا ملنا غیر ممکن تھا۔ حلقہ ہائے اسقفی میں میتھ سب سے زیادہ مہذب حلقہ تھا، وہاں کا حال یہ تھا کہ دیہاتوں کے سو نائب پادریوں میں سے دس بھی ایسے نہ تھے جو اپنی زبان کے علاوہ کوئی اور زبان جانتے ہوتے۔ وعدہ کیا گیا تھا کہ کتاب ادعیہ کا ترجمہ آئرلینڈ کی
۱۵۶۱ زبان میں کردیا جائے گا مگر یہ وعدہ کبھی پورا نہیں ہوا، اور خود قانون کی آخری دفعہ نے اس امر کا اختیار دیدیا تھا کہ تا حکم ثانی کتاب ادعیہ لاطینی میں پڑھی جا سکتی ہے۔ مگر دوسرے دفعات کی طرح یہ دفعہ بھی معطل رہی اور الیزبتھ کے تمام زمانۂ حکومت میں "حلقے" کے امرا بے روک ٹوک ماس (قداس) میں شریک ہوتے رہے۔ درحقیقت آئرلینڈ میں کسی قسم کی مذہبی بازپرس نہیں ہوتی تھی اور شین اونیل کی متعدد شکایات میں مذہبی تکالیف کی ایک شکایت بھی نہیں ہے مگر روما، اسپین کیتھولک مبلغین اور جلاوطن اہل آئرلینڈ کا خیال کچھ اور ہی

تھا۔ وہ یہ ظاہر کرتے تھے اور شاید یقین بھی کرتے ہوں کہ آئرلینڈ کے لوگ مذہبی جور و ستم سے پامال اور اپنی گلو خلاصی کے لئے بیتاب ہیں۔ ۱۵۷۰ء میں جب دربار پوپ نے الیزبتھ پر اپنے سب سے بڑے اور سب سے وسیع حملے کا ارادہ کیا تو مذہب کیتھولک کے ساتھ اہل آئرلینڈ کی وفاداری ہی کے بھروسہ پر ان لوگوں نے اس مرتد ملکہ کے تخت کے الٹ دینے کی امید باندھی تھی۔ مبلغین ابھی انگلستان کے کیتھلکوں کو بغاوت پر آمادہ ہی کر رہے تھے کہ پوپ نے عجلت کر کے اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ میں انقلاب برپا کرا دیئے۔ ایک آئرش پناہ گزیں، اسٹیوکلی،
۱۵۷۱ آئرلینڈ پر حملہ کرنے کے لئے پوپ اور اسپین پر مدت سے زور
۱۵۷۹ دے رہا تھا۔ آخر سواحل کِرِی پر ایک مختصر سی فوج اُتار کر اس کی تجاویز کو عمل کا جامہ پہنایا گیا۔ باوجودیکہ دوسرے سال پوپ کا وکیل دو ہزار سپاہی ساتھ لئے ہوئے پہنچا مگر نہایت ہی بُری طرح اس کوشش کا خاتمہ ہوا۔ حملہ آور حصن سمروک میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے تھے مگر نئے ڈپوٹی لارڈ گرے نے اس قلعہ کو سر کر کے تمام اہل قلعہ کو تہِ تیغ بے دریغ کر دیا۔ ارل ڈسمنڈ ایک طولانی تذبذب کے بعد جب ان کی مدد کے لئے اٹھا تو اس نے بھی شکست کھائی اور خود اسی کے مُلک میں اس کا تعاقب کیا گیا۔ متعاقبین نے حالت اضطراب میں ایک ظالمانہ حرکت یہ کی کہ تمام مُلک کو لوٹ کر ویران کر دیا۔ بے رحمی تو ضرور ہوئی مگر منسٹر میں جو کام ہوا، اس سے تمام ملک پر

خوف چھا گیا، اور اس کا نفع انگلستان کو اس وقت ہوا جب جنگ آرمیڈا کے موقع پر کیتھولک کی جد و جہد اپنی انتہائی حد کو پہنچ گئی تھی مگر اس یادگار سال میں آئرلینڈ کے اندر ایک سردار نے بھی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی اگر کچھ کیا تو یہ کہ بینٹری اور سلیگو کے ساحل کے قریب جن آفت رسیدوں کے جہازات ٹوٹ گئے تھے ان کا قتل عام کر دیا۔

فتح اور آبادکاری

اس وقت سے تمام مُلک میں ہر جگہ حکومت کی قوت مسلّم ہوگئی مگر اس قوت کی بنیاد محض خوف پر تھی۔ سیاہی جنوب کی غنیمت و خوں ریزی سے بدست ہو گئے تھے، ان کی زیادتیوں نے منسٹر کی فتح کے بعد ایک ایسی بغاوت کا بیج بو دیا کہ الیزبتھ کو کبھی ایسی سخت بغاوت سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ السٹر کے قبائل میں سڈنی کی حکمت عملی سے تفرقہ پڑ گیا تھا، اب وہ اپنے ستانے والوں کی عام نفرت کی وجہ سے پھر یک دل ہو گئے اور ہیو اونیل انہیں ایک ایسا سردار مل گیا جو قابلیت میں شین سے بھی بڑھا ہوا تھا، ہیو نے انگریزی دربار میں تربیت پائی تھی اور عادات و اطوار اور ظاہری حالت کے اعتبار سے وہ بالکل انگریز تھا۔ سابقہ جھگڑوں میں وہ برابر وفادار رہا اور اس کے صلے میں وہ ٹائرون کا ارل بنا دیا گیا۔ اپنے قبیلے کے ایک حریف سردار کے مقابلے میں اس نے حکومت سے اس شرط کے ساتھ مدد بھی لی کہ وہ اپنے نئے مُلک میں انگریزی قوانین اور انگریزی تقسیم اضلاع کا طریقہ جاری کرے گا۔ مگر جب

وہ بلا شرکت غیرے شمال کا مالک ہو گیا تو معاً اس کے برتاؤ میں فرق آنے لگا۔ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے پہلے ہی ایسا خیال قائم کر رکھا تھا یا اسے خود اپنی نسبت انگریزوں کی طرف سے شک پیدا ہو گیا تھا بہر حال اس نے آخر میں علانیہ مخالفت کا پہلو اختیار کر لیا اور لارڈ گرے کے فتوحات کے وقت سے جو امن قائم ہو گیا تھا اس میں ہیو اونیل کی بغاوت نے عین اس وقت کے اطمینان میں خلل ڈالا جب معاہدہ ورونیش اور دوسرے آرمیڈا کی تباہی کے باعث سے اسپین کی کشمکش سے الیزبتھ کو فراغت حاصل ہوئی تھی۔ آرلینڈ کا معاملہ پھر ملکہ کے لئے خاص پریشانی کا باعث ہو گیا۔ ابتداءً یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی سابقہ ظفرمندیوں کا رُخ پلٹ گیا ہے۔ ٹائرون میں انگریزی فوج کے شکست کہا جانے سے شمالی قبائل ایک عام شورش پر آمادہ ہو گئے۔ سنہ ۱۵۹۹ء میں اس بڑھتی ہوئی بغاوت کے دبانے کے لئے بہت بڑی کوششیں کی گئیں مگر ان میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس ناکامی کا باعث اگر ملکہ کے نائب نوجوان اسکس کی غدارانہ سازش کو نہ قرار دیا جائے تو بھی اس کی رعونت و نافرمانی ضرور اس ناکامی کا باعث ہوئی۔ اس کے جانشین لارڈ ماؤنٹ جوائے نے آئرلینڈ میں آکر دیکھا کہ وہ صرف ڈبلن کے گرد کے چند میل کا مالک ہے۔ مگر اس نے تین برس میں اس بغاوت کا خاتمہ کر دیا۔ اسپین کی ایک فوج اس بغاوت کو اور بھڑکانے

کے لئے کینسل میں اتری ہوئی تھی - ان لوگوں نے بھی مجبور
ہوکر خود کو حوالہ کر دیا - انگریز جس قدر ملک کے مالک ہوتے
۱۶۰۱-۱۶۰۳ گئے، اس پر وہ مسلسل قلعے بناتے ہوئے اپنے قبضہ کو مستحکم کرتے
گئے - نئے نائب السلطنت کی مستعدی اور بے رحمی نے تمام علانیہ
مخالفوں کو پامال کر دیا، اس کے ان مظالم کے بعد ہی قحط پڑ گیا
اور تلوار کی تباہی میں جو کچھ کسر رہ گئی تھی وہ قحط سے پوری ہوگئی۔
ہیو اونیل قیدی جنگ کے طور پر ڈبلن میں لایا گیا اور ارل
ڈسمنڈ (جس نے منسٹر کو دوبارہ بغاوت پر آمادہ کیا تھا) اسپین کو بھاگ گیا - فتح کا کام آخرالامر انجام کو پہنچ گیا۔ ماونٹ جوائے
کے جانشین سر آرتھر چچسٹر کے تحت میں قابلیت اور مستعدی
کے ساتھ یہ کوشش کی گئی کہ مفتوحہ حصہ ملک میں حکومت،
عدالت و ملکیت کا خالص انگریزی طریقہ عام طور پر جاری کرکے
اس کا انتظام مستقل کیا جائے اور قدیم کلٹی آئین حکومت کو
وحشیانہ طریق قرار دیکر اس کا نشان تک مٹا دیا جائے - سرداران
۱۶۰۵ قبائل کے اختیارات ازروئے قانون سلب کرلئے گئے - ان کی
۱۶۰۹ حیثیت بڑے امرا اور زمینداروں کی سی کر دی گئی - اور اہل
قبائل کو ان کی رعایا ہونے کے بجائے ان کا متاجر بنا دیا
گیا اور وہ اپنے آقا کے لئے حسب رواج صرف معینہ رقم
و خدمت کے پابند کئے گئے - جائداد کے مشترک ہونے کا
قبائلی طریقہ منسوخ کر دیا گیا اور قبیلے کی مشترکہ اراضیات انگریزی
قانون کی نقل واری کی صورت میں بدل دی گئی - سرداروں

سے ان کے موروثی اختیارات عدالتی نکال لئے گئے اور ان کے بریہن
یارواجی قانون کے بجائے انگریزی ججوں اور جیوری کے ذریعہ
سے کارروائی کا طریقہ جاری کیا گیا۔ قوم کلٹ نے اپنی مخصوص
ضد کے ساتھ ان تمام کارروائیوں کی مخالفت کی۔ آئرلینڈ کے
جیوری جو اس وقت کرتے ہیں وہی انہوں نے اس وقت بھی
کیا، یعنی کسی کو مجرم قرار دینے سے انکار کر دیا۔ قبیلے کے لوگ
اگرچہ اس بات سے خوش تھے کہ وہ سرداروں کی خود مختارانہ
جبر و زیادتی سے آزاد ہو گئے ہیں مگر وہ بدستور انہیں رئیسوں کو
اپنا سردار سمجھتے رہے۔ انگلستان کے زور دینے پر چیسٹر نے
یہ کوشش کی کہ مذہب میں یکسانی پیدا کی جائے مگر اس میں
اسے قطعاً ناکامی ہوئی کیونکہ اہل آئرلینڈ کی طرح "حلقے" کے
اندر کے رہنے والے انگریز بھی مذہب کیتھولک پر قائم رہے۔
اس کارروائی کا اگر کچھ نتیجہ ہوا تو یہی کہ اس مذہب مشترک
کی بنا پر، دونوں قومیں ملکر ایک نئی آئرش قوم بن گئی۔
تاہم نائب السلطنت کی مضبوط اور اعتدال پسند حکومت نے
بہت کچھ کیا اور یہ آثار پیدا ہو چلے کہ اہل ملک بتدریج نئے طریقوں
کو قبول کریں گے مگر الزبتھ کے جانشین کے عہد میں انگلستان
کی مجلس شاہی نے یکایک ایک عظیم انقلابی طریقہ پر کاربند
ہونے کا ارادہ کیا اور اس ارادہ پر عمل کرنا بھی شروع کر دیا۔
یہ انقلاب "آبادکاری السٹر" کے نام سے مشہور ہے۔ چیسٹر ۱۶۱۰
کے باامن و محتاط طرز عمل کو چھوڑ کر ایک وسیع پیمانہ پر

غصب و غارت کا طریقہ اختیار کیا گیا - اس جرم میں کہ کچھ زمانۂ قبل اہل ملک نے بغاوت کی کوشش کی تھی شمالی آئرلینڈ کا وہ حصہ تاج کے لئے ضبط کر لیا گیا - اور یہ ساری زمین اسکاٹش اور انگریزی نسل کے نئے بسنے والوں کے درمیان تقسیم کر دی گئی - اس میں شک نہیں کہ مادی نتائج کے لحاظ سے السٹر کی اس آبادکاری میں نہایت نمایاں کامیابی ہوئی - ٹائرون کے غیر آباد ویرانے نہایت عجلت کے ساتھ کھیت، مکانات اور چکیوں سے بارونق بن گئے - لنڈن کی مجلس بلدی نے ڈری کی نوآبادی اپنے ذمہ لی اور اس چھوٹے سے شہر کو لنڈن ڈری کا نام عطا کیا جو اپنی بہادرانہ مدافعت کی وجہ سے اس قدر مشہور ہو گیا ہے - دولت و علمیت کے لحاظ سے السٹر کو باقی حصص آئرلینڈ پر جس اقتصادی تمول کی وجہ سے فوقیت حاصل ہو گئی ہے، اس کی بنیاد بے شک و شبہ اسی ۱۶۱۰ء کی ضبطی سے قائم ہوئی اور اُس زمانے میں اس بات پر بجز خفیہ بد دلی کے اور کوئی مخالفت بھی نہیں ہوئی جو اہل ملک نکال دیئے گئے تھے رنج و غصہ کے ساتھ ان زمینوں پر چلے گئے جو اس غارت و تاراج کے بعد ان کے لئے باقی رہ گئی تھی لیکن اہل آئرلینڈ کے دلوں سے انگریزی انصاف کا اعتماد بالکل اُٹھ گیا اور اس مُہلک بد دلی کی بنا قائم ہو گئی جس کا انجام بعد میں ظلم و ستم اور قتل عام پر ہوا -

البزبتھ کا انتقال

آبادکاری السٹر کا بیان ہمیں اپنی داستان سے باہر نکال

لے گیا۔ ماؤنٹ جوائے کی ظفرمندی نے الیزبتھ کے آخری ایام کو روشن کر دیا تھا مگر اس لبِ گور ملکہ پر جس مایوسی اور اُداسی کا ہجوم ہو رہا تھا اُسے کسی طرح کی خوشی مٹا نہیں سکتی تھی۔ تنہائی ہمیشہ سے اس کی رفیق رہی تھی۔ مگر وہ قبر سے جسقدر قریب ہوتی جاتی تھی، اسی قدر اس کی تنہائی پسندی میں زیادتی ہوتی جاتی تھی۔ اس کے اوائلِ عہد کے مُدبّرین و جنگ آزما ایک ایک کرکے اُسکی مجلس سے اُٹھ گئے تھے اور اُن کے جانشین اس کے آخری دم کا انتظار کر رہے تھے اور آئندہ عہد میں اپنے رسوخ کے جوڑ توڑ میں لگے ہوئے تھے۔ اس کے منظور نظر لارڈ اسکس نے دیوانہ وار بغاوت کر دی اور قتل کیا گیا۔ دربار کی قدیم شان و شوکت گھٹتے گھٹتے بالکل مٹ گئی۔ صرف عہدہ دار ملکہ کے گرد رہ گئے تھے، ورنہ "مجلس کے دوسرے ارکان اور اُمرا ہر موقع پر کشیدگی کرنے لگے تھے۔" اپنی جس رعایا کی ستائش کی وہ اس درجہ خواہاں رہتی تھی وہی اس کے جلوس کے وقت سرد مہری اور خاموشی سے کام لینے لگی۔ فی الحقیقت زمانے کا انداز بدل رہا تھا اور اس تغیر کے ساتھ لوگ اس سے رُوگرداں ہوتے جاتے تھے۔ اس کا وہ انگلستان جسے اسی کے نظروں کے سامنے یہ ترقی حاصل ہوئی تھی وہ اپنی متانت اپنے اخلاق اور اپنے سادہ پن کے باعث اس ملکہ سے جو اس "نشأۃ جدیدہ" کی یادگار تھی، اس کے طمطراق، اسکی تخیّل پرستی اور اس کی بے باکی سے جھجکتا تھا۔ اپنے زمانے کے

اور لوگوں کی طرح الیزبتھ نے بھی زندگی کا لطف اُٹھایا تھا اب وہ لوگ دنیا سے اُٹھ گئے تھے مگر الیزبتھ اسی طریق زندگی پر اصرار کے ساتھ جمی ہوئی تھی۔ وہ ستر۷۰ برس کی عمر میں تمام وہی سب کام کرتی تھی جو تیس۳۰ برس کی عمر میں کیا کرتی تھی۔ شکار کھیلتی، ناچ میں شریک ہوتی اپنے نوجوان ندیموں سے مذاق کرتی اور اُن کے ساتھ ناز و ادا، خفگی و دل لگی سے پیش آتی تھی۔ اس کے ایک درباری نے اس کے انتقال کے چند ماہ قبل لکھا تھا کہ "ملکہ میں اس وقت جو بانکپن ہے وہ ادھر کئی برس سے نظر نہیں آیا تھا نہ اس میں اس وقت کی سی خوش طبعی پہلے کبھی دیکھی گئی تھی"۔ باوجود مخالفت کے وہ شاندار جلوس کے ساتھ مفصلات کے محلات میں سے ایک محل سے دوسرے محل کی طرف سفر کرتی رہتی تھی۔ وہ مثل سابق کام پر بھی جمی رہتی تھی" اور جو لوگ کسی کام کا حساب نہ دیتے تھے، انہیں حسب معمول جھڑکی بھی دیتی رہتی تھی" مگر موت آہستہ آہستہ اپنا کام کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ بے رونق ہو گیا تھا اور جسم بالکل ہڈیوں کا ایک ڈھانچ رہ گیا تھا۔ آخر اس کا نفاست پسندی کا شوق جاتا رہا۔ ایک ہفتہ بھر اس نے کپڑے تک نہیں بدلے، ایک عجیب طرح کا رنج و غم اس پر طاری ہو گیا تھا۔ اس کے آخری دنوں کے دیکھنے والوں میں سے ایک شخص نے لکھا ہے کہ "وہ ایک سونے کا پیالہ اپنے ہاتھ میں لئے رہتی اور اکثر اسے اپنے ہونٹوں سے

لگا لیتی تھی۔ فی الحقیقت اس کا دل اس قدر بھرا ہوا تھا کہ اب اس میں مزید گنجائش نہیں رہی تھی"۔ رفتہ رفتہ اس کا دل بیٹھ گیا، قوت حافظہ جاتی رہی اور اس کی بد مزاجی ناقابل برداشت ہوگئی۔ اس کی ہمت تک نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس نے یہ حکم دیا کہ ایک تلوار ہر وقت اس کے پاس رکھی رہے۔ اور وقتاً فوقتاً وہ تلوار کو اٹھاکر پردوں میں کونچتی تھی، گویا پردے کے پیچھے سے وہ قاتلوں کی آواز سنا کرتی تھی۔ غذا اور آرام دونوں سے اسے نفرت ہوگئی تھی وہ ایک تپائی پر تکیوں کے سہارے سے تمام رات دن بیٹھی رہتی، انگلی ہونٹھ پر رکھی ہوتی اور نظر فرش پر جمی رہتی تھی۔ زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلتا تھا۔ اس خاموشی کو اگر کسی شے نے توڑا تو وہ اس کی قدیمانہ زور شاہی کی ایک چمک تھی۔ رابرٹ سیسل نے زور دے کر یہ کہا کہ اسے بستر پر لیٹ جانا "چاہیئے"۔ اس لفظ سے وہ ایسی چونک پڑی کہ گویا وہ بگل کی آواز تھی اور جوش کے ساتھ کہا کہ "چاہیئے" کیا بادشاہوں سے خطاب کرنے کے لئے یہی لفظ "چاہیئے" رہ گیا ہے۔ اے ذلیل شخص اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو اسے بھی اس لفظ کے زبان سے نکالنے کی جرأت نہ ہوتی"۔ غصّے کے فرو ہو جانے پر پھر وہی پہلی سی پژمردگی طاری ہوگئی۔ اس نے کہا کہ "تمہاری یہ بے باکی صرف اس وجہ سے ہے کہ تم جانتے ہو کہ میں مر رہی ہوں"۔ اس کے بستر کے گرد جب وزرا نے لارڈ بیچم کی دجو سفک کے حق کا

وارث تھا) جانشینی کا خیال ظاہر کیا تو ایک بار پھر اس نے جھنجلاکر تھرّائی ہوئی آواز میں کہا کہ "ایک بدمعاش کے لڑکے کو میں اپنی جگہ پر بٹھانا نہیں چاہتی" مگر جب شاہ اسکاٹ لینڈ کا نام لیا گیا تو اس نے سوا سر کے اشارے کے اور کوئی علامت نہیں ظاہر کی۔ درحقیقت اس کے حواس بہت جلد
۱۶۰۳ جلد معطل ہوتے جاتے تھے اور دوسرے روز صبح سویرے اس کی زندگی وہ عظیم الشان زندگی جو اپنی عظمت میں تنہا اور بیگانہ وار تھی خموشی میں ختم ہو گئی۔

نوٹ

اس تاریخ کا جو اڈیشن ۱۹۱۱ء میں الاش اسٹاپفرد گرین نے نظر ثانی کر کے طبع کرایا ہے اس میں کچھ ترمیمیں اور اضافے بھی کئے ہیں، خاصکر آئرلینڈ کے بیانات میں بہت تغیر و تبدل کیا ہے۔ چونکہ اصل مصنف کی تحریر کا قائم رکھنا بسا ضروری تھا اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ ان ترمیموں اور اضافوں کو بطور ضمیمہ کے آخر میں شامل کردیا جائے، تاکہ اس باب میں جدید تحقیقات و معلومات کی بنا پر جو رائیں تبدیل ہوئی ہیں، ان کا بھی علم ہو جائے اور مصنف کی اصل تحریر بھی بدستور باقی رہے۔

ضمیمۂ باب ہفتم جزو ہشتم

صفحہ ۶۰۹ - سطر ۲۰ (کل پیراگراف از سرنو ترجمہ کیا گیا)

آئرلینڈ کی آخری فتح کی کیفیت سمجھنے کے لئے ہمیں پیچھے مڑکر ہنری دوم کے عہد پر نظر ڈالنا چاہئے، آئرلینڈ کے مبلغین نے جب اول اول مذہب و علم کی روشنی نارتھمبریا کے سواحل پر منور کی ہے، اس کے بعد سے پھر آئرلینڈ و انگلستان میں تعلقات آمد و شد بہت کم ہو گئے تھے، نارسمین (اہل شمال) اور ڈینز کے بت پرست گروہوں نے جس طرح انگلستان پر حملہ آور ہوکر وہاں خوفناک تباہی برپا کر دی تھی، وہی حال انہوں نے آئرلینڈ کا بھی کیا تھا۔ ایک صدی کی تباہی کے بعد وسکس کے بادشاہوں کی طرح آئرلینڈ کے بادشاہوں نے بھی اپنے ملک کی خلاصی کے لئے پیہم لڑائیوں کا سلسلہ جاری کیا اور برہم بوریادشاہ منسٹر نے مقام کلانٹارف میں فتح حاصل کرکے آئرلینڈ میں ڈینز کی طاقت کو آخرالامر توڑ دیا۔ اب وہ وقت آیا کہ اس مسلسل و دائمی جنگ نے جس طرح ہر شئے کا شیرازہ بکھیر دیا تھا اسے پھر بتدریج حالت سابقہ پر لایا جائے۔ سواحل کے ڈینز آبادکاروں نے اندرونی ملک کو کبھی فتح نہیں کیا تھا، اور وہاں اہل آئرلینڈ

مثل سابق قبیلوں کی حالت میں آباد تھے، ان گروہوں کا ربط باہمی کمزور سا ہوتا تھا اور اس کا انحصار صرف قرابت پر تھا۔ یہ لوگ بادشاہ کی حکومت کا اعتراف صرف ادائے خراج سے کرتے تھے مگر اس کی اطاعت بہت ہی کم کرتے تھے۔ قبیلوں میں لڑائیاں بکثرت ہوتی رہتی تھیں، مویشیوں کے لئے فسادات ہوتے تھے اور یرغمال حاصل کرنے کے لئے یورشیں ہوتی تھیں۔ دو سو برس کے ڈینی حملوں نے ان خرابیوں کو اور سخت کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی جنگ کے اور نئے اسباب بھی پیدا کردئے تھے۔ حملہ آوروں نے ساحل پر ڈبلن، واٹرفرڈ اور لمرک کے جو شہر بسائے تھے وہ آبادی وتمدن کے لحاظ سے بدستور ڈینی شہر رہے، اور آس پاس کی کلٹی قوموں سے ان کی جنگ و جدل ہمیشہ جاری رہتی تھی، اگرچہ اکثر لڑائیوں میں شکست کھاکر اُنہیں خراج دینا پڑتا تھا۔ اہل آئرلینڈ سے مخالفت کرتے اور برائے نام آئرلینڈ کے بادشاہوں کی سیادت بھی تسلیم کرلیتے۔ ساحلی شہروں کے ڈینیز نے جن کے تبدیل مذہب کا سلسلہ انگلستان سے شروع ہوا تھا۔ اپنے اساقفہ کے تعین کے لئے بھی مستقر کینٹربری کی طرف نظر ڈالی اور لینفرینک کی اس مذہبی نگرانی کا حق قبول کر لیا جسے کلیسائے آئرلینڈ نے مسترد کردیا تھا۔ ان غیر ملکیوں کی چھوٹی چھوٹی بادشاہیوں سے نہ صرف مرکزی حکومت کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی بلکہ آپس کی جنگ و جدل کے اسباب و مواقع میں بہت اضافہ ہوگیا

تھا۔ دوسری طرف خوش حالی و اتحاد پیدا کرنے کے لئے بھی بہت زبردست قوتیں اپنا عمل کر رہی تھیں ۔ آئرلینڈ کی زندگی محض وحشیانہ بدنظمی کا منظر نہیں تھی ۔ آئرلینڈی قانون جس کا مطالعہ سنکس مار (Senchus mor) اور دوسری کتابوں میں ہو سکتا ہے، اس کی تاویل وتشریح، موروثی و عدالتی حکّام تمام جزیرے میں کرتے رہتے تھے، اور خانگی حقوق میں اس قانون کا اثر تہذیب افزا پڑ رہا تھا، اگرچہ مرکزی قوت کی کمزوری نے اس قانون کو چھوٹی چھوٹی بادشاہیوں کے تنازعات میں کام دینے کے قابل نہیں رکھا تھا۔ جو زمینیں قبیلہ کے مشترکہ قبضہ میں ہوتی تھیں ان میں خوش انتظامی کی وجہ سے عام طور پر عافیت و اطمینان کا یقین رہتا تھا۔ ڈینی حملوں کے بعد بھی ایسے مدارس بچ رہے تھے جو اپنے علوم و فنون اور علما کی قابلیت کی وجہ سے شہرۂ آفاق رہ چکے تھے اور علمی گروہوں کی ترقی سے علمیت کے قوی اثر کا پتہ چلتا تھا۔ کلیسائے آئرلینڈ جس کا نظم و نسق قبائلی اصول کے موافق تھا، وہ اعلیٰ قابلیت کے علماء و کاتبان کتب، اور ہر فن کے بے نظیر ماہرین کی قدردانی کرتا تھا۔ دوسری طرف ڈینیز اپنی جگہ پر اپنی وسیع تجارت کا سلسلہ لیکر آئرلینڈ میں آئے تھے ۔ اس تجارت میں اہل آئرلینڈ نے بھی حصہ لیا اور اغراض متحدہ کی وجہ سے دونوں قوموں میں ایک طرح کا امتزاج و اختلاط پیدا ہو گیا۔ آٹھویں صدی سے انگلستان کی با امن آمد و رفت کا جو سلسلہ منقطع ہو گیا

تھا، اب آئرلینڈ کے تاجروں کے کپڑا لیکر آلی تک جانے سے ایک حد تک پھر قائم ہو گیا۔ معہذا بر اعظم سے زیادہ قریبی تعلق کی وجہ سے کلیسا و سلطنت دونوں میں یکساں ترقیاں نمودار ہوئیں۔ آرماہ کے اسقفان اعظم کے تمام ملک میں گشت کرنے اور پے در پے مجالس مذہبی کے انعقاد سے اکثر اعتبارات سے کلیسا کی حالت ابتدائی قبائلی حیثیت سے بدل گئی تھی تاآنکہ وہ عام یورپی دنیا کے انضباط کے مشابہ ہو گئی۔ مزید براں جس زمانہ میں کلیسائے آئرلینڈ ڈینیز کے مستقرہائے مذہبی کو کینٹربری کی اطاعت سے نکال کر آرماہ کے تحت حکومت میں لا رہا تھا، اسی زمانہ میں سلطنت بھی عزم و استقلال کے ساتھ یہ کوشش کر رہی تھی کہ ایک وسیع الاقتدار بادشاہ کے تحت میں ڈبلن کو پایہ تخت اور آرماہ کو دارالعلوم قرار دیکر، ڈینز اور اہل آئرلینڈ کو ایک دولت عامہ کے تحت میں متحد کریں۔ جزیرے کی خالص کلٹی حیثیت میں کچھ نہ کچھ کمی ہوتی جارہی تھی۔ پس اس قسم کے تقلیبی زمانہ میں باہمی جنگ و جدال اور پریشانیوں کا پیش آنا کوئی تعجب انگیز امر نہیں ہے اور اس لئے اس ملک سے جنگ کرنے کے لئے ہنری دوم کی اولوالعزمی کو اگر کسی حیلہ کی ضرورت تھی تو ملک کی یہ حالت اس کے اس حیلہ کے لئے کافی تھی۔ اس نے اپنی تاجپوشی کے چند ہی ماہ کے اندر جان (سالسبری) کو اس جزیرے پر حملہ کرنے کے لئے پوپ کی منظوری حاصل کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ ....

....اس نے اپنی فوج کو برّاعظم میں ملک گیری کی طرف متوجہ کر دیا۔

صفحہ ۶۱۲...... سطر ۹

اور .... کھلانے لگے۔

(طبع جدید)۔ لیکن یہ نو وارد انگریز اپنے سمندری ساحل کے ڈروجیڈا، ڈبلن، ویکسفرڈ، واٹرفرڈ اور کارک کے محصور قصبوں میں محفوظ و مصئون تھے جہاں سے کوئی اندرونی طاقت ان کو خارج نہیں کر سکتی تھی؛ اور گرجوں اور خانقاہوں کے مواقع پر (جو مقابلہ سے بالکل بے بس تھے) قبضہ کر کے انہوں نے حصاروں کا ایک مضبوط سلسلہ قائم کر لیا تھا اور اس طرح قبائل کے اختلافات سے کام لیکر اور انہیں اور بڑھا کر وہ اندرون ملک میں اپنی قوت کو وسعت دے سکتے تھے۔

صفحہ ۶۲۰...... سطر ۱۹

اپنے انداز و اطوار .... شامل کر لیا تھا۔

(طبع جدید) نارمنوں کے آپس کے جھگڑے بھی ویسے ہی غیر مقطوع تھے جیسے خود آئرلینڈ کے قبائل کے تھے اور سرحدی علاقوں میں زیادہ بیباک اشخاص کلٹی سرداروں کے ملکی قانون کے حدود اختیار سے بڑھی ہوئی چیرہ دستانیوں کے ساتھ اپنی جابرانہ ظلم و زیادتی کے مصائب کا بھی اضافہ کر دیتے تھے۔

صفحہ ۶...... سطر ۲۱

اس خاندان عظیم.................. ایک لڑکا باقی رہگیا۔

(طبع جدید) ایک خط جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس کے شدید ترین دشمن الن (اسقف اعظم ڈبلن) نے جعلی طور پر بنایا تھا، اس کے (کلڈیر کے) بیٹے سلکن ٹامس کے پاس پہنچا دیا گیا، جس میں اسے یہ اطلاع دی گئی تھی کہ اس کا باپ قتل کر دیا گیا ہے، ٹامس بیس برس کا ایک نو عمر شخص تھا اس نے.... مایوسی میں اپنے پیروؤں سے مسلح ہونے کے لئے کہا اور اسقف اعظم الن کو بھاگتے ہوئے گرفتار کرکے مار ڈالا۔ یہ باغی جب قلعہ کے سامنے سے پسپا کئے گئے تو وہ اندرونِ ملک کی طرف ہٹ گئے۔ کلڈیر کو جب یہ خبر ہوئی کہ اس کا بیٹا غدار قرار دیدیا گیا ہے تو وہ دل شکستہ ہوکر ٹاور میں مرگیا۔ ہنری نے اب آئرلینڈ پر پوری طرح تسلّط جمانے کا عزم کر لیا اور کرامول اس کی غرض کو عمل میں لانے کے لئے موجود تھا۔ ایک نیا لارڈ ڈپوٹی (نائب السلطنت) ایک توپخانہ اپنے ساتھ لایا جس سے جزیرے کی سیاسی نوعیت میں حیرت انگیز تغیر واقع ہو گیا۔ خاندان جریلڈائن کا قلعہ، مے نوتھ چند دنوں میں سر ہوگیا اور چھ ماہ بعد ارل ٹامس نے جان بخشی کی شرط پر اطاعت قبول کرلی۔ اسے لندن میں لایا گیا اور اپنے پانچ چچاؤں کے ساتھ اسے بھی ٹائبرن میں پھانسی دیدی گئی۔ اب اس نارمن خاندان کی طاقت جو تمام آئرلینڈ پر حاوی تھا بالکل ٹوٹ گئی اور صرف ایک نوخیز لڑکا جو ایک گھانس سے بھری ہوئی ٹوکری میں چھپ کر بھاگ گیا تھا، اس خاندان کا نام لیوا رہ گیا۔

صفحہ ۶۲۸ .... سطر ۔ ۹

اس طریقے کی .... مشکل تھا۔

(طبع جدید) اس طریقے کے نقائص ایسے تھے کہ اس زمانہ کے مُدبّرین سے بہ مشکل یہ توقع ہوسکتی تھی کہ وہ اسے محسوس کریں گے۔

صفحہ ۶۲۰ .... سطر ۔ ۹

ملکی سرداردن .... متروک ہوگئی۔

(طبع جدید) مجلس شاہی کے اُمرا اور سرکاری عہدہ داروں نے اسقف روما یعنی پوپ کی اطاعت کے ترک کر دینے اور ہنری کو حضرت مسیح کے زیر سایہ کلیسائے انگلستان و آئرلینڈ کا سرپرست اعلیٰ تسلیم کرلینے میں مطلق تامل نہیں کیا۔ پارلیمنٹ کی سخت مخالفت کے باوجود خانقاہوں کے بند کرنیکا قانون بزور نافذ کر دیا گیا۔ چند برس کے اندر اندر "حلقہ انگریزی" میں تقریباً پچاس خانقاہیں بند کر دی گئیں۔ البتہ آئرلینڈ کی اضلاع میں اس کارروائی کی رفتار سست و غیر متیقّن رہی اور وہاں پر یہ تباہی انگیز کام دوسری صدی تک مکمل نہیں ہوا۔ اس کارروائی کے نتائج تہذیب و تمدن اور مذہب کے لئے مُہلک ثابت ہوئے۔ حلقہ کے اندر ان مذہبی مکانات کے علاوہ اور کہیں مدارس کا وجود نہیں تھا۔

صفحہ ۶۳۱ .... سطر ۲ ....

واعظ اگر تھے تو صرف فرائر تھے

(طبع جدید) حذف

صفحہ ۶۳۱ ...... سطر ۸ ... با ایں ہمہ .... کم ہوئے لیکن۔

(طبع جدید) حذف

صفحہ ۶۳۶ ...... ۱۷ سطر۔

فٹنر پیٹرک

(طبع جدید)۔ میگکیولا فیڈریوگ

صفحہ ۶۳۶ ...... سطر ۔ ۲۰

تہذیب میں نمایاں طور پر ایک قدم آگے بڑھتا تھا۔

(طبع جدید) شمال کے زیر کرنے میں نمایاں طور پر ایک قدم آگے بڑھتا جاتا تھا۔

صفحہ ۶۳۶ ...... سطر ۱۲ جزیرے کے جنوب میں ... لگے تھے۔

(طبع جدید) حذف

صفحہ ۶۳۱ ...... سطر ۔ ۲

قبائل اوکانر کا حصۂ ملک انگریز آباد کاروں کو دیدیا گیا۔

(طبع جدید) اوکانر نیلی اور قبائل لکس کا حصۂ ملک انگریز آباد کاروں کو دیدیا گیا۔

صفحہ ۶۳۷ ...... سطر ۔ ۴

شین اونیل

(طبع جدید) شین (سیگھین) اونیل ۔

صفحہ ۶۴۴ ...... سطر ۱۰ ......

سیمن نے خاندان اوڈانل سے شکست کھاکر ..... دس برس امن کے مل گئے۔

(طبع جدید) شینن نے خاندان اوڈانل سے شکست کھاکر مدد کے لئے اسکاٹ سے خط و کتابت شروع کی مگر ایک اسکاٹ کی تدبیر سے جس سے سڈنی نے اس کے قتل کرنے کے لئے قرار داد کرلی تھی۔ ایک ہنگامی جھگڑے میں مار ڈالا گیا۔ نائب السلطنت نے اب اپنی سپاہ کو منسٹر کے زیر کرنے کی طرف متوجہ کیا جہاں خاندان ڈسمنڈ کے بہت بڑے سرگروہ جمیز فٹز مارس نے انگریزوں کی اس دست درازی کا مقابلہ اس طرح کیا کہ مشترک مذہب کے رشتۂ ارتباط سے آئرلینڈی انگریزوں اور اصلی باشندوں کو نائب السلطنت کے خلاف متحد کرلیا۔

صفحہ ۔۔۔۔۔۔۔ سطر ۱۸

درحقیقت آئرلینڈ میں ....ایک شکایت نہیں ہے۔

(طبع جدید) درحقیقت کسی قسم کی شدید مذہبی باز پرس نہیں ہوتی تھی اور جو جنگ و جدل جاری تھی ان کی بنا سیاسی و مذہبی تفوّق کے حصول پر تھی۔

صفحہ .... سطر ۔ ۱۵

ارل ڈسمنڈ .... ویران کر دیا۔

(طبع جدید۔ بعد جملہ مذکورۂ بالا)۔ منسٹر میں انگریز صاحبان جائداد کے آباد کرنے کے بعد خاندان ڈسمنڈ کا علاقہ بھی ضبط کر لیا گیا، اور اسے متعدد جائدادوں میں تقسیم کر کے نئے آنے والوں کو دے دیا گیا۔

صفحہ ۶۴۶........ سطر ۶

قبیلہ کے لوگ اگرچہ اس بات سے بہت خوش تھے.....سردار سمجھتے رہے۔

(طبع جدید) وہ بدستور اپنے سرداروں کو سردار سمجھتے رہے۔ انہوں نے قبیلہ کی زمینوں اور ان کی سرحدوں کی روایات کو قائم رکھا۔

صفحہ ۶۴۶........ سطر ۲۰

پیچسٹر کے با امن................ اختیار کیا گیا۔

(طبع جدید) ایک وسیع پیمانہ پر غضب دغارت کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

صفحہ ۶۴۷........ سطر ۵

اس میں شک نہیں........... کامیابی ہوئی۔

(طبع جدید) ۔ حذف

صفحہ ۶۴۷........ سطر ۱۱.....

دولت و علمیت کے لحاظ سے........... اور کوئی مخالفت بھی نہیں ہوئی۔

(طبع جدید) السٹر کی اقتصادی تجدید کی بنا اس زمین پر اس قوم کی آباد کاری سے قائم ہوئی جو حکومت کے شرائط کے مطابق وہاں آباد ہوئی تھی۔ یہ ایسے کاشتکاروں کی نسل تھی جو اپنے ان حقوق کاشتکاری کے حاصل کرنے کے لئے بڑی سختی سے سینہ سپر رہے جن کے عطا کرنے سے السٹر کے باہر کے تمام لوگوں سے انکار کر دیا گیا۔

صحت نامہ تاریخ اہل انگلستان حصۂ دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷	۵	(کائٹ ،	گانٹ
۱۱	۷	فرانسی	فرانسیسی
۱۴	۲	بوسے ہیں	بوٹے میں
۱۸	۱	گی رین	گی این
"	۱۷	"	"
۱۹	۵	"	"
۲۴	۱۲	"	"
۲۸	۱۴	پاس بھیجین	پاس نہ بھیجیں
۳۱	۴	ہائیس	بائیس
۵۱	۹	اولین	اولین
۵۲	۱۹	·بہی	تہی
۵۷	۱۸	جس کی درباریون کی سی وضع	جس کی وضع درباریون کی سی تھی
۶۳	۱۰	پہنے	سپٹے
"	۱۷	وکلف اس	وکلف نے
۶۴	حاشیہ	پراٹسٹنٹ	پروٹسٹنٹ
۶۶	۳	تھی وہ	تہی تو وہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۸	۱۸	اسی مختصر اہل علم کے	اہل علم کے اسی مختصر
۶۹	۱	یاوری	پادری
"	۶	شکایت کی وکلف	شکایت کی کہ وکلف
"	۹	دو	دو
۷۲	۲۱	اب	اس
۷۴	۳	یہ	×
۷۸	۴	ویلبن	ویلین
"	۲۰	نانٹ قانون دان	نانٹ اور قانون دان
۷۹	۴	جبرل	پچرل
"	۱۳	قبول اور	قبول کرتا اور
۸۰	۱۴	ہوگئی تھیں	ہو گئے تھے
۸۷	۱۹	یہی تھی	یہی نہیں تھی
"	۲۰	اسی	اس
۹۰	۱۲	اس	اسی
"	۲۱	وہ عہدہ داروں کا	وہ عہدہ دار انکا
۹۴	۷	اشتراکیت کی	اشتراکیت کے
۹۷	۴	سح	مسیح
	۱۹	جبتک وہ	جبتک وہ "اسی ڈیڈورا" کارگ نہ کائے
"	۲۰	مین سے	مین اسے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۰	۱۱	سیوائے	سیوائے
۱۰۲	۴	جبکی	پنچکی
۱۰۳	۸	سرغنے	سرغنہ
۱۰۸	۱	تلا ہوا ہے	تلا ہوا تھا
۱۰۹	۹	خوش	خوشی
۱۱۷	۱	قائم	قائمُ
۱۱۸	۱۹	آزاد مردوں	آزاد مزدوروں
۱۲۲	۳	بجز	بجبر
۱۳۴	۱۷	ہی	یہی
۱۴۷	۲۰	آژہن	آژن کور
۱۵۴	۲	(Societe de) (Historie de France)	(Societe de) (Historie de France)
״	۱۳	مثلے	مشلے
״	۱۸	اعتبار ہے	اعتبار سے
״	۲۲	انتہای	انتہاے
۱۵۹	۱۰	اس کے	ان کے
۱۶۶	۱۶	مین	مین
۱۹۴	۱۵ ۱۷	بادشا۔ گر	بادشاہ گر
۲۰۱	۱۰	پلمین	پلمین
۲۰۲	۱۴	کہ	لکھہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰۷	۱۵	دارالعوام	ارکان دارالعوام
۲۱۲	۱۳	بہی کثرت سے	یہی کثرت
۲۱۸	۵	مختلف ہنیں ہے	مختلف ہے۔
۲۲۰	۱۱	بعد ہی	بعد میں
"	۱۲	علم تجدید	علمی تجدید
۲۲۵	۴	اسی حکم	اس حکم
۲۲۸	۳	ہنری ہفتم	ہنری ہفتم کو
۲۲۹	۸	مارٹن	مورٹن
۲۳۰	۱۵	عدالت ستارہ منزل	(عدالت ستارہ منزل)
۲۳۱	۱۲	عہد کے	عہد کی
۲۳۲	۱۷	فتح رومی سلطنت	فتح اور رومی سلطنت
۲۳۳	۷	صف	صنف
۲۳۶	۱۰	آئی تھی	آتی تھی
۳۳۸	۹	اس کی	یہ اس کی
۳۴۴	۱۵	روسائے	روسا
۳۷۵	۲	قداس	(قداس)
۳۷۶	۶	اول	اول بار
۳۸۵	۱۷	اعتصا	اغتصاب
۳۹۳	۸	سب	سب کے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۱۳	۱۴	اس میں ان ہورتون	اس میں مورتوں
۴۱۸	۲	خطرۃً	فطرۃً
۴۲۶	۱۵	اس	اسی
۴۲۸	۹	وہ	دو
۴۳۵	۱۳	بائی لینڈر	ہائی لینڈز
۴۵۱	۲	بھی	یہی
۴۵۴	۵	جنمیں	جنہیں
۴۵۸	۲۰	مجبور کیا	مجبور رکھا
۴۶۰	۱	رعایا	رعایائے
۴۶۲	۲۱	اثر	•
۴۶۴	۲۱	نارفک	اس
۴۶۵	۳	اس کے ضرورت	اس کی ضرورت
۴۷۲	۱۳	ان	اون
۴۷۳	۱۴	دولت کی	دولت کے
״	۱۶	کے	کی
۴۷۵	۴	باربرداری بیڑہ	باربرداری کا بیڑہ
״	۱۲	یوسٹن	بوسٹن
۴۷۶	۲۰	ڈہیل	وہیل
۴۸۰	۵	حصہ	حصے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۸۲	۱	کردیا تھا	کردیتا تھا
"	۷	زندگی جدت	زندگی کی جدّت
"	۸	ریچھون لڑائی	ریچھوں کی لڑائی
۴۸۴	۱۲	ارلی اوستو	اری ادستو
۴۹۰	۶	ابل بڑے ہیں	ابل پڑے ہیں
۴۹۲	۱۲	پیش روؤن	پیشرون
۴۹۴	۱۱	حیثیت	خسّت
۵۰۱	۱۳	نہیں	انھیں
۵۰۶	۱۳	کا	کی
۵۴۳	۱۰	جزائر	.
۵۵۲	۴	دوبرس	دوسوبرس
۵۵۴	۱۲	انسانی علم	انسانی کے علم
۵۶۹	۲۰	مجسے	اس مجسمے
۵۸۳	۱۰	انسانون	افسانون
۵۸۷	۲	کلیسا	کلیسائے
۵۸۶	حاشیہ	زمانے کے بعد	زمانۂ مابعد
۵۹۱	۵	کوشش	کوششن
۶۰۳	۲	لیکن	بیکن
۶۰۴	۱	سطی فردعی	سطحی وفردعی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
״	۲	سے	ہیں
״	۱۴	اقتدار	اقتدا
۶۱۳	حاشیہ	اسٹرانگ یو	اسٹرانگ بو
۶۲۶	۵	ہجکتا	جھجکتا
۶۳۴	۷	رہتا جاتھی	رہنا چاہتی
۶۴۴	۹	آرلینڈ	آئرلینڈ
۶۶۲	۱۱	صفحہ ۶۴	صفحہ ۶۴۷